زندگی کی حسین راہگزر

سمیرا شریف طور

فہرست

زندگی کی حسین رہ گزر

''جی! لڑکا کہاں ہے؟ اسے بھی بلوا دیجیے ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' ایک گھنٹے میں امی نے کوئی دسویں بار یہ خواہش ظاہر کی تھی اور لڑکے کی ماں ہر بار کی طرح اس بار بھی پہلو بدلنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔

''جی جی! دکان سے اُٹھ کر آنا تھا، میں نے کہا بھی تھا کہ مت جاؤ مگر شہباز بھی دن ضائع نہیں کرتا، بڑا محنتی ہے میرا بیٹا۔ کہنے لگا کہ جب مہمان آئیں تو فون کر دیں، میں آ جاؤں گا۔ بس آنے والا ہو گا۔ اے زویا! بھائی کے نمبر پر فون کر کے پوچھو تو سہی کب تک آ رہا ہے؟'' لڑکے کی والدہ کا لمبا چوڑا بیان جاری ہوا تھا ساتھ ہی انہوں نے اپنی دختر نیک اختر کو بھی مخاطب کیا۔

''جی...... جی...... کیا کہا......؟'' بیٹی صاحبہ والدہ ماجدہ کے فرمانِ شاہی سے یکسر انجان تھی اور کیوں نہ ہوتی محترمہ کی ساری توجہ اندر داخل ہونے کے بعد تو محترم عمر صاحب کی طرف مبذول تھی اور گاہے بگاہے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پاکستانی ہیروئنوں کو بھی شرمانے کی مات دے رہی تھی۔

''واٹ از اے اسٹینڈرڈ......'' مریم کا حلق تک کڑوا ہو گیا ایک بے حد غصیلی نگاہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس عمر پر ڈالی، جو اس محترم کے مقابل راجہ اندر بنا بیٹھا تھا۔

''کمینہ...... اپنی اوقات دکھانے سے باز نہیں آئے گا......'' اس کا دل جل کر خاک ہونے لگا۔

''اے لو...... میں نے کہا تھا کہ بھائی کو فون ملا اور پوچھ کب آ رہا ہے وہ۔'' لڑکی فوراً سولہویں صدی کی ہیروئن کی طرح سر ہلاتی ایک مسکراتی نگاہ عمر پر ڈالتی باہر گئی تھی۔

مریم نے خاصی بیزار نگاہ لڑکے کی والدہ ماجدہ پر ڈالی۔ پتا نہیں باقی لوگوں کا کیا تجربہ تھا مگر اسے تو یہ فیملی انتہائی چیپ، اجڈ اور جاہل سی لگ رہی تھی اور یہ والدہ صاحبہ تو شکل سے ہی تیز طرار خاتون لگ رہی تھیں۔

''بس کیا کروں ہمارا شہباز شرمیلا بھی تو بہت ہے نا۔ ایسے معاملات میں بڑا جھجکتا ہے۔'' لڑکے کی والدہ نے مسکرا کر بیان جاری کیا تو لڑکے کی بھابی جو وہیں براجمان تھیں ان کے تیور بدلے اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائیں۔ کسی کے خاک پلے نہ پڑا۔ بس تاثرات سے مریم نے یہی اندازہ لگایا کہ محترمہ ساس کے فرمان سے متفق نہیں اور اپنی ناپسندیدگی منہ بنا کر بڑبڑاہٹ کی صورت ظاہر کر رہی تھیں۔

مریم اس عام سے کمرے میں عام سے سجے سازو سامان کو دیکھ کر خاصی بیزار ہو چکی تھی۔ کہاں اس کی نرم و نازک سلجھی ہوئی نفیس عادات و اطوار کی نہایت پڑھی لکھی بہن اور کہاں یہ عام سے بھی کم درجے کے لوگ۔ اسے غربت سے انکار نہیں تھا وہ خود ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والی فیملی تھی مگر لوگوں کا اخلاق و کردار اور سلیقہ و طریقہ بھی کوئی معیار ہوتا ہے، جس بیٹھک نما کمرے میں وہ لوگ اس وقت براجمان تھے۔ اس کو دیکھ کر لگتا تھا کہ گویا مہینے بعد صفائی نصیب ہوتی ہوگی اس کو۔

تبھی اس زویا نامی لڑکی کے ساتھ ایک لڑکا اندر داخل ہوا تھا۔ لمبا قد، خاصا بھاری جسم اور لمبی مونچھوں والا چہرہ۔ مریم منہ کھولے حیرت سے اس ''نیوانٹری'' کو دیکھ رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' خاصا شرما کر اس کے اور امی کی طرف دیکھ کر وہ اب ابو اور عمر سے ہاتھ ملا رہا تھا۔

مریم نے سختی سے منہ بند کر لیا۔ وہ اب آنکھیں پھاڑے صرف لڑکے کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر بڑی بڑی مونچھوں کے علاوہ موٹی موٹی سرخ آنکھیں بھی تھیں۔ اس کے ذہن میں اپنی سوہنی سی فوزیہ آ گئی۔

کہاں وہ فوزیہ پھولوں کی ڈالی کی مانند لچکیلی پیاری اور کہاں یہ موٹا تازہ گھنی مونچھوں اور سرخ آنکھوں والا بدمعاش ٹائپ مرد۔ اسے اپنی سوچ سے ہی جھرجھری آ گئی تھی۔

''ہائے امی! ہم کیا اس بدمعاش کو دیکھنے آئے ہیں؟'' اس نے امی کے کان میں سرگوشی کی۔

''چپ......'' انہوں نے گھور کر اسے دیکھا، اس نے منہ بنا لیا۔

یہ اس کی ماں کی اضافی خوبی تھی کہ وہ خامیاں ہمیشہ اپنی اولاد میں ہی دیکھتی تھیں۔ باقی تو ساری دنیا ہی انہیں بے عیب نظر آتی تھی۔ کوئی بھی موقع ہو وہ اپنی ہی اولاد کو جھڑک دیتی تھیں۔ خاص طور پر ان موقعوں پر مریم کو ان کی یہ خوبی سراسر ناانصافی محسوس ہوتی تھی۔ اس نے خاصی بگڑی صورت لیے ابو اور پھر عمر کی شکل دیکھی، وہاں بھی واضح ناگواری تھی۔ مریم کو اپنا دل کچھ ٹھہرتا محسوس ہوا۔

''چلو کوئی تو میرا ہمنوا بھی ہے نا۔'' اُس نے خود کو تسلی دی۔

''یہ میرا بیٹا شہباز ہے۔'' لڑکے کی والدہ نے کہا۔

''کیا یہ لڑکا ہے؟ میرا مطلب ہے جن کو دیکھنے ہم آئے ہیں یہ وہی شہباز صاحب ہیں؟ حیرت ہے، میں تو سمجھی تھی کہ یہ کوئی چچا یا کوئی بڑے بھائی ہوں گے۔'' وہ شروع ہو چکی تھی لڑکے کی بہن، ماں اور وہ لڑکا خود جزبز ہو گیا تھا مگر امی بھی پہلو بدل کر رہ گئی تھیں، انہوں نے اسے گھور کر دیکھا بھی تھا مگر اسے کب پروا تھی جبکہ اس کی بات پر عمر کے ہونٹوں پر ایک دم مسکراہٹ مچلی تھی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا جی! یہی ہمارے بھائی شہباز ہیں۔'' عمر کی مسکراہٹ پر وہ زویا نامی لڑکی خاصا بُرا مان گئی تھی، مریم کے دل پر گویا ٹھنڈی سی پڑ گئی تھی۔

''کیا ایجوکیشن ہے آپ کی بیٹا!'' دوسرا سوال ابو کی طرف سے ہوا تھا۔

''اس نے خیر سے ایم اے......''

''ایم اے نہیں خالی میٹرک کیا ہوا ہے۔'' اس سے پہلے کہ ابو کے جواب میں لڑکے کی والدہ ماجدہ غلط بیانی کرتیں اس

لڑکے کی بھابی فوراً بولی تھیں۔ نجانے بیچاری نے کس جنم کا بدلہ لیا تھا۔ لڑکے کی ماں، بہن اور خود لڑکا حیرت سے اپنی بھابی کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں شاید اپنی بھابی سے اتنی دیدہ دلیری کی توقع نہ تھی۔

''اومائی گاڈ......'' مریم تو حیرت سے گنگ رہ گئی تھی۔

''مگر ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ لڑکا ماسٹرز کر چکا ہے۔'' ابو نے ہی کہا تھا۔

''جی رشتہ کروانے والی نے جھوٹ بول دیا ہوگا؟'' مریم انہیں یہ نہ کہہ سکی کہ ابھی وہ خود جھوٹ بولنے والی تھیں اگر ان کی بہو درمیان میں نہ بولتی۔ ابو نے عمر کو اور اس نے ابو کو ایسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ ''اب بولو۔''

''آج کل میٹرک کو کون پوچھتا ہے، ہمیں تو ایم اے ہی بتایا گیا تھا، آج کل تو جمعدار کی پوسٹ کے لیے بھی کم از کم بی اے لوگ آ رہے ہیں۔'' اس نے غصے سے کہا تو امی نے جہاں اسے گھور کر دیکھا تھا، وہیں عمر ہنس دیا تھا۔ ابو محض دیکھ کر رہ گئے، ان لوگوں کی غلط بیانی پر مریم کا ری ایکشن اتنا غلط بھی نہ تھا۔

''معاف کرنا بیٹی! جب اتنے ہی اچھے رشتے مل رہے تھے تو کوئی بی اے پاس ہی دیکھ لیتیں۔'' لڑکے کی والدہ کے جواب پر ایک منٹ کو تو سبھی ہکّا بکّا رہ گئے تھے۔

''دیکھیں خاتون! ناراض ہونے کی ضرورت نہیں، اصولی بات ہے تعلیم حسب نسب یہ سب دنیاوی معیار ہیں، اصل چیز تو انسان کا کردار اور اخلاق ہے۔ ہمیں یہی بتایا گیا تھا کہ بچے (لڑکے) کی تعلیم ماسٹرز ہے اور ہم اسی لیے آئے تھے۔'' خاتونِ خانہ کی ناراضی پر ابو جی نے رسانیت سے کہا تو وہ پہلو بدل کر رہ گئیں۔

''مگر وقت کے بدلتے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تعلیم کی اہمیت سے انکار بھی تو نہیں کیا جا سکتا چچا جان!'' عمر نے کہا تو مریم کو لگا اس کے سینے میں ٹھنڈ پڑ گئی ہے۔ لڑکے اور اس کی بہن کے زاویے بڑی بُری طرح بدلے تھے جبکہ لڑکے کی بھابی خوش نظر آ رہی تھیں۔

''بیٹا! آپ کیا کاروبار کرتے ہیں؟'' ابو جی نے براہِ راست لڑکے سے پوچھا جبکہ اس کی اماں پہلے ہی تیور بدل چکی تھیں بھنا کر بولیں۔

''کیوں آپ لوگوں کو رشتہ کروانے والی خالہ نے کچھ نہیں بتایا؟''

''بتایا تو اس نے بہت کچھ ہے، جس طرح تعلیمی معیار میٹرک ہو سکتا ہے، کپڑے کی پانچ ذاتی دکانوں کے مالکان سے کرائے کی دکان کے مالک نکل آئیں تو؟'' مریم نے پھر خاصا بھنا کر کہا تھا۔ اب کے امی ابو ایک طرف عمر نے بھی اسے گھورا۔

''تم چپ نہیں رہ سکتیں؟'' امی نے فوراً لتاڑا تھا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہماری کوئی پانچ دکانیں نہیں ہیں، صرف ایک ہی کپڑے کی دکان ہے جو یہ اور میرے میاں مل کر چلاتے ہیں۔ آپ کو رشتہ کروانے والی نے جو بھی معلومات دیں وہ غلط دی ہیں۔ ہمارا ایک ذاتی گھر ہے، رشتہ کروانے والی میرے میاں کے تایا کے گھر آتی جاتی ہے۔ ہاں ان کا بیٹا ماسٹر ہے اور ان کی پانچ ذاتی دکانیں ہیں۔ ہو سکتا ہے ادھر کی غلط معلومات ادھر منتقل ہو گئی ہوں۔'' لڑکے کی بھابی نے بڑی سہولت سے ساری صورتحال واضح کی تھی اور امی اپنا سا منہ لے کر بیٹھ گئی

تھیں۔ان کا جی چاہا کہ خالہ خیرن ان کے سامنے آجائے تو وہ اس کو اچھی خاصی سنا کر فارغ کریں۔

''چلیں غلط فہمی ہی سہی مگر غلط بات تو ہوئی نا؟ بیٹیوں کے والدین ضرور ہیں ہم مگر معلومات تو درست فراہم کرتے۔ خدانخواستہ کسی کی بیٹی برباد ہو جائے رشتہ کروانے والیوں کا کیا جاتا ہے وہ تو پیسے لے کر ایک طرف ہو جاتی ہیں۔ بہت غلط بات ہے یہ تو......''عمر خاصی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''تو ہم نے کون سا جھوٹ بولا ہے، رشتہ کروانے والی نے ادھر سے اُدھر لگائی بجھائی کی ہوگی، اپنا پیسہ کھرا کرنے کو۔''عمر کے جواب پر لڑکے کی والدہ ہاتھ نچا کر گویا ہوئیں تو اس نے غصے سے انہیں دیکھ کر امی اور پھر ابو کو مخاطب کیا۔

''امی ابو چلیں اب...... بہت دل گھبرا رہا ہے میرا یہاں۔''وہ اب ایک پل بھی ایسے لوگوں میں بیٹھنے کی روادار نہ تھی، ایک دم اُٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''بہن جی! کہا سنا معاف کریں، رشتہ ہونا نہ ہونا مقدروں کی بات ہے۔ دل پر مت لیجیے گا، اجازت دیجیے اب ہمیں۔''ابو کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے تو امی اور عمر نے بھی ان کی تقلید کی۔ وہ فوراً اپنی چادر درست کرتے باہر نکل آئی تھی تبھی عمر باہر نکلا تو لڑکے کی بہن بھی انگلیاں مروڑتی پیچھے تک آئی تھی۔ مریم نے کھا جانے والی نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

''لگتا ہے بہت موڈ خراب ہو چکا ہے محترمہ کا۔''وہ قریب آکر بولا تھا۔

وہ بُری طرح خار کھائے ہوئے تھی اوپر سے اس لڑکی کا عمر کے ساتھ رویہ، وہ اندر تک جل بھن گئی تھی۔

''بات نہیں کرو مجھ سے۔''وہ آواز دبا کر پھنکاری تھی، عمر مسکرا دیا اور بغور اسے دیکھا۔ وہ سرخ چہرہ لیے خاصے غصیلے انداز میں اسی طرف دیکھ رہی تھی، جہاں امی، ابو، لڑکے کی والدہ اور بھابی سے الوداعی کلمات کہہ رہے تھے، قریب ہی وہ لڑکی کھڑی تھی جواَب بھی عمر کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں نثار ہو جانے کا ارادہ ہے، عمر نے سٹپٹا کر مریم کو دیکھا، وہ خاصے تیکھے تیور لیے متوجہ تھی۔

''غصہ تمہیں ان لوگوں پر تھا تو مجھ ناتواں پر کیوں اُتار رہی ہو۔''اُس نے پھر چھیڑا۔ وہ ایک سلگتی نگاہ ڈال کر امی ابو کے قریب آنے پر ان کے ساتھ گھر سے باہر نکل آئی تھی۔ جبکہ عمر بھی ایک گہری سانس خارج کرتا پیچھے ہو لیا تھا۔

''کیا ضرورت تھی یہ سب بکواس کرنے کی۔ ذرا بھی ماں باپ کی پروا نہیں۔ جو دل میں آتا ہے بول دیتی ہو، اسی لیے تو میں تمہیں کہیں بھی ساتھ لے جانے کے حق میں نہیں ہوتی۔ ایک دوسرے لوگوں کی لڑکیاں ہیں ماں کی آنکھ کا اشارہ سمجھ جاتی ہیں، جدھر ماں کھڑا کر دے کبھی اولاد ہلتی تک نہیں۔ ایک میری اولاد ہے مرتی مرجاؤں پر کسی پر اثر تک نہیں ہوتا۔''امی کی برداشت بس ان لوگوں کے گھر سے نکلنے تک تھی، اردگرد کی پروا کیے بغیر ایک دم برس پڑی تھیں کہ اس نے منہ بنا کر ابو اور پھر قریب آتے عمر کو دیکھا۔

''کیا ہو گیا ہے؟ وقت اور جگہ تو دیکھ لیا کرو۔''ابو نے ٹوکا تو امی نے زبان دانتوں تلے دبا لی۔ عمر نے اس کے آنسو دیکھے تو ایک دم ترس سا آ گیا۔ وہ اتنی غلط بھی نہ تھی اسے خود ان لوگوں کی دروغ گوئی پر غصہ آ رہا تھا نجانے کیسے برداشت کیے بیٹھا رہا تھا۔

''کچھ نہیں ہوتا چچی جان! سب لڑکیاں اس عمر میں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ ویسے بھی یہ لوگ تھے ہی کم لیول کے اخلاقی تنزلی کا

شکار۔ مریم کا رویہ اتنا غلط تو نہیں، مجھے تو حیرت ہو رہی ہے رشتہ کروانے والی نے بھی کیا جھوٹ بولا؟ یہ تو وہی مثال ہوئی کہ کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔" اس کی مثال پر ابو ہنس دیئے تھے۔ وہ جو منہ بنائے کھڑی تھی وہ بھی مسکرا دی۔

"کیا کریں بیٹا جی! لوگوں کی جھوٹی نمود اور نمائش نے انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔ جھوٹ، لالچ نے اصل اقدار بھلا دی ہیں لوگوں کو۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے، آج کل کے دور میں ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھا جا رہا ہے اور ہم جیسے سفید پوش لوگ اپنا بھرم رکھنے کے چکر میں نجانے کیا کچھ سہہ جاتے ہیں۔ قحط الرجال پڑ گیا ہے اصل میں، اصل سچے اور حقیقی لوگ نایاب ہو گئے ہیں بیٹا جی! کیا کریں یہی المیہ ہے ہمارے اس دور کا۔ جو جتنا جھوٹا ہے وہ اتنا ہی کامیاب ہے آج کے دور میں، دنیا اسی کو کہتے ہیں، چلنا پڑ رہا ہے اس دنیا کے ساتھ۔" ابو سنجیدہ ہو کر بولے تو پھر دل کی بات کہتے چلے گئے۔ ان کے لہجے میں ایک تھکن سی آ ٹھہری تو اس دُکھ نے امی اور عمر کے ساتھ ساتھ مریم کے دل کو بھی آ لیا۔

"چلنا نہیں، اسی سڑک پر کھڑے رہنا ہے کیا؟" مریم کی آواز پر ابو نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"آپ لوگ رُکیں، میں رکشا کا بندوبست کرتا ہوں۔" عمر کو بھی فوراً اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا تھا۔ وہ اپنی بائیک پر ہی تھا، جبکہ یہ لوگ رکشا میں آئے تھے۔

"تمہیں پہلے ہی بہت تکلیف دی بیٹا! تمہیں تو اپنے کسی ضروری کام سے بھی جانا تھا؟ بہت وقت ضائع کر دیا تمہارا، فکر نہیں کرو ہم چلے جائیں گے۔" ابو نے منع کیا۔

"تکلیف کیسی؟ حق بنتا ہے آپ کا...... میں بھی آپ کا اتنا ہی بیٹا ہوں جتنا وقار ہے، میں رکشا دیکھتا ہوں۔" وہ ابو کا کندھا تھپتھپا کر چلا گیا۔

"بڑا لائق بچہ ہے ماشاءاللہ۔" امی کے لہجے میں ایک حسرت سی تھی، ابو اور مریم چونکے۔

"اللہ ترقی دے، بہت سعادت مند ہے۔" ابو ہنس دیئے تھے جبکہ مریم نے بغور امی کو دیکھا۔

"آپ بھائی صاحب سے بات تو کریں، اتنے عرصے سے ہم خوار ہو رہے ہیں۔ سو گھر چھاننا پڑ رہے ہیں، ماشاءاللہ سمجھدار ہے، نوکری کرتا ہے اچھا کما رہا ہے۔"

ہم نے بھی تو بھائی صاحب کی عندلیب لی ہے، وہ ہمارا بھی خیال کریں۔" امی کے لہجے میں عجیب سا تاثر تھا، ابو ایک دم سنجیدہ ہو گئے تھے۔

"رشتے مقدروں سے بنتے ہیں، بھائی صاحب اور بھابی بیگم کی خواہش تمہارے سامنے ہے۔ بار بار ایک ہی بات مت کیا کرو۔ رہ گئی عندلیب بیٹی! وہ ہماری بہو ہے اور ہم نے کسی لالچ میں رشتہ نہیں کیا تھا، آئندہ ایسی بات مت دہرانا۔ رشتوں میں غرض شامل ہو جائے تو خالص پن ختم ہو جاتا ہے۔ عبید اور عندلیب خوش ہیں، ہمیں اور کیا چاہیے۔ فوزیہ نہ سہی چھوٹی سہی، بات تو ایک ہی ہے نا۔" ابو نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی، مریم نے گہرا سانس لیا تو ایک دو پل بعد ہی عمر رکشا لیے آیا، امی ابھی بھی عمر کو دیکھ رہی تھیں۔ مریم نظر ہٹا کر سامنے سیاہ تارکول کی بل کھاتی ہوئی سڑک کو دیکھتی رہی۔

"شکریہ بیٹا!" ابو عمر کا کندھا تھپتھپا کر رکشا کی طرف بڑھے تھے۔

"میں کرایہ ادا کر چکا ہوں، آپ نہیں دیجیے گا۔" عمر کی بات پر امی بولیں۔

"یہ اچھی بات تو نہیں بیٹا۔"

"کوئی تکلیف نہیں۔" امی اور ابو مسکرا کر بیٹھ گئے تو وہ بھی اپنی طرف دیکھتے عمر سے نظر بچا کر رکشا کی طرف بڑھی۔ تبھی دوپٹے کے کونے کو کھنچاؤ لگنے سے وہ پلٹی تھی۔

"سنو......" وہ جو سمجھی تھی کہ دوپٹہ کسی چیز سے اُلجھ گیا ہے، عمر کو کونا تھامے دیکھ کر ٹھٹکی اور پھر گھبرا کر امی ابو کو دیکھا وہ رکشا میں بیٹھ کر اب اس کے بیٹھنے کے منتظر تھے۔

"میں رات کال کروں گا، پک نہ کی تو نتائج کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔" سرسراتی سرگوشی کان کے قریب گونجی تو اس نے گھبرا کر پھر امی ابو کو دیکھا وہ متوجہ نہ تھے۔ ساتھ ہی عمر نے اس کے ہاتھ میں کوئی چیز دبا دی تھی۔

"بیٹھو مریم! کیا ہوا ہے؟ کیوں کھڑی ہو؟" امی کی پکار پر وہ خفت سے دوچار ہوئی، بغیر عمر کی طرف دیکھے مٹھی دبا کر فوراً رکشا کی طرف پلٹی تھی۔

"بس دوپٹہ اُلجھ گیا تھا۔ بیٹھنے لگی تھی۔" اپنا دوپٹہ کھینچ کر وہ اندر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی رکشا والے نے رکشا اسٹارٹ کر لیا تھا۔

پھر جب تک رکشا سٹارٹ ہو کر نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا وہ یونہی کھڑا دیکھتا رہا تھا اور پھر اس کے اوجھل ہونے کے بعد وہ ایک طرف کھڑی اپنی بائیک کی طرف بڑھا تھا۔

❖ ❁ ❖

گھر آ کر اس نے سب سے پہلے اپنے کمرے کا رُخ کیا آمنہ اور فوزیہ پیچھے پیچھے تھیں۔

"کیا ہوا؟ کیسا رہا تمہارا یہ ناگہانی دورہ...... رشتہ مہم تلاش......" اسے الماری میں سر دیئے کھڑے دیکھ کر فوزیہ بھی پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی اس نے سرعت سے ہاتھ میں دبی چیز کپڑوں میں گھسائی اور چادر اُتار کر تہہ کر کے الماری میں رکھ کر پٹ بند کر دیا۔

"بتاؤ نا کیا ہوا؟" آمنہ بھی خاصی بیقراری سے پوچھ رہی تھی اس نے اپنی ہتھیلی کو دیکھا جو پسینے سے تر تھی، اس نے دوپٹے کے پلو سے ہتھیلی رگڑی۔

"بہت ہی بُرا! کچھ نہ پوچھو، آئیں ذرا یہ خالہ خیرن، اللہ کی قسم ایسی خبر لوں گی کہ ہمارے گھر آئندہ قدم رکھنے کا بھی نہ سوچیں گی۔" بستر پر بیٹھ کر وہ اب سینڈل اُتارنے لگی تھی۔ فوزیہ اور آمنہ دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔

"لڑکا کیسا تھا؟" آمنہ نے خاصے تجسس سے پوچھا تو اس کا منہ بن گیا۔

"لڑکا...... اسے لڑکا کہنا لڑکوں کی توہین ہے۔ یہ موٹا بھاری جسم، بدمعاشوں والی مونچھیں اور سرخ انگارہ دہکتی آنکھیں۔" مریم نے نقشہ کھینچتے ہوئے پہلے سے زیادہ ہولناک دکھائی تھی۔ آمنہ اور فوزیہ نے فوراً جھرجھری لی۔

"مائی گاڈ! کیا واقعی وہ ایسا لگ رہا تھا؟" فوزیہ کی شکل اُتر چکی تھی۔

''لڑکا نہیں لگ رہا تھا۔''

''مگر تصویر تو اچھی خاصی تھی۔'' آمنہ حیرت سے گویا ہوئی۔

''اسی لیے تو ہم دھوکا کھا گئے، نجانے کون سے سال کی تصویر تھی، بہر حال ہم لوگ صاف جواب دے آئے ہیں شکر ہے ان لوگوں کو گھر بلانے کی مشقت نہیں کرنا پڑی۔''

''اور گھر بار کیسا تھا؟ خالہ خیرن تو بتا رہی تھیں کہ بہت پیارا خوبصورت ماربل لگا گھر ہے۔'' آمنہ نے پوچھا جبکہ فوزیہ اب خاموش تھی۔

''گھر...... اڑھائی مرلے کا گھر کیا ڈربہ خانہ تھا۔ جس میں چھوٹے چھوٹے تین کمرے تھے، اس سے بہتر تو ہمارا یہ بیس مرلے کا خوبصورت گھر ہے۔ خالہ خیرن نے صاف جھوٹ بولا ہے ہمارے ساتھ۔ لڑکے کی تعلیم صرف میٹرک اور وہ جو پانچ دکانوں والی بات تھی وہ بھی جھوٹ تھی، ایک دکان ہے کپڑے کی، جو دونوں بھائی مل کر چلاتے ہیں۔

''اسی لیے تو میں امی کو منع کر دیتی ہوں، اتنا جھوٹ ہے آج کل کے لوگوں میں۔ کیا کمی ہے مجھ میں، اچھا کما رہی ہوں، کھا رہی ہوں، کسی پر بوجھ تھوڑی ہوں۔'' فوزیہ ساری صورتحال سن کر ایک دم بھڑک اُٹھی تھی۔

''یہی تو امی کو سمجھاتی ہوں میں بھی۔'' آمنہ کو بھی اس ناکام مہم سے خاصا دُکھ ہوا تھا۔

''اسی لیے تو امی مجھے کہیں لے کر نہیں جاتیں اس بار بھی ابو کے کہنے پر لے گئی تھیں پھر میں بھی خاموش نہیں رہی۔ جواباً امی کی خاصی سننا پڑ گئی تھیں۔'' اس نے وہاں ہونے والی تمام صورتحال بتائی تو آمنہ اور فوزیہ بھی ہنس دیں۔

''تمہارا ابھی کوئی جواب نہیں اور عمر کا کیا ری ایکشن تھا؟'' آمنہ نے ہی پوچھا۔

''وہی جو میرا تھا، امی کے ڈانٹنے پر فوراً سمجھانے لگا، ابو نے بھی امی کو سمجھایا تو امی کا غم کچھ کم ہوا ورنہ بہت دُکھی ہو رہی تھیں۔''

''ظاہر ہے ایسی صورتحال تو انہوں نے سوچی تک نہ ہوگی۔ کتنی آس دلائی تھی خالہ خیرن نے۔'' فوزی بھی ڈس ہارٹ ہوئی تھی۔

''آئیں اس دفعہ ساری خبر لوں گی میں بھی۔'' اس نے اپنے عزائم کا اظہار کیا تھا۔

''اور کھلایا پلایا کیا ان لوگوں نے؟'' آمنہ نے مزید پوچھا۔

''بھئی لڑکے والے تھے، وہ خالی گلاس بھی لا کر رکھ دیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ لڑکے والوں کے لیے میز انواع واقسام کی اشیاء سے بھر دینا لڑکی والوں کا شیوہ ہے۔ کوک کے چار گلاس تھے۔''

''صرف......؟'' فوزیہ کو بھی حیرت ہوئی تھی۔

''تمہارا کیا خیال ہے ہمارے گھر میں کچن سے ڈرائنگ روم تک اور بازار سے گھر تک کی جو لمبی پریڈ ہوتی ہے وہ لڑکے والے بھی کرتے۔ پیزا ہٹ کا تازہ پیزا، تمہارے ہاتھ سے تیار کردہ دہی بھلے، کباب، سموسے، چائے، مشروب، بسکٹ، نمکو وغیرہ۔ یار! لڑکے والے تو بری الذمہ ہوتے ہیں وہ کیوں اتنا خرچہ کریں، انہیں کون سا لڑکی دکھانی ہے ان کا بھی لڑکا ہے۔ جو

مرضی پلا دیں کھلا دیں۔'' آمنہ اور فوزیہ نے ایک دوسرے کو دیکھا اور گہرا سانس لیا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہے مریم!'' فوزیہ ہاتھ جھاڑتے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''اُٹھو...... امی ابو کو پانی وغیرہ پلاؤ۔ یہ انوسٹی گیشن اب بند کرو، اگلے چند دنوں میں اب یہی ٹاپک ڈسکس ہونا ہے ہمارے گھر میں۔'' فوزیہ کہہ کر باہر نکل گئی تو آمنہ بھی افسردگی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آمنہ کے باہر نکلتے ہی وہ تیزی سے اُٹھ کر الماری کی طرف آئی تھی۔ کاغذ کا وہ چھوٹا سا ٹکڑا سارے راستے اس کے ہاتھ کی مٹھی میں دبا رہا تھا۔ اس نے نکالا تو چرمرا گیا۔ امی ابو کی وجہ سے دیکھ ہی نہ پائی تھی اور گھر آتے ہی یہ دونوں نازل ہو گئیں۔

''میں رات کو فون کروں گا، کال ضرور پک کرنا۔'' کاغذ کی سلوٹیں درست کیں تو وہی الفاظ منہ چڑا رہے تھے۔

''بدتمیز......'' اسے ایک دم غصہ آیا۔ اس نے کاغذ کے ٹکڑے کر کے کمرے کے کونے میں رکھے ڈسٹ بن میں ڈال دیئے۔

عمر کی پسندیدگی سے وہ واقف تھی۔ شروع میں تو نہیں مگر دو سال پہلے جب تائی اور تایا نے اس کو عمر کے لیے مانگا تھا اور امی کا غصہ ایک دم بڑھ گیا تھا، ان کا خیال تھا کہ تائی ضرور فوزیہ یا آمنہ میں سے کسی کو مانگیں گی، مگر مریم کے لیے سن کر ان کا نہ صرف دل خراب ہوا تھا بلکہ وہ اندر ہی اندر تائی بیگم کی طرف بے بدظن ہو چکی تھیں۔ تائی کی بڑی بیٹی رمشاء اپنے ماموں زاد کے ساتھ بیاہ کر اسلام آباد جا چکی تھی، دوسری عندلیب کی شادی انہوں نے عبید بھائی سے کر دی تھی۔ عبید بھائی سعودیہ جا چکے تھے، چند ماہ پہلے انہوں نے عندلیب کو بھی وہیں بلا لیا تھا۔ عندلیب اور عبید بھائی بہت خوش تھے، ایسے میں امی کو فوزیہ کا جوڑ عمر سے جوڑنے کا بڑا اشتیاق تھا جبکہ ابو کے لیے فوزیہ اور مریم دونوں ایک جیسی تھیں، انہیں کوئی فرق نہ پڑتا تھا جبکہ امی نے تائی کو مریم کی کم عمری کا کہہ کر ٹال دیا تھا۔ دو سال پہلے وہ ایف ایس سی کر رہی تھی اور اسی سال وہ بی ایس سی کے ایگزیمز دے کر فارغ ہوئی تھی، آج کل رزلٹ کا انتظار کر رہی تھی جبکہ فوزیہ ایم اے انگلش لٹریچر کے بعد گھر کے ایک حصے کو اکیڈمی کے طور پر سیٹل کر کے بڑی کامیابی سے اپنی اکیڈمی چلا رہی تھی۔ فوزیہ سے بڑی ستارا کی شادی خالہ زاد داؤد بھائی سے ہو چکی تھی، ان کی ایک پیاری سی بیٹی بھی تھی جبکہ آمنہ یونیورسٹی جا رہی تھی، وہ میتھ میں ماسٹرز کر رہی تھی اور اس سے چھوٹا وقار بھا جو پری انجینئرنگ میں ایف ایس سی کر رہا تھا اس کا ارادہ آگے انجینئرنگ کالج میں جانے کا تھا۔

شروع میں تو اس نے تائی بیگم کے رشتہ مانگنے پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا کہ ابھی عمر ہی کیا تھی مگر جس طرح امی دل میں عمر کے رشتے کی بات لیے گاہے بگاہے اپنے خیالات کا اظہار کرتی رہتی تھیں، اس سے کوئی بات چھپی نہ رہی تھی۔ امی کا خیال تھا کہ تائی بیگم عمر اور فوزیہ کے لیے مان جائیں تو باقی آمنہ اور مریم کا تو کہیں نہ کہیں دیکھ ہی لیں گی اور اپنی امی کے تمام تر خیالات اور عمر کی پیش قدمیوں کے باوجود مریم اپنی جگہ بہت پُرسکون اور مطمئن تھی۔ اس نے اگر امی کی باتوں پر دھیان نہیں دیا تو عمر کے جذبات اور رویوں کو بھی یکطر نظر انداز کر رہی تھی۔ وہ کسی کے بھی حق میں نہ تھی، امی کے نہ ہی عمر کے۔ اس کا یقین تھا کہ رشتہ آسمانوں پر بنتے ہیں جس کا جہاں مقدر ہو گا ایک طے شدہ مدت میں ہو ہی جائے گا مگر آج کل جس طرح عمر کی حرکتیں تھیں وہ کچھ بے سکون سی ہو گئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ امی یا دوسرے لوگ اس کی طرف مشکوک ہوں اور وہ کوئی ایسی حرکت کر گزرے جس کی

وجہ سے امی ابو کو کسی کے سامنے سر جھکانا پڑے جبکہ عمر کے تیور دن بہ دن بدلتے جارہے تھے، بعض اوقات وہ اس کے رویوں پر اُلجھ جاتی تھی تو کبھی ہنس کر ٹال جاتی تھی۔

عمر پڑھا لکھا نوجوان تھا ایم بی اے کے بعد ایک فرم میں اچھی خاصی پوسٹ پر حال ہی میں عہدہ سنبھالا تھا۔ تایا کی فیملی بھی انہی لوگوں کی طرح متوسط سی تھی۔ عمر کی تین بہنیں اور عمر سے چھوٹا ایک بھائی تھا۔ بڑی دونوں بہنیں شادی شدہ تھیں۔ چھوٹی ردا اس کے ساتھ ہی بی ایس سی کے ایگزیمز کے بعد فری تھی۔ عمر سے چھوٹا سکندر تھا جو ابھی یونیورسٹی لیول میں تھا۔

فوزیہ کے لیے یہ رشتہ خالہ خیرن لے کر آئی تھیں ابو نے تایا کو بھی ساتھ چلنے کا کہا تھا مگر انہیں ایک ضروری کام سے کہیں جانا پڑ گیا تو عمر اپنے آفس سے سیدھا ان کے ساتھ ادھر گیا تھا اور پھر ان لوگوں کے واپس آنے کے بعد وہ دوبارہ اپنے آفس چلا گیا تھا۔ رات ہونے میں ابھی چند گھنٹے تھے اسے کیا کرنا تھا وہ آرام سے طے کر کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

❖ ❁ ❖

کچن سے فارغ ہو کر وہ ٹی وی دیکھنے بیٹھ گئی تھی، آمنہ کے امتحان ہونے والے تھے تو وہ آج کل اپنی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی جبکہ وقار ایگزیمز کے بعد کسی اکیڈمی کو جوائن کر چکا تھا اس کا ارادہ آگے انجینئرنگ میں داخلہ لینا تھا آج کل اس کی ساری توجہ انٹری ٹیسٹ کی تیاری پر تھی۔ وہ اس کے قریب بیٹھا کچھ کاغذات پھیلائے اسٹڈی کر رہا تھا جبکہ فوزیہ اکیڈمی میں سٹوڈنٹس کے لیے ہوئے ٹیسٹ چیک کر رہی تھی۔ امی ابو روزانہ کی طرح اس وقت بھی بیٹھے خاندان کے کسی نہ کسی مسئلے کو ہی ڈسکس کر رہے تھے۔ دونوں کی آواز دھیمی تھی کہ دوسرے لوگ متوجہ نہ ہوں اور وہ رہی سدا کی تجسس پسند اس کے کان فوراً کھڑے ہوئے۔ غیر محسوس انداز میں ٹی وی کی طرف دیکھتی امی ابو کی طرف کھسکی تھی۔

''دیکھ لیں اپنی بھاوج کو، ہمارا ذرا احساس نہیں۔ دوسری بیٹی بھی میکے والوں میں دے رہی ہیں جبکہ میں نے عندلیب کی دفعہ ہی کہہ دیا تھا کہ ردا کی فکر مت کریں، وقار پڑھ لکھ جائے گا تو ہم دیکھ لیں گے۔ ابھی کون سی بڑی عمر ہوگئی ہے اس کی، اچھا رشتہ دیکھ کر فوراً تیار ہوگئی ہیں۔ بھلا ان اونچے لمبے کاروباری لوگوں کے سامنے ہماری کیا حیثیت؟'' اس کے کان کھڑے ہو چکے تھے۔

''ہیں...... یہ ردا کا کیا معاملہ ہے بھلا۔'' بڑے دن ہو گئے تھے اسے تایا کے ہاں چکر لگائے ہوئے اس لیے تازہ صورتحال کا اسے علم نہ تھا۔

''کتنی بار کہا ہے کہ دل چھوٹا نہیں کرتے۔ ماشاء اللہ اپنی بچی ہے اچھے گھر جائے گی تو ہمیں بھی سکھ ملے گا۔ اچھے لوگ ہیں پھر بھابی کے میکے والوں میں سے ہیں۔ لڑکا بھی پڑھا لکھا اچھے کاروبار والا ہے۔ وقار ابھی پڑھ رہا ہے انجینئرنگ میں بھی داخلہ لینا ہے، اتنی تو مشکل پڑھائی ہے اس کی، کئی سال لگ جائیں گے پھر اس کے بعد نوکری مقدروں سے ملتی ہے۔ ایسے میں بھابی جی کا فیصلہ کچھ غلط بھی نہیں۔'' ابو جی رسان سے سمجھا رہے تھے۔

''اتنی پیاری سلجھی ہوئی بچی تھی، باہر جائے گی دُکھ تو ہوگا۔'' امی کا انداز واقعی دُکھی تھا۔

''کہا ناں...... فکر کیوں کرتی ہو، اللہ بہتر کرے گا پھر کل جا رہی ہو نا؟ ادھر وہ لوگ رسماً آ رہے ہیں، بھائی صاحب نے کئی دن سے ذکر کر رکھا تھا بس تمہیں بتانا یاد نہیں رہا تھا۔ ردا کا ہاتھ بٹ جائے گا۔'' ابو جی کی وہی تحمل مزاجی تھی، مریم کے اندر پکڑ دھکڑ

شروع ہوگئی۔

''یہ کیا سلسلہ ہے؟ اور ردابی بی کو ہضم کیسے ہوگئی اتنی بڑی بات۔ اپنی ہر بات بتانے والی اتنی بڑی بات چھپا گئی مجھ سے؟''

اس کا دل چاہا ابھی اُٹھے اور جا کر فون کھڑکا دے مگر ابو جی اور امی مزید بھی کچھ ڈسکس کر رہے تھے وہ وہیں بیٹھی رہی۔

''تو پھر آپ بھی بھائی صاحب سے عمر اور فوزیہ کے لیے کہیں نا، دونوں ہم عمر ہیں۔ فوزیہ میں کیا کمی ہے بھلا؟'' امی کی وہی تکرار تھی۔

''اپنے منہ سے بھلا کیسے کہہ سکتا ہوں، ہاں بھائی صاحب نے چند دن پہلے اشارتاً عمر اور مریم کا ذکر کرتے سکندر اور آمنہ کے لیے بات کی تھی۔''

''ہائے...... کیا واقعی؟''

''ہاں...... کہہ رہے تھے کہ آمنہ کے لیے کہیں باہر نہ دیکھنا، فوزیہ کے لیے دیکھ لو، مریم اور آمنہ کی طرف سے بے فکر رہو۔ دونوں ان کی بچیاں ہیں۔'' امی چپ رہ گئی تھیں۔

مریم کا جی چاہا کہ لڈیاں ڈالے، آمنہ اور سکندر دونوں ایم ایس سی میتھامیٹکس کر رہے تھے، دونوں ایک ہی یونیورسٹی میں اکٹھے ہی تھے، پسندیدگی والی بات تو کبھی بھی نہیں۔ پتا نہیں یہ ان دونوں کا فیصلہ تھا یا محض تایا ابو کا خیال اس کا جی چاہا کہ ابھی اندر جا کر آمنہ کی گردن پکڑ لے۔

''آمنہ ہو یا فوزیہ ہمارے لیے ایک جیسی ہی ہیں نا، ردا کے متعلق دل میں بدگمانی مت ڈالنا۔ وقار کو کئی سال لگ جائیں گے سیٹل ہونے میں، اتنی دیر تک بچی کو بٹھائے رکھنا عقلمندی تو نہیں۔ ویسے بھی یہی عمر ہوتی ہے بچیوں کو اپنے گھر کا کر دینے والی۔''

''تو پھر آپ نے آمنہ اور سکندر والی بات کا کیا جواب دیا تھا؟'' اس کی طرح گویا امی کی بھی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''ابھی تو کچھ نہیں کہا، ویسے بھی بھائی صاحب نے اپنی خواہش ظاہر کی ہے باقاعدہ بات تو نہیں کی، میں نے بھی سن لی۔ اب تم سے مشورہ کیے بغیر کوئی جواب کیسے دے دیتا؟ ابھی دونوں پڑھ رہے ہیں، فارغ ہولیں تو دیکھیں گے بھئی۔ ویسے بھی انہوں نے کون سا فوراً جواب مانگ لیا ہے۔ سوچ سمجھ کر اپنے بچوں کی رضامندی لے کر جواب دیں گے نا۔'' ابو پُرسوچ انداز میں کہہ رہے تھے دھیمی آواز بمشکل وہ سن پا رہی تھی اگر اس کا پورا وجود کان بنانہ ہوتا تو یہ کوشش ہی بیکار تھی جبکہ فوزیہ اردگرد سے بے نیاز اپنے ٹیسٹ چیک کرنے میں مصروف تھی اور یہی حال وقار کا بھی تھا۔

''آج عبید اور عندلیب کا بھی فون آیا تھا۔'' امی نے ابو سے ذکر کیا۔

''اچھا کیا کہہ رہے تھے؟ ٹھیک ہیں نا دونوں؟''

''ہاں خوش ہیں، عندلیب کا وزٹ ویزہ ختم ہو رہا ہے، عبید کہہ رہا تھا کہ آگے ویزہ نہیں مل رہا۔ ہوسکتا ہے عندلیب کو واپس بھیج دے۔''

''چلو اللہ کی مرضی! ویسے بھی اس حالت میں بچی کو اپنوں کے پاس ہونا چاہیے۔'' ابو جی نے کہا۔

''ہاں میں بھی یہی کہہ رہی تھی، ابھی تو چند ماہ ہوئے ہیں، واپس آجائے تو یہاں ہم ہیں وہاں دونوں کہاں ڈاکٹروں کے

چکر لگاتے رہیں گے؟ نا کوئی دیکھ بھال کرنے والا ہے بالکل تنہا وہاں عندلیب پریشان ہو جائے گی۔" عندلیب بھابی آج کل امید سے تھیں اور امی کی شدید خواہش تھی کہ ڈلیوری پاکستان میں ہو۔

"میں تو فارغ نہیں ہوں گا تم ہی کل ذرا یاد سے چکر لگا لینا۔ ردا مریم کا کہہ رہی تھی اسے بھی لے جانا۔" ابو جی نے ایک نگاہ اس پر ڈالی جو بظاہر ٹی وی دیکھنے مگر ساری توجہ ان پر ہی مبذول کیے ہوئے تھی۔

"اگر بات چھڑی تو میں ایک دفعہ فوزیہ اور عمر کی بات ضرور کروں گی۔ آمنہ اور سکندر والی بات تو بعد کی بات ہے۔ بڑی دونوں کو چھوڑ کر آخری کا نام لے لیا، بڑی ہی عقلمندی والی بات تھی کیا؟ اس معاملے میں مجھے مت ٹوکیے گا، میں سیدھی بات ماں جی کے کانوں میں ڈالوں گی آخری فیصلہ ان کا ہی ہوگا۔"

"پھر وہی بات، ہم اپنے منہ سے کہتے ہوئے اچھے لگیں گے کیا؟" ابو جی نے ٹوکا۔

"آپ بیٹھے رہیں انہی باتوں میں، میں کہتی ہوں بھلا کیا کمی ہے فوزیہ میں، خوبصورت ہے، پڑھی لکھی ہے، ماشاءاللہ کما لیتی ہے، بھابی بیگم کو اور کیا چاہیے؟"

"بالکل بھی نہیں، تم قطعی ذکر نہیں کرو گی۔ ہم دیکھ تو رہے ہیں چند لوگوں کو کہہ بھی رکھا ہے، اللہ نے چاہا تو کوئی سبیل بھی نکل آئے گی، ناامید نہیں ہوتے۔

ابو جی کا وہی متحمل انداز تھا۔ تبھی اس کا موبائل بجنا شروع ہوا تو وہاں موجود سبھی نے اسے دیکھا۔ دراصل یہ موبائل گھر میں امی کے پاس ہوتا تھا مگر آج کل فری وقت میں مریم کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ وہ صبا اور ردا کو ہر وقت ایس ایم ایس کر کے وقت گزارتی تھی۔ اب بھی موبائل بجا تو امی جی نے چونک کر اسے دیکھا جس نے گود میں پڑا موبائل فوراً اُٹھا لیا تھا۔

"کس کی کال ہے؟" امی جی نے پوچھا۔

"ردا کی ہے۔" وہ جو سوچ رہی تھی کہ امی ابو کے اُٹھتے ہی اس سے گھنٹہ پیکج پر بات کرتی ہے اس کی کال دیکھ کر خوش ہو گئی تھی۔

"ایک تو ان دونوں کی ایک دوسرے کے بنا روٹی ہضم نہیں ہوتی۔" امی بڑبڑائی تھیں۔

"شکر کریں تکون کا تیسرا فرد غائب ہے۔" اس نے کال پک کر کے وقار کو گھورا اس کا اشارہ صبا کی طرف تھا جو آج کل ایگزیمز کے بعد ننھیال کے دورے پر تھی۔

"السلام علیکم!" وہ موبائل کان سے لگاتی باہر نکلی تھی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو؟" غیر متوقع آواز سن کر وہ چونک گئی تھی۔

"عمر؟" اس نے لب دانت تلے دبا لیے۔ دو دن پہلے جب وہ لوگ رشتہ دیکھنے گئے تھے تو اسی رات اس شخص کی کئی کالز آئی تھیں اور اس نے چارجنگ ختم ہونے کا بہانہ بنا کر موبائل سائلنٹ پر کر کے بیگ میں رکھ دیا تھا مگر آج اس کی آواز سن کر کچھ اُلجھ گئی تھی۔

"ٹھیک ٹھاک...... آپ سنائیں؟" اب بات کرنا مجبوری تھی۔

''میں بھی اے ون ہوں، اس دن سے مسلسل کال کر رہا ہوں پک کیوں نہیں کر رہی تھیں۔''
''موبائل فون خراب تھا۔''
''اب کیسے ٹھیک ہو گیا؟'' اس نے طنزاً کہا تھا اس نے گھور کر موبائل فون کو دیکھا اگلے ہی لمحے تپ گئی تھی۔
''غیر ضروری کالز کے لیے ہمارا یہ موبائل آٹومیٹکلی کام کرتا ہے، سپیشل ورکنگ ہے اس کی۔ یوں سمجھیں غیر ضروری بندوں اور کالز کے لیے کام کرنا بند کر دیتا ہے۔'' اپنی طرف سے ٹھیک ٹھاک ڈوز دی تھی مگر دوسری طرف وہ بھی ڈھیٹ ہڈی تھا ایک دم ہنس دیا۔
''ویل ڈن بہت اچھا بول لیتی ہو اور بہت اچھی ورکنگ ہے تم لوگوں کے سیل کی۔''
''دادی جان اور باقی گھر والوں کا کیا حال ہے؟'' اس نے بات پلٹ دی۔
''مجھے کیا پتا؟ خود تو محترمہ کو کبھی توفیق نہیں ہوتی کہ کبھی چکر لگا لیں۔
''جی پاؤں میں مہندی لگائی ہوئی ہے آج کل۔'' اس نے جلانے کی حد کر دی تھی۔
''مریم!'' اپنی طرف سے وہ بڑے سٹائل میں بولا تھا مگر ادھر پرواہ کسے تھی؟
''کال کیوں کی ہے اور ردا کدھر ہے؟''
''تمہاری آواز سننا چاہتا تھا۔ بڑے دن ہو گئے تھے کوئی گرما گرمی نہیں ہوئی تھی سوچا کہ حال چال دریافت کرتے مزاجِ یار کا ہی اندازہ لگا لیں۔''
''اچھا ٹھیک ہے حال چال تو دریافت کر لیا ہے آواز بھی سن لی ہے، رہ گئی گرما گرمی والی بات تو امی کو موبائل دیتی ہوں آج کل بجلی کے بحران کی وجہ سے آنے والی گرمی گرما گرم نوعیت کی ہے، وہ بہتر حال بتائیں گی۔'' اس نے دھمکی دی تھی۔
''مریم!'' وہ خاصے غصے سے بولا تھا۔ ''یہ چچی کی دھمکیاں مت دیا کرو۔''
''دیکھیں عمر بھائی! آپ کی باتیں میرے سر سے گزر جاتی ہیں، اس لیے ٹائم ضائع مت کیا کریں، خوامخواہ بیلنس کا بھی زیاں ردا کدھر ہے؟'' جواباً اس نے سنجیدگی سے ٹوکتے ردا کا بھی پوچھا تھا۔
''تم واقعی اتنی نا سمجھ ہو یا انجان بننے کی کوشش کرتی ہو؟'' وہ فوراً سنجیدہ ہو گیا تھا۔
''عمر بھائی ردا سے کہیں کہ یا تو مجھے خود کال کرے یا پھر اپنا سیل آپ کے ہاتھوں میں مت دیا کرے۔ دوبارہ آپ کی آواز سنائی دی تو ڈائریکٹ ابو جی کو جا کر موبائل پکڑا دوں گی۔'' جواباً وہ خاصی تپ کر گویا ہوئی تھی۔
''ہائے...... بدنام گر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا؟ ویسے آپس کی بات ہے ہمارے چچا جان خاصے سیانے ہیں جو بات تم نہیں سمجھ پا رہیں وہ ضرور سمجھ جائیں گے۔ میرا خیال ہے یہ بھی ایک نیکی ہے، آزمائش شرط ہے، کیا خیال ہے دوبارہ میری آواز سن کر چچا جان کو دو گی نا؟'' غصے سے اس کے بعد ایک لفظ بھی کہے بغیر کال بند کر دی تھی۔
وہ جو ردا سے لمبی بات کرنے کا سوچ رہی تھی کل پر ٹال کر آرام سے موبائل آف کر کے اپنے اور آمنہ کے مشترکہ کمرے کی طرف چل دی تھی۔

❖❁❖

اگلے دن وہ امی کے ساتھ تایا ابو کے ہاں چلی آئی تھی، وقار انہیں چھوڑنے آیا تھا۔ اسے اکیڈمی جانا تھا انہیں چھوڑ کر سلام کرتا فوراً نکل گیا تھا، واپسی پر ابو جی نے لینے آنا تھا۔

''بڑی چھپی رستم نکلی ہو تم؟ اور یہ رشتے والی کیا کہانی ہے؟'' تایا تائی کی طرف گوری چٹی ردا ایک دم شرماسی گئی تھی۔ سب سے ملنے کے بعد وہ اب اس کے پاس آ گئی۔

''مجھے کیا پتا امی جان سے پوچھو؟''

''موصوف کا حدود اربعہ کیا ہے؟'' اس نے باقاعدہ تفتیش کا آغاز کر لیا تھا۔

''امی جی کی خالہ کی بہو کا بیٹا ہے۔ ان لوگوں کا اپنا کاروبار ہے، لمبا چوڑا سا۔ زیادہ تفصیل مجھے بھی نہیں پتا۔ یہ لوگ بھی بہت کم ملتے رہے ہیں نا۔ کبھی کبھار شادی بیاہ میں امی وغیرہ ہی آتی جاتی رہی ہیں، چند دن پہلے ان لوگوں نے کال کر کے نانی جی سے بات کی اور پھر انہوں نے امی کو کہا اور یوں امی ابو نے ان کو آج گھر بلوا لیا ہے۔ ابھی صرف دیکھنے دکھانے کا سلسلہ ہے۔ اپروول وغیرہ کا پراسس بعد کی بات ہے۔'' ردا نے تفصیلاً ذکر کر دیا تھا۔

''اوہ! میں سمجھی کہ آج ہی باقاعدہ معاملہ طے ہو جائے گا۔ کوئی تصویر وغیرہ ہے لڑکے کی، نام کیا ہے؟''

''نہیں...... تصویر نہیں ہے۔ امی کی یہ خالہ تمہیں پتا تو ہے سرگودھا سے آگے کسی علاقے کی رہنے والی ہیں۔ وہیں ان کا پھلوں کا کاروبار ہے، اپنی فیکٹریاں ہیں۔ اتنی دور کی رشتہ داری کہاں ملنا ملانا تھا پہلے کبھی، ہم بھی اپنی تعلیم کی وجہ سے کہیں آئے گئے ہی نہیں اور نہ ہی وہ لوگ آئے۔''

''تو تمہیں دیکھ کہاں لیا ان لوگوں نے؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''بڑے ماموں اور نانی لوگوں کی کوشش ہے، بڑے ماموں کا زیادہ آنا جانا ہے پھر رمشاء باجی کے بڑے بیٹے کے عقیقے کی تصاویر کہیں ادھر گئی تھیں، بس آپی کہہ رہی تھیں کہ وہی تصاویر دیکھ کر امی کی خالہ کی بہو نے پوچھ گچھ شروع کر دی، وہ آج کل اپنے بیٹے کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی تھیں نا۔''

''اور نظر انتخاب تم پر ٹھہری، چلو اللہ بہتر کرے گا۔'' وہ ہنس دی، تبھی تائی بیگم چلی آئیں۔

''لڑکیو باتیں بعد میں کر لینا، بہت کام ہے کرنے والا، بے شک وہ لوگ رسماً آ رہے ہیں مگر میری سگی خالہ اور ان کی بہو کی فیملی ہے۔ کھانا اچھا سا ہونا چاہیے۔ شام کو وہ لوگ پہنچ رہے ہیں، رات ٹھہریں گے کل واپسی ہو گی۔'' وہ کچن میں ردا کو لیے پوچھ تاچھ کر رہی تھی تائی بیگم بھی ادھر آ گئی تھیں۔

''رمشاء کو فون کر دیا تھا، تمہارے بڑے ماموں رمشاء اور نانی بھی آ رہے ہیں، کتنے افراد ہو جائیں گے۔'' انہوں نے ساتھ ساتھ افراد کی تعداد بھی واضح کر دی تھی۔ دوپہر میں رمشاء باجی بھی آ گئی تھیں اور پھر ان لوگوں نے مل کر سارا کام سمیٹ لیا تھا۔ عمر آفس میں تھا تو سکندر اپنے دوستوں کے ساتھ کمبائن اسٹڈی میں مصروف۔ سہ پہر تک وہ تینوں مل کر نا صرف کچن کا سارا کام نبٹا چکی تھیں بلکہ گھر کی حالت بھی درست کر چکی تھیں۔ وہ لوگ ادھر سے نکل چکے تھے ردا کے ماموں سے فون پر مسلسل رابطہ

تھا، تقریباً شام تک وہ لوگ پہنچ رہے تھے۔

ردا نہا کر اپنا خوبصورت سٹائلش سا سوٹ پہن کر بہت پیاری لگ رہی تھی، جبکہ وہ سارے دن کی بھاگ دوڑ کے بعد اب کچھ پل سکون کے ملے تو اس کے بستر پر دراز ہو چکی تھی۔

''تم بھی چینج کر لو، کچن کا کام کرتے تمہارا یہ اسکائی بلیو سوٹ میلا ہو گیا ہے۔'' ردا بال بناتے کہہ رہی تھی۔

''نہ بابا مجھے تو معاف ہی رکھو۔ وہ لوگ تمہارے لیے آ رہے ہیں، مجھے کیوں کباب میں ہڈی بنا رہی ہو، ویسے بھی میں ساتھ میں کوئی جوڑا لے کر نہیں آئی تھی۔''

''میرا کوئی سوٹ پہن لو۔'' اس نے جھٹ آفر کر دی تھی، تبھی سکندر نے کمرے میں جھانکا تھا۔

''اوئے ہوئے......آج تو ہمارے غریب خانے میں بڑے بڑے لوگ رونق افروز ہیں۔'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھی۔

''وہ بڑے بڑے لوگ تھل کے ریگستانوں میں پائے جاتے ہیں غالباً......'' سکندر ہنس پڑا۔

''ہاں جس رفتار سے تمہارا قد بڑھ رہا تھا کسی زمانے میں مجھے تشویش لاحق ہو گئی تھی کہ کہیں تمہیں بھی ریگستانوں میں نہ چھوڑنا پڑے۔'' جواباً اس نے گھوڑا۔

''بکومت......'' اس نے فوراً ٹوکا۔ ''اور یہ تمہاری تیاری کیسی ہو رہی ہے؟''

''بالکل اے ون! یہ تمہاری ہمشیرہ صاحبہ کدھر تشریف فرما ہیں آج کل؟ کیمپس سے فری ہونے کے بعد تو نظر ہی نہیں آتیں۔ چند دن پہلے کال کی تھی مجھے نوٹس چاہیے تھے کچھ مگر صاف انکار کر دیا جواباً دوستوں کی منتیں کرنا پڑیں۔

''سارے سال کیمپس میں سنجیدگی سے پڑھائی کرتے تو نوٹس مانگنے کی نوبت کیوں آتی؟ بہت اچھا کیا آمنہ نے انکار کر دیا۔ تمہیں بھی تو اب پتا چلے کہ سارا سال لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ کر کے وقت ضائع کرنے کی سزا کیا ہوتی ہے۔'' اس نے فوراً آئینہ دکھایا تھا سکندر نے گھورا جبکہ ردا کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''بڑے دن بعد تم سے ملاقات ہو رہی ہے یار! کچھ تو لحاظ وحاظ کرو۔'' اس نے مسکین سی شکل بنالی تھی۔

''مستقبل کی بھابی صاحبہ ہیں یہ، ابھی سے پریکٹس کر رہی ہیں رُعب ڈالنے کی۔''

''روزانہ یہ ایسی ہی بے عزتی کیا کرے گی۔'' ردا نے چھیڑا۔ وہ ایک دم خاموش ہو کر اسے گھورنے لگی۔

''عمر بھائی آ گئے ہیں؟'' بال بنا کر سلیقے سے دوپٹہ کندھوں پر جما کر وہ بھی اس کے پاس بستر پر آ بیٹھی تھی۔

''جی آ گئے ہیں، امی ابو اور ماموں نانی کی عدالت میں سلام دُعا کر رہے تھے۔''

''میں نے سنا تھا ابھی میرا ذکر خیر ہو رہا تھا۔'' وہ کون سا اپنے بھائی سے کم تھا، فوراً دروازے سے اندر آ گیا اور پھر مریم کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چمک بڑھی تھی۔

''یہ مریم اور ردا آپ کی چغلیاں کر رہی تھیں، میں نے روکا تو مریم مجھ سے لڑنے لگی، ویسے برادر تمہیں اس بھوری بلی میں نظر کیا آیا تھا؟ کوئی اور نہیں ملی تمہیں۔'' کچھ دیر پہلے ہونے والی بے عزتی کا فوراً بدلہ چکا رہا تھا۔

مریم کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

''اس سے بُرائیوں کے علاوہ اور توقع بھی نہیں۔'' عمر ہنسا تھا۔
''میں نے کوئی چغلی وغلی نہیں کی۔ یہ بکواس کر رہا ہے۔'' اس نے فوراً سکندر کو گھورتے اسے بھی دیکھا وہ جواب اندر آ کر کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تھا۔
''آمنہ اور فوزیہ نہیں آئیں۔''
''آمنہ پیپرز کی تیاری میں مصروف تھی اور فوزیہ کو امی گھر چھوڑ آئی تھیں کہ آمنہ اکیلی ہو گئی گھر میں۔'' سکندر کے معنی خیز اشاروں کو نظر انداز کر کے اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''اور چچا جان......''
''ابو کام سے واپسی پر ادھر ہی آئیں گے ہمیں لینے۔''
''ہائے تم رات نہیں رُکو گی۔'' ردا نے پوچھا تو اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔
''بے مروت اتنے دنوں بعد چکر لگایا ہے، کم از کم رات تو رُکتیں، میں خود چچی سے بات کروں گی۔''
''نہیں یار! پھر کبھی چکر لگاؤں گی۔''
عمر نے بغور دیکھا۔ جب سے ان لوگوں کی طرف سے اس کے پرپوزل کی بات چلی تھی وہ ان کے ہاں آنے اور رہنے سے کترانے لگی تھی۔ اب بھی شاید کئی ماہ بعد چکر لگا تھا اس کا، وہ اس سے بچ کر رہتی تھی۔ بظاہر منہ پھٹ تھی مگر بعض اوقات بہت محتاط ہو جاتی تھی۔
''آگے کا کیا ارادہ ہے؟''
''ایم ایس سی میں ایڈمیشن لوں گی، تم ساتھ ہو گی نا؟'' عمر کو جواب دے کر اس نے ردا کو دیکھا۔
''پتا نہیں بھائی لوگوں کو ہی پتا ہو گا۔'' اس نے پھر عمر کو دیکھا۔
وہ ردا اور رمشاء بچپن سے اکٹھی پڑھتی آ رہی تھیں۔ ایک ہی سبجیکٹس ایک ہی کلاس اور ایک ہی ادارے میں اکٹھی رہی تھیں، چند دن پہلے تک ردا کا بھی پکا ارادہ تھا مگر اب وہ ڈانواں ڈول ہو چکی تھی۔
''فی الحال تو کچھ نہیں کہا جا سکتا، کیا پلاننگ ہے بعد میں ہی دیکھیں گے۔'' وہ اُٹھ گیا تھا، وہ جو اس کی بات سنتے اسے دیکھ رہی تھی، بات مکمل کرتے عمر مسکرایا تو وہ ایک دم گھبرا کر سر جھکا گئی۔ عمر کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔
''چلو اُٹھو میرے کپڑے نکال دو۔ میں ہاتھ لے لوں۔'' ردا کو کہہ کر وہ باہر نکل گیا تھا، ردا بھی اس کے پیچھے چلی گئی تھی جبکہ سکندر وہیں براجمان پھر شروع ہو گیا تھا اور وہ گہری سانس لیتے اس کی اوٹ پٹانگ باتوں کے اوٹ پٹانگ جواب دینے لگی تھی۔

❖ ✿ ❖

ردا کو دیکھنے والے اسے پسند کر گئے تھے، اِدھر سے بھی چند لوگ امی ابو سمیت جا کر دیکھ آئے تھے، کون سا غیر لوگ تھے جو لمبی چوڑی تفتیش ہوتی۔ ایک دو بار چکر لگانے کے بعد بات فائنل ہو گئی تھی، اب باقاعدہ منگنی ہو رہی تھی۔ لڑکا بہت خوبصورت اور ایجوکیٹڈ تھا۔ مریم تصویر دیکھ کر متاثر ہوئی تھی، بقول امی جی کے کہ وہ اصل میں تصویر سے بھی زیادہ شاندار ہے۔ فیملی بہت

اسٹرونگ اور اچھی خاصی تھی امی آج کل گم سم سی ہوگئی تھیں۔ ردا مریم سے بھی چند ماہ چھوٹی تھی، اس کی منگنی ہو رہی تھی۔ فوزیہ کو ماسٹر کیے بھی دو سال ہو رہے تھے، وہ ہر آئے گئے سے صرف ایک ہی ذکر کر رہی تھیں کہ اس کا رشتہ ڈھونڈیں۔ چند لوگ آئے بھی مگر کہیں بات نہ بنی، تو ان کے دل کا وہم ایک آہ بنتے ان کے لبوں پر جاری رہنے لگا۔

اس وقت ایک رشتہ کرنے والی اُٹھ کر گئی تھی اور امی فوزیہ کے ساتھ دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔ ان کی بات سن کر فوزیہ کے تیور بدلے۔ مریم نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔

''امی! آپ مسلسل حسد جیسی بیماری کا شکار ہو رہی ہیں۔ ہر وقت ردا، ردا کی تکرار کرتے رہنا، آخر کیا مقصد ہے آپ کا؟''

وہ آخر کار پھٹ پڑی تھی، مریم نے گہرا سانس لیا، امی نے خاصی حیرت سے اسے دیکھا۔

''میں بھلا کیوں حسد کروں گی، ماں ہوں فکر ہے تمہاری اور اس کی عمر کا حساب لگا رہی ہوں میں۔''

''حسد ہی تو ہے یہ، کسی چیز پر بھلا آپ کا کیا زور ہے؟ عمر اور مریم کا نام تائی نے لے کر کیا جرم کرلیا ہے، جو آپ ہر وقت ہر کسی کے سامنے دہراتی رہتی ہیں، پلیز ختم کریں یہ سلسلہ کئی لوگوں کی شادیاں نہیں ہوتیں۔ آج کل کے لوگوں کو امیر کبیر لمبے چوڑے جہیز والی بہو چاہیے جو ہم نہیں دے سکتے، پھر اس کی ٹینشن لینے کا فائدہ؟ آپ نے ہر روز کسی نہ کسی کو بلوا رکھا ہوتا ہے۔ عجیب تماشہ بنوا دیا ہے میرا۔''

''ہیں...... ہیں......'' امی حیرت سے فوزیہ کا ری ایکشن دیکھ رہی تھیں۔ فوزیہ ان کی اولاد میں سب سے زیادہ صابر و شاکر اور گم سم رہنے والی ہستی تھی اب اس کا یہ انداز انہیں حیرت زدہ کر گیا تھا۔

''آپ کے دل میں کدورت ہے کہ تائی نے میرے بجائے مریم کا کیوں نام لیا؟ انکار کر رہی ہیں تو غلط کر رہی ہیں۔ آج کل کے دور میں اچھے رشتے مشکل سے ملتے ہیں۔ عمر ایک اچھا نوجوان ہے، اگر قسمت سے تائی نے مریم کے لیے مانگ لیا ہے تو کیوں ناراضی ظاہر کرتی ہیں؟ کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں اس کی شادی کرنی ہے نا تو عمر ہر لحاظ سے قابل قبول اور پرفیکٹ ہے تو پھر حرج کیا ہے، جو کام کل ہونا ہے وہ آج ہی ہو جائے۔'' وہ اب غصے کے بجائے خاصی رسانیت سے امی سے کہہ رہی تھی۔

''بڑی دو کی چھوڑ کر اس کی کردوں، جانتی ہو تمہاری دادی کیا کہہ رہی تھیں اس دن جب ردا کو دیکھنے آئے تھے وہ لوگ تو میں نے تمہارا اور عمر کا ذکر کیا تو تمہاری دادی نے کہا کہ فوزیہ کا کہیں باہر دیکھ لو باقی دونوں کی فکر مت کرو۔ اس دن میرا دل خراب ہوا اور اب تمہاری دادی روز فون کر کے کہہ رہی ہیں کہ ردا کے ساتھ ہی عمر اور مریم کی بھی منگنی کردوں۔ ردا کے بعد گھر سنبھالنے والی چاہیے، اگر میں ہاں کردوں تو ٹھیک ورنہ پھر تمہاری تائی باہر کہیں دیکھیں گی۔'' امی نے دل کی بات کہی تو فوزیہ تو خاموش ہوئی تھی، وہ بھی چند پل کو حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

''امی میری فکر مت کریں، پلیز انکار مت کریں، اگر وہ فوراً شادی کا کہتی ہیں تو ہمیں اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ تائی بیمار رہتی ہیں ردا کے بعد واقعی اس گھر کو ایک عورت کی ضرورت ہے۔'' فوزیہ نے سنبھل کر سمجھایا۔

''ہرگز نہیں میں نے ابھی ایم ایس سی کرنا ہے اور اگلے پانچ چھ سال تک تو شادی کا نام تک نہ لیجیے گا میں نہیں اتنی جلدی شادی کرنے والی۔'' وہ جو قدرے فاصلے پر چارپائی پر لیٹی رسالہ ہاتھ میں پکڑے دونوں کے خیال میں بے خبر تھی، اسے یوں منہ

پھاڑ کر انکار کرتے دیکھ کر دونوں ہی چونک گئیں۔
''لو سن لو اور تم کہہ رہی تھیں کہ اس کی شادی کر دوں۔ یہ تم سے کم ہے کیا، جب تمہارے لیے رشتے مل رہے تھے تم نے بھی ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی کہ پہلے پڑھوں گی پھر شادی وادی کیجیے گا اب یہ تمہاری جگہ لے چکی ہے۔ کر لیں شادیاں میں نے تم لوگوں کی۔'' امی تو اس صاف انکار پر بھنا کر ایک دم غصے سے بولی تھیں۔
''تمہیں کیا مسئلہ ہے؟'' فوزیہ نے گھر کا۔
''ایم ایس سی مکمل کرنا ہے اگر کسی نے میری تعلیم کے دوران روڑے اٹکائے تو بہت بُرا کروں گی۔ فوزیہ یا آمنہ کی کر دیں امی، میرا نام نہ لیجیے گا۔ تائی بھلے کہیں اور دیکھ لیں۔'' رسالہ چارپائی پر پٹخ کر وہ غصے سے کہتی اُٹھ گئی اور امی نے بہت غصے سے فوزیہ کو دیکھا۔
''یہ دیکھ لیا اس کا انداز، آ جائیں تمہارے ابا...... صاف جواب دوں گی۔ کل خالہ بتول کسی فیملی کو لے کر آ رہی ہیں، اب جیسی بھی ہوئی میں نے کر دینا ہے تم تینوں کا ہی، بھابی بیگم عمر اور سکندر کے لیے مانگ تو رہی ہیں نا، میں نہیں انکار کروں گی۔'' فوزیہ نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

❖ ✿ ❖

فوزیہ کی ایک جگہ بات چلی چند دن میں دونوں طرف سے لوگ آئے گئے اور پھر عین موقع پر آ کر ان لوگوں نے انکار کر دیا، امی کا صدمہ سے بُرا حال تھا۔ دوسری طرف ردا کی منگنی کی تیاریاں ہو رہی تھیں، دادی کے بار بار کہنے پر امی نے صاف کہہ دیا تھا کہ جب تک فوزیہ کا کہیں نہیں ہو جاتا وہ آمنہ اور مریم کا بھی نہیں کریں گی۔ سب نے سمجھایا مگر ان کی ضد نہ ٹوٹی۔ مریم مطمئن ہو گئی تو آمنہ کو تو پہلے بھی کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ وہ آج کل پیپرز دے رہی تھی، دو تین پیپرز رہ گئے تھے چونکہ سکندر اور اس کے ایگزیمز کے ایک ساتھ مکمل ہوئے تھے سو منگنی ایگزیمز کے بعد تھی۔
ردا کئی بار اسے کال کر چکی تھی خود بھی ایک دو بار آ کر اسے کہہ چکی تھی کہ وہ اس کے ساتھ چل کر منگنی کی تیاری کروا دے مگر امی کے رویے سے سب سے زیادہ وہ متاثر ہو رہی تھی، اس لیے اس نے صاف انکار کر دیا۔ دوسری طرف عمر کی کبھی کبھار گھر کے نمبر پر آنے والی کالز کو بھی وہ مکمل طور پر نظر انداز کر رہی تھی۔
ردا عمر کے ساتھ آئی تو عمر کے سامنے جانے کے بجائے چائے بنا کر ردا کے ہاتھ امی کے کمرے میں بیٹھے عمر کے پاس بھجوا کر وہ اسے لیے چھت پر آ گئی۔ آمنہ اور فوزیہ بھی وقار کے ساتھ امی کے کمرے میں تھیں، سو وہ مطمئن ہو تھی کہ اگر کوئی ضرورت پڑی تو امی اسے آواز نہیں دیں گی۔
''کتنے دن ہو گئے ہیں صبا ننھیال جا کر بیٹھ گئی ہے، لگتا ہے رزلٹ اناؤنس ہونے پر ہی اب لوٹے گی۔'' ساتھ والی چھت کو دیوار میں بنے سوراخوں میں سے دیکھتے ردا نے کہا۔
''ہاں رات ذکر کر تو رہی تھی کہ صبح آ جاؤں گی، کال کی تھی اس نے۔ اب پتا نہیں آئی ہے کہ نہیں اب اگر آئی ہوتی تو ہمارے ہاں چکر تو ضرور لگاتی۔''

''خاور بھائی آئے ہوئے ہیں کیا؟'' ردا کے پوچھنے پر وہ چونکی۔

''نہیں وہ تو نہیں آئے گی۔''

''مگر ہم جب آئے تھے وہ اپنے گیٹ پر کھڑے تھے، بھائی سے سلام دُعا کی تھی، ہمیں بلا رہے تھے۔

''ہوسکتا ہے مگر ہمیں علم نہیں۔'' ساتھ والا گھر ابو کی دور کی پھوپھی کا گھر تھا۔ جہاں ان کی وفات کے بعد اب ان کے بڑے بیٹے اور بہو اپنی اولاد کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ صبا انہی کی بیٹی تھی اور خاور اس کے بڑے بھائی تھے۔ جو آرمی میں تھے کبھی کبھار ہی چکر لگاتے تھے۔

''مریم تمہارا رویہ بدل گیا ہے یا مجھے لگ رہا ہے۔ تم عمر بھائی سے بھی نہیں ملیں جبکہ وہ کتنے دنوں سے تمہارے رویے سے پریشان تھے، آج مجھے لے کر اس لیے آئے تھے کہ تم سے بات کریں گے مگر تم ان کے سامنے تک نہیں گئیں، سلام دُعا تو دور کی بات ہے۔''

مریم نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔ عمر کی سنجیدگی عمر کے علاوہ ردا اور سکندر سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ اس کے اپنے گھر میں سب لوگ کس حد تک باخبر تھے اسے اندازہ تھا مگر اس کے رشتے والی بات جس طرح سب کے علم میں آچکی تھی ایسے میں وہ عمر سے سلام تک بھی کرنے کو تیار نہ تھی۔ امی کے آج کل جو تیور اور مزاج ہو رہا تھا اس میں اسے یہی احتیاط اچھی لگی تھی۔

''دیکھو ردا! تم بہن ہو، تم اپنے بھائی کی ہی فیور کرو گی مگر ایک بات کہوں گی جس طرح امی اور ابو جی فوزیہ کی طرف سے پریشان ہیں، ہر روز نت نئے لوگ آرہے ہیں کچھ کے معیار پر ہم نہیں پورے اُتر رہے اور کچھ لوگ ہمارے معیار پر...... ایسے میں فوزیہ کے احساسات کس حد تک مجروح ہو رہے ہیں تم اندازہ لگا سکتی ہو۔ کیا یہ زیادتی نہیں تھی کہ فوزیہ جیسی ذہین کوالیفائیڈ خوبصورت لڑکی چھوڑ کر تائی بیگم نے میرا نام لیا۔ امی جی کا کہنا غلط نہیں اوپر سے جس طرح تم لوگوں نے شوشا چھوڑا کہ تمہارے ساتھ میری بھی بات پکی کر کے شادی کر دی جائے سوچو ذرا امی یا فوزیہ کے جذبات کو ٹھیس نہ لگی ہو گی۔ میں آخری بیٹی ہوں اپنی فیملی کی اور فوزیہ مجھ سے کئی درجہ بڑی، عمر بھائی کے لیے تم لوگوں نے میرا نام لیا یہ سراسر زیادتی نہیں کیا؟''

''عمر بھائی تمہیں پسند کرتے ہیں اور میرے بعد گھر میں ایک عورت چاہیے تھی اس لیے دادی اور امی نے چچی سے بات کی تھی اس میں بھلا زیادتی والی کیا بات ہوئی۔''

''میں عمر بھائی کو پسند نہیں کرتی، ٹھیک ہے وہ ہر لحاظ سے اچھے ہیں مگر میں اپنی ایجوکیشن ادھوری نہیں چھوڑ سکتی، دوسری بات یہ کہ فوزیہ کی جب تک کہیں بات نہیں فائنل ہوتی ہم لوگ ایسا سوچیں گے بھی نہیں۔'' ردا اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

''تم واقعی عمر بھائی کو پسند نہیں کرتیں۔'' وہ ابھی تک اس کی پہلی بات میں ہی اٹکی ہوئی تھی۔

''جو مرضی سمجھ لو۔'' اس نے لاپروائی سے کندھے اچکا دیئے۔

''اور عمر بھائی کے تمہارے لیے جو احساسات و جذبات ہیں وہ سب......؟''

''یہ سب یکطرفہ ہیں، اس میں میرا قطعی کوئی قصور نہیں۔'' ردا خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔ برسوں کا ساتھ تھا ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھ کر اندر کا حال بتا سکتی تھیں مگر اس پل ردا مریم کے بے تاثر چہرے سے کچھ اخذ نہ کر پائی تھی۔

''عمر بھائی تمہاری ایجوکیشن کے معاملے میں اثر انداز نہیں ہوں گے، ہماری بھی مجبوری ہے۔ امی بیمار ہیں، وہ تمہیں سپورٹ کریں گی، تھوڑی بہت گنجائش تو نکالو یار!'' وہ ملتجی ہوئی تھی، وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اپنی ایجوکیشن کی وجہ سے ایسا کہہ رہی ہے۔

''سوری! تم لوگ فوزیہ کے بارے میں سوچ لو۔ وہ ہر لحاظ سے پرفیکٹ لڑکی ہیں۔ تمہارے بھائی کے ساتھ سوٹ کرتی ہیں، ان کی ہم عمر ہیں۔''

''سوٹ تو تم بھی کرتی ہو۔'' وہ ناراضی سے کہہ رہی تھی۔

''تم لوگ ہماری پرابلم نہیں سمجھتے، کیا فائدہ ایسی رشتہ داری کا؟ ہم نے بھی تو عبید بھائی کے لیے عندلیب بھابی کا پروپوزل لیا تھا۔ اب جبکہ ہم پرابلم میں ہیں تو تم لوگوں نے اپنا معیار اپنا رکھا ہے۔ یہ طے ہے امی نے کبھی فوزیہ سے پہلے آمنہ یا میری بات طے نہیں کرنی اور تمہاری شادی رُک نہیں سکتی۔ تو بہتر ہے تم لوگ باہر کہیں دیکھ لو۔ کہیں نہ کہیں ہم لوگ بھی دیکھ لیں گے فوزیہ کے لیے۔ رہ گئی میں، تو ابھی بہت وقت پڑا ہے، پریکٹیکل لائف کے متعلق میں نے کبھی نہیں سوچا۔ ایجوکیشن کمپلیٹ کرنی ہے پھر جاب کروں گی، بیچلر لائف انجوائے کروں گی یار!'' وہ خاصی مطمئن تھی۔ ردا بڑے دُکھ سے اسے دیکھنے لگی اور اور پھر بغیر کچھ کہے پلٹی تھی۔

''ردا......'' مریم کو ایک دم اندازہ ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی ہے۔

اتنے دنوں کا غبار جو امی کی باتوں سے دل میں جمع تھا، غلط وقت پر اور غلط بندے پر نکلا تھا۔ اسے ایک دم اپنی زیادتی کا احساس ہوا۔

''ردا! پلیز رُکو تو...... میری بات تو سنو......'' وہ اس کے ساتھ سیڑھیاں اُترتے ساتھ چلتے امی کے کمرے تک آئی تھی مگر اندر سے عمر، وقار، آمنہ کے قہقہوں کی آواز سنائی دی تو رُک گئی جبکہ ردا اندر داخل ہو چکی تھی۔

''عمر بھائی گھر چلیں......'' وہ کہہ رہی تھی۔

''چلتے ہیں، ابھی ٹھہرو تو سہی۔''

''نہیں......ابھی چلیں...... میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی اس کی آواز میں عجیب سا احساس تھا۔ مریم لب بھینچے پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی، اس نے غلط کہا تھا یا درست مگر ردا کے رویئے نے اسے عجیب انداز میں گم سم کر دیا تھا اور پھر سونے تک وہ گم سم ہی رہی۔

❖ ۞ ❖

عمر ردا کے رویے سے پریشان ہو چکا تھا، جس طرح اس نے فوراً گھر واپسی کی ضد پکڑی تھی وہ اُلجھ گیا تھا۔ وہ مریم سے ملے اور بات کیے بغیر نہیں آنا چاہتا تھا مگر مریم ملنا تو ایک طرف سلام دُعا کرنے تک آئی تھی اور وہ مریم کے رویے سے بھی اُلجھ چکا تھا۔ وہ بھی پہلے بھی اس کے جذبات واحساسات کا مثبت جواب نہیں دیتی تھی، اب وہ خاصی بدلی ہوئی تھی اوپر سے ردا کا رویہ...... سارا راستہ وہ خاموش رہی تھی۔

''کیا بات ہے؟ مریم سے کوئی بات ہوئی تھی کیا؟'' گھر آ کر اس نے پوچھا تو جواباً اس نے مریم کی تمام گفتگو کہہ سنائی۔

''اوہ اتنی سی بات ہے میں سمجھا نجانے کیا ہو گیا ہے۔'' وہ کچھ مطمئن سا ہوا۔

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے وہ سراسر ہمیں قصوروار ٹھہرا رہی ہے کہ فوزیہ باجی کا رشتہ نہ لے کر ہم نے زیادتی کی ہے۔ اس کے نزدیک آپ کے جذبات و احساسات کوئی معنی نہیں رکھتے بقول اس کے کہ اس نے آپ کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی، یہ سراسر آپ کی حماقت ہے اس کا ہیڈک نہیں۔'' عمر ہنس دیا۔

''وہ اپنی سوچ اپنے فیصلے، اپنے ہر معاملے میں آزاد ہے یار! وہ ایک اچھی لڑکی ہے اور اس کا ری ایکشن بالکل بجا ہے۔ اپنے والدین اور گھریلو مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی سوچ غلط نہیں ہے۔ فوزیہ کے ہوتے ہوئے ہم نے مریم کا نام لیا۔ یہ واقعی زیادتی ہے۔''

''کیسی زیادتی...... آپ اسے پسند کرتے ہیں، آپ کے دل کا معاملہ ہے پھر زبردستی کیوں۔ چچی جان خوامخواہ اس کو ضد اور انا کا معاملہ بنا رہی ہیں۔'' عمر کے بہت ہی پُرسکون انداز پر وہ خاصی بھنا کر بولی تھی۔

''یہ اس کے دل کا معاملہ نہیں ہے اس لیے اس کا ری ایکشن بالکل درست ہے۔ ڈونٹ وری میں پھر کسی دن چکر لگاؤں گا اس سے بات کروں گا۔ فون پر تو وہ اب ملتی نہیں، کیا کہا جا سکتا ہے۔'' عمر کی بات پر وہ چپ ہو گئی تھی۔

❖ ❀ ❖

اگلے دن عمر آفس سے جلدی اُٹھ گیا تھا، عموماً وہ چچا کے گھر شام کے بعد ردا وغیرہ کے ساتھ ہی چکر لگاتا تھا، مگر آج وہ اکیلا ہی چلا آیا تھا۔ مریم کوئی میگزین لیے فوزیہ کے بستر پر لیٹی ورق گردانی کر رہی تھی جبکہ آمنہ اپنی کتابیں لیے چلی آئی، پرسوں اس کا چوتھا پیپر تھا۔ وہ صحن میں بیٹھی تیاری کر رہی تھی۔

''عمر بھائی آئے ہیں، امی کہہ رہی تھیں کہ چائے بنا دو۔'' اس پیغام پر اس نے چونک کر اسے دیکھا، کل سے ردا کی کوئی کال میسج کچھ بھی نہیں آیا تھا اور اب اس شخص کی آمد؟''

''یہ عمر بھائی لگتا ہے بہت فارغ ہیں آج کل۔'' اس بے وقت کی آمد پر اس کو سخت کوفت نے آلیا۔

''مجھے کیا پتا پوچھ لینا، پلیز چائے بناؤ تو مجھے بھی ایک کپ دے دینا، صبح سے پڑھ پڑھ کر اب سر دُکھنے لگا ہے۔'' اس کا جی چاہا کہ صاف انکار کر دے مگر پھر کچھ سوچ کر کچن میں آ گئی۔

چائے بنا کر اس نے فریج میں جھانکا، نمکو، بسکٹ، کباب ہر چیز موجود تھی۔ اس نے نمکو، بسکٹ نکال کر ٹرے تیار کی، آمنہ کے لیے کپ بھی اس میں رکھ دیا تھا۔

''یہ ٹرے تیار ہے، اندر لے جانا میں صبا کے ہاں جا رہی ہوں، امی پوچھیں تو بتا دینا۔'' واپس اپنے کمرے میں آ کر ٹرے آمنہ کے سامنے کی۔

''مگر صبا تو ابھی تک واپس نہیں آئی اُدھر کیوں جا رہی ہو؟'' وہ اُدھر صرف صبا کے لیے ہی جاتی تھی۔

''پرسوں رات فون پر بات ہوئی تھی، کہہ رہی تھی کہ صبح آ جاؤں گی ہو سکتا ہے آ گئی ہو۔ میں نے کل چکر لگایا نہ ہی آج...... اب سوچ رہی ہوں کہ دیکھوں تو سہی آئی ہے کہ نہیں۔ تم یہ ٹرے لے جانا۔'' وہ اسے زبردستی ٹرے تھما کر نکل آئی تھی، باہر گیٹ

سے صبا کے ہاں جانے کے بجائے وہ سیڑھیاں چڑھتے چھت پر آ گئی تھی۔ صبا اور ان کے گھر کی چھت ساتھ ساتھ تھی، درمیان میں تقریباً چھ فٹ لمبی دیوار تھی، وہ اور صبا ہمیشہ ایک دوسرے کے گھر آنے جانے کے لیے اسی باؤنڈری وال کو کراس کیا کرتی تھیں۔
دیوار کے سوراخوں میں پاؤں پھنسا کر دیوار پر چڑھ کر وہ دوسری چھت پر کود گئی تھی۔ چھت کراس کر کے وہ سیڑھیاں اُتر رہی تھی جب خاور بھائی نے رستے میں ہی روک لیا۔ وہ سیڑھیاں چڑھتے اوپر آ رہے تھے شاید۔
''خوش آمدید...... خوش آمدید...... یہ سواری باد بہاری ہمارے گھر درشن دینے کیسی آ گئی بھلا؟'' وہ اسے سامنے دیکھ کر حقیقتاً خوش ہوئے تھے۔ وہ ہنس دی۔
''سلام نہ دُعا، ایک دم اعتراض کر ڈالا ہے۔ رات کو مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپ آئے ہوئے ہیں، کہیے کیسے ہیں آپ؟''
''وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں، تم سناؤ؟ آج ادھر کیسے نازل ہوئی ہو۔'' ان کا وہی انداز تھا۔
''میں بھی ٹھیک ہوں، نازل تو مصیبتیں ہوتی ہیں میں تو رحمت کی دیوی بن کر سیڑھیوں سے اُتری ہوں۔ میں نے سوچا ہمسائیوں نے تو منہ دکھانا بند کر دیا ہے میں خود ہی جا کر بھائی صاحب کا رُخ روشن کا دیدار کر آؤں۔ ویسے کامرے سے کب لوٹے۔'' اس کی خوش دلی پر خاور بھائی ہنس دیئے۔
''کل صبح لوٹا تھا، ایک خاصی ظالم خبر سنی تھی سوچا ظالم خبر کی تصدیق بھی کرتے چلیں۔'' وہ مسکرا دی ان کی بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔
''کیسی ظالم خبر؟''
''جانے دو، سنا ہے بلا سر سے ٹل گئی ہے اب۔'' وہ کچھ نہ سمجھی تھی۔
''آپ کی یہ باتیں میرے سر سے گزر جاتی ہیں۔''
''ابھی تو عقل مکتب ہوسٹر! ذہن پر زور ڈالنے کا فائدہ بھی نہیں۔ تمہارا اوپر والا چیمبر خالی ہے پھر حاصل جستجو کا فائدہ۔'' انہوں نے اپنے دماغ پر انگلی رکھ کر چھیڑا، وہ فوراً مان گئی۔
''لگتا ہے اس دفعہ خاصے پَر لگ گئے ہیں آپ کو۔ ویسے کیپٹن صاحب کوئی اسٹار وغیرہ بھی لگا ہے یا نہیں۔''
''ہاں اسٹار تو لگتے رہتے ہیں، رہ گئے پَر تو جو تھے وہ بھی کٹ گئے۔ اب تو اُڑنے کی سکت تک نہیں۔'' اس نے گھورا۔ بھرپور ایکٹنگ والا انداز تھا۔ لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔
''سنا ہے آج کل خالہ جان تمہاری ہمشیر محترمہ کے رشتے کی مہم شروع کیے ہوئے ہیں پھر کوئی ملا معقول سا پرپوزل جو تمہاری ذہین فطین بہن صاحبہ کے شایانِ شان بھی ہو۔'' ان کا انداز اب بھی چھیڑنے والا تھا مگر انہوں نے گویا اس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔
''کہاں خاور بھائی! جو چند ایک دیکھے بھی تو وہ بھی اتنے بکواس کہ حد نہیں۔ یہ رشتہ تلاش مہم مجھے لگتا ہے اب مسئلہ کشمیر بنتی جا رہی ہے سچ مچ۔''
''اوہ آئی سی......'' خاور بھائی نے ہونٹ سکیڑے۔

''آپ بتائیں کب شادی کروا رہے ہیں، اب تو منگنی کو بھی ایک سال ہو رہا ہے۔ آنٹی تو روز تیاریاں کر رہی ہوتی ہیں۔ ہر آئے گئے کو بتا رہی ہوتی ہیں کہ اب جب بھی آپ کے گھر کا چکر لگا وہ تاریخ فائنل کر دیں گی۔ لگتا ہے اب اسی ارادے سے چکر لگایا ہے۔'' خاور بھائی عبید بھائی کے ہم عمر تھے، ان کے کلاس فیلو، وہ انجینئرنگ میں چلے گئے تو وہ آرمی ہیں۔ وہ سعودیہ میں کسی کمپنی میں اچھے عہدے پر جاب کر رہے تھے، شادی ہو چکی تھی جبکہ یہ ابھی تک فارغ البال تھے۔ تاہم ان کی منگنی ان کی خالہ زاد سے ہو چکی تھی۔

''میری شادی کبھی نہیں ہوگی۔'' وہ اچانک قطعیت سے کہتے سیڑھیاں پھلانگتے اوپر چلے گئے تھے اور ان کے اس ری ایکشن پر وہ حیرت سے کھڑی رہ گئی تھی۔ ان کا انداز بڑا عجیب سا تھا وہ چند پل کھڑی رہی پھر سر جھٹکتی نیچے آ گئی۔

''السلام علیکم آنٹی!'' خاور بھائی کی والدہ سامنے ہی براجمان تھیں۔

''وعلیکم السلام!'' انہوں نے اپنے مخصوص پُرغرور انداز میں جواب دیا تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

خاور بھائی کی والدہ بھی اپنی ذات میں ایک کردار تھیں۔ اپنی ذات میں خود پرست، شوہر نے ساری عمر باہر کمانے میں گزار دی۔ ایک بیٹا خاور اور بیٹی صبا تھے، ایک خوش باش پُرسکون زندگی گزاری تھی۔ عیش وعشرت والی، خوبصورت شاندار یہ محل جیسا گھر اور اوپر سے دولت کی ریل پیل۔ انکل اب بزنس کرتے تھے جبکہ خاور بھائی آرمی میں تھے مگر جو کچھ بھی تھا وہ بیٹے اور بیٹی کا ہی تو تھا۔ صبا نے ایک دفعہ ذکر کیا تھا کہ خاور بھائی کسی کو پسند کرتے ہیں مگر آنٹی نے ان کی پسند جاننے کے بجائے ہمیشہ کی طرح اپنی ضد پوری کی تھی۔ وہ ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں ان کا میکہ بہت دولت مند تھا اور ان کا خواب ایک پڑھی لکھی دولت مند بہو لانے کا تھا سو بیٹے کی خواہش جانے بغیر منگنی کر دی تھی، پہلے تو کئی سالوں سے صرف زبانی کلامی بات طے تھی پچھلے سال باقاعدہ منگنی بھی ہو گئی تھی۔ خاور بھائی اپنی ماں سے بُری طرح برگشتہ ہو کر ناراض ہو کر چلے گئے تھے۔ کئی کئی ماہ بعد گھر کا چکر لگاتے تھے۔ جان بوجھ کر ماں کو تنگ کرنے کو، دور دراز کے علاقوں میں اپنی پوسٹنگ کرواتے تھے اب کئی ماہ بعد گھر کا چکر لگا تھا، ان سے بات کر کے مریم کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ آنٹی اور خاور بھائی کے درمیان ہونے والی رسہ کشی ابھی تک برقرار تھی۔

''صبا آئی نہیں ابھی تک۔'' اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔ آنٹی سے گفتگو کرنا بھی گویا اپنی شامت بلانے کے مترادف تھا۔

''اگر آئی ہوتی تو تمہیں نظر نہ آتی۔'' وہی تیکھا، روکھا لہجہ۔

''میں نے سمجھا کہ شاید وہ سلیمانی ٹوپی پہن کر غائب ہو گئی ہو گی۔'' آنٹی نے بے تاثر نظروں سے دیکھا تو اس کے اندر بھی اُبال تھا۔

''فون پر بات ہوئی تھی کہہ رہی تھی کہ کل صبح آ جاؤں گی۔ میں سمجھی کہ محترمہ کل صبح آ گئی ہوں گی۔''

''اگر آئی ہوتی تو اپنے گھر سے پہلے وہ تمہارے ہاں قدم رکھتی۔'' آنٹی کا لہجہ اب کے جھنجلایا ہوا تھا، اسے ہنسی آ گئی۔

''خاور بھائی آئے ہوئے ہیں۔'' اس نے موضوع بدلا۔

''کیوں سیڑھیوں پر ملاقات نہیں ہوئی؟'' انہوں نے سر اُٹھا کر خاصی تیکھی نگاہوں کے تیر چلائے تو وہ سٹپٹا گئی یعنی آنٹی کو سب خبر تھی۔

''وہ تو ہوئی تھی، خاور بھائی آ گئے ہیں تو لگتا ہے اس دفعہ شادی کروا کر ہی جائیں گے۔'' اس نے بُرا مانے بغیر ان کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا انہوں نے خاصا تپ کر غصیلی نگاہوں سے اس کا پوسٹ مارٹم کرنا چاہا جب کے وہ مسکرا کر ان کا منہ چڑا گئی۔

''کیوں؟ تمہیں اور کوئی کام نہیں ان کن سوئیوں کے علاوہ۔'' وہ ہنس دی یعنی وہ ٹھیک جا رہی تھی، وہ آنٹی کو ایسے ہی تپاتی تھی۔

''یونہی پوچھ رہی تھی، جنرل نالج کے طور پر۔ خاور بھائی کی عمر کے تمام لڑکوں کی شادی ہو چکی ہے، میں نے سوچا کہ شاید اس دفعہ کی آمد شادی کے سلسلے میں ہی ہوئی ہے۔'' آنٹی نے بغیر جواب دیئے گھورنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ ان کی چپ پر وہ شرمندہ سی ہوگئی، بہرحال وہ بڑی تھیں، ان کی یوں دل آزاری بھی مقصد نہ تھی۔

''اچھا میں چلتی ہوں۔'' ایک منٹ کی خاموشی سے گھبرا کر وہ کھڑی ہوگئی تھی۔

''بیٹھو......'' انہوں نے مروتاً کہا، وہ نفی میں گردن ہلا گئی۔ وہ عمر سے بھاگ کر ادھر آئی تھی اب ادھر سے بھاگ کر کہاں جاتی۔

''فوزیہ کے رشتے کا کیا بنا؟'' اس کے اُٹھتے قدم رُک گئے۔

''اب تو کوئی خاص پروگریس نہیں ہوئی۔''

''پر جو چند دن پہلے ایک ڈاکٹر کا رشتہ آیا تھا؟'' انہیں ساری رپورٹ تھی وہ مسکرا دی۔

''وہ ہم سے لاکھ درجے اچھی فیملی تھی۔ ہمارا گھر دیکھ کر انہوں نے ناک منہ چڑھایا تھا بعد میں ہم نے بھی کوئی توجہ نہ دی۔'' اسی ہفتے آنے والے تازہ ترین پروپوزل کے متعلق اس نے سہولت سے بتایا۔

''ہاں لوگوں کی ڈیمانڈ بھی تو بہت اونچی ہوگئی ہے۔ ورنہ کیا کمی ہے فوزیہ میں۔''

تبھی سیڑھیاں اُترتے خاور بھائی پر نگاہ پڑی تو وہ کنفیوژ ہوگئیں، فوراً سٹپٹا کر بولیں۔

''ویسے عمر بھی تو خاصی ہوگئی ہے۔ ڈیمانڈز لوگوں کی جو بھی ہوں مگر ہر کوئی اپنے فائدے دیکھتا ہے۔'' خاور بھائی غصے سے ماں کو دیکھتے تیز تیز قدم اُٹھاتے باہر نکل گئے تھے۔ مریم کے لیے ان کا رویہ اُلجھا دینے والا تھا یقیناً وہ اپنی ماں سے ناراض تھے۔

''اب اتنی زیادہ عمر بھی نہیں، لوگوں کی لڑکیاں تو بتیس سے زیادہ کی ہو جاتی ہیں مگر والدین کو ذرا فکر نہیں ہوتی۔ آپ کے میکے میں کئی لڑکیاں ہوں گی، آپ کے بھائی کی بیٹی کی شادی مجھے یاد پڑتا ہے پینتیس سال کی عمر میں ہوئی تھی پچھلے سال۔'' آئینہ دکھانے میں وہ کون سا کم تھی فوراً حساب برابر کیا تھا، ان کے چہرے پر ناگواری ایک دم واضح تھی۔

''امیر لوگوں کی بیٹیوں کی عمر کوئی نہیں دیکھتا، لمبا چوڑا جہیز اور بینک بیلنس دیکھتے ہیں سب۔'' اب کے مریم چپ سی رہ گئی۔ جی تو چاہا کہ ایسا جواب دے کہ آئندہ وہ بات کرنا بھول جائیں مگر وہ لب کھینچ گئی۔ اسے یوں لب بھینچے دیکھ کر آنٹی کو دلی سکون حاصل ہوا۔

''تمہاری ماں بتا رہی تھیں کہ تمہاری تائی نے تمہارا عمر اور آمنہ کا سکندر کے لیے رشتہ مانگا ہے۔'' اس نے خود کو بحال کر کے گہرا سانس لیا۔

''جی بالکل ٹھیک سنا آپ نے۔ مگر امی کا فی الحال کہیں بھی بات طے کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، بھئی ہماری کون سی عمریں نکلتی جا رہی ہیں۔ ابھی تو ہم دونوں کو ڈھیر سارا پڑھنا ہے، رہ گئی فوزیہ تو امی پریشان ہیں ورنہ اس کو رشتوں کی کیا کمی بھلا؟ ہوسکتا ہے ہم عمر بھائی کے ساتھ ہی بات طے کر دیں، ویسے بھی ردا کی منگنی کے بعد شادی کریں گے وہ لوگ انہیں گھر سنبھالنے والی ہستی چاہیے اور میرا اپنی تعلیم کی قربانی دینے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' کچھ دیر پہلے والی تکلیف اب سکون سے ادھر منتقل کر رہی تھی۔ انہوں نے ناگواری سے اسے دیکھا وہ مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔

''چلتی ہوں۔'' وہ پلٹ آئی جس رستے سے آئی تھی اسی پر ہولی۔

دونوں گھروں کی دیوار سے اپنے گھر کی چھت پر کودتے ہوئے وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکی تھی، اس نے دیوار تھامنے کی کوشش کی تھی مگر سیدھی پکی چھت کے فرش پر جا سجدہ ریز ہوئی۔ بہت سنبھلنے کی کوشش میں بھی اس کا پاؤں مڑ گیا تھا، اوپر سے گرنے کا بے ساختہ خوف۔

''یا اللہ......'' اس کی چیخ بے ساختہ تھی۔

''ہائے امی جی......'' وہ زمین پر اپنا پاؤں تھامے دہائیاں دے رہی تھی۔

خاور بھائی جو ابھی ادھر آئے تھے، وقار، آمنہ اور عمر کے ساتھ صحن میں بیٹھے تھے اس کی بے ساختہ چیخ اور دہائیاں سن کر وہ چاروں اوپر کو بھاگے تھے۔

''یا اللہ......'' تکلیف کی شدت سے وہ سخت کراہ رہی تھی۔

''کیا......کیا ہوا؟'' آمنہ نے فوراً بیٹھ کر اس کا کندھا تھاما۔

''نظر نہیں آ رہا گر گئی ہوں......ہائے میرا پیر......ہائے امی جی......'' عمر نے ایک گہرا سانس لیا جبکہ خاور بھائی اسے شدت سے کراہتے دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

''لگتا ہے کافی چوٹ آئی ہے۔'' اس کے بازو اور کہنیاں بُری طرح چھل چکی تھیں۔ خون کی بوندیں سفید ہو قمیص پر فوراً نشان چھوڑ چکی تھیں۔

''بلی کی طرح ادھر سے ادھر کودنے والی تمہاری عادت اسی طرح ہے۔ اسی طرح کسی دن ٹانگ تڑوا کر لولی لنگڑی ہو کر بیٹھو گی۔'' عمر بھی کہے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ پہلے ہی درد سے بے حال ہو رہی تھا اسے خونخوار کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ آنسو بھری نگاہیں، ایک پل کو عمر سٹپٹایا تھا۔

''آپ کو کیا تکلیف ہے، ٹانگ تڑواؤں یا بازو۔ میرے معاملے میں بولنے کی ضرورت نہیں، بڑے آئے کہیں کے۔ ہائے امی جی......'' انتہائی غصے سے روتے اس نے جواب دینا بھی فرض سمجھا تھا۔

''عمر بھائی سے کیوں خفا ہو رہی ہو، اُٹھو نیچے چلو۔ نیچے چل کر دیکھتے ہیں پاؤں میں موچ آ گئی ہے، امی کو کہتی ہوں کچھ باندھ دیں گی۔'' وہ پھسکڑا مارے چھت پر بیٹھی ہوئی تھی، دونوں سلیپر ادھر سے اُدھر گرے ہوئے تھے۔ آمنہ کے سہارے سے اس نے اُٹھنے کی کوشش کی۔

''دھیان سے اتنی اونچائی سے گری ہو، ہوسکتا ہے پاؤں ٹوٹ نہ گیا ہو۔ کمزور سا پاؤں یہ من بھر کا وزن بھلا کیسے سہار پائے گا۔'' عمر نے پھر چھیڑا۔ اس کی بھیگی بھیگی پلکیں عجیب انداز میں اٹریکٹ کر رہی تھیں۔

''آپ میرے معاملے میں مت بولیں۔'' اس نے بدتمیزی سے کہا، وہ ہنس پڑا۔

''بُری بات مریم! ایسے نہیں بولتے۔ عمر بھائی تم سے بڑے ہیں۔'' وقار نے بھی اس کا بازو تھام کر کہا۔

''بڑے ہیں تو بڑے بن کر رہیں۔ کسی دن میری زبان کھل گئی تو بہت پچھتائیں گے۔'' وہ اسی شخص سے بچ کر نکلی تھی اور اب یہ مصیبت مول لے چکی تھی۔ عمر پر جتنا بھی غصہ کرتی کم تھا۔ وہ دونوں کے سہارے چلتی نیچے آئی تو امی اسے دیکھ کر چونکیں۔

''کیا ہوا؟''

''یہ ساتھ والی دیوار سے گری ہے۔ لگتا ہے پاؤں ٹوٹ گیا ہے۔'' عمر ہی بولا تھا۔

''اللہ نہ کرے۔'' اس نے ایک دم دہل کر کینہ توز نظروں سے عمر کو دیکھا۔

آمنہ اور امی اب تسلی سے اس کے پاؤں کا جائزہ لے رہی تھیں، فوزیہ اس وقت گھر کے دوسری طرف بنی اکیڈمی میں ہوتی تھی ابو جی آفس میں۔ خاور بھائی وقار اور عمر ارد گرد کھڑے کوئی نہ کوئی لقمہ دے رہے تھے۔

''ہزار مرتبہ کہا ہے کہ سیدھے رستے سے آیا جایا کرے، مگر میری یہاں سنتا کون ہے؟'' سات آٹھ فٹ اونچی دیوار کودنے پھلانگنے کی بھلا ضرورت ہی کیا ہے؟'' امی اب خفا ہو رہی تھیں اور وہ آنسو بہا رہی تھی۔ پاؤں کی تکلیف ایک دم بڑھ گئی تھی۔

''کیا بہت زیادہ چوٹ لگی ہے؟'' اس کے رونے سے ان کا دل پسیجا تو اس کا پاؤں تھاما جو خاصا سوج گیا تھا۔

''لگتا ہے ہڈی انجرڈ ہو گئی ہے، ڈاکٹر کو دکھانا پڑے گا۔'' خاور بھائی بھی بولے تو اس کے رونے میں مزید اضافہ ہوا۔

''اللہ خیر کرے، اس وقت اس کے ابو بھی گھر پر نہیں، واقعی کوئی ہڈی وڈی ٹوٹ گئی تو؟'' وہ پریشانی سے گویا تھیں اور مریم بی بی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئی تھیں۔ تکلیف سے زیادہ اب ہڈی ٹوٹ جانے کا خوف رُلا رہا تھا۔ عمر کا دل ایک دم پسیجا۔ اس کی آنکھوں کی نمی تو ویسے ہی برداشت نہیں ہو رہی تھی اب تو اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''چچی جان! ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں بائیک ہے میرے پاس۔'' فوراً آفر کی اس نے تڑپ کر سر اُٹھایا۔

''میں نہیں جا رہی کہیں ...... کسی بھی بائیک پر۔''

''تو تمہارے لیے کوہ قاف سے شاہی سواری منگوائیں۔'' امی نے طنز سے گھورا۔

''عمر تم بائیک نکالو، پاؤں بہت سوج گیا ہے آمنہ کوئی کپڑا باندھ دو، اس پر اس لڑکی کی کوئی کل سیدھی نہیں۔ بیٹھے بٹھائے مصیبت کھڑی کر دیتی ہے۔''

''اونٹنی جو ہوئی۔'' عمر کے اس نے لمبے قد پر چوٹ کی۔ اس نے لب بھینچ لیے آمنہ نے بھاگ کر اندر سے لان کا دوپٹہ لا کر اس کے پاؤں پر باندھا۔

''آمنہ! میری چادر اور پرس لا دو۔ وقار سہارا دے کر باہر لاؤ اسے۔'' امی نے گویا حکم جاری کیا تھا۔

''میں نہیں جا رہی کسی بائیک پر۔'' اس نے آنکھیں صاف کرتے انکار کیا تو عمر نے اسے دیکھا، وہ تکلیف کے باوجود خاصی

سنجیدہ تھی۔

''گاڑی گھر پر ہی ہے، میں لے چلتا ہوں، چچی جان!'' خاور بھائی نے اس کے انکار پر فوراً کہا تو اس نے فوراً سر ہلایا۔ عمر کی نسبت گاڑی کا سفر آرام دہ تھا۔

''ٹھیک ہے۔''

''میں گاڑی نکالتا ہوں آپ لے آئیں۔'' خاور بھائی کہہ کر چلے گئے تو اس نے اپنی طرف خاموشی سے تکتے عمر کی جانب سے منہ موڑ لیا۔

''میری چادر لا دو آمنہ!'' امی نے اندر کی طرف منہ کر کے آمنہ کو کہا۔

❖ ❁ ❖

خاور بھائی اسے حافظ آباد کے مشہور ہڈی جوڑ والے کے پاس لے کر آئے تھے۔ وہ جو سب کو ڈر تھا کہ پاؤں کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی اس سے خاصی بچت رہی تھی۔ ہڈی تو نہیں ٹوٹی تھی تاہم پاؤں کی جلد اندر سے خاصی گہری پھٹ گئی تھی۔ ہڈی جو اسپیشلسٹ نے پاؤں کا معائنہ کر کے تین چار جھٹکے دیئے تو اس کی چیخیں نکل گئیں۔ اس کے بعد پاؤں پر لکڑی کی سلائٹز ر (پھٹیاں) جوڑ کر اوپر پٹی باندھ کر دوائی دے کر چند دن بیڈ ریسٹ کی تاکید کے ساتھ رُخصت کر دیا تھا۔

آج کل مریم صاحبہ مکمل طور پر بیڈ ریسٹ پر تھیں۔

صبا اسی شام آ گئی تھی، ایک دو دن عیادت کرنے والے آتے رہے، آج اسے بستر پر دراز چوتھا دن تھا۔

وہ خاصی بیزار اور اُکتائی ہوئی تھی اس سزا سے۔ امی جی نے ٹی وی اس کے کمرے میں رکھوا دیا تھا۔ موبائل فون کے علاوہ اس کے بستر پر رسالوں میگزینز کا ایک ڈھیر لگ چکا تھا مگر آخر کب تک ان چیزوں سے جی بہلاتی۔ وہ بہت زیادہ اُکتا گئی تو صبا کو بلوا لیا۔ وہ اس دن سے کئی بار آ چکی تھی اور جب بھی آتی تھی ضرور چھیڑتی تھی۔ اب بھی اندر داخل ہوتے ہی وہ نان سٹاپ شروع ہو چکی تھی۔

''اور عمر بھائی سے بچ کر بھاگتیں۔ لگتا ہے بڑے دل سے بددُعا دی تھی انہوں نے۔ جو ڈائریکٹ باریاب ٹھہری۔ اب وہ محترم جب بھی آئیں گے تمہارے دیدار کے لیے انتظار کرنا پڑے گا۔ محترمہ سامنے ہی بستر پر دراز ملیں گی۔ پیاری آنکھیں دید سے سیراب ہوں گی۔''

''شٹ اپ!'' اُس نے ہاتھ میں پکڑا رسالہ کھینچ مارا۔

''ہائے ظالم مار ڈالا...... یہ تو وہی بات ہوئی۔''

ہم نے چاہا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد
وہ بھی کم بخت تیرا چاہنے والا نکلا

وہ آنکھوں میں بے پناہ شرارت لیے اس کے پاس ہی بستر پر ٹک گئی۔

''ہم مابدولت کو کیوں بلوالیا شہزادی صاحبہ نے۔''

''اگر تم نے یہ ساری بکواس کرنی ہے تو ایک منٹ میں دفع ہو جاؤ۔'' اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔
''خوامخواہ......'' اس نے ہاتھ سے مکھی اُڑائی۔
''اللہ تم جیسی ظالم دوست کسی دشمن کو بھی نہ دے۔ اتنا نہیں کہ میرے زخموں پر مرہم رکھو، اُلٹا نمک پاشی کرنے لگیں۔ میں ہی کم فہم تھی جو تمہیں اصل بات بتادی۔ ایک وہ ردا صاحبہ ہیں جب بھی فون کرتی ہیں میرے کان کھا جاتی ہیں۔''
''ویسے ان تین چار دنوں میں کتنی دفعہ چکر لگا چکے ہیں تمہارے عزت مآب عمر صاحب!'' وہ کہاں ہارنے والی تھی اس بکواس پر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا سوائے رسالوں اور میگزینز کے کوئی بھاری چیز نظر نہ آئی۔
''اگر تم نے مزید اس شخص کا ذکر کیا تو میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔'' انداز پھاڑ کھانے والا تھا۔
''اللہ رحم کرے مجھ ناتواں پر......ویسے یہ تم عمر بھائی کے ذکر سے اتنا بدکنے کیوں لگتی ہو۔''
وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی مریم نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ صبا اس کے انداز پر ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔
''او کے یار! یہ صرف مذاق تھا، تمہیں تنگ کر رہی تھی یار! سمجھا کرو۔'' اس نے ایک سنجیدہ سی نگاہ اس پر ڈالی۔
''ویسے میرے پاس ایک بڑی فنٹاسٹک سی خبر ہے۔ اگر سنو تو تمہیں بھی ہزار والٹ کا جھٹکا لگے گا۔''
''کیسی خبر......؟''
''مجھے پتا چل گیا ہے کہ خاور بھائی کس لڑکی کو پسند کرتے تھے بلکہ ابھی بھی کرتے ہیں اور وہ کون ہستی ہیں جس کی وجہ سے ان کی مسلسل امی جی سے ناراضی چل رہی ہے۔'' وہ مزے سے بتا رہی تھی اور مریم کے کان کھڑے ہو گئے۔
''کیا......واقعی......؟''
''جی جناب! سو فیصد یقین کے ساتھ......'' اس نے فرضی کالر اکڑائے۔
''کون ہیں وہ......اور تمہیں کیسے علم ہوا؟'' پل میں تمام خفگی ہوا ہو گئی تھی۔
''وہ ہستی کوئی اور نہیں فوزیہ آپی ہیں۔'' اس نے مزے سے انکشاف کیا تھا اور مریم وہ تو حیرت سے ساکت رہ گئی تھی۔
''کیا؟ مجھے یقین نہیں آرہا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔
''شروع میں تو مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا اور پھر جب غور کیا تو سب واضح ہوتا چلا گیا۔''
''تمہیں کیسے پتا چلا؟ کیا خاور بھائی نے اپنے منہ سے فوزیہ کا نام لیا تھا۔''
''نہیں......بہت گہرے ہیں بھائی۔''
''تو پھر تمہیں کیسے پتا چلا؟''
''یہ بھی ایک قصہ ہے......کہانی کچھ یوں ہے کہ تم فون پر مجھ سے مسلسل رابطہ کیے ہوئے تھیں، آپی فوزیہ کے لیے آنے والے چند ایک پرپوزلز کا جو تم نے مجھے بتایا تھا ایک دن خاور بھائی کی کال آئی تو سرسری سا تم لوگوں کا ذکر کیا تو فوزیہ آپی کا بھی ذکر چل نکلا یونہی باتوں ہی باتوں میں فوزیہ آپی کے سلسلے میں آنے والے پرپوزلز کا بتا دیا۔ وہ ایک دم پریشان ہو گئے یکسر خاصے گھبرا گئے پھر لگے اُلٹے سیدھے سوال کرنے، میں اُلجھ گئی، جو مجھے علم تھا کہہ سنایا......ساتھ یہ بھی کہا، ہوسکتا ہے میرے گھر واپس

جانے تک کہیں بات فائنل ہو چکی ہو۔'' اس نے سناتے ہوئے ذرا توقف کیا۔
''تو پھر......؟'' مریم کا تجسس سے بُرا حال تھا۔
''ٹھٹک تو میں گئی تھی، خاور بھائی جو امی سے ناراض تھے، امی کے بار بار کہنے پر بھی گھر نہیں لوٹ رہے تھے۔ اگلے دن ہی گھر فون کرنے پر مجھے اطلاع ملی کہ وہ گھر آ گئے ہیں تو میں نے بھی فوراً واپس آنے کا پروگرام بنا لیا مگر ماموں کی مصروفیت کی وجہ سے ایک دو دن لیٹ ہو گئی اور گھر آتے ہی خاور بھائی نے لائن حاضر کر لیا۔ میں جو پہلے ہی ٹھٹک گئی تھی اب مکمل طور پر متوجہ ہوئی وہ مجھے ڈانٹ رہے تھے کہ میں نے غلط بیانی کیوں کی۔ ان کی کہیں کوئی بات طے نہیں ہوئی۔ بس اس سارے غصے سے میں نے یہی اخذ کیا کہ وہ فوزیہ آپی کو پسند کرتے ہیں مگر امی کی وجہ سے چپ ہیں۔ ہو سکتا ہے امی بھی بھائی کی پسندیدگی سے باخبر ہوں۔''
مریم کو اس دن خاور بھائی کی گفتگو، آنٹی کا رویہ، خاور بھائی کو دیکھ کر فوزیہ کا بطور خاص حوالہ دے کر طنزیہ گفتگو کرنا، یاد آیا...... تو یہ سلسلہ تھا اس نے گہرا سانس لے کر سرہانے سے کمر ٹکائی۔
''چلو یہ بات مان بھی لیتی ہوں کہ وہ فوزیہ کو پسند کرتے ہیں مگر اب کیا ہو سکتا ہے، تمہاری والدہ صاحبہ کی گردن میں سریا فٹ ہے، دولت نے خاصا مغرور بنا ڈالا ہے۔ دوسرا یہ کہ خاور بھائی کی منگنی ہو چکی ہے اب اس انکشاف کا کیا فائدہ؟''
اپنی ماں کے بارے میں مریم کے منہ سے اتنے نادر خیالات سن کر اس نے مریم کو گھورنا چاہا مگر وہ اس طرح سنجیدہ چہرہ لیے بیٹھی رہی تو اس نے تبھی گہرا سانس لیا۔
''یہی تو رونا ہے امی کے خیالات خاصے اونچے ہیں۔ وہ اونچے گھر کی امیر کبیر حُسن و جمال میں بے مثال بہو لانا چاہتی ہیں جبکہ ابو اور بھائی کے خیالات یکسر مختلف ہیں۔'' اس نے ذرا وقفہ کیا۔
''اگر ابو کو بھائی کی پسند کا پتا چل جائے نا تو وہ سب سنبھال لیں گے۔'' اگلے ہی لمحے کچھ پُرجوش ہو کر اس نے کہا۔
''مگر تمہاری والدہ صاحبہ کے خیالات تو نہیں بدلیں گے۔ مجبوراً تمہارے ابو اور بھائی کے کہنے پر وہ فوزیہ کے لیے راضی بھی ہو جائیں تو بھی میری والدہ صاحبہ ان کے غرور کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکیں گی۔ ان میں بھی بلا کی اَنا اور ضد ہے اور تمہاری والدہ صاحبہ گاہے بگاہے جس طرح طنزیہ گفتگو فرماتی رہتی ہیں وہ سب بھی ہمیں بھولا نہیں۔'' اس نے اسے فوراً آئینہ دکھایا۔ صبا کا منہ بن گیا۔
''تو پھر تم ہی کوئی آئیڈیا دو نا۔ امی کی بھانجی کرشمہ بی بی مجھے قطعی پسند نہیں۔ شکل وصورت میں بس بیوٹی بکس کا کمال ہے یا دولت کی چکا چوند ہے۔ یار! ہمیں ایک سلجھی، سلیقہ مند اور وفا شعار لڑکی چاہیے نہ کہ ماڈل۔'' اس نے منہ بنا کر اپنا مسئلہ کہا۔ مریم نے کندھے اچکا دیئے۔
''ایم سوری ہمیں اپنی عزت بہت پیاری ہے اور تمہاری والدہ صاحبہ سدا کی ہلاکو خان۔ میں تو خیر منہ پر جواب دے آتی ہوں مگر فوزیہ اور آمنہ میں یہ عادت نہیں ہے۔ ہمیں تو بی بی معاف ہی رکھو، ایک خاور بھائی کی وجہ سے اپنی نازوں پلی پیاری بہن کو کنویں میں نہیں دھکیلنا ہمیں۔''
''دفع ہو جاؤ ایک تو میں تمہاری بہن کے بھلے کے لیے سوچ رہی ہوں، اوپر سے ہمیں ہی لعن طعن کر رہی ہو۔ اب تم آنا اپنا

کوئی دُکھڑا لے کر میرے پاس۔" وہ فوراً خفا ہو کر کھڑی ہوگئی مریم ہنس دی۔

مدعی لاکھ بُرا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

"تو مائی ڈیئر فرینڈ! پہلے کنفرم کر لو کہ تمہارے بھائی صاحب واقعی ہماری فوزیہ کو پسند کرتے ہیں۔ ڈائریکٹ ہاں کہلواؤ پھر میرے پاس آنا۔ شک کے گھوڑے دوڑانے کا کوئی فائدہ نہیں میری جان! تمہاری والدہ کو بُرا بھلا نہیں کہہ رہی حقیقت بیان کر رہی ہوں اگر خاور بھائی سیریس اور سنجیدہ ہوئے تو ہم کوئی حل بھی سوچیں گے، آگے اللہ کی مرضی۔"

"تم نہ مانو مگر مجھے یقین ہے میرا شک درست ہے، رہی کنفرم کرنے کی بات تو وہ بھی شام تک کر لیتی ہوں پھر بھاگنا نہیں، مل کر پلاننگ کرنی ہوگی، ہمیں کرشمہ کو بدظن کرتے ہوئے امی کو ان کے رشتہ داروں کے خلاف نہیں بلکہ خاور بھائی کی رسائی فوزیہ آپی تک ممکن بنانا ہوگی۔ یہ کیسے کرنا ہے دونوں مل کر طے کریں گے تب تک خاور بھائی کا اقرار بھی لے آتی ہوں۔ اوکے چلتی ہوں پھر ملیں گے ایک چھوٹے سے بریک کے بعد۔" وہ ہاتھ ہلاتی کمرے سے نکل گئی، تو وہ پُرسوچ نظروں سے اسے جاتا دیکھے گئی۔

❖ ❀ ❖

صبا دوبارہ آئی تو خاور بھائی کی فوزیہ سے متعلق پسندیدگی کی تمام رپورٹ تیار کر رکھی تھی۔

"گھر جاتے ہی میں نے سیدھا خاور بھائی کو جالیا تھا، میں نے ڈائریکٹ بات کی تھی وہ لگے ٹالنے، میں نے بھی سنا ڈالیں تمہیں اور فوزیہ آپی کو بتا دینے کی دھمکی دی تو اقرار کرتے ہی بنی۔ بقول ان کے کہ وہ فوزیہ آپی کو شروع سے ہی پسند کرتے تھے، امی سے کئی بار ذکر بھی کیا مگر اپنے سے کم تر لوگوں میں رشتہ کرنے پر قطعی راضی نہ ہوئیں بھلے وہ ہمارے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ انہوں نے زور دیا تو امی نے دھمکی دی کہ اگر انہوں نے ضد کی تو وہ فوزیہ آپی اور چچی بیگم کے گھر جا کر انہیں سنا دیں گی کہ ویسے تو بڑی نیک پارسا بنتی ہیں مگر بیٹی کو کھلا چھوڑ دیا ہے کہ دوسروں کے لڑکے پھانسے۔ یہ تم لوگوں کی کردار کشی ہی نہ تھا عزتِ نفس پر بھی حملہ تھا۔

خاور بھائی فوزیہ آپی سے حقیقی محبت کرتے ہیں اور فوزیہ آپی تو قطعی بے خبر تھیں، پھر وہ بھلا ان کی بے عزتی کیسے گوارا کر لیتے، ناراض ہو کر ڈیوٹی پر چلے گئے امی نے اپنی ضد منوائی۔ کرشمہ سے منگنی کر ڈالی وہ اب بھی فوزیہ آپی کو دل و جان سے چاہتے ہیں مگر ان کی عزت کا خیال پسندیدگی کے جذبات پر حاوی ہو جاتا ہے تو بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ ہے سارا قصہ مختصر۔"

"ہوں......" وہ بھی خاور بھائی کے جذبات سے متاثر ہوئی۔

"کیا پلاننگ ہے پھر؟" وہ دونوں سر جوڑے بیٹھ گئی تھیں۔

کتنی دیر تک دونوں مختلف تجاویز دیتی اور رد کرتی رہیں پھر ایک فیصلے پر دونوں متفق ہو ہی گئیں۔

"آئیڈیا تو اچھا ہے کل سے ہی کام شروع کر دیتی ہوں۔" صبا خاصی پُرجوش تھی۔

"مگر دھیان سے کہ تمہاری امی کو شک نہ ہو۔ اس طرح کام کرنا ہے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ تمہاری امی کو قطعی پتا نہ چلے کہ کرشمہ سے منگنی توڑنے میں ہمارا ہاتھ ہے۔ انہیں اس طرح بدظن کرنا ہے کہ تمہاری والدہ محترمہ کو اپنے فیصلے پر صرف شرمندگی ہی ہو۔" اس نے خصوصی ہدایات جاری کی تھیں۔

''او کے باس......'' صبا مسکرا دی۔
''اور یہ فوزیہ آپی کے پرو پوزلز والا معاملہ تم سنبھال لوگی نا؟''
''اس کی فکر مت کرو۔'' مریم مطمئن تھی۔
''یہ خاور بھائی اس دفعہ کچھ زیادہ دن نہیں رہ لیے چھٹی پر۔''
''نہیں......آج چھٹی ختم ہو رہی ہے ان کی، شام کو واپس جا رہے ہیں۔''
''اور یہ تمہارے پاؤں کا کیا حال ہے۔ کب تک پٹی اُتر رہی ہے اور بستر کب چھوڑو گی۔''
''ایک دو دن میں اُتر جائے گی۔'' اس نے اپنے پاؤں کو دیکھا۔ بیٹھے بٹھائے یہ مصیبت مول لے لی تھی۔ صبا ہنس دی اس کے چہرے کے زاویوں کو دیکھ کر۔
''یہ تو وہی بات ہوئی کہ

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

آئندہ عمر بھائی کے صبر و ضبط کو مت آزمانا، اس دفعہ تو بچت ہو گئی، اگلی دفعہ سیدھی ٹانگ ٹوٹے گی۔ ویسے دل سے دُعا نکلی ان کے۔'' وہ فوراً شرارت پر اُتر آئی تھی۔

''دفع ہو......'' وہ ہمیشہ کی طرح فوراً چڑ گئی تھی اور اس نے کھینچ کر ایک رسالہ اس کو مارا تھا جو اس کے منہ پر جا لگا اور کچھ زیادہ زور سے لگا تھا۔ وہ سارے کمرے میں ناچتی پھر رہی تھی، ساتھ والے کمرے میں پڑھائی میں مشغول پڑھا کو آمنہ غصہ سے اُٹھ کر دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔
''مسئلہ کیا ہے تم لوگوں کو؟ شور مچا رکھا ہے، ایک لفظ بھی پلے نہیں پڑ رہا اور تمہیں اپنے گھر چین نہیں پڑتا، ہر وقت ادھر دندناتی پھرتی ہو، تمہاری اماں کو ہمارا تمہارے گھر جانا تو بڑا چبھتا ہے، اپنی دختر نیک ذرا نظر نہیں آتی۔'' آمنہ کبھی کبھار اس طرح جرأت دکھاتی تھی اور اس کے الفاظ پر صبا تو صدمے سے کھڑی دیکھ رہی تھی مریم کو بھی ہنسی آنے لگی۔
آمنہ جس طرح تن فن کرتی آئی تھی چلی بھی گئی، صبا کا سکتہ قائم تھا۔
''یہ......یہ آمنہ تھی......'' وہ بے یقین تھی۔
''نا......نا......رونا نہیں میری بہنا......اس نے ٹھیک تمہاری اماں کا ظلم گنوایا ہے۔ نہ جانے کب کا دُکھا دل تھا عین موقع پر پھٹا تھا۔'' مریم نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔
''میں ہی احمق بیوقوف ہوں، جو تم لوگوں کی محبت میں دوڑی چلی آتی ہوں۔''
''دفع ہو......'' اس کا جملہ اب کے دہرا کر تن فن کرتی یہ جا وہ جا۔

جذبہ عشق سلامت ہے تو ان شاء اللہ
کچے دھاگے سے چلے آئیں گے سرکار بندھے

پیچھے سے مریم کے شرارتی شعر نے سیڑھیوں تک صبا کا پیچھا کیا تھا۔

❖❁❖

اس کے پاؤں کی پٹی اُتر چکی تھی۔ پاؤں کی مالش جاری تھی۔ابھی ڈاکٹر صاحب نے پاؤں پر بوجھ ڈالنے سے منع کیا تھا سو وہ ابھی تک بستر پر تھی۔ وہ کتاب لیے منہمک سی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''آجاؤ بھئی......''اس کا خیال تھا کہ صبا ہوگی، اسے اپنے گھر میں چین نہیں پڑ رہا تھا، آج کل مگر عمر کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس کا منہ بن گیا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ایک منٹ بھی سامنے نہ ٹھہرتی اس نے خاصی بیچارگی سے اپنے پاؤں کو دیکھا، جسے مالش کر کے امی نے کچھ دیر قبل کپڑے میں لپیٹا تھا۔

''سلام مسنون......مزاج بخیر......''وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

''بخیر......بخیر......''منہ بنا کر اس نے کہا تو وہ ہنس دیا۔عیادت کرنے والوں کے لیے رکھی کرسی گھسیٹ کر وہ بیٹھ گیا تھا۔

''حساب چکانے میں تو تمہارا کوئی ثانی نہیں۔ کسی اور معاملے میں بھی یہ روایت برقرار رکھ لیا کرو۔''

''مثلاً......؟''اب وہ نازل ہو چکا تھا تو بھگتے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔ کتاب بند کر کے وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

''مثلاً یہ کہ کبھی محبت کا جواب محبت سے بھی دے لیا کرو۔''اس نے غصے سے گھورا۔

''امی اور آمنہ باہر نہیں تھیں کیا؟''دوسرے معنوں میں اس کی موجودگی پر اعتراض کیا تھا۔

''کوئی خاتون آئی بیٹھی ہیں ایک دو رشتے لے کر آمنہ ان کی خاطر تواضع کر رہی ہے جبکہ فوزیہ پاس بیٹھی سن رہی ہے۔''

''اچھا......''رشتے کا سن کر وہ ایک دم پُر جوش ہوئی۔

''کیسے رشتے لے کر آئی ہیں؟''

''ماشاءاللہ! تم لڑکیاں صرف رشتوں کا سن کر ہی خوش ہو جاتی ہو۔ کوئی مطلب کی بات کرو تو سر سے ہی گزر جاتی ہے۔''

''مائنڈ یو......یہ صرف ہم لڑکیوں کا ہی خاصہ نہیں جہاں ایک دو لڑکیاں کھڑی دیکھ لیں، آپ مردوں کی بھی رال ٹپکنے لگتی ہے۔ کوئی گھاس ڈالے یا نہ ڈالے لسوڑے کی طرح لیس ہو جانا فرض سمجھتے ہیں۔''لڑاکا عورتوں کی طرح اس نے فوراً حساب بے باق کیا تھا۔

''تو پھر مانتی ہو نا کہ کچھ نہ کچھ ذہنی مطابقت پائی جاتی ہے ہم دونوں میں۔''وہ چڑانے سے باز نہ آیا تھا۔

''ہونہہ......''اس نے سر جھٹکا۔

''زیادہ ناامید ہونے کی ضرورت نہیں ہے، رشتے والی ایک نہیں پورے دو رشتے لے کر آئی ہے۔ کہیں نا کہیں تمہارا بھی کام بن جائے گا۔''

''میں کبھی خود سے ناامید نہیں ہوئی۔ جہاں بھی ہوگا بہت بہتر اور پرفیکٹ ہوگا۔''اس کے تیور ہنوز بگڑے ہوئے تھے۔ عمر نے اس کے چہرے کی سرخی دیکھی۔

''تمہارے ان خیالات کو کیا سمجھوں؟''اچانک بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔

''سمجھنے کی کیا ضرورت ہے؟ جو نظر آ رہا ہے وہ کافی نہیں ہے۔'' وہ مطمئن اور پُر اعتماد تھی۔
''تمہیں پتا ہے میں تمہارے معاملے میں بہت سیریس اور سنجیدہ ہوں۔''
''تو پھر......؟'' اس نے عمر کو براہِ راست دیکھا۔
''مریم! سیدھی سادی زندگی چل رہی ہے اس کو کیوں اُلجھا رہی ہو۔''
''میں اس سلسلے میں آپ سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتی، آپ براہِ مہربانی چلے جائیں۔'' دوٹوک انداز تھا، عمر نے بہت غصے سے اسے دیکھا۔
''میں تم سے کوئی فلرٹ یا ٹائم پاس نہیں کر رہا، سیدھا راستہ اختیار کیا تھا۔ اپنے بڑوں کے ذریعے بات پہنچائی تھی، میں تھرو آؤٹ پراپر چینل سے تم تک آنا چاہتا تھا، ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ اور بات ہے مگر میں نے قطعی کبھی تمہارے احساسات کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ دانستہ یا نادانستہ بہر صورت دونوں حالات میں، میں نے پوری کوشش کی کہ تمہارا احترام مجروح نہ ہو۔'' مریم اس کے اندازِ گفتگو سے ایک دم سٹپٹا سی گئی تھی۔ اس طرح براہِ راست اس نے کبھی اظہار نہیں کیا تھا اور اب بوکھلا گئی تھی کہ کس طرح اس صورتحال سے باہر نکلے۔
''تم نے ردا سے جو ساری بکواس کی وہ ایک طرف میں تم پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں تم سے کوئی اظہار یا اقرار نہیں چاہ رہا، تم چچی جان کی بے جا ضد اور انا کی وجہ سے جو جذباتی فیصلہ کرنا چاہ رہی ہو، اس کی وضاحت کر رہا ہوں کہ احمقوں کی طرح اگر ایک ہی بات پر ڈٹی رہوگی تو نقصان سراسر تمہارا ہی ہوگا۔ سمجھیں......'' وہ غصے سے کہہ کر اس پر ایک غصیلی نگاہ ڈالی کر کمرے سے نکل گیا تھا اور مریم وہ حیرت سے اس کا یہ غصیلا روپ دیکھ رہی تھی۔

❖ ❁ ❖

اس کا پاؤں ٹھیک ہو چکا تھا وہ پہلے کی طرح اب پھر بلی کی طرح اِدھر سے اُدھر گھومنا شروع ہو چکی تھی۔ صبا کی وجہ سے وہ اب دیوار تو نہیں پھلانگ رہی تھی البتہ دن میں ایک چکر اُدھر کا ضرور لگاتی تھی۔
اس وقت بھی دونوں چھت پر بیٹھی اپنا مشن خاص سر انجام دے رہی تھیں۔ صبا کے ہاتھ میں موبائل تھا اور وہ بڑی غمزدہ شکل بنائے مصنوعی آنسو بہاتے مکمل طور پر افسردہ تھی۔
''ہائے کیا بتاؤں آپ کو، کتنی مشکل سے آپ کا نمبر لیا ہے، میری تو زندگی برباد ہوگئی۔ وہ شخص اور اس کی ساری فیملی ہی ایسی ہے، دھوکے باز فریبی لوگ۔ نت نئے لوگوں سے اور خوبصورت امیر لڑکیوں سے رشتہ جوڑنا تو ان کا پُرانا مشغلہ ہے، میرے علاوہ بھی کئی لڑکیاں ہیں جو یہ سب جھیل چکی ہیں۔'' مریم نے وکٹری کا نشان بنا کر اسے سراہا، اس کی اداکاری کمال کی تھی۔ آواز بدل کر وہ بالکل مختلف ٹون میں مخاطب تھی۔
''ارے پوچھیے مت ان کی والدہ کس قسم کی عورت ہیں، دولت کے علاوہ تو کچھ نظر نہیں آتا۔ مجھے دیکھا تو خوش ہوگئیں اور مجھ سے بہتر ملی تو مجھے بے عزت کر کے اسے اپنا لیا۔ جھوٹ کیوں بولوں کئی لڑکیوں اور خاندان والوں کو ریجیکٹ کر کے آپ کو چنا ہے، میں نے سنا ہے آج کل آپ سے بہتر فیملی مل گئی ہے انہیں۔''

''میں کیسے یقین کرلوں کہ آپ جھوٹ نہیں بول رہیں؟ بھلا کیا مقصد ہے آپ کا مجھے یہ معلومات فراہم کرنے کا؟''

''بھئی واقعی میرا بھلا کیا مقصد ہوگا مگر سچی بات تو یہی ہے کہ میں نہیں چاہتی کہ میری طرح اب کوئی اور لڑکی برباد ہو۔ میں اپنا بدلہ لینا چاہتی ہوں اس عورت کو احساس دلا کر وہ کتنی مفاد پرست لالچی اور خود غرض ہے اور اس کا وہ بیٹا وہ ماں سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ اپنے آفیسرز کی بیٹیاں پھنساتا ہے۔ تبھی تو کبھی تم سے یا کسی سے رابطہ نہیں کرتا۔ ماں بہانے بناتی رہتی ہے کہ میرا بیٹا شرمیلا ہے، شریف ہے۔ اصل میں وہ کسی کو پسند کرنے لگا ہے وہ تم سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔ ورنہ جس طرح تم سے منگنی کو ایک سال ہو چکا ہے وہ رابطہ تو کرتا کوئی رسپانس دیتا۔''

''مائی گاڈ......ایسی سچویشن ہے دوسری طرف۔''

''تو اور کیا اس سے بھی خراب ترین حالات ہیں۔ پھر آپ نے اپنی مرضی کرنی ہے۔ میرا فرض تھا حالات سے آگاہ کرنا میں نے بتا دیا۔ اگر میری باتوں کا یقین نہیں آتا تو اپنی خالہ کے گھر آ کر چند دن رہ کر دیکھ لیں۔ سب واضح ہو جائے گا۔'' وہ آخر میں اسے سوچنے کا موقع دینے کو جتا کر بولی۔

''اگر ایسی بات ہے تو میں کل ہی چکر لگاتی ہوں کرشمہ عام لڑکی نہیں ہے جسے وہ دھوکا دے لیں۔ اتنا بڑا جھوٹ اتنا بڑا فراڈ میری مام تو بہن کی محبت میں پاگل ہو گئی ہیں انہیں کچھ کہوں گی تو وہ کہیں گی مجھے کسی نے ورغلایا ہے۔'' اسپیکر آن ہونے کی وجہ سے مریم بھی سب سن رہی تھی، مسکرا دی۔

''مجھے دھوکا دینا اتنا آسان نہیں۔ میں وہاں پہنچ کر آپ کو اطلاع کر دوں گی۔''

''او کے......اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ......'' صبا نے موبائل بند کر کے ایک گہرا سانس لیا۔

آواز بدل کر ٹون چینج کر کے بولنا واقعی بڑا مشکل کام تھا۔ اس نے گہرے گہرے سانس لیے۔

''زبردست! اس کا مطلب ہے ہمارا پلان کامیابی سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اب تم نے یہ کرنا ہے کہ اپنی والدہ ماجدہ کو پمپ کرنا ہے۔ کرشمہ کی وہ خامیاں بھی اُٹھتے بیٹھتے گنوانی ہیں جو اس میں نہیں ہوں گی اور جب کرشمہ ادھر آئے گی تو تم نے بی جمالو کا کردار ادا کر کے اپنی ماں اور اس کو اکٹھا نہیں بیٹھنے دینا بلکہ صورتحال ایسی پیدا کر دینی ہے کہ تمہاری والدہ صاحبہ خود بخود اس کی عادات و اطوار سے بدظن ہو جائیں۔ رہ گئی کرشمہ بی بی اس کی بھی برین واشنگ خاصی ہو چکی ہے یقیناً اب وہ ساری حرکات سرانجام دے گی جو تمہاری والد حضور کو سخت ناپسند ہیں۔ دور کے ڈھول سہانے اب ساری حقیقت دونوں پارٹنر اپنی آنکھوں سے دیکھیں گی تو پھر راوی چین ہی چین لکھے گا۔'' اس نے نقشہ کھینچتے آخر میں ہاتھ جھاڑے۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ ویسے اتنے دنوں سے فرضی ماریہ بن کر یہ جھوٹ بولنا بڑا مشکل کام رہا ہے، اپنے نامہ اعمال میں اتنے گناہ پہلے کبھی نہیں لکھوائے۔'' صبا کی بات پر وہ ہنس دی۔

''کوئی بات نہیں۔ اللہ معاف کر دے گا، ویسے تم نے ان چند دنوں میں اپنی والدہ ماجدہ کی جو خوبیاں بیان کی ہیں اسے سن کر دل خوش ہو گیا ہے۔ یار تم اپنی والدہ کو کتنی اچھی طرح سمجھتی ہو۔'' آخر میں شرارت سے چھیڑا تو صبا نے گھور کر اسے تھپڑ کھینچ مارا۔

''بکومت۔''

''چلتی ہوں، امی کوشک ہوگیا کہ میں اس وقت اپنے کمرے میں نہیں تو وہ ہر وقت ادھر آنے کے جرم میں اُلٹا لٹکا دیں گی۔'' وہ جانے کو اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''کل ردا کی منگنی پر چل رہی ہو؟'' مریم نے بھی اُٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ظاہر ہے امی ابو جی جا رہے ہیں تو میں بھی جاؤں گی اور تم؟ ویسے بڑی زیادتی کر رہی ہو تم، ردا بہت ناراض ہو رہی تھی کہ تم اس کی کزن ہی نہیں عزیز از جان دوست بھی تھیں اب اس کی زندگی کے اتنے اہم موقعے پر بالکل غیروں والا رویہ اختیار کر رکھا ہے تم نے۔ آمنہ اور فوزیہ تو جائیں گی نا؟''

''ہوں...... وہ وقار کے ساتھ کل ہی چلی گئی ہیں۔ میں صبح امی جی کے ساتھ ہی جاؤں گی، کل آمنہ کا آخری پیپر تھا، دے کر آتے ہی وہ تایا ابو کے ہاں فوزیہ کو لے کر روانہ ہوگئی تھی۔ نجانے اتنے دن کیسے رُکی ہوئی تھی۔'' اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

صبا نے اسے دیکھا کچھ کہنا چاہا مگر پھر کبھی پر ٹال کر سر جھٹک گئی۔

''اچھی بات ہے پھر صبح میں تمہارے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔ امی جی اور ابو لوگ خود ہی بعد میں آ جائیں گے۔'' اس نے فوراً پلان کیا تھا تو مریم نے اس کے فیصلے پر صادر کرتے گردن ہلا دی تھی۔

اگلے دن وہ دونوں صبح ہی آ گئی تھیں ردا اس سے بہت سخت خفا تھی۔ اسے منتیں کرنا پڑیں تو تب کہیں جا کر وہ مانی مگر موڈ پھر بھی آف رکھا۔

تایا نے خاصا انتظام کر ڈالا تھا۔ اسلام آباد سے رمشاء باجی اپنی ساس اور نند کے ساتھ کل ہی آ گئی تھیں۔ ردا کے ماموں اور خالہ کی فیملی بھی آ چکی تھی اُس کے علاوہ ان دونوں کی مشترکہ پھوپھیاں بھی آ گئی تھیں۔ تایا کے گھر میں خاصی رونق تھی۔ کھانے پینے کا انتظام ریڈی میڈ تھا۔ تین بجے کے قریب لڑکے والے بھی پہنچ گئے تھے۔ مریم کو وہ فیملی اچھی خاصی لگی۔

ردا دلہن بن کر بہت بچ رہی تھی۔ رسم کے بعد کھانے کا دور چلا تھا، یہ ہنگامہ شام تک جاری رہا تھا۔ چونکہ ردا کے سسرال والے دور سے آئے تھے، سو رات نو بجے کے قریب رخت سفر باندھا تھا، اپنی گاڑیاں تھیں سو تایا لوگوں کے رات رُک جانے کے مشورے کو ٹال گئے تھے اور ان لوگوں کے رُخصت ہوتے ہی باقی رشتہ دار بھی جانا شروع ہو گئے تھے۔

صبا کی والدہ اور والد چلے گئے تھے جبکہ صبا کو ردا نے زبردستی روک لیا تھا ادھر سے یہ تینوں ہی رُک گئی تھیں جبکہ وقار امی اور ابو چلے گئے تھے۔ مریم نے کئی بار جانا چاہا تھا مگر ردا کی دھمکیوں باقی لوگوں کے اصرار کے آگے اس کی ایک نہ چلی تھی۔

اور اس وقت وہ سب ردا کے کمرے میں دھما چوکڑی مچائے ہوئے تھے۔ ہر کوئی ردا کے سسرال والوں پر کمنٹس پاس کر رہا تھا اور ردا شرمائی لجائی سب کی باتیں سن رہی تھی۔

''ویسے سسرال تو بہت اچھی ہے، مجھے بہت پسند آئی ہے تمہاری سسرال۔'' صبا جو اتنا سارا کھانا دیکھ کر کچھ بھی نہ کھا پائی تھی اب پلیٹ تھامے قورمہ اور بریانی تناول فرما رہی تھی۔

''لڑکا تو اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ تصویر تو دیکھی تھی نا۔'' رمشاء باجی نے کہا۔
''ہوں...... کمال کی شخصیت ہے۔'' آمنہ نے فوراً سر ہلایا تھا۔
''کمال کی نہیں اسجد صاحب کی شخصیت کہو۔'' کھاتے ہوئے صبا نے لقمہ دیا۔ آمنہ نے ''ہونہہ'' کہہ کر سر جھٹکا۔
''مجموعی طور پر فنکشن بہت اچھا اور شاندار تھا خصوصاً منگنی کا کھانا۔ یار! قورمہ تو بہت ہی لذیذ ہے اور بریانی کی کیا بات ہے۔'' صبا نے پھر ٹانگ اڑائی تھی۔
''تمہیں کیا ہوا ہے؟ بڑی چپ بیٹھی ہو مریم صاحبہ! تمہاری کسی سے لڑائی ہوگئی ہے کیا؟'' رمشاء باجی کا بالکل خاموش بیٹھی مریم کی طرف دھیان ہوا تو ٹوکا۔
''اس نے آج کل چپ شاہ کا روزہ رکھا ہوا ہے اسے مت چھیڑیں۔ یہ منگنی پر آ گئی ہے یہ بھی بڑا غنیمت سمجھیں۔'' ردا نے ناراضی سے جتایا۔
''ہیں یہ کیا معاملہ ہے؟'' رمشاء باجی نے تعجب سے اسے دیکھا۔
''کوئی معاملہ نہیں۔ بس یونہی موڈی ہو رہی ہے آج کل۔'' فوزیہ جو حریم کے احساسات سے باخبر تھی اس نے ٹالا۔
''پھر بھی کوئی وجہ تو ہونا؟''
''موڈ نہیں ہے محترمہ کا اور موڈ ایک منٹ میں بناتی ہوں میں آج ڈھولک منگوائیں اگر ہمیں زبردستی روکا ہے تو اب بور مت کریں۔ آج رُت جگا منائیں گے۔'' صبا جو کھانے سے فارغ ہو چکی تھی وہ فوراً قالین پر فوزیہ، آمنہ کے درمیان آ بیٹھی تھی۔
''زبردست...... آئیڈیا اچھا ہے۔ ڈھولکی کا کیا ہے ابھی منگوا لیتے ہیں۔'' رمشاء باجی فوراً تیار ہوگئی تھیں۔
اور پھر تھوڑی دیر بعد سکندر نے کہیں سے ڈھولک لا دی تھی اور اب سب چھوٹے بڑے کمرے میں بیٹھے ڈھولک کے جائز ناجائز استعمال سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ایسے ماحول میں مریم خود کو بہت دیر لاتعلق نہیں رکھ پائی تھی۔ صبا ڈھولک بجا رہی تھی، آمنہ چمچہ اور باقی لوگ تالیاں پیٹ رہے تھے۔ سکندر فارم میں آ کر بھنگڑا ڈال رہا تھا جبکہ باقی سب کے قہقہے چھت پھاڑ تھے۔ دادی دونوں پھوپھیاں ان کے بچے تایا، تائی، عمر سبھی ادھر ہی تھے۔

ڈھولک میں تال ہے پائل میں چھن چھن
گھونگھٹ میں گوری ہے سہرے میں ساجن
جہاں بھی یہ جائیں بہاریں ہی چھائیں
خوشیاں ہی پائیں میرے دل نے دُعا دی
میری دوست کی شادی ہے
ہماری دوست کی شادی ہے

صباح اور مریم کی مشترکہ آواز نے گیت کا حُسن دوبالا کر دیا تھا اور سب نے تالیاں پیٹ پیٹ کر خوب داد دی۔
''اچھا وہ والا گاؤ نا؟'' رمشاء باجی کی نند نے گانا مکمل ہونے پر کہا۔

''کون سا؟''اس نے صبا کے کان میں کہا تو اس نے ڈھولک کی لے بدلی۔

''تجھ کو ہی دلہن بناؤں گا

ورنہ کنوارہ مر جاؤں گا

دونوں نے مل کر تان اُڑائی تو سکندر مریم کو دھکیل کر درمیان میں آ بیٹھا۔

''کیا ہے؟''

''یہ گانا میں بھی گاؤں گا۔''مریم کی گھوری پر کہا گیا۔

''یہ منہ اور مسور کی دال۔''اس نے لتاڑا۔

''جا کے جوگن بن جاؤں گی

سنگ تیرے نہ میں آؤں گی

سب سے میں یہ کہہ جاؤں گی

تجھ کو نہ دولہا بناؤں گی

چاہے کنواری مر جاؤں گی

دوسُریلی آوازوں میں ایک مردانہ آواز سے گیت درمیان میں ہی رہ گیا تھا اور سب ہنس دی تھیں جبکہ عمر مریم کے جھلملاتے چمکتے چہرے کو تکے گیا۔

''سکندر باز آ جاؤ ورنہ مار کھاؤ گے۔''رمشاء باجی نے ٹوکا۔

''نہ جی میں دلہن کا برابر کا بھائی ہوں۔ ساتھ ساتھ گاؤں گا۔''

''کوئی بات نہیں رمشاء باجی! بیٹھنے دیں ابھی اس کی بھی شامت لے آتے ہیں۔''مریم جس کا موڈ بہت فریش ہو چکا تھا، رمشاء باجی سے کہہ کر صبا کے کان میں کچھ کہنے لگی اور پھر دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسی تھیں۔

''یہ سازش میرے خلاف ہوئی ہے نا؟''اس نے پوچھا جبکہ ادھر کون متوجہ تھا۔

''نہیں دلہن کے بھائیوں کے خلاف۔''صبا نے ڈھولک بجائی تو مریم نے شرارت سے سکندر کو دیکھا۔

''وہ تو عمر بھائی ہیں۔''اس نے دہائی دی مگر سنتا کون؟

ہم سب منگنی پر آئے شاوا

یہاں پر لڑکے دیکھے شاوا

کچھ تھے کالے کلوٹے شاوا

کچھ تھے لنگڑے لولے شاوا

ہم نے جو غور سے دیکھا شاوا

وہ تو لڑکی کے بھائی نکلے شاوا

شاوا بھئی شاوا، شاوا بھئی شاوا

چاروں طرف سے ہنسی کا ایک فوارہ پھوٹ پڑا تھا، عمر بھی بے اختیار ہنس دیا۔

''عمر بھائی دیکھ رہے ہیں۔'' سکندر نے عمر کو مخاطب کیا۔

''یہ زیادتی ہے، میں اپوزیشن کی طرف سے شدید احتجاج کرتا ہوں۔'' سکندر دہائیاں دے رہا تھا مگر ادھر پرواہ کسے تھی۔

''ہم منگنی پر آئے شاوا

یہاں پر لڑکے دیکھے شاوا

کچھ تھے غنڈے لوفر شاوا

ہم نے غور سے جو دیکھا شاوا

وہ تو اپوزیشن والے نکلے شاوا

شاوا بھئی شاوا ، شاوا بھی شاوا

عمر تو ایک طرف سکندر خود بے اختیار ہنس دیا تھا۔ اس کے بعد رات گئے تک ڈھولک بجتی رہی تھی، عمر نے کئی بار مریم کے ہنستے مسکراتے چہرے کو دیکھا اور پھر مسکرا دیا اور رات بہتی چلی گئی۔

❖ ✿ ❖

ابھی ردا کی منگنی سے فراغت ہی نصیب ہوئی تھی کہ ٹھیک تین دن بعد رشتہ کروانے والی کا فون آ گیا کہ وہ چند لوگوں کو لے کر آنے والی ہے۔ لڑکا نیک تھا، معقول لوگ تھے امی جی کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گھر میں امی نے فوراً ایمرجنسی نافذ کر ڈالی تھی، صفائی ستھرائی کھانے پینے کے انتظامات وقار کی بازار اور بیکری دوڑ فوزیہ سخت اُکتائی ہوئی تھی تو مریم اس نئی افتاد پر بے چین تھی، آج کل صبا کی کزن کرشمہ صاحبہ خالہ کے گھر آئی ہوئی تھی اور اس کی انٹری ادھر منع تھی، بقول صبا کے کھیل وائنڈ اپ ہونے والا تھا، وہ دونوں طرف سے بھرپور انداز میں کھیل رہی تھی۔ کرشمہ بی بی اور صبا کی والدہ کی اپنی اپنی جگہ دونوں کی ایک دوسرے سے ٹھن چکی تھی۔ وہ ایک منہ پھٹ بدتمیز بگڑی ہوئی کرشمہ کو دیکھ کر حیران و پریشان ہو رہی تھیں تو دوسری طرف کرشمہ صاحبہ نامعلوم ماریہ نامی لڑکی کی فون کالز سے ملنے والی ہدایات پر عمل کرتے اپنے امیر کبیر ہونے کا رُعب و دبدبہ جمانے کے چکر میں خالہ کی اصلیت ظاہر کرتے کرتے ان کی نگاہوں سے آؤٹ ہوتی جا رہی تھی۔ بس فائنل راؤنڈ رہ گیا تھا آج کل سیمی فائنل چل رہا تھا اب جبکہ کامیابی کے امکانات روشن تھے ایسے میں رشتہ...... مریم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

شام کو وہ مہمان آ گئے تھے فوزیہ بددلی سے امی کی ہدایت پر تیار ہو گئی تھی جبکہ مریم کے دل کی رفتار تیز تر ہو چکی تھی۔

امی نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی آمنہ اور مریم کو مہمانوں کے سامنے آنے پر کرفیو نافذ کر دیا تھا جبکہ اس نے دل ہی دل میں کوئی اور پلان بنا رکھا تھا۔

امی جی مہمانوں کے پاس تھیں آج ابو جی بھی جلدی آ گئے تھے، کچھ دیر بعد وقار، امی کا پیغام لیے چلا آیا کہ فوزیہ چائے لے کر اندر چلی جائے۔

''فوزیہ باجی! لائیں میں لے جاتی ہوں۔'' اس نے کہا تو فوزیہ نے حیرانی سے دیکھا۔

''امی سے جوتیاں کھانی ہیں۔امی کی ہدایت بھول گئی ہو کیا؟''

''جوتیاں کھانی ہیں نہ کچھ بھولی ہوں۔ کچھ نہیں ہوتا، آپ بعد میں آجائیے گا میں ذرا دیکھ کر آؤں کیسے لوگ ہیں پلیز......'' اس نے مسکین سی صورت بنالی۔

''اگر امی خفا ہوئیں تو مجھے مت کہنا۔''

''نہیں کہوں گی۔'' وہ ٹرالی گھسیٹتے باہر نکل آئی تھی جبکہ فوزیہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

''مریم......مریم......'' اس نے روکنا چاہا مگر اب بے سود تھا۔مریم بی بی اپنے پلان پر عمل درآمد کر چکی تھیں۔

''السلام علیکم!'' وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو امی کا حیرت سے منہ کھلا رہ گیا۔

''تم......؟''

''وعلیکم السلام!'' مہمان خواتین مکمل طور پر متوجہ ہو چکی تھیں اب امی کچھ نہیں کر سکتی تھیں اور اسے پروا بھی نہ تھی، امی سے نظریں چرا کر مسکرا کر مہمانوں کو دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر نہایت سلیقے سے برتن ٹیبل پر سجانے لگی۔ سب اسے ہی دیکھ رہے تھے ابو جی بھی حیران ہوئے تھے مگر ٹال گئے کہ شاید فوزیہ بعد میں آئے۔ اس نے باری باری چائے کپوں میں اُنڈیل کر سب کو دیئے لوازمات پیش کرنے کے بعد امی کو دیکھا وہ کینہ توز نظروں سے گھور رہی تھیں، اس نے سوچا اب بھاگ لے اس سے پہلے کہ اپنی سوچ پر عمل درآمد کرتی سامنے بیٹھی خاتون نے روک لیا۔

''کیا نام ہے بیٹا آپ کا؟''

''جی مریم!'' وہ رُک گئی تھی۔

''ماشاءاللہ! کیا ایجوکیشن ہے آپ کی۔'' اگلا سوال تھا خواتین خاصی معقول اور شائستہ اطوار کی مالک لگ رہی تھیں، اس کا اعتماد بحال ہوا۔

''جی میں بی ایس سی کے ایگزیمز دے کر ابھی فری ہوں۔ ایم ایس سی کرنے کا ارادہ ہے۔'' دونوں خواتین نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

''معافی چاہتی ہوں مگر ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ لڑکی ایم اے انگلش ہے۔'' پہلی خاتون نے سنبھل کر پوچھا۔

ان خاتون کی یادداشت کمال کی تھی، اس نے ستائشی نظروں سے انہیں دیکھا شاید یہی لڑکے کی والدہ تھیں۔

''جی وہ فوزیہ آپی ہیں میری بڑی بہن۔''

''کیا؟'' وہاں موجود ہر فرد چونکا تھا، امی نے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

وہ ایک ایسی بدشگونی کی مرتکب ہو چکی تھی جو ناقابل معافی تھی۔

''جاؤ مریم! فوزیہ کو بھیجو۔'' معاف کیجیے گا یہ میری چھوٹی بیٹی ہے۔'' امی جی کا ضبط بھی یہیں تک تھا اسے اشارہ کر کے معذرت کی۔

کچھ دیر بعد مہمان رُخصت ہوئے تو لڑکے کی والدہ نے امی جی کے ہاتھ تھام کر کہا۔

''بہن! ماشاء اللہ آپ کی دونوں بچیاں ہی بہت پیاری اور سلجھی ہوئی ہیں۔ ہم جلد ہی فیصلہ کر کے جواب دیں گے۔'' اور امی ''دونوں بچیاں'' سن کر ہی بھول گئی تھیں ان لوگوں کے جانے کے بعد امی اس کے سر ہو گئی تھیں۔

''یہ کیا حرکت تھی، جب میں نے کہہ دیا تھا کہ فوزیہ کے علاوہ کوئی ادھر بھٹکے گا بھی نہیں تو تمہیں ہمت کیسے ہوئی ادھر آنے کی۔'' امی جی کا غصے سے بُرا حال تھا، وہ فوراً ابو کے کندھے سے جا لگی۔

''میں نے کچھ غلط تو نہیں کیا، میں مہمانوں کو دیکھنا چاہتی تھی۔'' ایک دم آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی، امی جی نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

''کیوں خفا ہوئی ہو، بچی ہے۔ ویسے بھی کوئی نامعقول حرکت نہیں کی اس نے کہ تم اتنا شور مچاؤ۔'' ابو جی نے ہمیشہ کی طرح اس کی طرف داری کی۔

''آپ کے اسی لاڈ پیار نے اسے خود سر اور ضدی بنا ڈالا ہے۔'' وہ ابو جی پر بھی گرم ہوئیں۔

''امی جی کیا ہو گیا ہے، کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔'' فوزیہ بھی اس کی حمایت میں بولی تھی۔

''خوامخواہ پریشان نہیں ہو رہی، اس لڑکے کی ماں کی نیت بدل گئی ہے، وہ جس طرح جاتے ہوئے دونوں بچیاں کہہ کر گئی ہے میرا دل ہول رہا ہے...... میں صاف کہہ رہی ہوں کہ اگر ایسا واقعی ہوا نا تو پھر میں صاف انکار کر دوں گی۔ اگر مجھے چھوٹی کا ہی کرنا ہے تو عمر بُرا ہے کیا؟'' امی شروع ہو چکی تھیں۔

❖❁❖

کرشمہ ادھر آ چکی تھی وہ آزاد خیال کی مالک خاصی منہ پھٹ آؤٹ آف اسپوکن لڑکی تھی۔ آج کل تو ویسے ہی خالہ کے خلاف ثبوت ڈھونڈنے آئی تھی۔ اوپر سے نامعلوم ماریہ نامی لڑکی کی کالز اور خصوصی بریفنگ سونے پر سہاگہ تھا۔

ان چند دنوں میں ہی خالہ پر اس کے جوہر کھلنا شروع ہو گئے تھے۔

ان چند دنوں میں ہی کرشمہ کے طور طریقے دیکھتے انہیں ہول اُٹھنے لگے تھے۔ کہاں وہ بہت ماڈرن بننے کی کوشش کے باوجود شلوار قمیص سے ہٹ کر ساڑھی جیسے لباس تک نہیں آ سکی تھیں اور کہاں محترمہ کرشمہ صاحبہ کا لباس ہی جینز شرٹ، لانگ شرٹ کے علاوہ ٹراؤزر تھا۔

ایک دن انہوں نے ٹوک دیا انہیں ایسا لباس پسند نہیں، خیال تھا کہ بہو پر ابھی اس کے لباس کی طرف سے اپنی پسند ناپسند واضح کر دی جائے، مگر کرشمہ کو ناگوار گزرا۔

''آپ اتنی دقیانوس ہیں آنٹی! آپ جانتی ہیں یہ لباس تو میرا فیورٹ ہے، آپ مجھے شلوار قمیص پہننے کو کہہ رہی ہیں ایسا پینڈو لباس تو میں مر کر بھی نہ پہنوں۔''

امیر کبیر لائق فائق پڑھی لکھی بہو یہ صاف جواب، ان کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے۔ آج تک ان کی اولاد کی مجال نہ ہوئی تھی کہ انہیں پلٹ کر جواب دے دے اور بھانجی صاحبہ اُٹھتے بیٹھتے ان کے پینڈوپن پر طنز فرما رہی تھیں۔

بات یہاں تک رہتی تو ٹھیک تھا کھانے پینے، سونے جاگنے تک کے معمولات تک ان لوگوں سے متضاد تھے خاور ان کا اکلوتا

بیٹا تھا، انہیں اپنا بڑھاپا عذاب اور گھر کا مستقبل تاریک ہوتا لگ رہا تھا۔ محترمہ کو کچن کے کانوں میں چائے تک بنانا نہیں آئی تھی اور گھریلو امور میں اس کی معلومات صرف اس حد تک تھی کہ کام والی کو پیسے دے کر گھر چمکالو بھلے وہ کام والی صفائی کے ساتھ ساتھ گھر کا ہی صفایا کر جائے۔

اس دن تو حد ہو گئی وہ کرشمہ کے کمرے کے دروازے سے کان لگائے اندر کی صورتحال کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

صبا، مریم کے ہاں گئی تھی کرشمہ گھر پر ہی تھی۔ ایسے میں اس کی ٹوہ کرنا اچھا موقع تھا۔

''دیکھنا اس بڑھیا کو کیسے مزا چکھاتی ہوں۔ وہ سمجھتی کیا ہے خود کو، نجانے کس چیز کا غرور ہے۔ میری ڈریسنگ پر تنقید کر لی تھی مار یہ! تو میں نے بھی سیدھا جواب منہ پر مارا۔ نوکروں والے کاموں کی مجھ سے توقع کرتی ہے میں نے بھی مزانہ چکھایا تو میرا نام بھی کرشمہ نہیں۔ بس میرے ہاتھ پرانی منگنیوں یا چند لوگوں سے متعلق ثبوت لگ جائیں تو پھر دیکھنا میں ماما، پاپا کے سامنے کیسے سارا کچا چٹھا کھولتی ہوں۔'' کرشمہ خاصے جوش سے کہہ رہی تھی، انہوں نے تھوڑے سے کھلے دروازے سے دیکھا، وہ بستر پر دراز تھی دروازے کی طرف پشت تھی۔ اپنے متعلق نادر خیالات سن کر ان کا جلالی غصہ ایک دم ان کی عقل پر حاوی ہوا۔ جی چاہا کہ ابھی اندر جائیں اور اس کی چوٹی پکڑ لیں۔

''مجھے کون سی رشتوں کی کمی ہے، رشتوں کی لائن ہے جو حاضر ہے۔ ماما کو بھی بس بہن کی محبت کا بخار چڑھا تھا، اب واپس جا کر ان کی اصلیت بتائی تو دیکھنا کیسے صاف انکار کرتی ہیں میری ماما۔'' وہ حیرت سے گنگ تھیں یہ ان کی پسند ان کی بھانجی تھی جس کی دولت و جائیداد کے لالچ میں اپنے انتہائی فرمانبردار ہیرے جیسے بیٹے کے دل کا خون کر کے اپنی من مانی کی تھی، ان کا غرور ان کو منہ چڑا رہا تھا۔

''بس ڈراپ سین باقی ہے یار! بہت اچھا کیا تم نے مجھے گائیڈ کیا اگر میں اپنے اصلی حلیے میں اس عورت کے سامنے آتی تو اس کی اصلیت کب کھلنی تھی؟ تمہاری ہدایت پر عمل کیا تو اس عورت کا اصل روپ بھی سامنے آ گیا۔ میں نے اپنے گھر میں کبھی ہل کر پانی کا گلاس نہیں پیا اور بڑی بی کہہ رہی تھیں کہ شادی کے بعد مجھے نا صرف گھر بار سنبھالنا ہو گا بلکہ کچن بھی دیکھنا ہو گا اور دیکھو ماما نے مجھے یہ لالچ دیا تھا کہ ان کی بہن ان سے مرعوب ہے، انہیں دولت کی لالچ دے کر شادی کر لیتے ہیں اکلوتا بیٹا ہے، نند کی تو شادی ہو جائے گی کون سا وہ میری ذمہ داری ہو گی کبھی کبھار آئے گی، لڑکے کو گھر داماد بنا لیں گے۔ ماں نے زیادہ شور کیا تو مہینے کے مہینے خرچہ دے دیا کریں گے، اب آ کر ماما اپنی ڈکٹیٹر بہن کو دیکھیں تو کانوں کو ہاتھ لگائیں اور کبھی پلٹ کر ادھر کا رُخ نہ کریں۔ میرا حوصلہ ہے جو میں یہ سب برداشت کر رہی ہوں محض اس عورت کی اصلیت ظاہر ہونے تک۔''

ان کا حوصلہ بس یہیں تک تھا ایک دم دھڑام سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھیں۔

''اے لڑکی! کیا ہے اصلیت میری، ذرا بتاؤ مجھے بھی۔ یہ میرا حوصلہ ہے جو اتنے دن تمہیں برداشت کر لیا۔ جس میں حیا نہ شرم۔ میں نے دولت لے کر چاٹنی ہے خالی۔ تم جیسی لڑکی پر میں لاکھ بار لعنت بھیجتی ہوں، میرا ہیرے جیسا بیٹا تمہاری جیسی منہ پھٹ بدلحاظ، بدتمیز، جاہل لڑکی کے بھلا قابل ہی کب ہے۔ یہ تو میری عقل گھاس چرنے چلی گئی تھی، جو تم جیسی لڑکی کے متعلق

سوچا۔ میں سو بار تم پر لعنت بھیجتی ہوں۔'' ان کے الفاظ دوسری طرف صبا اور اسپیکر آن ہونے کی وجہ سے مریم نے بھی سنے تھے۔

''ہاں تو آپ کیا لعنت بھیجیں گی بڑا ادب لحاظ کر لیا میں نے آپ کا۔'' یہ کرشمہ کا زہریلا لہجہ تھا، صبا نے فوراً موبائل آف کیا۔

''باپ رے! لگتا ہے فائنل اوور چل رہا ہے، کون جیتتا ہے آن ایئر چل کر دیکھتے ہیں۔ چلو جلدی کرو۔'' اس وقت وہ دونوں حسب معمول مریم کے گھر کی چھت پر ایک طرف بنے برآمدے میں بیٹھی کرشمہ سے بات کر رہی تھی۔

''پہلے یہ سم تو بدل لو۔'' اسے اس طرح بھاگتے دیکھ کر مریم نے ٹوکا تو اس نے فوراً سم نکالی۔

''مجھے لگتا ہے اب اس سم کی ضرورت نہیں رہی، سنبھالو اپنی سم یا ضائع کر دو اس سے پہلے کہ راز فاش ہو۔ میں چلتی ہوں بلکہ تم بھی ساتھ آؤ۔ میں دونوں کو اکیلے نہیں سنبھال پاؤں گی ایک عدد تمہارے جیسے سپورٹر کی ضرورت بہرحال ہے۔''

''چلو......'' مریم نے بھی سم لے کر اس کے دو ٹکڑے کر کے گھر کے عقب میں خالی احاطے میں اُچھال کر اس کے ساتھ چل دی تھی۔ ان کا منصوبہ مکمل ہو چکا تھا اب بس آخری ضرب باقی تھی جو دونوں روبرو جا کر سرانجام دے سکتی تھیں، ایسے میں اب اس سم کی کوئی ضرورت نہ رہی تھی، یہ سم کئی سال سے اس کے پاس فالتو پڑی ہوئی تھی۔ جو انہوں نے ایک لوکل شاپ سے خریدی تھی، اس سم کو استعمال کرتے ہوئے دونوں مطمئن تھیں کہ یہ سم رجسٹرڈ نہ تھی اور خریدتے وقت شاپ کیپر نے شناختی کارڈ مانگا تھا، مگر اس وقت پاس نہ تھا۔ لڑکیاں سمجھ کر اس نے سم تو دے دی تھی مگر اس تاکید کے ساتھ کہ کل آ کر شناختی کارڈ کی کاپی جمع کروا کر رجسٹرڈ کروالیں پھر نہ کبھی اس دکان پر جانا ہوا اور نہ ہی کاپی دی۔

یہ سم بُرے وقتوں میں کام آنی تھی۔ اب وہ دونوں دیوار پھلانگتے صبا کے ہاں تھیں، نیچے سے دونوں خواتین کی زور زور سے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اب ان بولتی خواتین میں یہ دونوں لڑکیاں بھی شامل ہو گئی تھیں۔

❖ ✿ ❖

ان کا فائنل کامیاب رہا تھا۔ ایک گھمسان کا رن پڑا تھا، دونوں فریقین میں۔ جواباً کرشمہ اسی دن اپنے گھر روانہ ہوئی تو اسی شام اس کی والدہ کے فون نے تمام کسر پوری کر دی۔ انہوں نے وہ باتیں سنائیں کہ......نصرت بیگم بھی ادھر کون سا ٹھنڈے مزاج کی خاتون تھیں، جو آرام وسکون سے سہہ جاتیں۔ بہن کو ایک کے بجائے دس سنائیں اور کرشمہ کے اندر وہ خامیاں نکالیں جو اس میں تھی ہی نہیں جواباً دونوں نے نا صرف رشتہ دینے لینے سے انکار کر دیا بلکہ آئندہ ملنے ملانے کا سلسلہ بھی بند کر دیا۔

وہ اُٹھتے بیٹھتے آہیں بھر رہی تھیں اور صبا جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی۔

''کتنی بار تو آپ کو بوا جی بھائی سب نے کہا تھا کہ ہم اپنے جیسے لوگوں میں سے لڑکی لائیں گے، مگر آپ کو بھی شوق تھا اونچے امیر گھرانے کی بہو لانے کا۔ اب اس کا انجام بھی دیکھ لیا۔ شکر ہے شادی سے پہلے کرشمہ کی اصلیت کھل گئی، شادی کے بعد نجانے کیا ہوتا۔'' وہ اب ہر وقت اسی کی باتیں کرتی رہتی تھی۔ ایسے میں نصرت بیگم اسے گھور کر رہ جاتیں مگر اب کہنے کو کچھ نہ بچا تھا۔

''ہائے کتنی خواہش تھی میری فوزیہ آپی ہماری بھابی بنیں۔ آج کل ان کا رشتہ چل رہا ہے کہیں، مگر ہماری کون سنتا ہے یہاں؟ پتا نہیں خاور بھائی کس کو پسند کرتے تھے کتنا انکار کیا تھا انہوں نے ان کی پسند ہی دیکھ لیتیں۔'' کن انکھیوں سے ماں کو دیکھتے رقت آمیز انداز میں کہا تو انہوں نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا، بات کچھ دل پر لگی تھی۔

''تم چپ ہوگی یا میرے سر پر اسی طرح نازل رہوگی؟'' وہ اس وقت بستر پر دراز اپنی غلطی پر ماتم کناں تھیں۔ صبا کو ان پر ترس آیا۔ مگر اس وقت ذرا سی کمزوری نقصان دہ تھی وہ انہیں مکمل طور پر شرمندہ دیکھنا چاہتی تھی۔

''ہاں مجھے چپ کروالیں، بھائی کو بھی چپ کروالیا۔ ابو نے بھی فوزیہ آپی کے لیے کہا مگر آپ نے کبھی ان کا نام لینا بھی پسند نہ کیا۔ کرشمہ سے تو لاکھ درجے بہتر تھیں فوزیہ آپی۔'' وہ آج کل بار بار فوزیہ کا نام لے رہی تھی، ان کے دل سے ہوک اُٹھی۔

''اب کیا ہوسکتا ہے بھلا، اس کا تو رشتہ طے ہو رہا ہے؟'' غرور ٹوٹا تو نیچے کا منظر بھی نظر آنے لگا، بس گردن جھکا کر نیچے دیکھنے کی دیر تھی۔

''ابھی ہوا تو نہیں نا، دیکھیں امی کتنے فائدے تھے فوزیہ آپی کے، ساری عمر آپ کی خدمت کرتیں، مجھے تو بیاہ ہی دینا تھا نا آپ نے۔ ہمیشہ آپ کی رائے کو اہمیت دیتیں۔ خصوصاً خاور بھائی کو چھین کر کہیں لے جانے کا ڈر تو نہ رہتا۔ کوئی امیر کبیر آتی تو ہمیں دبانے کی کوشش کرتی جبکہ فوزیہ آپی تو سب کو ملا کر رکھنے والی ہستی ہیں۔'' لوہا گرم دیکھ کر اس نے فوراً چوٹ لگائی تھی۔

نصرت بیگم کے اندر ملال گہرا ہوا۔ صبا ان کو نفسیاتی طور پر کمزور کر رہی تھی۔ خاور کتنا ناراض تھا۔ کتنی بار اپنی پسند ظاہر کی، باقاعدہ نام لیا، مگر انہوں نے کیا کہا؟ اس نے ضد سے غصے سے، منت سے منوانے کی کوشش کی مگر انہوں نے اپنی عقل پر لالچ کا پردہ ڈال رکھا تھا بہن کی محبت سے زیادہ امیر کبیر بہو لانے اور سوسائٹی میں گردن اکڑا کر چلنے کے زعم میں مبتلا تھیں اور اب کیا ہوا؟ اس لڑکی نے انہیں دھڑام سے زمین پر گرا ڈالا تھا یوں کہ اپنے لالچ کی بدولت خود ہی سے شرمندہ تھیں۔

''کہاں بات چل رہی ہے فوزیہ کی؟'' پچھلے دنوں سے وہ صرف کرشمہ کے مسئلے میں اُلجھی ہوئی تھیں اردگرد کی صورتحال سے قطعی بے خبر، اب خود کو سنبھال کر پوچھا۔ صبا فوراً ان کے قریب ہو کر بیٹھی۔

''لڑکا بینک منیجر ہے، چچا جان اور چچی جا کر لڑکا دیکھ آئے تھے لڑکے کی والدہ بھی دیکھ گئی ہیں۔ چچا نے تحقیقات تک کروالی ہیں، فیملی اچھی اور سلجھا ہوا خاندان ہے اگر ان لوگوں کی طرف سے مثبت جواب ملا تو ان کا ارادہ فوراً بات طے کرنے کا ہے۔'' ان کا دل ڈوب گیا۔

''اچھا......'' ایک اچھا رشتہ ان کی دسترس میں تھا اپنی انا، ضد اور لالچی فطرت کی بدولت گنوا ڈالا تھا۔ ان کے اندر ملال کے بادل گہرے ہونے لگے۔ اپنے زعم میں وہ فوزیہ اور اس کی ماں بہنوں کو نجانے کیا کچھ کہتی رہتی تھیں، اپنے سامنے تو وہ کسی کو کچھ گردانتی ہی نہ تھیں، اب واپس پلٹیں تو بھی کیا گارنٹی تھی کہ وہ لوگ اچھا سلوک کریں گے۔ ماضی میں جو رویہ وہ ان لوگوں کے ساتھ روا رکھے ہوئے تھیں اس کے پیش نظر تو انہیں بُرے سے بُرے سلوک کی توقع رکھنی چاہیے تھی۔

''امی پلیز مجھے فوزیہ آپی بہت پسند ہیں۔ آپ چل کر بات کریں تو ابو جی اور بھائی سے بھی کہیں، وہ لوگ انکار نہیں کریں گے۔ ایک دفعہ میری بات مان لیں۔'' بھائی کا نام لیے بغیر وہ کہہ رہی تھی۔

''اور اگر انہوں نے انکار کر دیا تو؟'' انہوں نے دل کا خدشہ بیان کیا، اب تو ساری اکڑ سارا غرور مٹی میں مل چکا تھا بس یہی خواہش تھی کہ ایسی لڑکی کو بہو بنالیں جو نا صرف بڑھاپے میں ان کی خدمت کرے بلکہ ان کا بیٹا کہیں بھی لے کر نہ جائے اور فوزیہ ہر لحاظ سے معقول تھی اس کے لیے۔

''وہ تو بعد کی بات ہے۔ایک دفعہ پرو پوزل تو دیں نا۔'' صبا نے ماں کی ہمت بندھائی تو انہوں نے گہرا سانس لیتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

❖❁❖

اس بینک منیجر کے رشتے کی طرف سے مثبت جواب مل گیا تھا۔امی جی ان لوگوں کا جواب سن کر پہلے تو حیران ہوئیں پھر ان لوگوں کو خوب سنائیں اور آخر میں منہ پر کپڑا لپیٹ کر لیٹ گئیں۔

''پتا تو کرو ادھر سے آخر کیا جواب ملا ہے جو امی اتنے صدمے سے لیٹ گئی ہیں۔'' آمنہ فری ہونے کے بعد پُر جوش تھی۔

''انکار ہو گیا ہوگا۔'' اس نے اپنی سابقہ کارکردگی کی روشنی میں اندازہ لگایا۔

''تمہارے منہ میں خاک۔'' فوزیہ خاموش تھی، آمنہ نے دہل کر کہا۔ پھر بار بار اس کے اصرار پر وہ امی کے پاس آ بیٹھی۔

''امی کیا ہوا؟'' اس نے بڑی محبت سے پوچھا۔انہوں نے دوپٹہ ہٹا کر خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ سب تیرا کیا دھرا ہے، کتنا منع کرتی رہی کہ کوئی مہمانوں کے سامنے نہیں آئے گی۔تم کو تو ماں کی نصیحت اچھی نہیں لگتی۔ جس بات سے منع کیا وہی کام لیا۔'' وہ فوزیہ کے لیے انکار کر کے تمہارے لیے کہہ رہے ہیں۔ پیچھے کھڑی فوزیہ اور آمنہ دونوں حیران ہو گئیں۔

''کیا واقعی؟'' فوزیہ کی بات نہ بننے پر ایک دم خوشی ہوئی مگر امی کا زوردار ہاتھ اس کی کمر پر نشان چھوڑ گیا۔

''تجھے اتنی خوشی کس لیے ہو رہی ہے؟ سوچا تھا ایک کا مسئلہ ہے ہو جائے باہر، پھر باقیوں کا بھی کروں گی۔مگر تمہارے جیسی منحوس جس کی ہو وہاں ایسے ہی بنا بنایا کھیل بگڑتا ہے۔'' امی جی کے اب آنسو بہہ رہے تھے، مریم اس صاف الزام پر بگڑ گئی۔

''تو مجھ کو الزام کیوں دے رہی ہیں، ان لوگوں کی ہی نیت خراب تھی اس سے پہلے بھی تو کئی بار میں مہمانوں کے سامنے گئی تھی۔

''تم میرے سامنے سے ہٹ جاؤ، ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔'' اس نے بے بسی سے بہنوں کو دیکھا، آمنہ اور فوزیہ کے اشارے پر وہاں سے ہٹ تو گئی مگر دل سے بہت خوش تھی، صبا کو اپنی کارکردگی کی رپورٹ دی تو وہ بھی حیرت زدہ تھی۔

''ہائے واقعی؟'' وہ خوشی سے بولی۔

''آرام سے سکون سے۔'' اس نے آنکھیں دکھائیں۔

''ہائے مریم مجھے بڑی ٹینشن تھی کہ کہیں امی کے راضی ہونے تک تم لوگ ہاں نہ کہہ دو۔اب سمجھو ایک دو دن میں امی تم لوگوں کے ہاں چکر لگا رہی ہیں۔'' اس نے اپنی بھی کارکردگی سے آگاہ کیا۔

''اگر تمہاری ماں جی کو پتا چل جائے کہ کرشمہ کا رشتہ ختم کرنے کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے تو سمجھو وہ شام سے قبل ہی اوپر پہنچا دیں گی۔'' وہ دونوں اس وقت اپنی میٹنگ پلیس یعنی چھت پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

''ایویں پتا چل جائے گا، ہم نے بھی کوئی نشان تک نہیں چھوڑا اور جب تک منہ سے بھاپ تک نہ نکالیں گی خاک پتا لگے گا۔ویسے چچی جی کا کیا ری ایکشن ہے۔''

"سر منہ لپیٹے لیٹی ہوئی ہیں۔امی کو واقعی گہرا صدمہ پہنچا ہوا ہے۔"
"چلو نیچے چل کر دیکھتے ہیں۔" وہ دونوں نیچے اُتر آئی تھیں، امی نے دوپٹا ہٹا کر کھا جانے والی نظروں سے خراماں خراماں سیڑھیاں اُترتی دونوں لڑکیوں کو دیکھا۔دونوں کسی بات پر زور سے ہنس رہی تھیں۔ان کا جی اور جل کر خاک ہوا۔
"تمہیں اپنے گھر میں چین نہیں پڑتا؟" برآمدے میں آتے ہی گولہ بارود کی بارش ہوئی تھی، مریم کی ہنسی نکل گئی۔صبا نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا۔
"پڑتا ہے، مگر کیا کروں یہاں دل زیادہ لگتا ہے۔" وہ بھی ڈھیٹ تھی، دانت نکوسے کہہ رہی تھی۔امی جی کا ماتھا ٹھنکا۔لڑکی جوان، خوبصورت اوپر سے چالاک اور ہوشیار بھی تھی۔کہیں وہ ان کا وقار تو نہیں پھنسا رہی۔انہوں نے اسے نگاہوں ہی نگاہوں میں یوں تولا گویا قصاب بھینس کو تولتا ہے۔وقار تو جب یہ آتی تھی گھر میں نہیں ہوتا اس وقت گھر میں تھا۔انہوں نے کونے میں پڑی چارپائی پر لیٹے بیٹے کو دیکھا۔جو صبا کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھا تھا اور اسے دیکھ بھی رہا تھا۔
"چلو اندر چلتے ہیں آمنہ اور فوزیہ بھی ادھر ہی ہیں۔" وہ ماں کے اگلے جواب سے پہلے ہی اس کا بازو گھسیٹ کر اپنے مشترکہ کمرے میں لے آئی تھی۔
فوزیہ الماری درست کر رہی تھی اور آمنہ پیپرز کی فراغت ملنے پر رسالوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔
"ہیلو ایوری باڈی!" صبا بستر پر آ بیٹھی۔
"ہیلو......" دونوں نے مسکرا کر ویلکم کہا۔
"فوزیہ باجی بینک منیجر والے رشتے سے انکار پر دلی صدمہ ہوا۔" اس نے آغاز کیا فوزیہ مسکرا دی۔وہی مخصوص دھیمی مسکراہٹ، جو اس کی ذات کا حصہ تھی۔
"کوئی بات نہیں یہ پاکستان ہے۔یہاں یہ چھوٹے موٹے ہارٹ اٹیک ہفتے میں دو بار ہر لڑکی والے برداشت کرتے ہیں۔صبر، ہمت، حوصلہ......" آمنہ نے بڑی دلگیری سے اماں جی والے انداز میں کہا۔فوزیہ ہنس دی۔
"زبردست......یعنی آپ سے کوئی ہمدردی نہ کی جائے۔"
"بالکل......" قمیص استری کر کے ہینگر پر لٹکا کر مسکراتے ہوئے کہا۔
"ویری گڈ......" اس نے سراہا۔
"ویسے مریم سوچنے کی بات ہے تمہارے اس اول جلول حلیے میں لڑکے کی ماں کو آخر نظر کیا آ گیا تھا۔" رسالہ ایک طرف ہٹا کر آمنہ نے سنجیدگی سے پوچھا جواباً اپنے حلیے پر اس تنقید پر اس نے اسے گھورا۔
"مطلب کیا ہے تمہارا؟"
"مجھے تو لڑکے کی والدہ کا دماغی توازن ہی خراب لگتا ہے۔" صبا نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا۔
"صبا؟" مریم نے دانت پیسے تبھی وقار نے بھی کمرے میں انٹری دی۔
"ویسے رشتہ ہر لحاظ سے معقول ہے۔اگر لڑکے کی والدہ کی خواہش پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے تو......؟" فوزیہ نے بھی

چھیڑا تو مریم نے منہ بنالیا۔

''کیا خیال ہے مریم !امی کو راضی کریں پھر؟'' وقار بھی کبھی کبھار ان تینوں بہنوں کی محفل میں جب اتوار کو چھٹی والے دن فارغ ہوتا تو شامل ہو جاتا تھا آج بھی چھٹی تھی، وہ ان کے درمیان آ بیٹھا تھا جبکہ کچھ دیر قبل دل میں پیدا ہونے والے خیال سے گھبرا کر امی جی نے ایک دو بار اندر جھانکا جہاں ان سب کے قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا؟'' مریم نے اداکاری کرتے ہوئے کانوں پر ہاتھ رکھ کر ایکشن سے کہا۔

''زیادہ ہیروئن بننے کی ضرورت نہیں۔'' صبا نے کشن مار کر اس کی ساری اداکاری نکال دی تھی۔

''ویسے حرج بھی نہیں کافی معقول لوگ ہیں۔'' آمنہ بھی متفق ہو چکی تھی، مریم نے مجبوراً گھورا۔

''میں کیوں بھلا کسی سود خور سے شادی کرنے لگی۔''

''ہیں...... یہ سود خور کون ہے؟'' وقار کو حیرت ہوئی۔

''بینک میں کام کرتا ہے لڑکا! سودی کاروبار میں برابر کا شریک، اللہ معاف کرے۔ ہمیں بچائے۔'' اس نے فوراً دونوں گال پیٹتے کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کی، سب ہنس دیئے۔

''اسے کہتے ہیں دور کی کوڑی لانا، جیتی رہے میری بہن! تم تو خاصی عقلمند ہو۔''

''آپ کی کمزور اطلاع کے لیے ضروری ہے کہ ہم پہلے ہی عقلمند ہیں۔'' اس نے فرضی کالر کھڑے کیے۔

''بیوقوفوں کی عقلمند۔'' وقار کے جملے پر ایک بار پھر بے ساختہ قہقہہ پڑا تھا۔

''بیوقوف سے یاد آیا میں نے سنا ہے آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کے برادر محترم کی منگنی اپنی بھانجی صاحبہ سے ختم کر دی ہے۔'' اچانک وقار نے یاد آنے پر پوچھا، صبا چونکی۔ جبکہ فوزیہ اور آمنہ بھی متوجہ ہو گئی تھیں اور باہر بار بار نظر ڈالنے کے بعد امی جی خود ہی ادھر چلی آئی تھیں اور وقار کے منہ سے انکشاف سن کر ٹھٹک گئی تھیں۔

''تمہیں کس نے بتایا؟'' ابھی تو یہ خبر صرف ابو جی تک ہی پہنچی تھی۔

''معاذ نے......'' اس نے ہمسایوں کے لڑکے کا نام لیا، مریم بھی چپ ہو کر دیکھنے لگی۔

''اسے کیسے پتا چلا؟''

''تمہارے گھر کام کرنے والی ملازمہ ان لوگوں کے ہاں بھی کام کرتی ہے میرے خیال سے۔'' صبا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ہاں میرے پیارے بھائی! اس سانحے کو آج تیسرا دن ہے۔'' صبا نے بتایا۔

''ویسے یہ ہوا کیسے؟'' اس نے ازراہِ ہمدردی استفسار کیا۔

''دونوں پارٹیز کو احساس ہو گیا تھا کہ دونوں ہی بے جوڑ تعلق باندھنے کی کوشش میں ہیں۔ دونوں طرف سے دھاگہ کھینچنے کی ضرورت میں ٹوٹنا ہی تو تھا۔''

امی جی کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ مچل گئی۔

وہ بڑے سکون سے بغیر اندر کی رپورٹ لیے واپس پلٹ گئیں اور اندر ان سب کی گفتگو ایک نئے موضوع میں داخل ہو گئی

تھی۔

❖❁❖

نصرت بیگم چند دن سوچنے کے بعد ساتھ والے گھر میں چلی آئی تھیں۔ مریم کی والدہ انہیں اپنے ہاں دیکھ کر ٹھٹکی تھیں۔ دونوں کی بظاہر کبھی لڑائی نہیں ہوئی تھی مگر دونوں ہی ہمیشہ دل ہی دل میں ایک دوسرے سے خائف اور بدظن رہی تھیں اور اس کدورت کا اظہار اپنی اپنی اولادوں کے سامنے برملا کرتی تھیں۔

نصرت بیگم نے جب سے خاور بھائی کی منگنی کرشمہ سے کی تھی ادھر امی جی کا بھی رویہ ان سے بہت بدل گیا تھا۔ پہلے جو کدورت دل میں رہتی تھی وہ اب اکثر طنز کی صورت لبوں پر رہتی تھی۔ اب خاور کا رشتہ ختم ہونے کے بعد ان کی گھر آمد پر وہ حیرت زدہ تھیں۔

امی انہیں لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں اور مریم جوان کی آمد کے مقصد سے باخبر تھی۔ اس کے کان امی کے کمرے کی کھڑکی سے جا لگے تھے۔

''یہ کیا کر رہی ہو؟'' فوزیہ اور آمنہ نے اس کی حرکت کو گھورا۔

''دیکھ نہیں رہیں۔'' اس نے آمنہ کو گھورا۔

''ہر وقت دوسروں کی ٹوہ لینے والوں پر آخرت میں آگ کے گولے مارے جائیں گے۔''

اس نے پلٹ کر اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ ایک تو اندر نجانے کیا مذاکرات چل رہے تھے کہ کان لگانے کے باوجود کچھ پلے نہ پڑ رہا تھا اوپر سے آمنہ کی باتیں۔

چند دنوں میں روزے شروع ہونے والے تھے، آمنہ اور فوزیہ گھر کی صفائیوں میں مگن تھیں۔ اُدھر کھڑے کچھ پلے نہ پڑا تو وہ اندر چلی آئی، امی جی نے اسے دیکھ کر گھورا۔

''کیا ہے؟'' وہ بگڑے تیور سے بولیں۔

''کچھ نہیں یونہی ادھر آ گئی۔'' وہ مسکرا کر کہتے ماں کے تیوروں کو نظرانداز کرتی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ امی جی نے پہلے اسے گھور کر پھر نصرت بیگم کو دیکھا۔

''چلیں جو ہونا تھا ہو گیا، آپ کو کون سی رشتوں کی کمی ہے۔ ماشاء اللہ کھاتے پیتے لوگ ہیں، دولت کی کمی نہیں۔ بھائی صاحب کا اپنا کاروبار ہے۔ خاور میں کون سی کمی ہے۔ کہیں اور دیکھ لیں۔'' امی جی کا وہی طنزیہ انداز تھا جو نصرت بیگم کے لیے ان کا ہو جاتا تھا۔

''ہاں اس لیے تو آج آئی ہوں۔'' انہوں نے کہا تو امی جی کے ماتھے کے بل گہرے ہو گئے جبکہ مریم ماں کے تیور دیکھ رہی تھی۔

''میں سمجھی نہیں۔''

''میں فوزیہ کے لیے آئی ہوں۔ خاور گھر کا بچہ ہے آپ کا دیکھا بھالا ہے، اِدھر اُدھر بھی تو دیکھ رہی ہیں، خاور کے بارے میں

بھی سوچ لیں۔'' مریم نے دیکھا امی کے چہرے کی سرخی بڑھی تھی۔

''فوزیہ کے لیے تو میں پچھلے تین سالوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی ہوں، خاور کی منگنی تو صرف سال کا عرصہ ہوا ہے۔ پہلے خیال نہ آیا؟'' نصرت بیگم ٹھٹکیں، تو مریم کا سانس اٹکا۔

''کیا مطلب؟''

''آپ ہم غریبوں کے گھر کیوں دیکھ رہی ہیں رشتہ، کہیں اور دیکھ لیں۔ ویسے بھی میں تو خود فوزیہ کو کسی چھوٹے موٹے گھر میں نہیں دینے لگی۔ تین سال سے دیکھ رہی ہوں رشتہ ماشاءاللہ سے اب ہمارے خود پہلے والے حالات نہیں رہے۔ پہلے ان کا باپ تنہا کمانے والا اور اتنے لوگ کھانے والے مگر جب سے عبید نے باہر جا کر کمانا شروع کیا ہے، حالات بہت بہتر ہو گئے ہیں۔ میں نے اگر چھوٹے موٹے لوگوں میں رشتہ کرنا ہوتا تو بہت پہلے فوزیہ کے فرض سے نبٹ چکی ہوتی، لوگوں کی خواہش ہوتی ہے دولت مند بہو ہو، تو میری بھی خواہش ہے کہ دولت مند سسرال ہو بیٹی کا۔ نوکر چاکر ہوں، گاڑی ہو، اچھا کاروبار یا ملازمت ہو۔'' امی کہہ رہی تھیں اور مریم حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ ان تین سالوں سے امی جی یہیں کام تو کر رہی تھیں صرف امیر کبیر دولت مند گھر میں ہی رشتہ دیکھنے جاتی تھیں یا بات چلاتی تھیں تو کیا وہ کسی کمپلیکس کا شکار تھیں۔

''تم انکار کر رہی ہو؟'' نصرت بیگم کی گھمنڈی، مغرور فطرت بھرپور انگڑائی لے کر بیدار ہوئی، ایک دم غصے سے کہا۔

''جو مرضی سمجھ لو۔'' امی جی کا انداز بڑا عجیب سا تھا۔ مریم کا حلق تک خشک ہو گیا۔ اس نے اور صبا نے اتنی محنت کی تھی اس سارے مسئلے کے حل کے لیے اور اب۔

''امی جی......'' وہ آہستگی سے بولی مگر وہ متوجہ ہی نہ ہوئیں۔

''دیکھو میں بچوں کی خواہش پر یہاں چلی آئی، تم یہ نہ سمجھو کہ میں مجبور ہوں یا بے بس ہوں۔ میرے بیٹے کو رشتوں کی کمی تو نہیں۔'' نصرت بیگم فوراً اپنے اصل مزاج میں لوٹ گئی تھیں غصہ تو انہیں ویسے بھی بڑا آتا تھا۔

''ہاں میں نے کون سا دعوت دی تھی۔ کہیں بھی جا کر دیکھ لو میری فوزیہ بھی ہیرا ہے۔ ابھی تک میں نے صرف اسی لیے لٹکا رکھا تھا کہ مجھے تم لوگوں سے بہتر کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ یہ جو بینک منیجر کا رشتہ آیا تھا یہ لوگ ہر لحاظ سے بہتر ہیں۔ چند دنوں میں ادھر فائنل کرنے والی ہوں۔'' مریم نے خاصا اُلجھ کر ماں کا چہرہ دیکھا۔

میں نے تو سنا تھا کہ انہوں نے مریم کے لیے کہا تھا اور تم نے انکار کر دیا تھا۔ نصرت بیگم بھی حیران ہوئی تھیں۔

''مگر اب ان لوگوں کا ارادہ بدل گیا ہے۔'' امی جی کا اطمینان قابل دید تھا۔

''مگر امی جی......'' اب بولنا ناگزیر ہو گیا تھا مگر امی جی نے ہاتھ اُٹھا کر روک دیا۔

''تم جاؤ...... کتنی بار منع کیا ہے کہ بڑوں کی باتوں میں مت اُلجھا کرو۔ تمہارے مطلب کی کوئی بات نہیں جاؤ یہاں سے۔'' انہوں نے بڑے غصے سے ٹوک دیا تو اس نے لب بھینچ لیے۔

''تو تم صاف انکار کر رہی ہو؟'' نصرت بیگم اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

امی جی کا انداز ہنوز وہی تھا۔ انہیں نصرت بیگم کو اس میدان میں شکست دے کر عجیب سی خوشی ہو رہی تھی۔

''ہاں......صاف اور واضح انکار، میں فوزیہ کو کہیں بھی بیاہوں مگر تمہیں بیٹی نہیں ہوں گی۔'' مریم کو لگا انہوں نے نجانے کس ذلت کا بدلہ لیا ہے، مارے ہتک وذلت کے نصرت آنٹی کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔

''بہت پچھتاؤ گی میں نے تو سوچا تھا کہ چلو خیر سے گھر کی بچی ہے، سلجھی اور سمجھدار ہے مگر اندازہ نہیں تھا کہ ماں کے مزاج ہی نہیں مل رہے۔'' وہ غم وغصے سے کہہ کر فوراً کمرے سے نکل گئی تھیں اور مریم بنا بنایا کھیل مکمل طور پر بگڑا دیکھ کر حیرت سے گنگ رہ گئی تھی۔

''امی جی! آپ نے ایسا کیوں کیا؟'' غم وغصے سے پوچھ رہی تھی۔ امی جی کی آنکھوں میں سال پہلے کا ایک منظر پوری آب وتاب سے جگمگا اُٹھا۔

❖✿❖

وہ کسی کام سے نصرت کے ہاں آئی تھیں، خاور عبید کا ہم عمر اُن کو شروع سے ہی بہت پسند تھا، وہ ماں تھیں خاور کی اپنے گھر مسلسل آمد اور فوزیہ میں دلچسپی دیکھ کر چونک گئی تھیں مگر فوزیہ کے نارمل پُرسکون انداز دیکھ کر مطمئن ہو گئی تھیں۔

اچھے اور خوشحال گھرانے میں بیٹی بیاہنا ہر ماں کی خواہش ہے انہیں بھی خاور اس لحاظ سے موزوں لگا مگر ایک دن سنا کہ نصرت اپنی بھانجی لانا چاہتی ہیں۔ اس دن یونہی کسی کام سے ادھر آئی تھیں اور خاور کے کمرے میں اس کی ماں اور باپ کے علاوہ خاور کے بولنے کی بھی آوازیں آرہی تھیں، صاحب عادت ان کے ہاں تھی۔

وہ لوگ کسی بحث میں اُلجھے ہوئے تھے ان کا ارادہ واپس پلٹنے کا تھا مگر نصرت بیگم کی اونچی آواز میں لیا گیا فوزیہ کا نام سن کر وہ ٹھٹک گئی تھیں۔

''فوزیہ کا اب دوبارہ نام مت لینا، ایسا نہیں ہونے والا۔''

''آپ اسے سمجھا لیں کرشمہ کے علاوہ میں کسی اور لڑکی کو بہو بنا کر نہیں لانے والی۔ آپ ایک لاحاصل بحث مت کریں۔'' آواز اتنی اونچی ضرور تھی کہ وہ صاف سن سکیں۔

''اور فوزیہ کو بہو بنانا، میں مر کر بھی نہیں سوچ سکتی۔'' یہ ان کا مخصوص مغرور انداز تھا۔

''کیوں آخر کیا حرج ہے؟ کیا کمی ہے فوزیہ میں؟ پڑھی لکھی ہے، خوبصورت اور سلیقہ مند ہے اور سب سے بڑھ کر میرے مزاج سے میچ کرتی ہے۔'' یہ خاور تھا۔

''بحث مت کرو خاور! ایک کم حیثیت لڑکی کو میں اپنے گھر کبھی نہیں لانے والی۔ کرشمہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے، آپا اور بھائی صاحب کی ساری جائیداد دولت کی تنہا وارث جبکہ یہ فوزیہ اپنے ساتھ کیا لائے گی، چند جوڑے کچھ زیور اور وہی مخصوص جہیز میں نے کاٹھ کباڑ سے گھر نہیں بھرنا اور اپنے سے کم تر لوگوں میں سے لڑکی لانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی اور کے متعلق کہتے تو میں شاید سوچتی بھی۔'' امی جی نے اس دن نصرت بیگم کے منہ سے اپنے خاندان، حیثیت کے متعلق سنا تھا، پہلی بار ان کے اندر بیٹیوں کی ماں نہ ہونے کا بوجھ بڑھا اور پھر یہ بوجھ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا۔

''نصرت! حرج تک کوئی نہیں، خاور ایک جائز بات کہہ رہی ہے، ہمیں تو اپنے بیٹے کی خوشی عزیز ہے نا۔'' بھائی صاحب اپنی

بیگم کو سمجھا رہے تھے۔

''آپ بھی اس کی باتوں میں آ گئے، میں صاف کہہ رہی ہوں فوزیہ، آمنہ تو کیا میں نبیلہ کی کسی لڑکے کے لیے ہامی نہیں بھروں گی۔ اگر میری مرضی کے بغیر خود کچھ کرنا چاہتا ہے تو کر لے اور نبیلہ کی لڑکیوں کو بھی میرا گھر ملا تھا آگ لگانے کے لیے۔ میرا جی چاہ رہا ہے کہ ابھی جاؤں اور جا کر نبیلہ اور اس کی بیٹیوں کی اچھی طرح خبر لوں۔'' یہ اگلے الفاظ تھے، جنہوں نے ان کے دل سے خاور کے لیے تمام احساسات ختم کر ڈالے تھے۔

''امی! مجھے دولت و جائیداد سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں رہی کبھی۔ ہمارے گھر میں کیا کمی ہے، ہر چیز میسر ہے۔ اس کے باوجود مزید کی طلب یہ تو سراسر لالچ ہوا۔'' خاور بھی غصے سے کہہ رہا تھا، نجانے نصرت بیگم نے جواب میں کیا کہا تھا وہ سنے بغیر پلٹ آئی تھیں۔

چند دن وہ پریشان رہی تھیں اور پھر ایک دن انہوں نے فوزیہ کو بٹھا کر اس کے دل کی بات جاننا چاہی تھی۔ فوزیہ خاور کے جذبات و احساسات سے قطعی لاعلم تھی ان کے سامنے تو اس نے لاعلمی کا ہی اظہار کیا تھا اور پھر انہیں تو شاید ضد سی ہو گئی تھی لاشعوری طور پر وہ فوزیہ کے لیے صرف وہی رشتہ دیکھنے پر تیار ہوتی تھیں جو نصرت جیسے لوگوں کی مالی حیثیت سے بلند ہو۔ ان کے دل میں یہ خیال ضد پکڑ چکا تھا کہ وہ فوزیہ کو ایک بہت اچھے اور امیر گھرانے میں بیاہیں گی تاکہ نصرت بیگم کے سامنے گردن اکڑا کر چل سکیں مگر وقت نے گویا اُلٹی چال چل دی تھی۔ وہی نصرت بیگم جو فوزیہ سے انکار کے بعد اب اپنی بھانجی کی طرف سے ناامید ہو کر ان کے گھر آئی تھیں تو ان کو انکار کر کے وہ مطمئن تھیں کہ انہوں نے عرصہ پہلے کی جانے والی اپنی تذلیل کا بدلہ لے لیا ہے۔

❖ ✿ ❖

مریم کا غم و غصے سے بُرا حال تھا۔ ابو جی اس کی پہلے ہی کافی سنتے تھے اس نے ان سے جا کر سب کہہ ڈالا۔ دوسری طرف نبیلہ بیگم کے انکار پر نصرت بیگم کی بھی انا بلند ہو چکی تھی وہ اب دوبارہ کسی بھی سلسلے میں اس گھر میں نہیں آنا چاہتی تھیں۔ صبا تمام صورتحال بگڑنے پر از حد پریشان تھی۔ اس نے مریم کے مشورے پر خاور بھائی کو کال کر دی تھی۔ خاور تو اس سارے سلسلے سے ہی بے خبر تھا حتیٰ کہ کرشمہ سے رشتہ ختم ہو جانا ہی ایک شاکنگ نیوز تھی اوپر سے نصرت بیگم کا فوزیہ کا رشتہ لے کر جانا اور نبیلہ چچی کا انکار وہ اسی شام لوٹ آیا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد امی ابو کے کمرے میں وہ چاروں موجود تھے۔ بحث وہی مسئلہ تھا۔

''آپ لوگ مجبور مت کریں اب اس گھر میں دوبارہ نہیں جانے والی۔'' امی اپنی تذلیل نہیں بھول رہی تھیں اور ابو جی کی عدالت میں مقدمہ تھا خاور نے بے چین ہو کر ابو جی کو دیکھا انہوں نے آنکھ کے اشارے سے چپ رہنے کو کہا۔ صبا مطمئن تھی اسے اُمید تھی کہ ابو جی امی کو منا کر ہی اب اُٹھیں گے۔

''چلو تم نہ جانا میں جا کر بات کر لیتا ہوں، بھائی صاحب اور بھابی بیگم سے۔ بھئی ہمیں اپنے بچوں کی خوشی دیکھنی ہے۔ کرشمہ کے لیے تم نے زور دیا اور پھر منگنی کر دی میں نے خاموشی اختیار کی، اب تم نے خود ہی وہ رشتہ ختم کیا ہے تو دو تین بار تمہیں جا کر بات تو واضح کرنا چاہیے تھی نا۔ اس نے انکار کر دیا تو کیا غرض تو ہمیں ہے نا۔'' ابو جی رسانیت سے کہہ رہے تھے۔

"اس نے میری صاف بے عزتی کی ہے۔ میرے بیٹے کو رشتوں کی کمی نہیں ہے۔ ایک سے بڑھ کر ایک مل جائے گی۔ میں نہیں وہاں جا کر دوبارہ ناک رگڑنے والی، ہے کس بات کا غرور ہے اسے۔ میں بھی اب تو زیہ سے بہتر لڑکی ڈھونڈ کر دکھاؤں گی۔" ان کا وہی ہٹیلا انداز قائم تھا۔ ابو جی کے چہرے کے زاویے بگڑے۔

"یعنی پہلے کی طرح تم اب پھر لوگوں کے گھر جا کر ان کی بچیوں میں خامیاں نکالا کرو گی۔"

"اپنے اکلوتے لائق فائق کے لیے اسی کے جوڑ کی لڑکی ڈھونڈوں گی، جو بھی دیکھے حیران ہو جائے ایسی ہی بہو لاؤں گی۔" امی جی کی خواہ پھر اُبھر آئی تھی۔

"مجھے یہ لگا تھا کہ شاید کرشمہ کے رشتے سے انکار کے بعد تم سنبھل گئی ہو گی۔ صد افسوس تمہاری ذہنی حالت کو پہلے سے بھی خراب ہے۔ بہت عرصہ میں خاموش رہ لیا۔ تم اکلوتے لائق فائق بیٹے کی ماں ہو اللہ کا شکر ادا کرو کہ کسی بدتمیز جاہل اور اپنی من مانی کرنے والے بیٹے کی ماں نہیں ہو، اس نے پہلی بار جب اپنی خواہش کا اظہار کیا تم نے اپنی خود پسندی میں انکار کر دیا، تمہارا بیٹا خاموش ہو گیا، کوئی ہوتا ایسا ویسا تو اپنی ضد پوری کرتا۔ ماں کے انکار کو ایک طرف کر کے خود شادی کر لیتا، اب بھی وہ صلح صفائی سے دوبارہ جانے کو کہہ رہا ہے، اگر تم چلو گی تو ٹھیک ورنہ میں صبا اور خاور ایک فیصلہ کر چکے ہیں، میں کل صبح جا کر بھائی صاحب سے بات کرنے والا ہوں، تمہاری ضد میں میں اپنے بیٹے کی خوشیاں نہیں قربان نہیں کرنے والا۔"

"اور......اور میری جو نبیلہ نے بے عزتی کی ہے انکار کر کے......؟" وہ شوہر کے دوٹوک انکار پر صدمے سے بے حال ہو رہی تھیں۔

"اور تم پچھلے کئی سالوں سے بھابی بیگم، ان کے بچوں کے ساتھ جو سلوک کرتی آرہی ہو، شکر کرو بھابی بیگم نے صرف انکار کیا ہے وہ اگر اپنی ساری پچھلی بے عزتی کا بدلہ لینے لگتیں تو تم اپنے ساتھ ساتھ ہمیں بھی ذلیل کرواتیں۔" خاور نے حیرانی سے باپ کو دیکھا وہ انہیں جتنا لاعلم سمجھ رہا تھا، وہ اتنے ہی باخبر تھے۔

"میں اب وہاں نہیں جانے والی۔" انہوں نے اب کے جھنجھلا کر انکار کیا تھا۔

"سوچ تو تمہیں اپنے بیٹے کی خوشی سے بڑھ کر اگر اپنی انا عزیز ہے تو بے شک مت جاؤ۔ میں تو کل ہی جاؤں گا۔"

"اور اگر اب پھر انکار ہوا تو؟" شوہر کا دوٹوک انداز دیکھ کر ان میں بھی ذرا نرمی آئی۔

"تو کیا حرج ہے۔ غرض ہمیں ہے اگر ہاں کروانے ہمیں بار بار جانا پڑے تو جاؤں گا کیونکہ اس میں ہی میرے گھر اور میرے بیٹے کی خوشیوں کا سوال ہے۔" اب کے امی مکمل لاجواب ہو کر رہ گئی تھیں۔ صبا نے ایک گہرا سانس لے کر بھائی کو دیکھا خاور کے چہرے پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

❖ ❁ ❖

ابو جی نے چچا سے بات کی تو انہوں نے بیگم سے بات کر کے جواب دینے کو کہا اور جب انہوں نے نبیلہ بیگم سے بات کی تو انہوں نے فوراً انکار کر دیا۔

"میں انکار کر چکی ہوں۔ وہ بات ختم، بار بار دہرانے کا فائدہ نہیں......" مریم ہمیشہ کی طرح اب بھی اس اہم موضوع پر

موجود تھی، اس نے فوراً ابو جی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''دیکھا ابو جی! امی نے پہلے بھی ایسے ہی انکار کیا تھا۔'' امی نے گھور کر بیٹی کو دیکھا۔

''تمہیں کتنی دفع کہا ہے کہ بڑوں کے معاملے میں مت دخل اندازی کیا کرو۔ جاؤ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔''

''بُری بات ہے نبیلہ! جوان بیٹیوں کو ایسے نہیں جھڑکتے۔'' ابو نے فوراً ٹوک دیا۔

''شکر کرو ہمارے بچے بڑے سمجھدار ہیں۔ بڑے اگر غلط فیصلہ کر رہے ہوں اور بچے مشورہ دیں تو ان کی بات سننے میں کوئی حرج نہیں۔'' مریم نے ایک دم گردن اکڑائی۔

''تمہیں کس بات پر اعتراض ہے؟'' ابو جی نے بڑے پُرسکون انداز میں پوچھا۔

امی جی نے ایک گہرا سانس لیا اور دل میں تکلیف دیتا راز اُگل ڈالا، ابو جی سکون سے سنتے رہے اور مریم خاموش رہی۔

''ہوں تو یہ بات تھی۔'' ساری بات سن کر وہ بولے۔

''ہاں......اب نصرت کو جب اس کی بھانجی کی اصلیت واضح ہوئی ہے تو اسے میری فوزیہ نظر آ گئی۔ میں جذباتی ہو کر ہاں کہہ بھی دوں تو کیا گارنٹی ہے کہ وہ فوزیہ کو دل سے مان کر وہی اہمیت دے گی جو بہو کی حیثیت سے وہ حق رکھتی ہے۔ گلے میں پڑا ڈھول تو ہر کوئی بجاتا ہے، اگر وہ دل سے راضی ہوتی تو میرے انکار پر اُٹھ کر کیوں چل دیتی، بار بار آتی بات کرتی۔ میں ماں ہوں اور ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد اپنے سسرال میں خوش اور عزت کی زندگی گزارے۔'' امی جی نے دل کی بات کہی۔

''دیکھو نبیلہ! یہ چھوٹی چھوٹی باتیں دل میں کدورت پیدا کرتی ہیں۔ خاور بہت اچھا اور سلجھا ہوا لڑکا ہے۔ صبا اور مریم میں، میں کوئی فرق نہیں سمجھتا اور سب سے بڑھ کر ہماری بیٹی ہماری آنکھوں کے سامنے ہوگی۔ فوزیہ گھر بنانے کا فن جانتی ہے، رہ گئیں نصرت بہن تو جب دونوں کو اکٹھے رہنے کا موقع ملے گا تو سب اعتراض ہوا ہو جائیں گے۔''

اور نصرت کی وہ لمبے چوڑے جہیز، مال اسباب کی خواہش۔''

''خاور اور اس کے باپ نے کہہ دیا کہ انہیں جہیز کا لالچ نہیں ہے۔ وہ بغیر جہیز کے فوزیہ کو بیاہنا چاہتے ہیں مگر ہم بھی بیٹی والے ہیں کچھ دے دلا کر ہی رُخصت کریں گے۔ میرا خیال ہے اپنی بھانجی کی طرف سے انکار پر نصرت بہن کی سوچ کسی حد تک بدل گئی ہے، رہ گئی فطرت بدلنے کی بات تو وہ تو نہیں بدل سکتے، اب ایک بندے کی وجہ سے تم اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے جانے دو گی؟'' ابو جی اب کے سوالیہ نظروں سے اپنی شریک حیات کو دیکھ رہے تھے اور امی جی کوئی جواب نہ پا کر بے بسی سے مسکرا دی تھیں۔

❖ ✿ ❖

عندلیب بھابی پاکستان آ گئی تھیں فوزیہ اور خاور کی بات طے ہو چکی تھی۔ صبا اور مریم کی وہی حرکتیں تھیں۔ نصرت بیگم دھوم دھام سے منگنی کرنا چاہ رہی تھیں، رمضان شروع ہو چکا تھا۔ بازاروں کے چکر اور اوپر سے روزے کی حالت سے ایسے میں ردا، عمر اور سکندر بھی چکر لگا لیتے۔ تایا ابو نے لگے ہاتھوں آمنہ اور مریم کا بھی رشتہ مانگ لیا تھا۔

امی کے دل میں ایک پھانس اٹکی ہوئی تھی کہ تایا ابو نے فوزیہ کو چھوڑ کر مریم کا نام لیا اگر وہ ان کے حقیقی خیر خواہ ہوتے تو

فوزیہ کے سلسلے میں انہیں باہر کیوں چکر لگانے پڑتے۔ اپنے گھر میں ہی بات طے ہو جاتی اور مریم کا بھی کہیں ہو جاتا۔ اس وقت بھی تایا ابو، تائی امی اور دادی سمیت آئے بیٹھے تھے۔ وہ جو ہر وقت اِدھر اُدھر کی سن گن لیتی رہتی تھی، اب صبا، ردا، آمنہ اور فوزیہ کے نرغے میں گھری کافی حواس باختہ سی ہو رہی تھی۔ اوپر سے خاور بھائی، وقار، سکندر کے علاوہ عمر کی موجودگی۔

''تمہارا بھائی کیوں آیا ہے؟'' وہ ردا کے کان میں منمنائی۔ یہ سب لوگ اس وقت مریم کے گھر کی چھت پر بیٹھے تھے، لڑکے خاور کے گھر کی دیوار پھلانگ کر آئے تھے۔

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میرا صرف ایک بھائی نہیں دونوں یہاں موجود ہیں اور معاملہ صرف ایک کا طے نہیں ہو رہا، دونوں کا زیرِ غور ہے۔''

''زیادہ خوش فہمی کی ضرورت نہیں، میری امی ہامی بھرنے والی نہیں۔'' خاور بھائی کی کسی بات پر ہنستا عمر اسے جی بھر کر زہر لگا۔

''کوئی بات نہیں، میرے بھائی میں لڑکی بھگانے کے گٹس موجود ہیں۔'' ردا کون سا کسی سے کم تھی اور اگر بات ہو اس کے چہیتے بھائی کی تو وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتی تھی۔

''ائے...... ہائے...... بڑی خوش فہمیاں ہیں۔''

''ارے کوئی نیچے تو جائے، خیر خبر لائے۔'' آمنہ نے دہائی دی۔

''تمہیں بڑی جلدی ہے۔'' سکندر نے ٹکڑا لگایا۔

''ظاہر ہے تم جیسے انسان کے ساتھ مستقبل برباد ہو جانے کا خطرہ لاحق ہے موصوفہ کو۔'' فوزیہ نے ہنس کر کہا، سکندر نے آنکھیں دکھائیں۔

''یہ مجھ جیسے سے کیا مراد ہے آپ کی؟''

''وہی جو سمجھ لو۔'' صبا کھلکھلائی۔

''میں پتا کرتی ہوں۔'' صبا کہہ کر نیچے بھاگ گئی تھی۔

نیچے امی کے کمرے میں محفل جمی ہوئی تھی اور نقشہ چینج تھا، صبا کو شدید جھٹکا لگا۔ نبیلہ بیگم کے ساتھ ایک اور نیا چہرہ بلکہ چند نئے چہرے وہاں موجود تھے۔

''دیکھیں میں بار بار سوالی بن کر آ رہی ہوں، مجھے نا امید مت کریں۔ آپ کے گھرانے میں رشتہ جوڑنا میری خوش قسمتی ہو گی۔ آپ کی ماشاءاللہ دونوں بیٹیاں دل کو بھائیں، چھوٹی کا اس لیے کہا کہ میرا بیٹا بہت شرارتی مزاج اور ہنس مکھ طبیعت والا ہے مگر اب آپ بتا رہی ہیں کہ آپ نے بڑی کی بھی بات طے کر دی ہے اور چھوٹی بچی ہے اب......'' صبا حیرت سے کھڑی تھی۔

نجانے یہ کیا ماجرا تھا۔ کہیں یہ بینک منیجر کی والدہ تو نہیں؟ اس نے کھڑکی میں مزید سر گھسایا۔

''آپ کا گھرانہ مجھے خود بڑا پسند آیا تھا مگر بچوں کی قسمت۔''

''ہماری تو شروع سے ہی مرضی تھی بس فوزیہ کی بات طے ہو جانے کا انتظار تھا، ہم آج اپنے دونوں بچوں کا رشتہ مانگنے آئے

ہیں۔'' یہ تائی بیگم کہہ رہی تھیں۔
صبا نے سر تھام لیا۔ یعنی یہاں ایک نہ شد دو شد والی کیفیت تھی۔
''پلیز مجھے انکار مت کریں۔'' بینک منیجر کی والدہ کہہ رہی تھیں۔
''ہم خاندان سے باہر رشتہ نہیں کرتے۔'' یہ دادی جان کا بیٹا تھا۔ اس سفید جھوٹ پر صبا کو لگا اس کا سر گھوم گیا ہے۔
''حرج تو کوئی نہیں، آمنہ کی بھابی رشتہ مانگ رہی ہیں اس کو ادھر کر دیتے ہیں اور مریم کی اُدھر۔'' یہ نبیلہ خاتون کی آواز بھی اور صبا کو لگا کہ اس کا ہارٹ اٹیک ہونے والا ہے۔
''کیا کہہ رہی ہو۔'' دادی جان فوراً بولیں۔
''مریم......'' صبا باہر بھاگی تھی اور اندھادھند بھاگی تھی اور یہ دیکھے بغیر کہ دروازہ کھول کر ایک لڑکا اور لڑکی اندر داخل ہوئے تھے اور اس کا وجود سوٹڈ بوٹڈ وجود کے ساتھ جا ٹکرایا۔
''اللہ......'' اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی تھی اور دھڑام سے چکنے فرش پر گری تھی۔
''ارے آپ تو ٹھیک ہیں۔'' وہ لڑکا اور لڑکی پریشان ہو کر اس کی طرف بڑھے تھے بلکہ اندر موجود میٹنگ میں مصروف حضرات بھی باہر لپکے تھے اور وہاں صبا کو گرے دیکھ کر سبھی چونکے تھے اور صبا نے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

''نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا۔ بالکل نہیں ہو سکتا۔ میں مر جاؤں گی، زہر کھا لوں گی مگر اس سود خور کی ڈولی میں نہیں بیٹھوں گی۔''
مریم کے ڈائیلاگ نقطہ عروج پر تھے مگر کسی پر اثر نہیں ہو رہا تھا۔
بھوک ہڑتال، احتجاج، انکار سب کر دیکھا تھا مگر امی کا فیصلہ پتھر پر لکیر تھا گویا قصہ مختصر یہ تھا کہ اس دن اچانک اس بینک منیجر کی والدہ محترمہ تشریف لے آئی تھیں نبیلہ خاتون کو فوزیہ والے قصے سے ہٹ کر مریم کے لیے یہ رشتہ مناسب لگا تھا چونکہ آمنہ اور سکندر کے لیے راضی تھیں۔ اور خاور کے لیے بھی مان گئی تھیں تو جہاں اتنے لوگ ایک طرف تھے وہ تنہا اس رشتہ پر راضی تھیں اور پھر اس دن نانی، تائی اور باقی سب لوگ بڑے غم زدہ رُخصت ہوئے تھے۔ وہیں بینک منیجر کی والدہ صاحبہ بڑی خوش خوش رُخصت ہوئی تھیں اور امی جی بہت مطمئن تھیں، امی جی کیا باقی سب بھی بہت مطمئن تھے بلکہ اسی شام تایا کے گھر سے مٹھائی آئی تھی۔ پورے محلے میں بانٹی گئی تھی اور رمضان میں ہی افطار کے بعد ایک دن منگنی کا طے تھا۔ مریم کی رمضان میں روزہ کی حالت میں بھوک ہڑتال کسی کام نہ آئی تھی آج کل وہ خاموش تھی پر کسی کو پرواہی نہ تھی۔ اوپر سے ردا اور عمر کی کالز طعنے جذباتی ڈائیلاگز دو دن تو وہ خاموش رہی مگر جوں جوں منگنی کے دن قریب آ رہے تھے اس کو اس کو رونا آ رہا تھا۔ اوپر سے صبا کی دل جلانے والی باتیں۔
''اور عمر بھائی کا دل دکھاؤ۔ انہوں نے دل سے بددُعا دی ہوگی اب بھگتو۔''
''ہاں ساری بددُعائیں مجھے ہی دیتی تھیں موصوف نے اور ہر بار میں ہی بھگتوں۔ میں نے کون سا غلط کیا تھا کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی، اپنی ذات سے مطلب رکھا اور اُلٹا مجھے ہی الزام۔''

''محبت کرنے لگی ہو ان سے۔'' وہ یہ سوال پوچھ کر اور زچ کرتی۔

''مر بھی جاؤں تو کبھی ان کا نام نہیں لوں گی، مگر اس سود خور سے بھی شادی نہیں کروں گی۔ بے شک زہر کھانا پڑے۔'' فوزیہ دہل کر اسے بازوؤں میں لے کر بہلاتی جبکہ عندلیب بھابی مسکرا دیں۔

اس وقت بھی وہ سب کی چھیڑ چھاڑ سے عاجز ہو کر اوپر گئی تھی۔ نجانے کیوں دل بار بار بھر آتا تھا۔ افطاری میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا، نیچے سبھی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ وہ خاموشی سے زمین پر ٹک گئی گرم زمین تھی مگر اسے پروا نہیں تھی۔

عمر نے گھر میں قدم رکھا تو آمنہ اور عندلیب کچن میں تھیں جبکہ فوزیہ مشین پر کچھ سلائی کر رہی تھی سلام دُعا کے بعد عمر نے اِدھر اُدھر جھانکا۔

''چچی کہاں ہیں؟'' وہ کچن کی ہی طرف آ گیا تھا۔

''صبا کے ہاں گئی ہیں نصرت چچی نے بلوایا تھا۔ چچا کام پر اور وقار اکیڈمی آنے والے ہیں یہ لوگ بھی۔ تم بیٹھو۔'' عندلیب نے بھابی کو جواب دے کر کہا اور ساتھ سٹول بھی کھسکایا۔

''اور وہ باگڑ بلی نظر نہیں آ رہی؟'' آمنہ ہنس دی۔

''توبہ کریں، بہت موڈ خراب ہے آج کل اس کا۔ اس وقت بھی ہم سے لڑ کر چھت پر گئی ہے۔'' عندلیب نے بھی ہنس کر کہا۔

''اس کا مطلب ہے مزاج خراب ہے۔''

''جی ہاں اگر آپ سامنے گئے تو پھر گولہ باری کی بھی توقع رکھیں۔'' آمنہ نے ڈرانا چاہا مگر وہ سنی ان سنی کرتا تیزی سے اوپر کی طرف چلا گیا۔

وہ برآمدے میں زمین پر گھٹنوں پر بازو لپیٹے سر گرائے بیٹھی ہوئی تھی۔

''مریم۔'' کچھ پل سرکنے کے بعد اس نے پکارا تو اس نے سرعت سے سر اُٹھایا۔

بھیگی پلکیں اور سرخ ناک شاید وہ روئی تھی عمر کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

''آپ...... آپ ادھر کیوں آئے ہیں۔ آپ کو اپنے گھر میں چین نہیں پڑتا۔'' جواب حسب توقع تھا۔ عمر کا خوش فہم دل ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ بھیگی پلکیں بیدردی سے دوپٹے سے رگڑتے کھڑی ہو گئی تھی۔

نجانے اس لڑکی کے دل میں کیا تھا کاش وہ اس کے دل کا حال جانتا تو وہ سب کے سامنے ڈٹ جاتا محض اپنی خواہش کے بل بوتے پر وہ یکطرفہ کارروائی کرتا بھی تو کیسے؟

''رو کیوں رہی تھیں؟'' اس نے دھیمے سے پوچھا۔

''ہنسنے کی بھی کوئی خاص وجہ نہیں بنتی۔''

''خیر یہ تو مت کہو، بینک مینیجر سے منگنی کرنے جا رہی ہو، ہنسنے اور خوش ہونے کے لیے یہ تو بہت معقول وجہ ہے۔ سنا ہے خاصی اسٹرونگ فیملی ہے۔'' مریم کا جی چاہا کہ کوئی چیز اس کے سر پر دے مارے اس وقت عمر اسے اتنا ہی زہر لگ رہا تھا۔

''شٹ اپ۔'' وہ پھنکاری تھی جواباً وہ ہنس دیا پھر تھوڑا سا جھک کر مسکرا کر کہنے لگا۔
''وہ کہتے ہیں نا کہ رسی جل گئی پر بل نہیں گیا۔ میں تو مبارکباد دینے آیا تھا پھر سوچا دیکھتا چلوں کہ مستقبل قریب میں سود خور ایم سوری بھئی بینک منیجر کی بیگم بننے جارہی ہو کوئی فرق شرق ہی پڑ گیا ہوگا۔'' مریم نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔
''اگر آپ کی بکواس بند ہوگئی ہے تو اب جاسکتے ہیں۔'' وہ رُخ بدل کر کھڑی ہوگئی تھی۔ آنکھیں ایک دم بھر آئیں ناحق وہ رو رہی تھی اس شخص کو تو کوئی خاصا فرق ہی نہیں پڑا تھا۔ پہلے ہی کی طرح مطمئن اور پُرسکون انداز تھا۔ اس کا دل جل کر خاک ہونے لگا۔ یہ لڑکے ہوتے ہی ایسے ہیں فلرٹی دھوکے باز۔ اس کا دل بھی بھر آیا۔
عمر اسے چند پل دیکھتا رہا۔ وائٹ پاجامے پاؤں کو چھوتی بلیک قمیص اور سر پر جما دوپٹہ جو بہت سلیقے سے گردن کندھوں اور سینے کو ڈھانپے نیچے تک آرہا تھا۔
یہ لڑکی زبان کی جتنی بھی کڑوی تھی مگر جانتا تھا کہ دل کی اتنی ہی اچھی اور کردار کی مضبوط ہے۔ وہ بارہا اس کی طرف آیا تھا بڑے واضح الفاظ میں دل کا راز آشکارا کیا تھا مگر نجانے کیا چیز تھی جو یہ لڑکی ابھی تک چٹان کی طرح اپنی جگہ جامد تھی۔ ورنہ وہ اس قابل تو تھا کہ کوئی بھی لڑکی رد کرنے سے پہلے سوچے گی تو ضرور۔
''سیانے کہتے ہیں کہ وقت پر دل کی بات کہہ دینا فائدہ مند ہوتا ہے ابھی بھی وقت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ صلح کا پرچم لہرا دو ہم محاذ جیتنے کو تیار ہیں جناب! اگر تم ہاں کردو تو......'' وہ گھوم کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا اور مسکرا کر کہا۔ مریم نے خاموشی سے اسے دیکھا۔
''آپ کو شاید میری کوئی بات سمجھ نہیں آئی۔ یہ ہمارے بڑوں کا فیصلہ ہے وہ جو مرضی کریں میں کیوں انکار کروں۔''
''تو رو کر اس طرح ماتم کیوں کررہی ہو؟'' عمر نے ایک اہم پوائنٹ کی طرف نشاندہی کی تھی۔
''کم از کم آپ کے لیے تو نہیں رورہی اس خوش فہمی سے نکل آئیں آپ۔'' خاصا چیخ کر جتانا چاہا تھا، عمر ہنس دیا۔
''تو پھر وہ کون ذات شریف ہے، جس کے لیے بھرپور احتجاج کیا گیا ہے۔'' مریم کو لگا اس کی پیشانی جل اُٹھی تھی احساس توہین سے۔
''آپ مجھ پر الزام تراشی کررہے ہیں؟''
''نہیں ویسے ہی احساس دلانا چاہ رہا ہوں کہ اگر کوئی وجہ بھی نہیں تو پھر یہ رونا دھونا بھی کیوں؟'' عمر کا انداز سنجیدہ تھا اس نے بہت غصے سے اسے دیکھا۔
''کم از کم آپ کے لیے نہیں رودھو رہی اور خبردار آئندہ میرے سامنے آکر ان الفاظ میں مجھ سے باز پرس کی تو میں بہت لحاظ کرچکی آپ کا اب کے مجھ سے کچھ کہا تو سیدھا ابو جی کے پاس جا کر بات کروں گی۔'' اس نے ہمیشہ والی دھمکی دہرائی۔
''بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔'' وہ عمر کی اس گنگناہٹ پر پاؤں پٹختے وہاں سے پلٹی اور عمر پر ایک کھا جانے والی غصیلی نگاہ ڈالتے تیز تیز قدم اُٹھاتے سیڑھیاں اُترتی چلی گئی تھی۔
عمر چند ثانیے تک بڑی سنجیدگی سے سینے پر ہاتھ رکھے کچھ سوچتا رہا۔

وہ جو ہر چیز سے حد درجہ بیزار تھی خاموش ہوگئی۔ گھر میں ایک نہیں کل تین منگنیاں تھیں۔ فوزیہ کی خاور کے ساتھ آمنہ کی سکندر کے ساتھ اور اس کی اس بینک منیجر ثوبان احمد کے ساتھ اور حیرت کی بات یہ تھی منگنی کی تمام تیاریاں ثوبان احمد کی والدہ ہر روز آ کر صبا اور اس کی والدہ کو ساتھ لے جا کر کر رہی تھیں اور ہر روز شاپنگ سے واپسی پر آ کر صبا خریداری کی تفصیل بتاتے مریم کا دل جلاتی رہتی تھی۔

ابو جی، تایا ابو، خاور بھائی کے والد اور ثوبان سب کا مشترکہ فیصلہ تھا کہ منگنی کا فنکشن ایک ہی جگہ اور ایک ہی دن طے پا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا آخری عشرہ چل رہا تھا تیسویں روزے کی افطاری کے بعد دن طے ہوا تھا۔ دونوں طرف کے فنکشنز ایک ہی دن تھے۔ گھر کے ساتھ کا خالی پلاٹ خاصا وسیع اور صاف ستھرا تھا، خاور بھائی کے ابو نے کئی سال پہلے خریدا تھا اب وہ لاکھوں مالیت کا تھا۔ کھانے پینے کا خرچہ مل کر کرنا تھا جبکہ باقی کی تیاری خاور بھائی کے والد صاحب نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔

صبح سے گھر میں خاصی افراتفری تھی۔ کچھ روزے کی حالت میں یہ بھاگ دوڑ مریم خاموشی سے سب کی کارروائی دیکھ رہی تھی۔ عندلیب بھائی نے بیوٹیشن کا کورس کر رکھا تھا۔ وہ بہت اچھی بیوٹیشن تھیں۔ فوزیہ اور آمنہ کو تیار کرنے کے بعد جب صبا کو انہوں نے کرسی پر بٹھایا تو مریم چونکی۔ صبا کا لباس اس انداز چہرے کی خصوصی تیاری کچھ نیا پن تھا۔ وہ ابھی نہا کر نکلی تھی۔ عصر کے بعد کا وقت تھا، مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔ باجی باہر امی کے ساتھ لگی ہوئی تھیں اور عندلیب اندر ان کے ساتھ مصروف تھیں۔ فوزیہ اور آمنہ پیاری لگ رہی تھیں۔ رات ہی نصرت آنٹی تائی بیگم اور ثوبان کی والدہ تھیں دلہنوں کے خصوصی لباس لے کر وہ صرف سلام دُعا کر کے کمرے میں گھس گئی تھی اس نے اپنے لیے آنے والا لباس تک دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''اسے کیوں تیار کر رہی ہیں اس کو کس پاگل کے لیے باندھنا ہے؟'' بالوں کو سلجھاتے اس نے غصے سے کہا۔ آج کل جس طرح اپنے بھائی کا کام سیدھا ہو جانے کے بعد صبا نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر رکھی تھیں۔ اسے اس بات کا بھی بہت دُکھ تھا۔

صبا کے چہرے پر بیس بناتے بھابی ہنس دی اور صبا بھی آنکھیں بند کیے مبہم سا مسکرا دی۔

''ہوسکتا ہے کوئی بینک منیجر اسے بھی مل ہی جائے۔'' بھابی کا انداز ذو معنی تھا۔

''ہاں مفت جو بٹ رہے ہیں۔'' برش ٹیبل پر پھینک کر وہ الماری میں سر دے کر کھڑی ہوگئی۔ آمنہ اور فوزیہ بے ساختہ ہنس دیں۔

صبا کے تیار ہونے کے بعد اس کی باری تھی۔ عندلیب کے دیئے ہوئے لباس کو لے کر وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی۔

صبا بھی تیار ہو کر آمنہ اور فوزیہ کے ساتھ ہی بیٹھی تھی اور اس کی یوں سج دھج خصوصاً دلہنوں والا روپ دیکھ کر مریم کو پریشانی ہو رہی تھی۔

ان تینوں بہنوں کی تیاری تو موقع محل کے مطابق تھی مگر صبا کا اس قدر اہتمام اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ عندلیب اسے تیار کرنے لگی تو اس کی نظریں صبا پر ٹھہر گئیں۔

''تم اس قدر کیوں تیار ہوئی ہو اور تمہیں یہ کپڑے آج ہی پہننے تھے کیا؟'' اس کے سوال پر صبا ہنس دی۔

''کیا پتا تم لوگوں کے ساتھ میری بھی کہیں بات بن جائے۔'' اب کے مریم واقعی چونکی۔ صبا کے لہجے میں واقعی کچھ تھا۔

''مطلب؟'' اس نے بھابی اور اپنی بہنوں کو دیکھا۔

''آج کے فنکشن میں صبا کی بھی منگنی ہے۔'' بھابی نے ہنس کر بتایا بلکہ انکشاف کیا۔

''کیا......؟ مگر کس سے؟'' وہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

''سرپرائز ہے خصوصاً تمہارے لیے۔ کچھ دیر اور انتظار کرلو۔'' وہ سب کی ہنسی اور بھابی کے الفاظ پر دیکھتی رہ گئی۔

بھابی نے اسے تیار کر کے جیولری پہنائی۔ آخر میں دوپٹہ سیٹ کر کے بغور اسے دیکھا۔

''ماشاءاللہ! بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' بھابی نے اس کی پیشانی چوم لی تبھی ان کا موبائل بجنے لگا۔

''ایک تو اس لڑکے کو بھی چین نہیں۔'' موبائل دیکھتے ہی بھابی ہنسیں۔

''کون عمر بھائی ہیں؟'' وہ صبا کے الفاظ پر سر جھکا گئی۔

''ہاں......عمر ہے۔''

بھابی کال اٹینڈ کر چکی تھیں ایک دو باتوں کے بعد بھابی نے موبائل مریم کی طرف بڑھایا۔

''عمر تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

''مجھ سے؟'' اس وقت عمر کی کال آنے پر وہ خاصی ڈسٹرب ہوگئی تھی۔ صبا نے معنی خیز نظروں سے گھورا جبکہ فوزیہ اور آمنہ مسکرادی تھیں۔

''وہ کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔'' بھابی اسے موبائل تھما کر بکھرا سامان سمیٹنے لگی تھیں ابھی تو انہوں نے خود بھی تیار ہونا تھا۔

''ہیلو......'' صبا اور بہنوں کو نظر انداز کرتے اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''مبارک ہو سنا ہے سارے اعتراضات بھلائے بڑی نیک بی بی بلکہ خاموش بی بی بن گئی ہو۔ عام حالت میں تو محترمہ کے یوں بھی مزاج نہیں ملتے مگر آج تمہارا خصوصی دن ہے یقیناً بہت خوبصورت لگ رہی ہوگی۔'' وہ آج بھی دل جلانے سے باز نہیں آیا تھا اور مریم کا دل واقعی جل کر خاک ہوگیا۔

''شٹ اپ۔'' آواز آہستہ ہی رکھی تھی کمرے میں وہ تنہا نہیں تھی۔

''شاباش! تمہارا یہی انداز تو سننا چاہ رہا تھا اب جناب کی پل پل کی رپورٹ مل تو رہی تھی مجھے اُمید تھی منگنی کا جوڑا پہنے خوب واویلا مچاؤ گی مگر اس قدر شرافت ہضم نہیں ہو رہی۔ میں نے سوچا طبیعت ٹھیک ہو۔ مزاج دشمناں بہتر ہو۔ بس تمہارا حال چال پوچھنے کو دل چاہ رہا تھا۔''

''کیا بکواس ہے۔'' وہ اب اپنے لہجے پر واقعی قابو نہیں رکھ پائی تھی۔

دوسری طرف وہ کھل کر ہنسا۔

''بکواس نہیں بلکہ نیک فرمودات کہو۔ ویسے میں منگنی میں آتو رہا ہوں باقی باتیں آمنے سامنے ہوں گی۔ بہت سے حساب

باقی ہیں جو بے باق کرنے ہیں اور ساتھ یہ بھی دیکھنا ہے کہ سود خور سودی میرا مطلب ہے کہ بینک منیجر کے نام کی انگوٹھی پہن کر کیسی لگتی ہو تم؟''

عمر کے الفاظ ایسے تھے کہ اس کا دل ایک دم بھر آیا۔ غصے سے موبائل آف کر کے بستر پر پھینکا اور خود دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر ایک دم رو دی۔

''ارے......ارے یہ کیا کر رہی ہو؟ کیا کہہ دیا عمر نے؟'' بھابی اور باقی تینوں فوراً پریشان ہو کر اس کی طرف لپکی تھیں۔

❖ ❁ ❖

افطاری اور کھانے کے بعد رسم کا شور اُٹھا تھا۔ اچھے خاصے مہمان تھے۔ کبھی بھی کسی بھی حال میں نہ گھبرانے والی مریم اس وقت اچھی خاصی کنفیوژ ہو چکی تھی۔ وہ مسلسل سر جھکائے ہوئے تھی۔ باہر مخصوص پلاٹ میں بہت اچھا انتظام کیا گیا تھا لائٹنگ کھانے کا بھرپور انتظام کے علاوہ اسٹیج بڑی خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔

بڑوں کے کہنے پر رمشا اور عندلیب ان سجی سنوری دلہنوں کو لے کر اسٹیج پر چلی آئی تھیں۔ کمبائن فنکشن تھا۔ ویسے یہ خاندان کا یادگار فنکشن تھا جس میں بڑے بڑے خیالات بدلتے لڑکا لڑکی کی ایک ہی جگہ منگنی کر رہے تھے۔

''میرا دل بڑا گھبرا رہا ہے۔'' عندلیب نے جب لا کر اسے بٹھایا تو اس نے روہانسے لہجے میں کہا۔ عندلیب نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟ جوس منگوا دوں۔ افطاری کے بعد تو تم نے کچھ کھایا بھی نہیں۔ کمزوری ہو رہی ہو گی۔'' اس کے سرد ہاتھ کی کپکپاہٹ بڑی واضح تھی مریم کی آنکھوں کی نمی گہری ہوئی۔

''میری طبیعت خراب ہو رہی ہے، بس جلدی سے کمرے میں لے جائیں۔'' عندلیب نے گھبرا کر دیکھا تو اپنی اپنی ماؤں کے پہلو میں چاروں دولہا اسٹیج پر آ رہے تھے۔

''تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ، رسم ہوتے ہی میں لے جاتی ہوں۔'' عندلیب تسلی دے کر نیچے اُتر گئی تھی۔ مریم نے سر مزید جھکا لیا۔ آنکھوں میں آئی نمی سے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

پہلے خاور نے فوزیہ کو انگوٹھی پہنائی تھی پھر سکندر نے آمنہ کو اب اس کی باری تھی۔ اس کے سرد ہاتھ مزید سرد ہوئے۔

''مریم ہاتھ آگے کرو۔'' ثوبان انگوٹھی تھامے اس کی طرف ہاتھ بڑھائے بیٹھا تھا مگر اس کے وجود میں ذرا بھی ہلچل نہ ہوئی تو کہیں سے آواز آئی تھی مگر اس کی کنڈیشن اتنی خراب ہو رہی تھی کہ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے ہاتھ میں پکڑے کلچ (پرس) پر اس کی گرفت مزید سخت ہوئی تھی۔

''دلہن شرما رہی ہے۔'' کہیں سے شوخ آواز گونجی اور پھر قہقہے، اس کا وجود مزید سرد ہوا۔

''محترمہ ہاتھ آگے کر دیں انگوٹھی پہنانی ہے، آپ کے بعد ابھی کسی اور کی بھی باری ہے۔'' شوخ آواز پر وہ چونکی مگر یہی کہ آواز کہیں اور سے آئی ہے۔

یقیناً وہ ارد گرد ہی تھا۔ اب اس نے لب بھینچ لیے اور سر مزید جھکا لیا اب صرف سجدہ کرنے کی کسر رہ گئی تھی۔

''دلہن سجدے میں چلی گئی ہے۔'' پھر وہی شوخ آواز۔
''ہوسکتا ہے دلہن کو دلہا پسند نہ آیا ہو۔'' یہ سکندر کی شوخ آواز تھی اس کے آنسو بہہ نکلے۔
''ہوسکتا ہے بینک منیجر کا ڈر سر پر سوار ہو۔ محترمہ ہاتھ دیں انگوٹھی پہنانی ہے ورنہ ہمارے بڑے ابھی پہنچ جائیں گے کہ میں خوامخواہ لیٹ کروا رہا ہوں۔''

اب کے وہ الفاظ، لہجے اور آواز پر چونکی تھی۔ یہ تو عمر کی آواز تھی اور کہیں دور سے نہیں بلکہ اس کے انتہائی قریب سے اُبھری تھی۔ اس نے یکدم سر اُٹھا کر دیکھا۔

وہ واقعی عمر تھا۔ اپنی مسکراتی آنکھوں میں ڈھیر ساری چمک لیے وہ انگوٹھی تھامے منتظر تھا۔

''تم......'' جھلملاتی آنکھوں سے وہ کچھ بھی نہ سمجھ پائی تھی کہ یہ کیا قصہ ہے۔ عمر کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

''جی جناب میں عمر! بذاتِ خود بنفس نفیس آپ کے سامنے حاضر ہوں۔ کیا اب انگوٹھی پہنا سکتا ہوں۔'' خاصا شریر مسکراتا لہجہ تھا۔ مریم کو لگا اس کے حواس ساتھ چھوڑنے والے ہیں۔''

''مریم جلدی کرو ہاتھ دو۔'' رمشاء نے عقب سے جھک کر اس کا ہاتھ تھام کر اپنے بھائی کے آگے کر دیا تھا۔ وہ بت بنی ساکت سی عمر کو دیکھ رہی تھی۔ عمر نے انگوٹھی پہنا دی تھی۔ مبارک سلامت کی آواز بلند ہوئی تو مریم کو لگا کہ بس وہ کسی بھی لمحے گرنے والی ہے۔ اس نے اپنا چکراتا سر تھام لیا۔

''امی......'' آنکھوں کی تاریکی گہری ہوئی تو اس کے لب پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھتا وہ بے دم سی ہو کر ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

❖ ✿ ❖

اس کی آنکھیں کھلیں تو خود کو آرام دہ بستر پر لیٹے پایا۔ اردگرد سبھی چہرے تھے متفکر پریشان وہ خالی الذہنی سے سبھی کو دیکھے گئی۔ آمنہ، فوزیہ، صبا، سادہ لباس میں ملبوس تھیں۔ خاور بھائی، عمر، سکندر، وقار، عندلیب بھابی، رمشاء اور بھی چند چہرے تھے۔ امی ابو، تائی بیگم اور تایا ابو کے علاوہ خاور بھائی کے والدین تھے۔ اس کی نگاہیں ثبان کے چہرے پر پڑیں تو وہ چونکی۔ ذہن نے ایک دم کام کرنا شروع کر دیا۔

''مریم! کیسی طبیعت ہے اب؟'' اسے ہوش میں آتے دیکھ کر امی جی نے فوراً پوچھا وہ اس کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش کی۔

''لیٹی رہو طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہاری۔ اتنا تیز بخار ہے اوپر سے یہ مسلسل بیہوشی پورے تین گھنٹے بیہوش رہی ہو تم۔'' فوزیہ بھی قریب آ گئی تھی۔ تو رونے لگی۔

''رونا نہیں اب بالکل ٹھیک ہو تم۔'' یہ تائی بیگم کی شفیق آواز تھی۔ امی نے اس کے آنسو صاف کیے مگر رونا کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ مسکارا اور لائنر بہہ نکلا تھا۔ فوزیہ نے ٹشو سے اس کا چہرہ صاف کیا۔ کچھ دیر رونے کے بعد جی ہلکا ہوا تو بغیر کسی کی طرف دیکھے اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیے۔

''شکر ہے اللہ کا ہوش آ گیا، اب یہ ٹھیک ہے تم لوگ بھی اب ادھر سے ہٹو باہر کئی کام ہیں وہ دیکھو، مہمان تو رُخصت ہو ہی گئے ہیں۔ ہوٹل سروس والے بیٹھے ہیں ان کو بھی فارغ کرنا ہے۔'' ابو جی، تایا ابو کا ہاتھ تھام کر چل دیئے تو باقی لوگ بھی مطمئن ہو کر باہر نکلتے چلے گئے تھے جبکہ ینگ جنریشن ابھی بھی ادھر موجود تھی۔

''مریم۔'' یہ صبا کی آواز تھی۔ ساتھ ہی اس نے اس کا بازو بھی آنکھوں سے ہٹا دیا۔

''ایم سوری یار! یہ سب ڈرامہ تھا۔ محض تمہیں سرپرائز دینا تھا۔ دیکھو اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں، یہ عمر بھائی کا ڈرامہ ہے، ان سے پوچھو۔'' صبا کہہ رہی تھی اس نے خاموشی سے سب کو دیکھا اور پھر عمر کو اس کے ساتھ کھڑے ثوبان کو، عمر اس کے دیکھنے پر مسکرا کر آگے بڑھا۔

''ناراض ہو۔'' اس نے لب بھینچ کر آنکھیں میچ لیں۔ وہ اس شخص سے بات تک نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے کس قدر اذیت میں رہی تھی کاش کوئی اندازہ لگا سکتا اور خصوصاً یہ صبا اور عمر تو ہر وقت اسے اذیت دیتے طعنے بازی کرنے کو تیار رہتے تھے۔

''مریم۔'' یہ خاور بھائی کی پُر شفقت آواز تھی۔ ''گڑیا آنکھیں کھولو پلیز۔'' اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''ایم سوری یار! ڈرامہ سارا یہ ہے کہ تم نے جس طرح پُر خلوص ہو کر میرے اور فوزیہ والے معاملے میں صبا کی مدد کی تھی اس نے تمہاری امی کے انکار کے بعد مجھے فون پر سب بتا دیا اور پھر میں گھر چلا آیا۔ ادھر امی مانیں تو ادھر تمہاری والدہ صاحبہ ہماری اور فوزیہ کی بات طے ہوئی تو صبا نے بتایا کہ عمر کا پرپوزل تمہارے لیے آیا ہے۔ مگر تم انکاری ہو۔ وجہ کوئی خاص نہ تھی مگر جس طرح ثوبان کی امی تمہارے لیے چکر لگا رہی تھیں عین ممکن تھا کہ چچی جان ثوبان کے لیے ہاں کر دیتیں مگر اسی دن جب عمر کی امی اور دادی آئے ہوئے تھے تو تمہیں یاد ہوگا کہ اسی دن ثوبان کی والدہ بھی آ گئی تھیں۔'' خاور بھائی بتاتے بتاتے رُکے تو وہ آہستگی سے اُٹھ بیٹھی۔ وہ ابھی تک منگنی والے لباس میں ملبوس تھی۔ میک اپ بہہ چکا تھا مگر مٹے مٹے نشان تھے۔

''اور آنٹی سے رشتہ مانگ رہی تھیں۔ تائی بیگم اپنا حق جتا رہی تھیں اور چچی جان انا کی وجہ سے انکاری تھیں۔'' اب صبا بول رہی تھی۔

''انہوں نے تائی بیگم کے حق جتانے پر خاصے غصے سے کہا۔ ہم فوزیہ کے لیے اتنا عرصہ پریشان رہے۔ آپ کے سامنے ہی تھا آپ نے تب بھی مریم کا ہی نام لیا۔ جب فوزیہ کا کر دیا ہے تو آپ کو بھی ہمارے گھر چکر لگانا یاد آ گیا ہے۔ اب میری مرضی ہے کہ میں اپنی بیٹی کو کہاں بیاہتی ہوں۔'' چچی خاصے غصہ سے کہہ رہی تھیں اور تبھی تائی بیگم نے کہا مجھے تو کوئی اعتراض نہیں میرے لیے تینوں لڑکیاں ایک جیسی ہیں۔ ہم بار بار مریم کے لیے اس لیے کہہ رہے تھے کہ میرا بیٹا عمر اسے چاہتا ہے۔ وہ مریم کو پسند کرتا ہے اور اس کی خواہش پر بار بار مریم کا نام لیا۔ تمہیں پہلے کبھی اس لیے نہ کہا کہ لڑکیوں کی ماں ہو کہیں کچھ غلط نہ سمجھ بیٹھو۔'' صبا کہہ کر خاموش ہوئی۔

''چچی کی کنڈیشن خاصی پریشان کن تھی یہ انکشاف سن کر عمر اور مریم وہ بار بار پوچھ رہی تھیں میٹنگ روم میں یکدم خاموشی چھا گئی تھی۔ نتیجہ نجانے کیا نکلنے والا تھا اور میں خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگی کہ تم سب لوگوں کو آنے والے خطرے سے آگاہ کرتی

ہوں۔'' صبا چپ ہوگئی تو ثوبان مسکرا کر آگے بولا۔

''تبھی انٹری ہوئی ہماری یعنی بینک منیجر صاحب کی۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ مریم نے محض اس شخص کی تصویر دیکھ رکھی تھی اب روبرو پہلی ملاقات تھی۔

''اور صبا جس طرح کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح بھاگتی ہم سے ٹکرائی ہم تو وہیں گم سم ہو گئے۔ ہماری والدہ کو کون سی لڑکی پسند ہے ہم بھول گئے اور یہ بھی بھول گئے کہ ہم یہاں کیوں بلوائے گئے ہیں۔ بس اپنی بہن صاحبہ کو دل کی بات بتائی اور اسی شام امی اور باقی گھر والوں کے ہمراہ ہم خاور کے گھر پر موجود تھے۔''

''کیا؟'' وہ اب تک بالکل خاموش تھی اب حقیقتاً چونکی۔

''صبا، ثوبان کی امی کو بھی بہت پسند آئی اور یوں آناً فاناً رشتہ طے پا گیا۔'' یہ فوزیہ تھی۔ مریم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''اور اسی شام امی جی نے ہتھیار ڈال دیئے سکندر اور آمنہ کے ساتھ ساتھ تمہارے اور عمر کے پروپوزل کو بھی قبول کر لیا۔'' فوزیہ مزید مسکرا کر انکشاف کر رہی تھی۔

''تبھی عمر بھائی نے ہم سب کو اپنا پروگرام بتایا۔ پہلے تو ہم میں سے کوئی بھی نہ مانا اگر بڑوں تک بات پہنچ جاتی تو خاصی کھنچائی ہو جانی تھی مگر عمر کے بار بار اصرار پر ہم لوگ راضی ہو گئے۔'' صبا ہنس کر کہہ رہی تھی۔

''عمر بھائی تمہیں سرپرائز دینا چاہتے تھے نا۔'' آمنہ بھی ہنس کر بولی۔

''اور ساتھ یہ بھی چیک کرنا چاہتا تھا کہ عمر بھائی کی طرف سے برتی جانے والی بے پروائی اور نو کیئر والا انداز محض اوپر سے ہے یا حقیقتاً تمہیں ان سے کوئی لگاؤ نہیں۔'' یہ سکندر تھا اس نے کھا جانے والی نظروں سے عمر کو دیکھا جو اس سارے وقت میں سینے پر ہاتھ باندھے سب کو بولتے دیکھ کر محض مسکرا رہا تھا۔

''اور نتیجہ میری توقع کے مطابق نکلا۔ اب کوئن میرے کورٹ میں تھی۔'' وہ پہلی بار بولا تھا۔ مریم نے ایک دم غصے سے ہاتھوں میں پڑا گجرا نوچ کر اسے دے مارا تھا جسے اس نے کیچ تو کر لیا تھا مگر باقی سبھی ہنس دیئے تھے۔

''تم سب لوگ انتہائی جھوٹے، ڈرامہ باز اور فسادی ہو۔'' وہ سخت غصے میں تھی۔ واقعی سب نے کس طرح مل بھگت کر کے اسے ہینڈل کیا تھا اس کے احتجاج بھوک ہڑتال، غم و غصہ کی ہوا بھی امی یا ابو کو لگنے نہ دی تھی۔ اس نے جب بھی امی سے انکار کرنا چاہا تو یہ سب اسے آ پکڑتی تھیں اور امی ابو تو اب بھی بے خبر تھے کہ وہ بیہوش کیوں ہوئی ہے۔

عندلیب نے یہی کہہ کر سب کو ہینڈل کیا تھا کہ ''منگنی کی تیاریوں کی بھاگ دوڑ میں اور روزے کی حالت میں کمزوری ہو گئی ہے۔ اسی لیے بیہوش ہو گئی ہے۔'' اور امی نے بھی فوراً یقین کر لیا تھا کہ بہرحال دو دن سے ہلکی سی حرارت اسے پہلے بھی محسوس ہو رہی تھی صبح بھی بخار تھا۔

''دیکھو تمہیں ہمارا شکر گزار ہونا چاہیے کہ تمہیں تمہاری محض جھوٹی انا کا شکار ہونے سے بچا لیا۔ میرے بھائی سے بڑھ کر تمہیں کوئی نہیں چاہنے والا اور یہ ثوبان بھائی تو پہلے ہی صبا کی پہلی نگاہ بلکہ ٹکر کا شکار ہو چکے ہیں۔ تمہاری بیہوشی کے دوران محترمہ کو انگوٹھی پہنا کر بات پکی کر چکے ہیں۔ بے شک دیکھ لو۔'' ردا نے صبا کا ہاتھ پکڑ کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تو وہ بے دم سی ہو کر

واپس بستر پر سیدھی ہو گئی۔

اس کے دل و دماغ ایک دم خاصے پُرسکون اور مطمئن ہو گئے تھے۔ سب ہنس رہے تھے۔ باتیں کر رہے تھے۔ اس کے گزشتہ دنوں کی حالت مرچ مسالا لگا کر بیان کر رہے تھے۔ قہقہے تھے، شوخیاں تھیں، اس نے ایک گہرا سانس لیتے عمر کی طرف دیکھا۔

وہ مسکرا رہا تھا گہری روشن مسکراہٹ تھی اس کے لبوں پر۔ اس کے دیکھنے پر وکٹری کا نشان بنایا تو گھبرا کر اس نے خاور بھائی کی طرف چہرہ پھیر لیا اس کا اور صبا کا کارنامہ حاضرین محفل کو سنا رہے تھے اور عمر مزے سے گنگنا رہا تھا۔

زندگی کی حسین رہ گزر
ڈھونڈتی ہے کوئی ہم سفر
جس کو پانے کی ہے آرزو
آ ملے گا کسی موڑ پر
زندگی کی حسین رہ گزر

مریم کو اپنا چہرہ بلش ہوتا محسوس ہوا۔ عمر کا دھیما سلجھا لہجہ بڑا دل نشین تھا۔

ہم سفر کا اگر ساتھ ہو
راہ آسان ہو جائے گی
مل کے دھڑکیں گے جس گھڑی
جگمگانے لگے گی ڈگر
زندگی کی حسیں رہ گزر
ڈھونڈتی ہے کوئی ہم سفر
جس کو پانے کی ہے آرزو
آ ملے گا کسی موڑ پر

مریم نے مسکراتے ہوئے تکیے سے سر ٹکا کر پوری توجہ خاور بھائی کی طرف مبذول کر لی تھی۔

❖ ❁ ❖

اگلے صفحے پر ملاحظہ کیجیے

میری دُعا ہے تو سدا مسکراتی رہے
تیری مسکراہٹ چمن میں گل کھلاتی رہے
تیری آنکھوں میں آنسو کبھی نہ آنے پائیں
تاریکی شب تیرا کاجل چراتی رہے

رمضان پہلے عشرے کا آخری دن تھا، صبح کڑکتی دھوپ تھی مگر اب موسم بدل گیا تھا۔

موسلا دھار بارش سب کو ہی خوفزدہ کیے دے رہی تھی۔ جویریہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے آئی ماہم کا بھی تشویش وخوف سے بُرا حال تھا اسے ایسے موسم شروع سے ہی بُرے لگتے تھے۔ جان تک لرزاں ہوجاتی تھی۔ ایسے موسم میں وہ ہمیشہ اپنے کمرے میں گھسی کوئی نہ کوئی کتاب پکڑے ورق گردانی میں مصروف رہتی تھی مگر اب بدقسمتی سے وہ یوں جویریہ کی خواہش پر اس خوفناک موسم کے تیور سہتی خود پر بمشکل جبر کرتی اندر ہی اندر سخت ہراساں تھی۔

''آئے موسم رنگیلے سہانے، جیا نہیں مانے...... تو چھٹی لے کر آجا بالما......'' اس کے سخت خوفزدہ اور پریشان چہرے کو دیکھتے ہوئے جویریہ کو شرارت سوجھ رہی تھی اس نے سخت خشمگیں نظروں سے اسے گھورا۔

اک تو موسم نے موڈ سخت خراب کیا تھا دوسرا جہاں وہ کھڑی تھی وہ مین روڈ تھا۔ چاروں طرف سے گاڑیوں کے ہارن سنائی دے رہے تھے وہ دونوں بارش سے بچنے کے لیے ایک دکان کے شیڈ کے نیچے کھڑی تھیں۔

''اگر تمہارے اس رنگیلے سہانے موسم کے تیور ایسے ہی جان لیوا رہے تو قوی گمان ہے کہ آج کی تاریخ میں ہم لوگ گھر پہنچنے سے رہے۔'' اگرچہ وہ شیڈ میں کھڑی تھیں مگر تیز بارش نے دونوں کو ہی اچھا خاصا گیلا کرڈالا تھا۔ اپنی پیشانی سے بارش کے قطرے صاف کرتی وہ سخت نالاں ہورہی تھی۔

''واقعی...... پتا نہیں لوگ اس موسم میں کیسے انجوائے کرلیتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی موسم ہے۔ خوامخواہ رنگیلے سہانے نام رکھ کر بیچارے کو بدنام کیا گیا ہے۔ جویریہ کے ہونٹوں پر ابھی تک شرارت مچل رہی تھی اور شرارت کا پس منظر کیا تھا وہ بھی ماہم اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔

''ہاں یہ سچ ہے کہ یہ سہانے موسم ہمارے شہر کی خستہ حال سڑکوں کو مزید سہانا کررہے ہیں......'' ماہم اسے گھور کر رہ گئی۔

''ساون آئے...... ساون جائے......'' قریب سے ہی تین چار شوخ وشریر، لاپرواہ موسم کی سرمستیوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے لڑکوں کا ایک گروپ گزرا تھا۔ شریر چلبلی اور لاابالی آوازیں ''ساون'' کے موسم کی ترجمانی کرتی ان کے کانوں سے ٹکرا کر سخت غصہ دلا کر چلی گئی تھیں۔

''ہو......ہاؤ......'' کی آوازیں چلتے چلتے گہری نظروں سے دیکھتے ان دونوں پر بھی اچھالی گئی تھیں۔
ماہم نے قدرے ناگواری سے اپنے گرد بڑا سا گیلا دوپٹہ اچھی طرح لپیٹتے ہوئے کوفت کا اظہار کیا تھا اور ایک نظر رسٹ واچ پر ڈالی تھی۔ جواباً جویریہ اس کی شکل دیکھ کر ایک دم کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ وہ مزید تپ گئی۔ سخت گراں گزری اس سے اس کی ہنسی۔
''قسم سے جویریہ! اگر اسی طرح اس غیر محفوظ شیڈ کے نیچے کچھ پل میں مزید کھڑی رہی تو گھر تم میری لاش لے کر ہی جانا۔ توبہ میرے اللہ...... حد ہوتی ہے۔ انتظار اور برداشت کی بھی ایک تو روزہ ہے اوپر سے صبح کی بازار کی خواری اور اب یہ آفت ناگہانی بارش۔'' وہ کوس رہی تھی جویریہ مسکراتے ہوئے اردگرد دو دوفٹ پانی دیکھ کر اپنی ہتھیلی پر بارش کا پانی جمع کرتے ہوئے اس کی دہائی سنی اَن سنی کر رہی تھی۔
''بھئی اب میں کیا کر سکتی ہوں۔ تم دیکھ تو رہی ہو کہ کوئی سواری وغیرہ تو مل نہیں رہی۔ تمہارے سامنے ہی تو گھر فون کیا تھا۔ ابو بھی گھر پر نہیں تھے۔ امی تھیں میں نے کہہ دیا کہ سکندر بھائی کے آفس فون کر کے انہیں بھیجیں۔ میرے پاس تو ان کا نمبر بھی نہیں ہے۔ آج تو انہوں نے اپنا سیل بھی آف کیا ہوا ہے۔ اب بھلا میں کیا کر سکتی ہوں۔ کچھ دیر اور انتظار کرتے ہیں اگر سکندر بھائی آ گئے تو ٹھیک ہے ورنہ اسی حلیے میں سٹاپ تک چلتے ہیں وہاں سے اللہ کرے کوئی ٹیکسی وغیرہ مل جائے۔'' شیڈ کے نیچے بنی سیمنٹ کی سل پر اپنا سامان رکھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا تو ماہم کا سکندر کا نام سن کر بے چینی سے اور بھی بُرا حال ہو گیا۔
اسے تو شروع سے ایسے موسم سے سخت الرجک رہی تھی ادھر موسم کے تیور بدلے نہیں ادھر وہ کمرے میں گھسی نہیں وہ اس وقت کو کوسنے لگی جب جویریہ کے اصرار پر شاپنگ کے لیے آنے پر راضی ہو گئی تھی۔ اپنے بھیگے لباس پر سخت کوفت کے ساتھ ساتھ شرمندگی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اندر ہی اندر سکندر کی اس غیر ذمہ داری پر اُبال بھی اُٹھ رہے تھے۔ آدھا گھنٹہ ہونے کو تھا گھر فون کیے ہوئے۔
وہ حد سے زیادہ حساس اپنے آپ کو سینت سینت کر رکھنے والی عورت تھی مگر بدقسمتی سے اب یہ صورتحال درپیش تھی۔ آتے جاتے مردوں کی بے باک چھیدتی نظریں اپنے وجود پر محسوس کر رہی تھی۔
''اب تو میرا یہ جی چاہ رہا ہے کہ میں بھی یہ گانا گانا شروع کر دوں وہ بھی رو رو کر۔'' اپنے اندر کے سارے غصے کو ہاتھ میں لے کر پکڑے شاپنگ بیگ کو جویریہ کی جھولی میں پٹخ کر خونخوار انداز سے گھورتے ہوئے اُتارا تھا۔ وہ قدرے چونکی پھر اس کی دھواں دھواں ہوتی بارش کے قطروں سے جھلملاتی من موہنی سی صاف شفاف صورت دیکھ کر بے اختیار چھلک آنے والی ہنسی اپنے ہونٹوں پر ضبط کرنے لگی۔
''کیا......کون سا گانا......'' وہ خونخواری سے اسے گھورتے ہوئے دھکیل کر اپنے لیے جگہ بنا کر ساتھ ہی سل پر بیٹھ گئی۔
''بڑے غیر ذمہ دار ہیں تمہارے سکندر بھائی! میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ میں پھوٹ پھوٹ کر روؤں۔ اور اپنا تماشہ بن جانے پر یہ گانا گاؤں کہ ہائے موسم مصیبت مارے...... میرا دل بڑا گھبرائے۔ کب آئے گا تو چھٹی لے کر ظالما......'' عجب روٹھا خفگی سے

بھرا سا انداز تھا جویریہ کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ ماہم اسے مزید گھورنے لگی تھی۔ پاس سے گزرتا لڑکا ٹھٹکا پھر دونوں کو دیکھ کر رُکا۔ گیلے بال سنوارے اور گلا کھنکھار کر متوجہ ہوا۔

''اوہ...... لگتا ہے سخت پریشان ہیں...... دیکھیے گھبرانے کی ضرورت نہیں...... میں شریف سا بے ضرر بندہ ہوں...... دل و جان سے خدمت کو حاضر ہوں...... کہیے کیا خدمت کروں۔'' باچھیں کانوں تک پھیلائے لوفرانہ اسٹائل میں سگا بنا پوچھ رہا تھا۔ دونوں کے چہرے ایک دم سپاٹ ہو گئے۔ وہ کس قدر شریف تھا اس کی آنکھیں صاف بتا رہی تھیں ماہم نے دوپٹہ درست کیا۔

''کیوں پاگل ہیں آپ...... گھر میں اماں اور بیوی کی خدمت سے تنگ آ گئے ہیں کیا جویریہ نیک فریضہ سنبھالتے ہیں آموجودہ ہیں۔'' جویریہ نے استہزائیہ نظروں سے اسے سرتاپا گھورتے مسخرے پن سے کہا تو وہ لڑکا مزید پھیلا۔

''اجی...... کہاں بیوی...... ابھی تو میں کنوارا ہوں۔'' اس لڑکے نے بھی لوفر پن کی حد کر دی تھی۔ کیا خوب تھا شرمانے کا انداز۔''

''چپ کرو...... کیوں ایسے پاگلوں کے منہ لگ رہی ہو۔'' حد سے زیادہ محتاط پھونک پھونک کر قدم رکھنے والی ماہم اس کے کان میں منمنائی۔

''ارے آپ نے پاگل کیا...... ذرہ نوازی ہے آپ کی...... پاگل ہوں تو نہیں مگر لگتا ہے آپ کے حُسن کو دیکھ کر ضرور پاگل ہو جاؤں گا......'' ماہم پر ایک اندر تک اُترتی ہوئی نظر ڈال کر وہ گویا ہوا تھا ماہم کے گویا رگوں میں خون تک جمنے لگا، کھانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

''ہائے...... ان ہرنی جیسی بیچاری آنکھوں پر اتنا ظلم......'' وہ مصنوعی کراہا۔ جویریہ نے بھنا کر سینڈل اُتارا۔

''سنو دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ سینڈل تمہارا بُرا حشر کر دے گی۔'' جویریہ ایک دم آؤٹ کر رہ اپنی جگہ سے اُٹھی تھی۔ خونخوار انداز میں آگے بڑھنے کو تھی کہ ماہم نے لپک کر اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔ وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔ وہ لڑکا بدکا تھا۔ تھوڑا سا خائف بھی ہوا تھا مگر خوفزدہ ماہم کو دیکھ کر شیر بھی ہو گیا۔

''ارے جاؤ...... جاؤ دیکھی ہیں تم جیسی بڑی لڑکیاں۔ بڑی پُرانی دھمکی ہے یہ...... ہم بھلا کب ڈرتے ہیں ایسے حربوں سے۔'' وہ کچھ مزید قریب ہوتے ہوئے خاصے بڑے تیور لیے کہہ رہا تھا۔ ماہم کے لیے اب خود پر جبر کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

''شٹ اپ...... منٹوں میں یہاں سے اب نو دو گیارہ ہو جاؤ ورنہ اپنی دھمکی پر عمل کرنے میں میں ایک منٹ بھی نہیں لگاؤں گی۔'' وہ طیش میں ایک دم چنگھاڑی۔ اس سمے اسے سب سے زیادہ سکندر پر غصہ آیا تھا جو نہ جانے کہاں تھا ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ اردگرد شاہراہ پر رش بہت کم تھا صرف دور دور سے ہی لوگ دکھائی دے رہے تھے ایسے میں وہ لڑکا دونوں کو تنہا مصیبت اور خوفزدہ تصور کر کے ہراساں کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ ماہم کے جواب میں وہ مزید بکواس کرتا زن سے ایک گاڑی ان کے قریب آ کر رُکی۔ ان کی توجہ ہٹی تھی اور وہ لڑکا رفو چکر ہو گیا تھا۔ گاڑی روک کر سکندر تیزی سے باہر نکلا تھا۔ اتنی دیر سے خود پر جبر کرتی ماہم کی آنکھوں میں نمی آٹھہری تھی۔ اتنی دیر لگائی تھی اس نے آنے میں۔

''اتنی دیر لگا دی آنے میں......'' جویریہ فوراً اس کی طرف لپکی تھی۔ سکندر دھیرے سے مسکرا دیا۔ پھر ایک نظر تیکھے انداز لیے

چپ چاپ جامدی سرد مہری چہرے پر سجائے ماہم کو دیکھا۔ کندن سا سراپا پرپل کلر میں اور غضب ڈھا رہا تھا۔ سوٹ کے ہم رنگ بڑا سا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا اس کے باوجود بارش نے اس کے وجود کو بھگو دیا تھا۔ چہرے پر ناراضگی بھرے تاثرات تھے ایک سخت ناراضگی کا تاثر دیتی نظر ڈال کر وہ دائیں طرف دیکھنے لگی تھی۔ سکندر نے ایک گہری سانس لے کر دیکھا جویریہ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول رہی تھی اس نے بھی ماہم کے ہاتھ سے سامان لینے کو ہاتھ بڑھایا تو اس نے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔

''نو...... تھینکس...... شکریہ......'' جویریہ نے پلٹ کر دونوں کو دیکھا تھا۔ ماہم کے چہرے پر خفگی بھرے تاثرات پڑھے جا سکتے تھے۔ پچھلے لمحوں وہ دونوں کس قدر روڈ پر لیس رہی تھی وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ وہ اس وقت سکندر سے اس طرح کا بی ہیو کیوں کر رہی تھی۔ دونوں کو قصداً نظر انداز کر کے اندر بیٹھ گئی ماہم نے بھی سیٹ کی طرف قدم بڑھانے چاہے تھے جب سکندر ایک دم اس کی راہ میں حائل ہوا تھا۔ پچھلا دروازہ بند کر کے اس ہاتھ سے چھیننے والے انداز میں سامان لے کر کھڑکی سے اندر ڈال کر اس کا بازو پکڑ کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر دھکیلنا چاہا تھا۔

''یہ...... یہ...... کیا بدتمیزی ہے؟'' اس قدر جرأت پر ماہم کی تو جان ہی سلگ اُٹھی۔ پھاڑ کھانے والا انداز تھا۔ دونوں تیز بارش میں بھیگ رہے تھے۔ وہ اندر بیٹھنے کے بجائے اس طرح ایستادہ تھی، خونخوار، خفگی بھرے ناراض تیور لیے سکندر دانستہ مسکرا دیا۔

''بارش ہو رہی ہے اور بہت تیز ہے۔ اسی طرح بھیگتی رہیں تو بیمار پڑ جاؤ گی۔ شاباش اندر بیٹھو......'' اس کا بازو پکڑ کر اسے بٹھانا چاہا تو اس نے سختی سے ہاتھ جھٹک دیا۔

''آپ کو پروا نہیں ہونی چاہیے۔ میں بیمار پڑوں یا مروں...... آپ اپنے آفس کو سنبھالیے، کیا ضرورت تھی اس خواری کی......'' آنسو چھلک آئے تھے۔ جو بارش کے پانی میں تحلیل ہو گئے تھے مگر آواز حد سے زیادہ خفگی کا اظہار کر رہی تھی۔

''سوری بہت ضروری کام تھا...... بس تھوڑی دیر ہو گئی۔ مگر آ تو گیا ہوں۔'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہہ رہا تھا ماہم نے مطلق دھیان نہ دیا۔

''ماہی...... یہ کیا بچپنا ہے۔ آرام سے اندر بیٹھو ورنہ میں اُٹھا کر اندر پھینک دوں گا۔'' اس کو اسی طرح اڑیل ٹٹو کی طرح منہ بسورتے کھڑے دیکھ کر اس نے سختی سے کہا تو ایک کاٹ دار نظر ڈال کر وہ گاڑی کے اندر گھس گئی۔ دروازہ اس قدر زور سے بند کیا کہ چھوٹی موٹی گاڑی ہوتی تو ہل کر رہ جاتی۔ سکندر نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے چور نظروں سے جویریہ کو دیکھا وہ مسکرا رہی تھی۔

''ہونہہ...... دیر ہو گئی تھی...... صاف کہتے آنا ہی نہیں چاہتے تھے۔'' آواز میں بڑبڑاتے دل ہی دل میں کلس رہی تھی۔ بڑے آئے رُعب جھاڑنے والے۔ بیمار پڑ جاؤں گی۔ جانتی ہوں ساری ہمدردی۔ اتنا ہی خیال ہوتا تو اتنی زیادہ تاخیر ہی کیوں کرتے۔'' اس کی بڑبڑاہٹ پر جویریہ نے بمشکل اپنا چھلک آنے والا قہقہہ روکا تھا۔ وہ بھی ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

''تم دونوں کو آج اس موسم میں اس طرح شاپنگ کرنے کی کیا سوجھی تھی۔'' سائیڈ مرر ماہم کے خفا ''نو لفٹ'' کا بورڈ شو کیے چہرے پر سیٹ کر کے اس نے گاڑی سٹارٹ کر کے راستے پر ڈال دی۔

''مجھے بھلا کیا سوجھنی ہے؟ صبح جب گھر سے نکلے تھے تو کتنی خوبصورت گرم دھوپ تھی۔ کیا پتہ تھا بارش ہو جائے گی۔'' جویریہ نے کہا تھا۔ ماہم اندر کے ماحول سے بالکل کٹی چہرے کا رُخ موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔ پانی کے قطرے ابھی بھی چہرے پر موجود تھے۔ سردی کی وجہ سے وجود کپکپا رہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو آپس میں جکڑ لیا۔

''امی نے اطلاع دی تھی آپ کو اور آپ نے موبائل کیوں بند کیا ہوا تھا۔'' جویریہ پوچھ رہی تھی اس نے سر ہلا دیا۔

''بیٹری ڈاؤن تھی۔ اس لیے سگنل نہیں مل رہے تھے۔'' ایک نظر ماہم پر ڈالی۔ گیلی وہ تھی کپکپی اس کو اپنے اندر محسوس ہو رہی تھی۔

''میں آفس کا نمبر بھول گئی تھی اس لیے امی کو کہا تھا کہ وہ آپ کو اطلاع کر دیں۔''

''اچھا...... مگر ماہم کے پاس تو نمبر ہے نا...... اچھی طرح ازبر ہے۔ کیوں ماہم......'' اس نے قطعی لاتعلقی کا اظہار کرتی ماہم کو چھیڑا تھا۔ اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں چہرہ موڑ کر اسے دیکھا وہ ادھر متوجہ تھا۔ نظروں کا تصادم ہوا تھا۔ کچھ تھا سکندر کی آنکھوں میں۔ ماہم کو اپنے اندر ایک کوندا سا لپکتا محسوس ہوا وہ سرعت سے نظریں پھیر گئی۔ اس سمے دل کی حالت کچھ عجیب سی ہوئی تھی۔ سارا اختیار بے اختیاری میں بدلتا چلا گیا تھا۔

''آج دسواں روزہ ہے۔ سوچا تھا کہ شاپنگ کر لی جائے پھر تو مصروفیت میں نکلنا بھی نہیں ہوتا۔ ماہم تو آج آنے پر راضی ہی نہیں تھی وہ بھی روزے کی حالت میں گھر سے نکلنے میں ہی زبردستی گھسیٹ لائی تھی اور اب اس بارش نے سارے پروگرام کا ستیاناس کر دیا ہے۔''

سکندر نے ایک نظر اپنی شہادت کی اُنگلی سے اپنا تر چہرہ صاف کرتی ماہم کو دیکھا پھر آہستگی سے ٹشو باکس سے چار پانچ ٹشو کھینچ کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ ماہم جو اپنے اوپر کچھ کنٹرول کر چکی تھی اس عنایت پر چونکی۔ کچھ حیرت اور بے یقینی سے دیکھا وہ متوجہ کب تھا سامنے دیکھ کر صرف دائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالے ڈرائیو کر رہا تھا۔ دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھائے ٹشو تھام لیے جانے کا منتظر تھا۔ اس نے آہستگی سے ٹشو تھام لیے۔ وہ اس سے زیادہ دیر خفا بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ یہ اس کی مجبوری تھی۔ گیلا چہرہ صاف کر کے ماہم نے ٹشو ڈیش بورڈ پر پھینکنے چاہے تھے جب سکندر نے ایک مسکراہٹ اس کی طرف اُچھالتے اس سے وہ استعمال شدہ ٹشوز تھام لیے وہ سمجھ بھی نہ سکی تھی کہ وہ ان سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگا تھا۔ ماہم ایک دم پزل سی ہو گئی۔

نہ جانے اس شخص کے تیور کیا تھے؟ کیوں تھے؟ کہاں وہ کبھی ایک نظر ڈالنے کا بھی روادار نہیں تھا اور کہاں اب اس قدر التفات پر آمادہ تھا۔ اس قدر دھیان کب رکھتا تھا وہ اس کا۔ وہ کنفیوژ سی ہو گئی تھی بے حد گھبرا کر گردن موڑ کر جویریہ کو دیکھا وہ اپنی بے ساختہ دھیمی مسکراہٹ کو اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر چھپانے کی کوشش میں چہرہ پھیر کر قطعی لاعلم ہونے کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ ماہم پر گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ کچھ خفگی سے چہرہ باہر پھیر لیا۔

''حد ہے کتنا ان رومینٹک کپل ہے آپ دونوں کا...... میں آپ دونوں کو فل موقع دے رہی ہوں اور آپ ہیں کہ......'' جویریہ نے ماہم کے یوں خفگی سے چہرہ پھیر لینے پر کہا تھا۔ سکندر کا جاندار قہقہہ بے ساختہ تھا۔ ماہم مزید سرخ پڑ گئی۔

''مثلاً کیا؟ کیا موقع؟ ڈیئر سسٹر اپنے اس جملے کی ذرا وضاحت بھی کر دیں۔'' ایک نظر ماہم کے سرخ ٹمٹماتے چہرے پر

ڈال کر ہنسی ہونٹوں پر دبا کر پوچھا تھا۔
''میں لاکھ وضاحت کروں۔ آپ دونوں پر کون سا اثر ہو جانا ہے۔ آپ کیا ماہم بھی گنوں کی پوری ہے۔ ایک مشرق ہے تو دوسرا مغرب۔ مجال ہے جو اس درمیانی فرق کو ختم کیا ہو کبھی۔'' ماہم اسے اندر ہی اندر کوس رہی تھی مگر جویریہ اس کے تیوروں سے بے خبر باآواز بلند چڑا کر کہہ رہی تھی۔
''اوہ...... تو مائنڈ یو پیاری سسٹر! جو گنوں کے پورے ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ موضوع گفتگو بننے سے پرہیز کرتے ہیں۔ جب اپنے جملہ حقوق محفوظ ہیں تو ہم سرِ عام مظاہرہ کیوں کریں۔ کیا سمجھیں......'' وہ بظاہر اسے چھیڑ رہا تھا مگر نظریں سائیڈ مرر سے نظر آتے لحہ بہ لحہ سرخ ہوتے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔
''سب سمجھتی ہوں...... پتا ہے مجھے......'' جل کر جویریہ نے کہا وہ کھل کر ہنسا تھا۔ اس کی ہنسی کے جلترنگ ماہم کے اندر انتشار سا پیدا کر گئے تھے۔
''چلو بھئی فرض کرو میں تمہیں خوش کرنے کو ڈائیلاگ جھاڑ دیتا ہوں مگر یار کیا گارنٹی ہے کہ میرے لفظوں کو بھی شرف قبولیت بخشا جائے گا۔'' وہ کن اکھیوں سے اسے دیکھتے کہہ رہا تھا۔ ایک دم اس کا لہجہ لو دینے لگا تھا۔ ماہم کے اندر کپکپی سرائیت کرتی گئی تھی۔ کتنے واضح الفاظ تھے۔ کتنا صاف مفہوم تھا۔ نکلنے کو سو معنی تھے۔ مگر وہ چاہنے کے باوجود سر اُٹھا کر مقابل کو نہ دیکھ سکی تھی اس کی نظریں صرف اپنے ہاتھوں کو گھورتی رہ گئی تھیں۔
''یہ تو بعد پر منحصر ہے کہ شرف قبولیت بخشا جائے گا یا نہیں۔ اصل بات تو ہمت کرنے کی ہے جو میں شرطیہ کہہ سکتی ہوں آپ سر عام کبھی نہیں کر سکتے۔'' جویریہ اب سکندر کو اُکسا رہی تھی ماہم اندر ہی اندر تلملا کر رہ گئی۔
''اوہ...... ہوں...... ہمت ہے یا نہیں...... مگر اصل بات جذبات کی ہوتی ہے۔ کھوکھلے لفظ یا جھوٹے مظاہرے قوتی خوشی مہیا ضرور کر سکتے ہیں۔ دائمی خوشی نہیں دیتے۔ میں دائمی خوشیوں کا قائل ہوں۔ قبل از وقت جھوٹے کھوکھلے الفاظ ضائع کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ جب حقوق محفوظ ہیں تو پھر چھوٹی موٹی بے ایمانیاں کیوں کروں۔ پیاری بہنا! حقیقت پسند آدمی ہوں۔ دوسرے معنی میں پریکٹیکل بندہ ہوں۔ اب اُلٹی سیدھی بکواس کرنے سے تو رہا۔''
ماہم کے اعصاب تک جھنجنا اُٹھے۔ کیا کہہ گیا تھا وہ۔ اس کے نزدیک یہ سب بکواس تھا۔ اس کے چہرے کے زاویے بگڑنے لگے۔ اس نے حد درجہ سنجیدگی سے کہا تھا جویریہ بھی چپ سی ہو گئی تھی۔ ماہم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کوئی چیز اُٹھا کر جویریہ کے سر پر دے مارے جس نے اس کا رہا سہا بھرم بھی توڑ دیا تھا۔ اس نے یہ سب کیوں کیا تھا۔ وہ سب سمجھ رہی تھی۔ ماہم کے اندر ایک عجیب سی لہر اُٹھی تھی۔ اس نے اسے غم سے بوجھل کر دیا تھا۔ وہ لہر بوچھاڑ بن کر اس کے اندر کن من کا سبب بننے لگی تھی۔ نمکین پانی کا گولہ حلق میں اٹک گیا تھا۔ اپنا آپ سنبھالنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔
''ہاں...... جانتی ہوں میں کتنے پریکٹیکل ہیں آپ؟ جدھر آپ کی امی نے باندھ دیا بندھ گئے۔ اتنے ہی شریف ہیں نہ آپ......'' تھوڑی دیر بعد جویریہ نے پھر جل کر کہا تھا سکندر مسکرا دیا تھا۔ گاڑی گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی۔ سکندر کی نظریں ماہم کے چہرے پر پڑیں تو ٹھٹک گئیں۔ وہ سر جھکائے آنسو بہانے میں مصروف تھی۔ اس کے مسکراتے لب ایک دم

ساکت ہو گئے۔ جویریہ اور اس کے الفاظ کس قدر اس کو دُکھی کر سکتے ہیں وہ قطعی بے خبر تھا۔ لب بھینچے ایک نظر پھر ڈالی وہ چہرہ موڑ گئی تھی۔ سوائے دہکتی سرخ ناک کے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

اس سمے جویریہ کی یہ قینچی کی طرح بلا سوچے سمجھے چلتی زبان سخت گراں گزر رہی تھی۔ اعصاب سکڑ سے گئے تھے۔ گاڑی پورچ میں جا کر جیسے ہی رُکی۔ ماہم اندر بڑھ گئی تھی۔ لاؤنج میں امی بیٹھی ہوئی تھیں۔ سلام کر کے کمرے میں گھس گئی۔ اس وقت چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ بس ضبط چھلک آنے کو بے تاب تھا۔ بیدردی سے اپنے رُخسار رگڑ کر چادر نوچ کر صوفے پر پھینکی تھی۔ سردی سے وجود کپکپا رہا تھا۔ الماری سے گرم سوٹ نکال کر فوراً باتھ روم میں گھس گئی۔ آنکھیں مسلسل جل رہی تھیں پانی کی روانی میں کتنے ہی آنسو بہہ گئے۔ نہا کر دل کا غبار نکال کر لباس پہن کر باہر نکلی تو اپنے کمرے میں صوفے پر سکندر کو براجمان دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ سکندر نے اس پر ایک بھرپور نظر ڈالی تھی۔ دھلا دھلایا نکھرا نکھرا معطر وجود ساری کثافت بہا لے گیا تھا۔ گرے کلر کا گیلا لباس بدن پر جا بجا چپکا ہوا تھا۔ لمبی اُلجھی زلفوں کا آبشار پشت پر بکھرا قطرہ قطرہ پانی ٹپکا رہا تھا۔ وہ چند لمحوں تک اس کے وجود سے نظریں نہیں ہٹا پایا تھا۔ وہ خجل ہوتی ایک الماری کی طرف بڑھی تھی۔ وہاں دوپٹہ نکال کر کندھوں پر پھیلا لیا تھا۔ ''آپ...... اپنے کمرے میں اس کی موجودگی اس کے ہاتھ پاؤں پھیلا دینے کو کافی تھی۔ صرف یہی کہہ سکی تھی۔

''یہ سامان رکھنے آیا تھا۔'' اس نے صوفے کے قریب رکھے شاپنگ بیگز کی طرف اشارہ کیا وہ چپ ہو گئی۔ وہ چند منٹ تو اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر صوفے سے اُٹھ کر دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتا اس کے قریب آ رُکا تھا۔ ماہم کی پلکیں ان دیکھے بوجھ سے جھک گئی تھیں۔ اندر ہی اندر گھبراہٹ ہونے لگی۔ آنکھوں کو جھکا کر چہرہ پھیر لیا مبادا اس کے آنسوؤں کا راز نہ کھل جائے۔

''ماہی......'' اس کی نازک سی لانبی انگلیوں والے کپکپاتے شفاف ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اس نے پکارا تھا۔ وہ ذرا دیر کو پلکیں اُٹھا پائی تھی پھر نہ صرف چہرہ جھکا لیا تھا بلکہ اپنے ہاتھ چھڑا کر رُخ بھی موڑ گئی تھی۔ وہ اس کے اس قدر قریب کھڑا تھا اس کے یوں سرعت سے رُخ موڑنے پر گیلی زلفوں کے کئی موتی اس کے سینے پر گرے تھے۔ روح تلک میں ایک ٹھنڈی لہر اُتر گئی تھی۔ جس کی ٹھنڈک کو اس نے پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔

''جی کہیے...... کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟ میں سن رہی ہوں۔'' اسے کچھ پل لگے تھے خود کو مضبوط کرنے میں وہ پھر پہلے جیسی اکھڑ مزاج، تند خو لڑکی بن گئی تھی ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کے کہے لفظ اسے اچھی طرح از بر تھے۔ کتنی ہتک محسوس ہوتی تھی۔ کتنا خود کو گھٹیا محسوس کیا تھا کچھ دیر پہلے ماہم نے۔ اب تو وہ صرف پھر اپنی انا کے مضبوط قلعے میں بند ماہم افتخار تھی۔ وہ دل سے زیادہ دماغ کی مانتی تھی۔ ''سنو...... رئیلی میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ مجھے اندازہ ہے تمہیں دُکھ ہوا ہو گا۔ مگر بلیومی۔ وہ تو خود بخود گفتگو جویریہ کی باتیں سن کر اس رُخ پر چلی گئی تھی۔ اگر تمہیں بُرا لگا......'' وہ مزید کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔ جب وہ ایک دم پلٹی تھی۔

''پلیز مجھے نماز ادا کرنی ہے۔ دیر ہو رہی ہے...... ایکسکیوزمی......'' اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتا وہ ایک دم اُس کے سامنے سے ہٹی پھر وضو کی نیت سے دوبارہ باتھ روم میں جا بند ہوئی وہ ایک گہری سانس خارج کرتا بند دروازے کو گھورتا رہا اور گہری سانس بھرتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

نماز تراویح ادا کر کے وہ کچن میں چلی آئی۔ افطاری کے بعد کے تمام برتن سنک میں دھونے والے پڑے ہوئے تھے وہ جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی برتن خالی کر کے چھوٹی موٹی تمام بے ترتیب چیزیں بکھرے ڈبے سب کچھ ان کی جگہ پر ترتیب سے رکھا۔ ٹیبل پر کپڑا لگا کر برتنوں سے طبع آزمائی کرنے لگی سامنے اسے مصروف دیکھ کر دروازے پر ہی رُک گیا۔ پردۂ ذہن میں کچھ الفاظ سے گردش کرنے لگے۔

اک دن اک پاگل لڑکی نے
اپنے گھر کی اونچی چھت سے
اپنے سارے خواب اُتارے
خواہشوں کے ٹکڑوں کو جوڑا
گیلے کپڑے تیز ہوا کے ہاتھ سے چھینے

ماہم اسے یوں رُکتے پھر غور سے دیکھتے محسوس کر کے پلٹی۔

''کیا بات ہے کچھ چاہیے آپ کو......'' وہ پوچھ رہی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔ پھر سر جھٹکا اور اندر داخل ہوا۔ وہ برتن دھو کر ٹوکری میں رکھ رہی تھی۔ وہاں سے ایک گلاس اُٹھایا اور اس کے قریب ہی جا رُکا۔

''ایک گلاس پانی تو دو ذرا...... سارا دن روزہ ہوتا ہے اور افطاری کے بعد پیاس بھی اسی حساب سے لگتی ہے۔'' ہلکے سے اپنے سر کو جھٹکتے گلاس اس کی طرف بڑھائے کہہ رہا تھا وہ جو اس کے لفظوں کے زیر اثر تھی۔ اس عمل کو نہ سمجھ سکی تھی۔ حیرانگی سے بدستور دیکھ رہی تھی وہ مزید مسکرا رہا تھا پھر تھوڑا سا اس کی طرف جھکا تھا۔

''قسم سے ماہم! بہت پیاس ہے اندر تلک...... کیا پیاس نہیں بجھاؤ گی؟'' خمار آلودہ لہجہ آنکھوں میں عجب رنگ لیے مسکرا رہا تھا۔ ماہم چونک گئی تھی۔ ایک دم پزل ہو کر پیچھے سرکی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے گلاس تھام لیا تھا۔ نل سے پانی بھر کر اسے پکڑا دیا تھا۔ اس کی طرف دیکھنے سے قصداً گریز کیا۔ وہ گلاس لے کر اسٹول پر جا بیٹھا تھا۔ رُخ موڑ کر سنک کو دھو کر نل بند کیا۔ سکندر پانی پی کر اسے ہی بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ گلاس لینے اس کے قریب آئی تھی۔ گلاس لینے کو ہاتھ بڑھایا تھا جب اس نے اس کا نرم ہاتھ تھام لیا تھا۔ ہاتھ یخ ہو رہا تھا۔ ماہم اسے دیکھتی رہی۔

''تم نے پوچھا نہیں میری اس نظم سنانے کا کیا مقصد ہے؟'' وہ دلکشی سے اس کے چہرے کے رنگوں پر نظریں جمائے پوچھ رہا تھا۔ ماہم نے ایک گہری سانس کھینچی۔

''مجھے کیا علم...... نظم تو آپ نے سنائی ہے۔ مقصد بھی آپ کے ذہن میں ہوگا۔'' دھڑ دھڑ کر کے ساری خواہشوں کی تتلیاں اس کے ہاتھوں سے نکل گئی تھیں۔ بہت تلخی سے جواب دیا تھا۔ سکندر دیکھ کر رہ گیا۔ اس دن کے لفظوں کا اثر ابھی بھی اس کے چہرے پر تھا۔ ناراضگی ابھی بھی برقرار تھی۔

''اُس دن کی باتوں پر ابھی تک ناراض ہو۔'' اسی طرح ہاتھ تھامے بڑی لگاوٹ سے وہ پوچھ رہا تھا وہ تلخی سے مسکرا دی۔

''کیوں میری بھلا آپ سے کیا ناراضگی؟ آپ نے ایسی کون سی غلط بات کہہ دی تھی۔ آپ تو بہت حقیقت پسند آدمی

ہیں...... پھر یہ استفسار کیوں؟'' تلخی سے وہ اسے اسی کے لفظوں کی مار مار رہی تھی۔ وہ کھل کر ہنس رہا تھا۔
''ہاں یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ...... یہ موڈ ابھی تک بہتر کیوں نہیں ہوا۔ یہ جو میں نے سنا ہے تھوڑی تم پر آفت آتی ہے۔ کیوں آئی ایم رائٹ......'' نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔ ماہم کے اندر ایک آگ بھڑک اُٹھی تھی۔ اتنی دیر کی اس کی لن ترانیوں کا محرک یہ تھا۔
''میں واقعی ہی حقیقت پسند رہنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ تم بھی بن جاؤ۔ حقیقت پسندی سے انسان بڑے بڑے نقصانات سے بچ جاتا ہے...... بلیومی...... تمہاری ناگواری اور اس طرح ری ایکٹ کرنے سے مجھے اُلجھن ہونے لگتی ہے۔ کیا یہ نیا تعلق پُرانے رشتوں کو ختم کر گیا ہے۔ یا سرے سے تم کو یہ تعلق گوارا ہی نہیں؟'' ماہم کے بھینچے بھینچے اعصاب کشیدہ چہرے پر ایک گہری مسلسل نظر ڈال کر وہ پوچھ رہا تھا تو ماہم نے ایک دم جھٹکے سے اس کی گرفت سے اپنی کلائی کو آزاد کرا لیا تھا۔ جو بولی تو آواز اس کے اندر کے موسموں کا بخوبی پتا دے رہی تھی۔
''غلط فہمی ہے آپ کی۔ میری بھلا آپ سے ایسی کیا خفگی۔ اچھا ہوا نا کہ آپ کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دی ہیں اور پھر یہ کہ ہمارے درمیان پہلے کون سا بڑے خوشگوار تعلق تھے۔ استوار تھے جواب کشیدہ ہو جانے پر باعث ملال ہو جائیں گے۔ میں ایسی ہوں۔ البتہ آپ کو فکر ہونی چاہیے میں خوامخواہ آپ کی امی کی بدولت آپ کے سر منڈھ دی گئی ہوں۔'' تلخی ابھی بھی اس کی سپاٹ آواز میں رچی بسی تھی۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا تھا۔ کس قدر غلط فہمی کا شکار تھی وہ۔ وہ گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر اسے کھنگال کر اس کی جگہ پر رکھ کر فریج سے دودھ کا پیکٹ نکال کر اپنے لیے چائے بنانے لگی۔ وہ ابھی بھی بیٹھا ہوا تھا چپ چاپ خاموش۔ ہاں صرف اس کی آنکھیں باتیں کر رہی تھیں اور ماہم کو اس کی آنکھوں کی زبان سے ہمیشہ خوف آیا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کی آنکھوں سے ہار جاتی تھی۔ ہمیشہ اس کا بے پناہ اعتماد یقین بھروسہ خود اعتمادی، غرور، انا، پل ہی پل میں اس کی آنکھوں کو ایک نظر دیکھ لینے سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتے تھے۔ اس وقت بھی اس کی اسے ڈسٹرب کر رہی تھیں۔
''چائے پئیں گے......'' اس کی مسلسل چپ اور آنکھوں سے گھبرا کر اس نے پوچھا تھا۔ وہ ہنس دیا پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔
''ہاں ضرور پیئوں گا۔ اگر تم چاہ سے پلاؤ گی۔'' لفظ ''چاہ'' پر زور دیتے وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔
''میں اپنے کمرے میں ہوں۔ چائے بنے تو ادھر ہی دے جانا'' دروازے کے قریب رُک کر اس نے کہا تھا وہ پلٹی تو وہ جا چکا تھا وہ لب بھینچ کر کھڑی رہی۔ چائے بنی تو پہلے امی ابو اور جویریہ کو پہنچائی پھر ٹرے میں دو کپ لیے سکندر کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ خیال تھا کہ اسے کپ تھما کر فوراً اپنے کمرے میں چلی جائے گی۔ ادھ کھلے دروازے سے وہ اندر داخل ہوئی تو وہ الماری کھولے کھڑا تھا۔ جسم پر صرف ٹراؤزر تھا شاید سونے کا ارادہ تھا اسی لیے لباس بدل رہا تھا۔ ماہم کو بے پناہ شرمندگی شرم وخجالت کے احساس نے آ لیا۔ اسے کمرے میں دستک دے کر اجازت لے کر آنا چاہیے تھا اپنی حماقت و سنگین غلطی کا فوراً احساس ہوا۔
''سوری...... وہ...... میں'' اس کا سر جھک گیا تھا۔ اب وہ پلٹ کر واپس بھی نہیں جا سکتی تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ ٹرے یہیں پھینک کر سر پاؤں پر رکھ کر بھاگ جائے۔ شرمندگی سے چہرہ علیحدہ سرخ رنگ ہو گیا تھا۔
''اٹس اوکے...... بیٹھو تم......'' اسکائی بلیو شرٹ نکال کر کھڑے کھڑے عجلت میں پہنتے اس نے کہا وہ نفی میں سر ہلا گئی۔ پھر

نظریں اُٹھا کر مقابل کو دیکھنے کا یارہ کب تھا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک منٹ کی تاخیر کیے فوراً کمرے سے نکل جائے۔

''یہ چائے لے لیں۔'' کف اُلٹا کر شرٹ کے نچلے تین تین بٹن بند کر کے وہ عجلت میں اس کے قریب آ گیا تھا۔ ٹرے سے کپ اُٹھانے کے بجائے ٹرے ہی اس کے ہاتھوں سے تھام لی تھی۔

ماہم نے اس کے اس اقدام پر کچھ حیرت سے اُسے دیکھا تھا۔ وہ ٹرے بستر کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔

''بیٹھو......'' سکندر نے بستر کی طرف اشارہ کیا وہ نفی میں گردن ہلا گئی۔

''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' نظریں چراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دیا۔ وہ تو مجھے بھی آ رہی ہے مگر......'' ایک بھرپور نظر اس کے چہرے کے رنگوں کا طواف کرنے لگی۔ وہ حواس باختہ ہو گئی تھی۔ چہرے پر بے پناہ رنگ اُتر آئے تھے۔

''وہ میں جاؤں......'' وہ بھاگ جانے کو تھی۔ سکندر کے ہونٹوں پر بے پناہ رنگ اُتر آئے تھے۔

''ہاں ضرور...... پہلے میرے ساتھ چائے پیئو گی پھر......'' اک استحقاق بھرے انداز میں اس کا ٹھنڈا یخ ہاتھ تھام کر بستر پر لا بٹھایا۔ وہ خوفزدہ سی کوئی مزاحمت بھی نہ کر سکی۔

''ہاں بتاؤ اب...... کیا پریشانی ہے تمہیں؟ وہ کون سا مسئلہ ہے جس نے تمہیں یوں اُلجھا دیا ہے۔ کیوں ہر دم ہر پل مجھ سے کھنچی رہتی ہو۔ یہ ہر وقت کی بیزاری، لاتعلقی، اجنبیت، خودسری آخر کیوں؟'' ایک کپ اُسے تھما کر دوسرا خود لے کر چسکیاں بھرتے پوچھ رہا تھا۔ ماہم پر یہ لمحات بہت بھاری تھے۔ اس کے لب خود بخود بھینچ گئے تھے۔

وہ اسے کیسے بتاتی اسے کیا دُکھ ہے۔ کیا کیا غم اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا۔ کون سی انہونی خواہش اس کی ذات کے حصار کو چھیڑ رہی تھی وہ کچھ بھی تو اسے نہیں کہہ سکتی تھی۔ بہت چاہنے کے باوجود شکوہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ایک تھکی تھکی اُلجھی نظر سے اسے دیکھ کر وہ سراپا سوال بنا ہوا تھا۔ نظریں اس کے چہرے سے بھٹکتی ہوئی اس کے کھلے گریبان میں اُلجھ گئی تھی مگر اگلے پل ہی وہ نظریں چرا گئی تھی۔

''ماہی! بتاؤ۔ میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔'' اس نے اس کی چپ کو توڑنے کو پھر پوچھا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کرتے اسے دیکھا۔

''ایم سوری...... مجھے نہیں علم آپ کیا جاننا چاہتے ہیں۔ میرے پاس آپ کے ان لایعنی سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔'' تلخی سے کہہ کر وہ ایک کپ تھام کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ سکندر نے اسے دیکھا وہ دروازے کے پاس جا کر ایک پل رُک گئی۔ چہرے پر ایک استہزائیہ سی مسکراہٹ تھی۔ ''آپ تو بہت حقیقت پسند ہیں نا...... مجھے نہیں اندازہ آپ نے کس خیال سے مجھ پر یہ بات باور کروائی ہے مگر اتنا مشورہ ضرور دوں گی کہ یہ سوال مجھ سے بار بار کرنے کے بجائے آپ اپنے آپ سے کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ مجبوری آپ کے ساتھ ہے میرے ساتھ نہیں اور لڑکیوں سے کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ وہ کیا چاہتی ہیں؟ ان کی کیا خواہش ہے۔ انہیں تو صرف فیصلہ سنایا جاتا ہے اور سر جھکا دیتی ہیں۔ پھر ان سوالوں کا مقصد کیا۔ بہتر ہے سکندر صاحب آپ یہ سوال اپنے آپ سے کر لیں تو بہت جلد جواب بھی مل جائے گا۔''

یہ سب کہتے ہوئے دُنیا بھر کی ناگواری و بیزاری اس کے لہجے میں تھی وہ اپنی بات کہہ کر دروازے کی دہلیز پر پار کر گئی تھی۔

سکندر چائے کا ایک گہرا گھونٹ بھر کر وہیں کھڑا دیکھتا رہا جہاں وہ بادِ صبا کی طرح گزر گئی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ کبھی کوئی پرفیوم استعمال نہیں کرتی لیکن پھر بھی ایک مانوس سی خوشبو سکندر کو کمرے میں محسوس ہو رہی تھی۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے اس خوشبو کو اپنے اندر جذب کرنا چاہا تھا۔

''پاگل...... احمق لڑکی......'' باقی ماندہ چائے اس نے ایک ہی گھونٹ میں حلق میں اُنڈیل کر کپ خالی کیا تھا۔

❖ ❀ ❖

ساری رات بیت گئی تھی۔ دور کہیں تہجد کی اذانیں ہو رہی تھیں ماہم نے بیدردی سے اپنا تر چہرہ صاف کیا۔ وہ سکندر کو کیا بتاتی اس کے دل کے اندر کتنی بدگمانیاں ہیں اس کے خلاف...... کس قدر منفی انداز میں وہ سوچتی ہے اس کے بارے میں مگر یہ سچ تھا وہ اپنے دل کی پوری گہرائیوں سے اسے چاہتی تھی۔ بہت شدت سے اس سے محبت کرتی تھی۔ ٹوٹ کر چاہتی تھی مگر اسی شدت سے اس سے متنفر بھی تھی۔ اس سے نالاں بھی تھی اس سے ہزاروں شکوے بھی تھے۔ دو ماہ پہلے ان دونوں کا نکاح ہوا تھا۔ مرینہ کی شادی پر۔ مرینہ سکندر کی چھوٹی بہن تھی۔ سکندر اس کا خالہ زاد تھا۔ شروع میں ابو امی کے ہاں جب کوئی اولاد نہ ہوئی تو نسرین خالہ نے سکندر کو ان کی جھولی میں ڈال دیا تھا اس وقت مرینہ اور سکندر دو ہی بہن بھائی تھے۔ امی ابو سکندر کو پا کر بہت خوش رہنے لگے تھے۔ شاید سکندر کے وجود کی بدولت ہی صرف دو سال بعد وہ خود پیدا ہوئی تھی جہاں اس کا وجود امی ابو کو نئی خوشیوں سے ہمکنار کر گیا مگر وہیں سکندر کی اہمیت اس کا مقام جوں کا توں برقرار تھا۔ نسرین آنٹی اور جبار انکل نے اسے واپس لے جانا چاہا مگر امی ابو نہیں مانے تھے وہ وہیں رہ گیا تھا۔ پھر جب امی ابو کے ہاں جویریہ پیدا ہوئی نسرین آنٹی کے ہاں مرینہ پیدا ہوئی تھی جویریہ کے بعد امی ابو کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تھی جبکہ نسرین آنٹی کے ہاں سبحان اور شاید اوپر تلے پیدا ہوئے تھے اس طرح سکندر ہمیشہ کے لیے ان کے پاس رہ گیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سکندر سے ان کی محبت مزید بڑھی تھی۔

''سنیہا جاوید'' وہ نام تھا جو ماہم کی شفاف محبت بھری زندگی میں پتھر کی طرح آیا تھا اور اس کی محبت بھرے دل کی جھیل میں ایک ہلچل مچا گیا تھا۔ سنیہا سکندر کے باس کی بیٹی تھی۔ وہ اسے پسند کرتا تھا شادی کرنے کا خواہاں تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا صرف تین ماہ پہلے کی ہی تو بات تھی جب سکندر نے اسے خود سنیہا کے متعلق بتایا تھا اور ساتھ یہ خواہش بھی ظاہر کی تھی کہ وہ سنیہا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور وہ اس سلسلے میں اس کی مدد کرے۔ وہ جو نہ جانے کب اسے چاہنے کی غلطی کر بیٹھی تھی۔ اس بات پر ہکا بکا رہ گئی تھی۔ ساتھ رہتے ایک ساتھ جوان ہوتے ایک دوسرے کے دُکھ سکھ، راز، غم، خوشیاں شیئر کرتے وہ اس سے محبت کر بیٹھی تھی مگر وہ کسی اور میں انوالو تھا یہ وہ کانٹا تھا جو اس کا دل لہولہو کر گیا تھا۔ پھر اس نے نسرین آنٹی تک سکندر کی خواہش پہنچا دی تھی۔ نسرین بھی ہکا بکا تھیں۔ انہیں بھی شاید یقین نہیں آیا تھا۔ اسے نہیں علم پھر کیا ہوا تھا سکندر اور آنٹی کے درمیان کیا بات ہوئی تھی۔ بس اسے جویریہ اور میرینہ کے ذریعے بس یہی علم ہو سکا تھا کہ نسرین آنٹی اسے اپنی بہو بنانے کی خواہش رکھتی ہیں وہ جو سکندر کے گھاؤ سے بھی نہیں سنبھل سکی تھی آنٹی کی اس خواہش پر حیران ششدر رہ گئی۔ اپنی طرف سے تو وہ اپنی قسمت کو رو کر چپ رہ گئی تھی مگر اب یہ ایک نیا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ وہ منتظر تھی کہ سکندر امی یا نسرین وغیرہ میں سے کسی نے اس کی سکندر سے شادی کی بات کی تو وہ صاف انکار کر دے گی۔ وہ ساری عمر اسے نبھانے کی آگ میں جل سکتی تھی مگر یہ گوارہ نہیں تھا کہ سکندر کی زندگی میں زبردستی

مسلط کر دی جائے۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ سکندر سے کبھی شادی نہیں کرے گی مگر ہوا کیا کسی کو اس سے پوچھنا کیا، بتانا بھی گوارہ نہیں کیا تھا بلکہ سکندر تک لاعلم تھا مرینہ کی شادی پر جب اس کی مایوں تھی دونوں کے نکاح کی تقریب منعقد ہوئی تھی وہ جونسرین آنٹی کے ہاں مرینہ کی مایوں میں شرکت کے لیے گئی تھی وہ سکندر کی بیوی بن کر اگلے کئی دنوں تک حیران و ششدر رہ گئی تھی۔ ایک طرح اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا تھا مگر یہ سکتہ اس دن ٹوٹ گیا جب دونوں کے نکاح کے ٹھیک پندرہ دن بعد سنیہا جاوید کا فون آیا تھا۔ اس دن اسے اپنے نقصان کا شدت سے اندازہ ہوا تھا۔ سکندر سے اس کا رویہ خود بخود بُرا ہوتا چلا گیا۔ اس کا رویہ انداز واطوار پہلے جیسے ہی تھا بلکہ پہلے سے ہٹ کر وہ اس سے نئے تعلق کے خیال سے بھی بہت اچھے انداز میں پیش آنے لگا تھا مگر اسے یہ سب سکندر کا دوغلا پن اور فراڈ لگتا تھا۔

''محبت کسی سے اور نکاح کسی سے۔'' یہی گرہ اس کے دل پر بندھ گئی تھی جو اسے سکندر کی جانب سے دن بدن بدظن کرتی جا رہی تھی۔

وہ شاید اس سے کبھی نکاح نہ پڑھواتی اگر نسرین آنٹی کی عین نکاح کے وقت طبیعت خراب نہ ہو جاتی۔ انہیں اکثر دل کی تکلیف رہتی تھی اس دن زیادہ ہونے لگی تھی۔ ایسے حال میں وہ انکار کر کے کوئی رسک نہیں لے سکتی تھی سوچپ چاپ قربان ہو گئی تھی مگر ہر گزرتا پل اسے اپنے نقصان کا احساس دلا رہا تھا اب تو سکندر بھی اس کی تلخی اور ناگواری کو محسوس کرنے لگا تھا اکثر اس سے پوچھنے لگا تھا۔ اس کے رویے کا محرک جاننے کا مقصد کیے ہوئے تھا مگر وہ اس سے کیا کہتی وہ خود سمجھنے سے قاصر تھی۔ اب تو دل کی بھی نہیں سنتی تھی ہر وقت اُلٹا سیدھا سوچتی رہتی تھی۔ سکندر کو اپنانا مشکل تھا تو چھوڑنا اس سے زیادہ تکلیف دہ تھا مگر وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی جبکہ دوسری طرف نسرین آنٹی امی ابو سے عید کے بعد رُخصتی کا کہہ چکی تھیں۔ نہ جانے اس کے لیے وقت کے ہاتھ میں کیا تھا مگر وہ خوش نہیں تھی اور نہ ہی رُخصتی چاہتی تھی۔ بس خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرف وقت رُک جائے یا کوئی معجزہ ہو جائے۔

یونہی لیٹے لیٹے نہ جانے کتنے پل گزر گئے تھے اچانک ٹائم پیس پر الارم بجا تو وہ چونک گئی۔ ساری رات بیت چکی تھی۔ اپنے بولوں کو سمیٹتے کمبل ہٹا کر وہ اُٹھ بیٹھی۔ منہ ہاتھ دھو کر آئینے کے سامنے آ رُکی ڈریسنگ ٹیبل سے اپنا ہیئر کیچر اُٹھا کر اپنے لمبے بالوں کو اُن میں جکڑ کر باہر نکل آئی۔ جویریہ ابھی تک نہیں اُٹھی تھی۔ پہلے امی ابو کو جا کر اُٹھایا پھر جویریہ کو، وہ کسمسا کر دوبارہ سو گئی تو وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر کچن میں آ گئی۔ وقت کم تھا اور اسے اکیلے ہی ساری سحری تیار کرنی تھی۔ سب کچھ تیار کر کے سب لوازمات ٹیبل پر سجا کر امی ابو کو اطلاع دے کر جویریہ کے کمرے میں آ گئی۔ سحری میں صرف پچاس منٹ باقی تھے مگر وہ ابھی خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔ ماہم کو بہت غصہ آیا۔ جھنجھوڑ کر اسے اُٹھایا۔ سوندھی سوندھی آنکھوں سے وہ اسے دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہے؟''

''روزہ رکھ لو...... وقت بہت کم ہے...... پانچ منٹ میں منہ دھو کر ٹیبل پر آ جاؤ...... ورنہ......'' اس نے اس کے اوپر سے کمبل کھینچ لیا۔

''اُٹھ رہی تھی۔ ایک تو تم بھی نا۔ سچی ماہی! اتنا مزے کا خواب آ رہا تھا۔ سارا مزہ ہی کرکرا کر دیا۔ عین کلائمکس پر تم نے جھنجھوڑ ڈالا ہے۔ کیا سین تھا تمہاری شادی ہو رہی تھی۔ رُخصتی ہو رہی تھی۔ تم رو رہی تھی اور تم تم......''

''بس...... بی بی...... بس ان خوابوں سے باہر نکل آؤ تمہیں تو جاگتے میں خواب دیکھنے کی عادت ہے اب تو تم ویسے بھی نیند میں تھیں۔'' اس نے جلدی سے اس کی زبان کو بریک لگا دیئے تھے۔ وہ بُرے بُرے منہ بنانے لگی۔ ''جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر باہر آ جاؤ اور ہاں اپنے سکندر بھائی کو بھی اُٹھا دو تمہاری طرح انہیں بھی عین وقت پر اُٹھنے کی عادت ہے جب سحری کا وقت ختم ہونے میں صرف پندرہ منٹ رہ جاتے ہیں۔''

''میں نہیں جا رہی انہیں اُٹھانے......'' وہ ایک دم انکار کر کے بستر سے اُتری

''کیوں؟'' وہ حیران ہو کر بولی۔

''سو سو نخرے کرتے ہیں اُٹھنے میں...... تمہارے ہی مجازی خدا ہیں تم ہی نمٹو ان سے مجھے تو معاف ہی رکھو۔ سو بار جھنجھوڑنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر ان کی آنکھ کھلتی ہے۔'' وہ صاف ہری جھنڈی دکھا کر باتھ روم میں گھس گئی تھی۔

''جویریہ کی بچی بڑی بکواس کرنی آتی ہے تمہیں۔ سیدھی طرح جا کر اُٹھاؤ انہیں۔'' وہ دانتوں پر برش کر رہی تھی جب اس نے اس کے سر پر جا کر کہا تھا وہ سر انکار میں ہلاتی اسی طرح اپنے کام میں مصروف رہی۔ وہ ایک دو پل کھڑی رہی جب سمجھ گئی کہ وہ بالکل نہیں جائے گی تو وہ اسے گھورتی باہر نکلی۔

''مرو تم......'' منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے کچن میں آ گئی امی ابو ٹیبل پر موجود تھے۔

''جویریہ سکندر نہیں اُٹھے ابھی تک......'' امی نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''جویریہ اُٹھ گئی ہے۔ بس آ رہی ہے مگر سکندر......'' وہ چپ ہو گئی۔

''تو جاؤ اسے کہو ابھی اُٹھ جائے...... وقت بہت کم ہے۔'' امی نے کہا تو اسے مجبوراً کچن سے نکلنا پڑا۔ اب بادل نخواستہ اسے اُٹھانا ہی تھا۔

دروازے پر دستک دے کر کمرے میں داخل ہو گئی۔ انداز بہت محتاط تھا پہلے گردن اندر کر کے کمرے کا جائزہ لیا تھا۔ وہ ابھی تک بستر پر دراز تھا وہ اندر آ گئی۔ اب آ تو گئی تھی مگر سمجھ نہ پائی کہ کس طرح اُٹھائے اردگرد دیکھا بائیں طرف ریک میں پڑا ٹائم پیس مل گیا۔ الارم سیٹ کر کے اس کے سرہانے کان کے قریب رکھ کر ابھی اس نے سیدھا ہونا چاہا تھا جب آہنی گرفت نے اس کا ہاتھ دبوچا تھا۔

''ماہی......'' آنکھیں پوری طرح وا کر کے وہ مسکرایا تھا۔ وہ حیران ہوئی وہ تو سمجھ رہی تھی کہ وہ سویا ہوا ہے

''آپ...... آپ جاگ رہے تھے۔'' وہ حیران ششدر کہہ رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر اس کے ہاتھ کو جھٹکا تھا وہ جو پہلے ہی بے توازن کھڑی تھی منہ کے بل بستر پر جا گری تھی۔

''نہیں...... میں سو رہا تھا مگر ابھی تمہاری خوشبو نے تمہاری خبر دی تو اُٹھ گیا۔''

''آپ......'' بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اپنی بازو کا حصار اس کے وجود پر کھینچ گیا تھا۔ اس نے اپنی ڈبڈباتی آنکھوں سے اسے دیکھنا چاہا مگر وہ آنکھیں بند کیے گہری گہری سانسیں لے رہا تھا یوں جیسے اس کے وجود کی خوشبو اپنے اندر اُتار رہا ہو۔

"روز جویریہ مجھے اُٹھاتے ہوئے ضرور جتاتی تھی کہ مجھے نیند سے جگانے کا فریضہ تمہارے ذمے ہے کل تو دھمکی بھی دے دی تھی اس لیے میں خود سے نہ اُٹھا تو وہ تمہیں بھیجے گی۔ مجھے یقین نہیں آرہا کہ وہ اتنی جلدی اپنی دھمکی پر عمل کر دکھائے گی۔" بے خود سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ماہم کو یونہی لگا جیسے وہ آج حواسوں میں نہیں ہے۔ کتنے برسوں کا فاصلہ لمحوں میں ختم کر دیا گیا تھا۔ ماہم کو اس کے بازوؤں کی گرفت میں اپنا سانس رُکتا محسوس ہوا۔

"سکندر کیا ہو گیا ہے آپ کو پلیز چھوڑیں مجھے......" ناگواری تلخی ناپسندیدگی نہ جانے کیا کچھ تھا ماہم کے لہجے میں سکندر نے جھٹ آنکھیں کھول دیں ابھی وہ کچھ کہنا چاہتا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ پھر دروازے سے جویریہ کی آواز آئی تھی۔

"اگر سکندر بھائی آپ اُٹھ گئے ہیں تو اپنی زوجہ محترمہ کے ہمراہ تشریف لے آئیں کیونکہ امی ابو ایک منٹ کی تاخیر کیے بغیر خود آنے کی زحمت کر سکتے ہیں۔" سکندر نے کچھ خفیف سا ہو کر بازو ہٹا لیے تھے۔ ماہم یوں بھاگی تھی جیسے قید سے رہائی ملی ہو۔

❖ ✿ ❖

دن اپنی رفتار سے گزر رہے تھے سارا دن روزے کی حالت میں دن بھر کام کاج کرتے اور عبادت کرتے گزرتے تھے۔ اس نے ماسٹر آف کامرس کے ایگزامز دیئے تھے فی الحال فارغ تھی۔ جویریہ نے صرف گریجویشن کیا تھا۔ آج کل وہ ایک ڈیزائننگ انسٹیٹیوٹ سے ڈپلومہ کر رہی تھی۔ وہ کام کاج سے فارغ ہوئی تو لاؤنج میں آ بیٹھی۔ ارادہ تھوڑا بہت ستانے کا تھا مگر فون کی بیل ہوئی تو فوراً اُٹھ بیٹھی۔

"ہیلو......السلام وعلیکم۔"

"وعلیکم السلام! جی سکندر گھر پر ہیں۔" جانی پہچانی آواز تھی وہ ایک دم چونک گئی۔ اندر تک ایک سرد سی لہر سرائیت کرتی گئی۔

"سنیہا جاوید......" وہ آج کل سکندر کے تیور دیکھ کر کچھ خوش گمان سی ہو گئی تھی ایک دم ہراساں سی ہو گئی۔ "تو سکندر ایک ساتھ دو دو کو چکر دے رہا ہے۔" ایک دم دُکھ نے آلیا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ سکندر اس کو چاہنے لگا ہے اسی لیے......مگر اب۔"

"جی نہیں......وہ گھر پر نہیں ہیں۔" اس کی آواز یکدم سپاٹ سی ہو گئی تھی۔

"آپ کون ہیں؟" اس کا جواب سن کر سنیہا نے پوچھا اور استہزائیہ ہنس پڑی۔

"مجھ سے آپ کو غرض نہیں ہونی چاہیے۔ میں کوئی بھی ہو سکتی ہوں۔"

"ایم سوری......" سنیہا اس کے لہجے کی تلخی پر فوراً شرمندہ ہو گئی تھی۔ "آپ بتا سکتی ہیں اس وقت سکندر کہاں مل سکتا ہے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"جی مجھے علم نہیں۔ شاید اپنے آفس میں ہوں......"

"نہیں وہ اپنے آفس میں نہیں ہے۔" سنیہا کہہ رہی تھی ماہم نے تلخی سے ریسیور کو گھورا۔

"تو پھر ایم سوری مجھے مزید کچھ علم نہیں۔ میرے حساب سے تو وہ اپنے آفس میں ہی تھے۔" اس نے کچھ تلخی سے کہہ کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"اچھا نہیں کر رہے ہیں آپ سکندر! اس طرح سنیہا کو بیچ میں لٹکانے کا اصل مقصد کیا ہے۔ اگر آپ میں انکار کی ہمت نہیں

تو میں کرلوں گی مگر کوئی فیصلہ تو ہو۔ میں ساری عمر اس طرح اذیت میں نہیں گزار سکتی۔'' وہ ایک دفعہ پھر بہت منفی انداز میں سوچنے لگی تھی۔

''سنیہا جاوید......'' اس کے تصور سے ہی اسے اپنے سارے جذبات راکھ کے ڈھیر بنتے محسوس ہوئے۔'' کروڑوں کی جائیداد کی تنہا وارث سکندر کی فرسٹ چوائس، اس کی پسند، وہ جوں جوں سوچتی جا رہی تھی اندر ہی اندر رقابت کی آگ مزید بھڑکتی جا رہی تھی جو حُسن من کو سلگائے دے رہی تھی۔ اسی احساس سے سانس رُکنے لگتی تھی کہ سکندر نے سنیہا جاوید کی طلب کی تھی۔ اس سے شادی کرنے کی خواہش کی تھی مگر اپنی ماں کی وجہ سے وہ ماہم افتخار کو اپنانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس کے اندر خوش گمانیوں کی جو کونپلیں سکندر کی ایک دم نظر کرم سے پھوٹنے لگی تھیں وہ وہیں اپنی موت آپ مر گئی تھیں۔ سب جذبات مرجھا گئے تھے ان پھولوں کی طرح جو ابھی صرف کھلنے کے منتظر تھے۔ اپنے کمرے میں آئی تو بھی دل اس قدر شدید نقصان پر مچل رہا تھا سسک رہا تھا۔ وہ الماری سے اپنے نکاح کی تصاویر والا البم نکال کر بستر پر بیٹھ گئی شاید خود آزادی کی شدید ترین اذیت میں مبتلا اپنے ضبط کی حد دیکھنا چاہتی تھی۔

''نہیں سکندر میں ان چاہا سودا نہیں بنوں گی۔ مجھے یقین ہے تم مجھے پسند نہیں کرتے صرف آنٹی کی وجہ سے مجھے برداشت کر رہے ہو۔ میں تمہارے لیے صرف اور صرف مجبور ہوں۔ تمہاری آنکھوں کی چمک ہونٹوں کی مسکراہٹ یہ لگاوٹ یہ محبت سب دکھاوا ہے۔ صرف سمجھوتہ۔ تم اپنے آپ کو حقیقت پسند کہتے ہو نا۔ بس تم جو سامنے ہے اسے دیکھ رہے ہو اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی فریب میں مبتلا کر رہے ہو۔ ہمارے درمیان کچھ بھی تو نہیں ہے اور میں کتنا سمجھاتی ہوں خود کو۔ تمہاری طرف دیکھنے سے لاکھ اجتناب برتتی ہوں مگر اس دل کا کیا کروں جو تم دور ہوتے ہو تو تڑپنے لگتا ہے اور سامنے آتے ہو تو بھاگ جانے پر اُکساتا ہے۔ بتاؤ کیا کروں کیسے سمجھاؤں خود کو۔ کس طرح اس خود فریبی کے جال سے نکلوں۔ تمہاری اصلیت کیسے قبول کروں جو انتہائی تلخ ہے۔'' وہ اپنی اور سکندر کی مشترکہ تصویر پر انگلیاں پھیرتے خود سے بھی اُلجھ رہی تھی۔ پھر نہ جانے کیا ہوا تھا تصویر پکڑ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔

شام تک وہ بھٹکی ہوئی روح کی مانند نہ جانے کن کن سرابوں میں اُلجھی رہی تھی۔ افطاری کی تیاری جویریہ کر رہی تھی وہ اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی مگر توجہ بالکل بھی نہ تھی۔ ایک دو کام کر کے سارا کام جویریہ کو سونپ کر وہ باہر آ گئی۔ چھوٹے سے لان کے چکر لگانے لگی۔ تبھی سکندر کی گاڑی اندر داخل ہوئی تھی وہ وہیں رُک گئی۔ گاڑی سے نکل کر سکندر نے اسے ہاتھ ہلا کر مسکرا کر سلام کیا تھا۔ یہ تو سکندر کی شروع ہی کی عادت تھی مگر آج وہ بجائے خوش ہونے کے دُکھ کی لپیٹ میں آ گئی۔

''حیرت ہے......افطاری کا وقت قریب ہے اور تم یہاں ٹہل رہی ہو۔'' اس کی حیرت بجا تھی ورنہ روزانہ اس کی کچن میں اس وقت ادھر سے اُدھر پریڈ لگ رہی تھی جبکہ آج......''

''جی......جویریہ کچن میں ہی ہے۔''

''اوہ......اسی لیے نظر آ رہی ہو ورنہ میں سمجھا کہ......'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر مسکراہٹ دبا کر اس کے ہمراہ چلنے لگا تھا۔

''آج آپ کچھ لیٹ آئے ہیں۔'' سر جھکائے اس نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

''ہاں ایک دوست مل گیا تھا۔ کافی سارا وقت اسی کے ساتھ نکل گیا۔'' ماہم کے قدم ایک دم ٹھٹک گئے۔ رُک کر اسے دیکھا۔

''دوست مل گیا تھا یا مل گئی تھی۔'' وہ دل ہی دل میں کلس رہی تھی۔ ''آپ کے باس کی بیٹی سنیہا کا فون آیا تھا۔ آپ کا پوچھ رہی تھی۔ بہت پریشان لگ رہی تھی۔'' سکندر کے چہرے کو کھوجتے اس نے سپاٹ سی آواز میں کہا تو سکندر نے کچھ ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے چھلکتی استہزائیہ مسکراہٹ اور لبوں کی تراش میں ایک ایسا احساس ضرور تھا کہ وہ بغور دیکھنے لگا۔ وہ پل میں چہرہ چھپا گئی۔

''آ......اچھا......'' اس نے ایک گہری سانس لی...... ''کب؟''

''دوپہر کو......''

''اور تم نے کیا کہا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ ماہم نے اپنا سر جھکا کر اُٹھا کر شکایتی نظروں سے اسے دیکھا وہ ادھر ہی نظر جمائے دیکھ رہا تھا وہ پھر چہرہ جھکا گئی تھی۔

''کچھ بھی تو نہیں...... میرے پاس ہے کیا جو کچھ کہوں گی۔'' وہ تلخی سے ہنس دی سکندر کچھ نہ سمجھ سکا۔

''ایک بات کہوں؟'' جھجکتے ہوئے اجازت چاہ رہی تھی۔

''ہوں......؟''

''سنیہا واقعی بہت اچھی لڑکی ہے۔ آپ کی پسند بہت لاجواب ہے میں بہت شرمندہ ہوں کہ نہ چاہنے کے باوجود میں آپ کے درمیان آ گئی۔ ساری زندگی صرف سمجھوتے کی بنیاد پر نہیں گزاری جا سکتی۔ آپ کے لیے اسے پانا اس سے شادی کرنا کچھ مشکل امر تو نہیں تھا مجھ سے پھر یہ رشتہ کیوں جوڑا۔'' وہ سراپا سوال بنی منتظر تھی سکندر نے بے انتہا حیرت سے اسے دیکھا تو وہ ہنس دی۔

''میں نہ پہلے آپ کے رستے کی رکاوٹ بننا چاہتا تھا اور نہ اب میری خواہش ہے۔ مجھے سب علم ہے مرینہ نے مجھے سب بتا دیا تھا کہ صرف اور صرف آنٹی نسرین کی بیماری کی وجہ سے مجھ سے نکاح پر راضی ہوئے تھے۔ کاش سکندر آپ ایسا نہ کرتے۔ کاش آپ اسی پہلو پر سوچ لیتے کہ مجبوری کا تعلق کبھی پائیدار نہیں ہوتا۔ کچے دھاگے کی طرح ہوتا ہے جن کا ہر لمحہ ٹوٹ جانے کا خدشہ رہتا ہے۔ سنیہا آپ کی خواہش تھی تو پھر سے یہ تعلق جوڑنا کیوں گوارا کر لیا۔ آپ تو شاید آنٹی کی وجہ سے مجبور ہو گئے ہیں مگر میں مجبور نہیں ہوئی، میں کبھی آپ سے رُخصتی نہیں کروں گی میں آنٹی کو انکار کر دوں گی۔ آپ کو اگر آنٹی کی خفگی یا امی ابو کی ناراضگی کا خدشہ ہے تو بلیومی میں آپ پر کوئی الزام نہیں آنے دوں گی۔ ٹھنڈے دل سے سوچیئے گا۔ میں ساری عمر مروت واحسان کے تلے زندگی نہیں گزاروں گی۔'' وہ اس کے سامنے کھڑی ٹھہرے ٹھہرے ٹھوس لہجے میں کہہ رہی تھی۔ سکندر لب بھینچے اسے بغور دیکھتا صرف سن رہا تھا۔

''ماہم......تم......'' وہ رُکی تو اس نے کچھ کہنا چاہا پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لیے اس کی ساری باتیں سننے کے بعد دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔

"پلیز سکندر......" ابھی فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میرے دل و دماغ میں کیا تھا میں نے آپ پر ظاہر کر دیا ہے۔ آپ تو بہت حقیقت پسند ہیں تو پھر حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیجیے۔ میں امی ابو کو بتا دوں گی اور میرا خیال ہے آپ بھی بات کر لیں اور مجھے یقین ہے وہ میری اور آپ کی مرضی کے بغیر کبھی رخصتی نہیں کریں گے۔" ساری بات عیاں کر کے اپنے اندر کی ساری بھڑاس اس پر نکال کر وہ بغیر اس کی طرف دیکھے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ وہ وہیں رُکا ہوا تھا تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے۔

انہی تھکن زدہ اُلجھے اُلجھے فکر مندانہ دنوں میں رمضان کا دوسرا عشرہ بھی گزر گیا تھا جویریہ کی تیاری مکمل ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھی آج بھی وہ اسے گھسیٹ گھساٹ کر بازار لے آئی تھی۔ کتنی دیر تک دونوں اِدھر اُدھر خوار ہور ہی تھیں امی نے آتے ہوئے انہیں رسید تھما دی تھی کہ وہ واپسی پر جیولر کی دکان سے گولڈ کا سیٹ لے آئیں جو انہوں نے رمضان سے پہلے بننے کے لیے آرڈر دیا ہوا تھا۔ جویریہ نے ہامی بھر لی تھی۔ پہلے تو ماہم آنے پر تیار ہی نہیں تھی مگر دوسری طرف سکندر کے موبائل پر رابطہ کرنے سے جب جویریہ کو انکار سننے کو ملا تو اسے زبردستی کھینچ لائی تھی اب وہ اس کے ساتھ بُری طرح خوار ہو رہی تھی۔ جب جویریہ کا جی بھر گیا تو اسے لیے جیولر کی دکان پر آ گئی۔ فوراً مطلوبہ سیٹ لینے کے بجائے وہ پوری دکان میں موجود زیورات کو دیکھنے لگی تھی۔ ماہم کو اس کی اس عادت سے شروع سے ہی الرجک تھی اب بھی منہ پھلائے ایک طرف کھڑی رہی۔ دل ہی دل میں کوفت کا شکار ہوتے اُلجھتے ہوئے وہ باہر دیکھنے لگی یونہی اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑاتے اس کی نظر بالکل شاپ کے سامنے آ کر کھڑی ہونے والی گاڑی پر ٹھہر گئی۔ وجہ حیرت اس سے نکلنے والا کپل تھا۔ ماہم کا دل دھک دھک کرنے لگا چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت در آئی تھی فوراً لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔

"سکندر......" اس کے ساتھ موجود لڑکی کون تھی وہ آرام سے پہچان گئی تھی۔ سکندر کے البم میں "سنیہا جاوید" کی ان گنت تصاویر وہ دیکھ چکی تھی ریڈ سلک کی شرٹ بلیک کھلے پائنچوں والا ٹراؤزر، اونچی ہیل، شولڈر کٹ بالوں سمیت وہ بہت خاص منفرد اور چھا جانے والی لگ رہی تھی۔ ایک ادا سے چلتے نہ جانے وہ کتنے دلوں پر بجلی بن کر گری تھی۔

"تو یہ ہے آج کی تمہاری مصروفیت سکندر جبار......" ماہم کا دل ایک دفعہ پھر سخت گمانیوں کی زد میں آ چکا تھا۔ شاپنگ پر آنے سے پہلے جویریہ نے فون کر کے اس کی شاپنگ کے لیے لے جانے کی کتنی منتیں کی تھیں مگر اس نے صاف لفظوں میں مصروفیت کا کہہ کر انکار کر دیا تھا اور اب...... وہ دونوں دروازہ کھول کر اندر آ رہے تھے۔ ماہم نے رُخ موڑ لیا۔ اس کا پورا وجود سماعت کی آہٹ کو سن رہا تھا۔ اس نے انگلی سے اپنی آنکھوں میں چھا جانے والی نمی کو صاف کیا تھا۔

سنیہا جاوید کاؤنٹر پر کھڑی دکاندار سے نہ جانے کیا دکھانے کو کہہ رہی تھی ساتھ ساتھ اس کی نظریں اردگرد کسی کی متلاشی تھیں۔ سکندر کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ شاید دونوں کا کوئی جیولری خریدنے کا ارادہ تھا۔ درمیان میں صرف چند قدموں کا فاصلہ ہی تو تھا اگر وہ پلٹتی تو شاید یہ فاصلہ بھی مٹ جاتا۔ اسی طرح رُخ موڑے موڑے اس نے چند قدم آگے بڑھانے تھے سامنے سے سیٹ دیکھتی جویریہ اس کے قریب آ گئی تھی ماہم کے لیے اپنے آپ کو سنبھالنا بہت مشکل تھا۔

"ارے سکندر بھائی! آپ...... یہاں......" وہی ہوا تھا جس کا ماہم کو ڈر تھا۔ جویریہ کی نظر سکندر پر پڑ چکی تھی۔ وہ حیرت سے چیخی تھی۔ یکبارگی ماہم کا دل دھڑکا تھا۔ سکندر نے بھی اس کی پکار پر پلٹ کر دیکھا تھا جویریہ اور ماہم کو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔

جویریہ نے بتایا تو تھا انہیں جیولری کی دکان پر آنا ہے مگر یوں مڈبھیڑ ہو جائے گی اندازہ نہ تھا۔ سنیہا بھی متوجہ ہو چکی تھی۔ ماہم ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

''آپ تو شاید مصروف تھے نا...... بہت ضروری کام تھا نا پھر یہاں......'' وہ سنیہا پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر طنز کر رہی تھی۔ ماہم اسی دن سے تو ڈرتی تھی ایک نظر سکندر پر ڈالی۔

''ہاں واقعی میں بہت مصروف تھا...... بہت۔'' وہ سنیہا اور پھر ماہم کو دیکھ کر رہ گیا۔

''یہ کون ہے؟'' بھلا اب سنیہا کو سکندر کے ساتھ وہ کیسے برداشت کر سکتی تھی۔

''یہ سنیہا...... میرے دوست...... اور ہمارے ایم ڈی کی بیٹی۔'' اس نے مسکرا کر تعارف کروایا تھا۔ ماہم سپاٹ چہرہ لیے کھڑی رہی جبکہ سنیہا نے مسکرا کر سر ہلایا تھا۔

''اور سنیہا جویریہ ہے اور یہ ماہم...... تم سے میں نے اکثر ذکر کیا ہے نا۔'' وہ اب ان دونوں کا تعارف کروا رہا تھا۔ سنیہا نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا تھا پھر دونوں سے ہاتھ ملائے تھے خاص طور پر ماہم سے گرم جوشی کا مظاہرہ کر کے گلے بھی ملی تھی۔ وہ اندر ہی اندر خائف سی ہو گئی اس کی اس گرمجوشی پر۔

''سچی...... مجھے بڑا اشتیاق تھا۔ آپ دونوں سے ملنے کا میں سکندر کو کتنی مرتبہ کہہ چکی ہوں مگر یہ بھی بڑا ڈھیٹ ہے۔ آج بھی اتفاقیہ ملاقات ہو گئی لیکن یہ تو ہوا بھی نہ لگنے دیتا۔'' وہ سکندر کو خفگی سے دیکھتے ماہم کا ہاتھ پکڑ کر بہت اپنائیت سے گویا تھی ماہم کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس قسم کے ردعمل کا اظہار کرے۔

''مجھے اپنے لیے جیولری لینی تھی اسی لیے یہاں آئی ہوں یقیناً آپ دونوں بھی اسی لیے آئی ہوں گی۔'' ایک اور اپنائیت بھرا مظاہرہ ہوا تھا۔

''جی...... امی نے سیٹ کے لیے آرڈر دیا ہوا تھا بس وہی لینا تھا......'' جویریہ نے کہا تھا۔

''اوہ......'' سنیہا نے اپنے خوبصورت گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ سکیڑے تھے۔

''چلیں جویریہ! میرا خیال ہے اب تمہیں مزید کوئی چیز تو نہیں خریدنی...... گھر چلیں۔'' ان دونوں کو یکسر نظر انداز کیے اس نے جویریہ کو دیکھا۔

''ارے اتنی جلدی...... ٹھہرو بھئی...... اچھا ہوا تم مل گئی دیکھیں پلیز مجھے جیولری لینی ہے۔ اگر...... اگر میرے ساتھ سلیکشن میں میری مدد کروا دیں تو......'' بہت محبت اور لگاوٹ سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ تھامے وہ اس کی چپ اور چہرے کی ناگواری کو بغیر سمجھے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی تھی جہاں شوکیس میں کئی قسم کے زیورات سجے پڑے تھے۔

''پلیز سنیہا! میری سلیکشن بہت بُری ہوتی ہے۔ آپ کو خوامخواہ زحمت ہو گی۔'' بہت چاہنے کے باوجود وہ اپنے پتھریلے تاثرات کو نارمل کر پا رہی تھی۔ جان چھڑانے والا انداز تھا۔

''ارے...... تم تو اس قدر کسر نفسی سے کام لے رہی ہو۔ سکندر کو دیکھ کر تمہاری سلیکشن اپنے آپ عیاں ہو جاتی ہے۔ اور تم ہو کہ......'' پتا نہیں تعریف تھی طنز تھا کیا تھا۔ وہ بڑے خلوص سے کہتے اسے چھیڑ رہی تھی مگر ماہم اپنے دماغ میں سائیں سائیں ہوتا

محسوس ہوا۔
جویریہ بھی اپنا سامان لے کر فارغ تھی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی سکندر اس کے عقب میں آٹھہرا تھا۔ اس کے لباس کی خوشبو اسے پریشان کرنے لگی۔ اس کے لیے بہت مشکل مرحلہ آٹھہرا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے اسے سنیہا کی مدد کرنا پڑ رہی تھی۔ مختلف جیولری کے سیٹوں میں سے ایک ڈائمنڈ کے موتیوں سے سجا نفیس سا خوبصورت لاکٹ سیٹ منتخب کیا تھا جو دیکھنے میں ہی بہت قیمتی محسوس ہو رہا تھا۔
''زبردست...... بھئی بہت پیارا ہے۔ تمہاری چوائس تو بڑی لاجواب ہے۔ کیوں سکندر؟'' سنیہا سیٹ سکندر کو دکھاتے اس کی تعریف میں رطب اللسان تھی۔
''ہوں...... پسند تو واقعی لاجواب ہے مگر......'' وہ رُک گیا تھا پھر کچھ جھکا تھا اس کے کان کے قریب سرگوشی کی تھی۔
''کہتے ہیں جذباتی اور آنکھیں بند کر کے فیصلے کرنے والی خواتین کی پسند بھی بڑی جذباتی اور سطحی سی ہوتی ہے۔ مکمل ان کے اندر کی عکاسی کرتی ہوئی۔ کہنے کو بہت قیمتی سیٹ ہے مگر ہیرا تو صرف ہیرا ہی ہے نا...... جب گرتا ہے تو ٹوٹ کر چکنا چور ہو جاتا ہے۔'' مدھم سے لہجے میں کہتا وہ اس کی جان جلا گیا تھا۔ کس قدر طنز جتاتا لب و لہجہ تھا۔ جویریہ اور سنیہا نے بالکل نہیں سنا تھا۔ مگر وہ پلٹ کر سکندر کو خونخوار نظروں سے ضرور دیکھنے لگی تھی۔ اس کا دل اس کی کن پٹیوں میں سلگنے لگا تھا۔ اس شام کے بعد دونوں کا سامنا بہت کم ہوتا تھا گفتگو تو ایک بار بھی نہیں ہوتی تھی بہت لاتعلقی والی فضا قائم ہو چکی تھی ان کے درمیان۔ سکندر اسے دیکھتے ہی رُخ موڑ لیا کرتا تھا اور آج اتنے دنوں بعد ٹوٹی بھی تو زبان پھر بھی نشتر چبھو رہی تھی۔ ماہم کے اندر احساس توہین چٹکیاں لینے لگا اس توہین پر وہ ناگن کی طرح بل کھا کر رہ گئی۔
''چلیں جویریہ......'' اب وہ ایک پل بھی رُکنے کو تیار نہیں تھی۔ سنیہا نے دکاندار سے سیٹ پیک کرنے کو کہا تھا وہ صرف جویریہ کو دیکھنے لگی۔
''ٹھہرو تم دونوں۔ میں چھوڑ آتا ہوں۔ ویسے گھر ہی جانا ہے مزید کچھ خریدنے کا ارادہ تو نہیں......'' دیکھ تو وہ اسے رہا تھا مگر بات جویریہ سے کر رہا تھا اس کی جان سلگ گئی۔
''جی نہیں شکریہ...... ہم چلے جائیں گے...... آپ کو تکلف کرنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ آپ تو بہت مصروف تھے۔ اپنی مصروفیت نبھائیے جو آ سکتے ہیں انہیں جانا بھی آتا ہے۔ چلو جویریہ......'' ایک دم تلخی سے چبھتے ہوئے میں کہہ کر وہ بغیر رُکے بغیر دیکھے جویریہ کا ہاتھ پکڑ کر دکان سے باہر نکل گئی۔
''ہیں...... یہ ماہم کو کیا ہوا؟'' سنیہا اپنی جگہ حیران تھی۔ ماہم کے اس قدر ترش رویے پر وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ سکندر نے طنزیہ مسکراتے ملامتی سے سر ہلا دیا۔
''سنو...... کیا مقصد تھا تمہارا مجھے یہاں لانے کا۔ کہیں سکندر تم......'' وہ اچانک پوچھتے پوچھتے رُک گئی پھر سکندر کی طرف بغور دیکھا اس کے چہرے پر ابھی بھی طنزیہ مسکراہٹ کا عکس باقی تھا۔ یہ سیٹ تم نے سکندر...... سکندر تم'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر صرف دیکھنے لگی وہ کھل کر مسکرا دیا۔

''کچھ نہیں ہوا۔ پتا ہے محترمہ پاگل ہوگئی ہیں۔ دماغ گھوم گیا ہے۔ چاہتی ہیں جس عظیم الشان عقل کا مظاہرہ کر کے اور احمق بن رہی ہے ویسا میں بھی بن جاؤں۔'' عجیب طنزیہ لب و لہجے میں کہتے وہ سنیہا کو بھی حیرت زدہ کر گیا تھا۔

''پتا نہیں کیا کہہ رہے ہو تم...... ویسے فرینڈلی کہوں...... ماہم بہت پیاری ہے تم نے مجھے بھنک تک نہیں پڑنے دی...... سب کچھ چپ چپیتے کر لیا۔ ایک دفعہ بھی گھر لے کر نہیں گئے نہ ملوایا اور اب...... بڑے عجیب ہو تم......'' وہ ایک دم مسکرا کر کہہ رہی تھی سکندر بھی ہنس دیا۔

''ہاں...... ہاں جانتی ہوں کتنا آگاہ کیا تھا۔ میرے پرپوزل کو درمیان میں لٹکائے مجھے اور پاپا کو انگلینڈ میں فون پر اطلاع دے رہے تھے کہ محترم کا نکاح ہو چکا ہے۔'' وہ آنکھیں دکھا رہی تھی۔ سکندر ایک دم ہنس دیا۔

''بھئی کیا کرتا پھر...... مجبوری اور ایمرجنسی میں تمہیں تو صرف فون پر اطلاع دے سکتا تھا۔'' اب وہ باقاعدہ اسے چڑا رہا تھا۔ سنیہا نے اسے آنکھیں دکھاتے وہ شاپر اس کے کندھے پر دے مارا جس میں لاکٹ سیٹ تھا۔

''اب اس کی پے منٹ کرو...... اور چلو...... ابھی میٹنگ کے لیے بھی نکلنا ہے اپنے بالوں کو لاپروائی سے جھٹکتے وہ اسے حکم دے کر باہر نکل گئی تھی۔ پیچھے وہ ہونٹوں پر دل آویز، خوبصورت مسکراہٹ لیے بل پے کرنے لگا تھا۔

❖ ✿ ❖

رمضان کا تیسرا عشرہ اپنے ساتھ بے پناہ مصروفیات لے کر آیا تھا۔ سارے گھر کی صفائی دھلائی پھر نئے سرے سے سیٹنگ اور ساتھ ساتھ عید کی تیاریاں بھی۔ ماہم نے اپنے آپ کو بُری طرح گھر کے کاموں میں اُلجھا رکھا تھا شاید یہ بہت سی لایعنی تکلیف دہ سوچوں اور اُلجھنوں سے بچنے کا نسخہ تھا۔ بہر حال اس نے اپنے آپ کو بہت زیادہ مصروف کر لیا تھا۔

سکندر سے اس کی لاتعلقی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی اور سکندر بھی یہی روش اختیار کیے ہوئے تھا۔ جویریہ سے ہزار باتیں کرتا تھا مگر نظر جیسے ہی اس پر پڑتی ایک دم سپاٹ ہو جاتی تھی۔ وہ اس سے سخت بدگمان و نالاں ہو گئی تھی۔ دونوں ہی اپنے اپنے مدار میں مقید ایک دوسرے سے سخت کبیدہ خاطر تھے۔ ماہم کو یہی اذیت ہر پل ڈستی رہتی تھی کہ جب وہ خود اپنے اور اس کے تعلق کو ختم کرنے پر تیار ہے تو پھر وہ کیوں اس قدر لاتعلقی پر اُتر آیا ہے جب وہ خود راستے سے ہٹ رہی ہے تو پھر وہ یہ سب کچھ سرعام کیوں نہیں کر رہا۔ سنیہا اسے اپنے تعلقات کی بھنک اور کیوں نہیں پڑنے دے رہا۔ ایک دو دفعہ اس نے اس خود بات کرنا چاہی تھی مگر وہ کچھ سننے پر بھی آمادہ نہیں ہوا تھا۔ اول تو گھر پر ٹکتا ہی نہیں تھا۔ اگر ہوتا بھی تھا تو ایسا انداز اپنائے رکھتا تھا کہ بہت ہمت کرنے کے باوجود اس سے دوٹوک بات نہیں کر پا رہی تھی یونہی چڑتے کڑھتے دن گزر رہے تھے۔ مگر اس کا کوئی حل سامنے نہیں آ رہا تھا۔

وہ رات ساڑھے گیارہ بجے کے قریب بیٹھی سکندر کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے نکلا تھا ابھی تک واپسی کے آثار نہیں تھے۔ سب ہی سو چکے تھے۔ نیند تو بہر حال ماہم کو بھی آ رہی تھی مگر آج وہ سکندر سے بات کیے بغیر سونا نہیں چاہتی تھی وجہ دو گھنٹے پہلے آنے والا سنیہا کا فون تھا۔ بظاہر سنیہا اس سے بہت محبت اور لگاوٹ سے کتنی دیر تک باتیں کرتی رہی تھی مگر وہ اس دوران کس قدر اذیت میں مبتلا رہی تھی یہ صرف وہ ہی جانتی تھی۔ کال بیل ہوئی تھی تو وہ میگزین ایک طرف رکھ کر باہر نکل آئی اپنے گرد شال اچھی طرح لپیٹ کر گیٹ تک آئی تھی۔

''کون؟'' حفظ ماتقدم کے طور پر پوچھا تھا۔

''میں......سکندر......'' اس نے گیٹ کھول دیا وہ اندر آ گیا۔

''کہاں تھے؟'' اندر آ کر لاؤنج کے صوفے پر بیٹھا تو وہ بھی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ سکندر جواب دینے کے بجائے اسے دیکھنے لگا۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے؟'' اس کے یوں گھورنے پر جھنجھلا کر ٹوکا تو وہ کالر کے بٹن کھولتا کف اُلٹا کر آنکھیں بند کر گیا۔

''کہاں ہونا چاہیے تھا مجھے؟'' اُلٹا سوال کیا گیا تھا۔ وہ لب بھینچ گئی۔

''میں کیا جانوں آپ کی پرسنل سیکرٹری تو نہیں جو آپ کے اوقات کار سے آگاہ ہوں گی۔ یہ تو آپ ہی بہتر جانتے ہیں کہ آپ کہاں ہوتے ہیں؟'' اس کے سامنے ہی صوف پر بیٹھے کڑوے لہجے میں کہا تو سکندر نے آنکھیں وا کر کے اسے تاسف بھری ملامتی نظروں سے گھورا تھا۔

''بہت سطحی سوچ ہے تمہاری......'' وہ جواباً صرف یہی کہہ سکا تھا۔

''چلیں...... سطحی سوچ ہی سہی...... کم از کم جو دل میں ہوتا ہے سامنے تو لاتی ہوں منافقت تو نہیں کرتی...... چوری چھپے کچھ نہیں کرتی اور نہ ہی کسی کی لگی لپٹی رکھتی ہوں۔'' اس نے بہت تلخی سے جواب دیا تھا۔ وہ ایک دم آؤٹ ہو گیا تھا۔

''شٹ اپ......'' وہ اگلے ہی لمحے لب بھینچ گیا۔ پھر بہت کڑی نظروں سے اسے گھورا۔ ''مائنڈ یور لینگویج ماہم! حد ہوتی ہے تنگ نظری کی بھی......'' وہ صرف اسے فہمائشی نظروں سے گھور رہا تھا۔ کچھ دیر بعد رُک گیا۔ اپنے اوپر ضبط کرتا رہا۔

''ہوں......آج لڑنے کا ارادہ ہے کیا؟''

اپنے اوپر مکمل کنٹرول کر کے براہِ راست اس کی کھلی آنکھوں میں جھانکا تو وہ پل کو نظریں پھیر گئی تھی۔

''نہیں جی میرا فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ آج آپ کی امی آئی تھیں ابو اور امی سے رُخصتی کی ڈیٹ فکس کرنے کی بات کی ہے انہوں نے۔''

''تو پھر کرنے دو نہ انہیں...... ظاہر ہے یہ تو ہونا ہی ہے۔'' اپنی طرف سے ماہم نے بہت بڑی خبر اسے دے دی تھی مگر ادھر سے مکمل سنجیدگی سے جواب موصول ہوا تھا وہ ہکا بکا دیکھتی رہی پھر ایک دم مشتعل ہو گئی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا...... کرنے دو...... حد ہوتی ہے برداشت کی بھی۔ آپ سب کو دھوکہ دے سکتے ہیں کم از کم مجھے نہیں...... میں ایسا بالکل نہیں چاہتی بس میری صرف یہی خواہش ہے کہ آپ اس سلسلے میں چپ رہنے کی بجائے کوئی فیصلہ کن قدم اُٹھائیں۔'' غصے سے وہ کہہ رہی تھی۔ سکندر نے ایک گہری سانس لی۔

''مثلاً کیسا قدم......'' سکندر کے ٹھنڈے دھیمے انداز میں مطلق فرق نہیں آیا تھا۔

''آپ سنیہا سے محبت کرتے ہیں اور وہ آپ سے...... تو پھر اپنے گھر والوں سے صاف صاف بات کیوں نہیں کرتے۔ اس معاملے کو لٹکا کیوں رہے ہیں۔ جبکہ مزید آپ مجھے بھی اُلو بنا رہے ہیں۔ آخر ان سب کا کیا مقصد ہے؟'' وہ اس وقت خود کو بہت بے بس سا محسوس کر رہی تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا ورنہ سکندر کا نہ جانے کیا حشر کر ڈالتی۔

''تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں سنیہا سے محبت کرتا ہوں یا وہ مجھ سے کرتی ہے۔'' اسی دھیمے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس نے پوچھا تھا ماہم اسے دیکھنے لگی۔

''تو کیا آپ اسے پسند نہیں کرتے؟ کیا یہ جھوٹ ہے؟ کیا آپ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے؟ آپ نے خود مجھ سے سنیہا کے متعلق آنٹی اور امی سے بات کرنے کی خواہش ظاہر نہیں کی تھی؟ کیا یہ بھی جھوٹ ہے کہ آپ سرے سے اس نکاح پر راضی ہی نہ تھے وہ بھی عین نکاح کے وقت اچانک آنٹی کی طبیعت خراب ہوتی تو شاید......'' وہ ایک دم اپنی ڈبڈباتی آنکھیں لیے اپنے ضبط کو مزید چھلکنے سے بمشکل روک پائی تھی۔ بڑی شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ جو بہت مطمئن اس پر نظریں گاڑھے ہوئے تھا۔

''میں سنیہا کو پسند کرتا ہوں یہ واقعی ہی جھوٹ نہیں ہے میں نے اس شادی کی خواہش ظاہر کی تھی اس میں بھی جھوٹ نہیں ہے۔ میں نے تم پر زور دیا کہ تم امی اور آنٹی وغیرہ سے سنیہا کے سلسلے میں بات کرو تو یہ بھی سچ ہے مگر یہ بالکل سچ نہیں ہے کہ تم سے نکاح کے سلسلے میں مجھ پر کوئی جبر زور زبردستی کی گئی تھی۔ میرے ساتھ کوئی مجبوری نہیں ہوئی۔ تم میرے اور سنیہا کے متعلق کیا جانتی ہو۔ کچھ بھی تو نہیں...... ہمارا ریلیشن کس سطح کا ہے تم بالکل لاعلم ہو...... تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میرے ساتھ کوئی مجبوری نہیں میں کبھی بھی آئیڈیل پسند نہیں رہا۔ ہاں اپنی شریک سفر کے لیے کچھ اچھی خواہشات وجذبات ضرور دل میں رکھتا ہوں مگر وہ قبل از وقت ظاہر کرنا میرے لیے بہت ناپسندیدہ امر ہے مگر خیر تم......'' وہ رُک گیا تھا ایک اچٹتی نظر بالکل خاموش کچھ حیرت زدہ بیٹھی ماہم پر ڈالی اور پھر سر جھٹکا۔

''تم نے امی کو سنیہا کے متعلق بتا دیا اور امی نے مجھ سے پوچھا انہوں نے کیا پوچھا یہ ایک علیحدہ ٹاپک ہے۔ بس امی نے مجھے اپنی خواہش کا بتایا تھا میرے سامنے سنیہا یا تمہارا نام رکھا تھا چونکہ میرے خواہش کا احترام کیا تھا۔'' وہ رُک گیا ایک نظر اسے دیکھا وہ سر جھکا گئی۔

''ماہم والدین کی خواہش کا احترام کرنا کیا جرم ہے؟ اگر واقعی یہ جرم ہے تو اس معاشرے میں پچانوے فیصد شادیاں ارینج ہوتی ہیں اور سب لوگ تو نہیں مگر بہت سے لوگ ایک اچھی خوشگوار زندگی گزارتے ہیں۔ ان بیچاریوں پر مجبوری کا جرم کیوں نہیں عائد کرتی تم...... مجھ ناتواں کی جاں ہی کیوں مشکل میں ڈالی ہوئی ہے تم نے، صرف اس لیے تم میرے یا سنیہا کے متعلق جانتی ہو لیکن کس حد تک؟ کبھی غور کیا ہمارے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ اس کی وضاحت کردو۔ ذہن میں کچھ تو خاکہ بنایا ہوگا تم نے پھر ہوسکتا ہے میں تمہارے کہنے پر سنیہا سے شادی کرلوں۔'' وہ طنز پر طنز کرتا ناراضگی، خفگی بھرے تاثرات لیے اس کی ہر سوچ کی تردید کررہا تھا وہ اپنی جگہ چور سی بنتی جارہی تھی۔ اس کے ہر خیال کی تردید ہورہی تھی۔

''تمہارا مسئلہ پتا ہے کیا ہے ماہم! تمہارے نزدیک اپنی ذات، اپنے احساسات اور اپنی خودداری وانا کے سوا کوئی چیز اہم نہیں ہے۔ انتہائی احمق اور بد اعتماد لڑکی ہو تم...... ٹھیک ہے مجھے تم سے نہ ہی کوئی افلاطونی قسم کا عشق ہوا ہے اور نہ محبت مگر کمٹ منٹ بھی بہت بڑی چیز ہوتی ہے۔ میرا تم سے نکاح ہوا ہے تم نے میرے نام منسلک ہوکر میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہو۔ مگر اس اہمیت کو جتانے کے لیے میں تم سے ہزاروں فلرٹ لوگوں کی طرح بیہودہ ڈائیلاگ بازی کروں کیا یہ ضروری ہے۔ کیوں جذبے

رشتے ان الفاظ کا سہارا لیے بغیر اپنی حیثیت نہیں منوا سکتے؟'' وہ بہت نروٹھے پن سے کہتا پوچھتا تھا۔ ماہم نے کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ ساتھ چھوڑ گئے۔ ایسا تو اس نے کبھی بھی نہیں چاہا تھا اور سکندر نے اس کی سوچوں کو کس قدر غلط معنی پہنائے تھے۔ ہاں یہ سچ تھا کہ اسے اپنے جذبوں کے علاوہ کچھ اور سوجھتا ہی نہ تھا مگر وہ جذبات کی ماری لفظوں کی متلاشی لڑکی تو کبھی بھی نہیں تھی اور سکندر کا تجزیہ...... وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ لفظ ہونٹوں پر آ آ کر پلٹ گئی۔

''تمہیں جو بھی خدشات لاحق ہیں وہ صرف اور صرف تمہاری اپنی ذہنی اختراع کا نتیجہ ہیں، سنیہا جاوید سے میری کمٹمنٹ کبھی نہیں رہی۔ ہم دونوں یونیورسٹی فیلو تھے اور بائے چانس مجھے اس کے فادر کی کمپنی میں جاب مل گئی اور پھر یہاں سے ہی ہماری دوستی کی ابتدا ہوئی تھی۔ وہ ایک ملنسار، سلجھی ہوئی پُرخلوص اور مخلص سی لڑکی ہے۔ ہمارے درمیان پسندیدگی بھی صرف دوستی کی حد تک ہے اور کچھ بھی نہیں۔ چونکہ میری بطور خاص سنیہا سے دوستی تھی اسی لیے سنیہا کے فادر جاوید صاحب مجھے خاص اہمیت دینے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ ہم دونوں دوستی سے ہٹ کر ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ اگر انہیں اپنے اسٹیٹس اور مرتبے کا خیال ہوتا تو وہ میرے بارے میں کبھی نہ سوچتے مگر اُلٹا ہوا، سنیہا کو تو نہیں البتہ جاوید صاحب کو میں ان کی چہیتی لاڈلی بیٹی کے لیے پسند آ گیا۔ انہوں نے مجھے خود پروپوزل پیش کر دیا اور میں تو حیران تھا ابھی میرے ذہن میں اپنی آئندہ زندگی کے لیے کوئی پلاننگ نہ تھی سنیہا اچھی لڑکی تھی۔ کسی بھی لڑکے کی آرزو ہو سکتی تھی اسی لیے میں نے تم سے بات کی تھی کہ تم امی اور آنٹی سے بات کر لینا مگر اس کا اُلٹا اثر ہوا۔ اور شاید یہی میری غلطی ہے کہ ایک ساتھ رہنے، ایک گھر میں زندگی گزارنے زندگی کے سارے مدارج اکٹھے طے کرنے کے باوجود میں نے تمہیں غلط جج کیا تھا۔ بعد میں جو بھی ہوا اس سے تم لاعلم نہیں ہو مجھے افسوس ہے تو صرف اس بات پر کہ تم نے مجھے غلط جج کیا ہے۔ بعض اوقات جو نظر آتا ہے وہ حقیقت نہیں ہوتا۔''

وہ شاک زدہ سی بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔

''ماہم مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں نے امی کی خواہش پر سنیہا کی بجائے تمہیں منتخب کیوں کیا...... اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ تم اس قدر شقی القلب، تنگ نظر سی لڑکی ہو تو شاید......'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا ماہم نے صرف اسے دیکھا۔

''بہر حال...... اس سارے قصے میں یہ تو ہوا کہ مجھ پر تمہاری ناپسندیدگی کھل کر واضح ہوگئی ہے۔ چلو کچھ نہ کچھ تو ازالہ ہو ہی جائے گا۔ اگر تم رُخصتی پر آمادہ نہیں تو کوئی زبردستی نہیں...... میں امی کو منع کر دوں گا...... مگر اب مجھ سے کسی بھی قسم کی اُمید مت رکھنا اور نہ ہی میرے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانا۔ تمہارے والدین مجھ پر ہر بہت بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں۔ چاہے کسی بھی ناطے سے ہی میں انہیں اپنی طرف سے کبھی ہرٹ کرنا نہیں چاہوں گا۔ البتہ تم آزاد ہو'' اپنی پینٹ کی جیبوں میں دونوں ہاتھ ڈال کر تلخی سے اسے سب باور کرواتا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا جبکہ وہ اب بھی حیران و ششدر بیٹھی ہوئی تھی۔

ملال کے لمحے اس قدر کثافت لیے ہوئے تھے کہ اگلے تین چار دن گزرنے کے باوجود بھی وہ خود کو سنبھال نہیں پائی تھی۔ حزن و ملال کی گہری لپٹ میں اٹا دل کسی بھی طور پر اب سنبھلنے کو نہیں تھا۔ پہلے یہ بات دُکھ دیتی تھی کہ وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے کسی اور کو چاہتا ہے مگر اب جب سے حقیقت کھلی تھی وہ اپنی ذات کا اعتماد بھی کھو بیٹھی تھی۔ دُکھ جب کسک بن جائے تو دیمک کی طرح دل کو چاٹنے لگتا ہے اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا اپنی خودساختہ غلط فہمیوں پر ملال و شرمندگی کی کہر اس قدر دبیز تھی کہ سکندر کا

سامنا کرنے کی بھی اس کے اندر ہمت نہ تھی وہ اسے کیا سمجھ رہا تھا ایک جذبات واحساسات کی ماری ہوئی لڑکی جسے لفظوں کے اظہار کی ضرورت تھی۔ یہ گھاؤ اس قدر گہرا تھا کہ وہ اندر سے ٹوٹتی چلی جا رہی تھی۔ محبت کرنا اس قدر مشکل امر نہیں مگر اس کی شدتوں آزمائشوں کو برداشت کرنا یقیناً بہت حوصلے کا کام ہے ماہم میں نہیں تھا نتیجتاً تین دنوں کی ٹینشن اور اندرونی توڑ پھوڑ نے اسے بیمار کر ڈالا تھا۔

تین دن وہ سست سی ہو کر رہ گئی تھی۔ کل سے بخار تھا۔ صبح سحر کے وقت امی ابو جویریہ نے اسے روزہ رکھنے سے منع کیا تھا۔ مگر وہ نہیں مانی تھی۔ عصر کے قریب جب وہ نماز ادا کرنے بستر سے اُٹھی تو سر چکرا رہا تھا۔ ٹانگوں میں گویا جان ختم ہو گئی تھی بعض اوقات اندر کی گھٹن باہر نکل کر انسان کو یونہی شکست سے دوچار کر دیتی ہے جیسے تیسے نماز ادا کر کے اپنا بخار سے پھنکتا درد سے چور ہوتا وجود لیے بستر پر لیٹی تو نسرین آنٹی جویریہ کے ہمراہ اندر داخل ہوئیں۔

''ارے...... کیا ہوا میرے چاند کو......'' جویریہ نے ہی انہیں فون کر کے اس کی علالت کی اطلاع دی تھی۔ جواباً وہ یہاں دکھائی دے رہی تھیں انہوں نے براہِ راست پوچھا تھا۔ اس قدر والہانہ محبت کے مظاہرے پر ماہم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ انہوں نے پیشانی پر پیار کیا تو وہ کٹ سی گئی۔

''کتنی بُری ہوں میں، سب خلوص کو دکھاوا گردانتی۔ غلط معنوں میں دیکھتی رہی۔ آنٹی کی محبت ومروت کو احسان و بھیک سمجھتی رہی۔'' اس کا دل بھی رو رہا تھا۔ اُٹھ کر بیٹھنا چاہا تو آنٹی نے روک دیا۔

''لیٹی رہو...... دیکھو کتنی سی شکل نکل آئی ہے میری بیٹی کی...... ارے کسی کو فکر ہی نہیں......'' امی کو اندر آتے دیکھ کر انہوں نے دُہائی دی تو وہ مسکرا دی۔

''نہیں آنٹی! میں نے سحری کے وقت میڈیسن لی تھی۔ ظاہر ہے بخار اثر تو دکھائے گا اپنا۔''

''جانتی ہوں کیسی دوائی لی ہو گی تم نے...... اور زہرہ تم نے بھی خیال نہیں رکھا میری بیٹی کا۔'' وہ اب امی سے اُلجھ رہی تھیں، امی اور جویریہ ہنس دی تھیں امی اس کو لاپرواہیاں گنوانے لگی تھیں وہ سر منہ لپیٹے ہنستی رہی۔

''یہ سکندر رہے کہاں؟ میں کب سے آئی بیٹھی ہوں نظر نہیں آیا۔'' ایک گھنٹے بعد انہیں خیال آیا تو پوچھا۔ جبکہ امی کچن میں چلی گئی تھیں۔

''پتا نہیں...... صبح آفس کے لیے نکلے تھے ابھی تک گھر نہیں لوٹے۔'' جویریہ نے بتایا تھا وہ تو خاموش تھی۔

''اچھا...... مگر اس کی آفس ٹائمنگ چار بجے تک ہے ناں...... پھر اتنی دیر کیوں؟''

''پتا نہیں...... آج کل تو وہ گھر پر صرف سونے اور روزہ افطار کرنے آتے ہیں ورنہ فرصت ہی نہیں ہوتی اگر کبھی گھر میں آ بھی جائیں تو اپنے کمرے میں بند رہتے ہیں۔ سکندر بھائی اب بہت بور کرنے لگے ہیں۔ ذرا بھی خیال نہیں کرتے۔'' جویریہ جو کہ اس کی بیماری اور دوسرا سکندر کے گھر کی جانب سے لاتعلقی پر سخت نالاں تھی کہے بغیر نہ رہ سکی۔ آنٹی بھی حیران ہوئیں مگر پھر کچھ سوچ کر چپ ہو گئیں۔ افطاری کے قریب وہ گھر آیا تو سامنے ہی لاؤنج میں امی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

''آپ...... السلام علیکم......'' وہ فوراً مؤدب سلام بجا لایا تھا۔

''وعلیکم السلام...... خیر سے یہ تمہارے گھر آنے کا وقت ہے......'' انہوں نے فوراً ٹوکا تو وہ سر کھجاتا شرمندہ سا ہو گیا۔
''وہ بس...... آفس کے کام میں دیر ہو جاتی ہے۔'' اس وقت یہی بہانہ سوجھا تھا امی نے اسے خاموش نظروں سے دیکھا۔
مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد وہ فوراً گھر لوٹا تھا وجہ امی کی آمد تھی وہ انہیں کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ ابھی کھانا کھا کر فارغ ہوا تھا کہ امی اس کے کمرے میں ہی اس کے ساتھ چلی آئیں۔
''جانتے ہیں کہ میں آج کیوں آئی ہوں۔''
انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا وہ خاموش رہا۔
''ماہم کی طبیعت خراب تھی ایک تو وجہ یہ تھی مگر اصل مقصد یہی ہے کہ تم نے رُخصتی کی ڈیٹ فکس کرنے سے کیوں انکار کیا ہے۔ یہ شادی بچوں کا کھیل تو نہیں جو تم یوں مذاق میں ٹال رہے ہو آرام سے بتاؤ انکار کی اصل وجہ کیا ہے؟''
''میں نے انکار نہیں کیا...... بلکہ ماہم ایسا نہیں چاہتی۔'' سکندر نے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔ امی کو حیرت ہوئی۔
''ماہم...... مگر کیوں؟''
''امی وہ انتہائی احمق لڑکی ہے سمجھتی ہے کہ میں نے آنٹی اور خالو کی محبت میں ان کی پرورش کا بدلہ چکانے کے احسان کے لیے اسے اپنایا ہے اور یہ کہ میں سنیہا میں انوالو ہوں۔'' اس نے صاف بات کی تھی۔
''ہیں...... یہ ماہم سمجھتی ہے۔'' وہ بے یقین تھیں۔ ''یہ بھلا کیا بات ہوئی؟ میں ماہم کو اتنا کم عقل تو نہیں سمجھتی تھی۔'' انہیں یہ بات کسی بھی طور پر ہضم نہیں ہو رہی تھی۔
''آپ کو کیا پتہ وہ اس سے زیادہ کم عقل ہے۔ بلکہ وہ تو سرے سے اس رشتے سے راضی ہی نہیں۔'' امی حیرانی سے دیکھے گئیں۔
''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ اُلجھ رہی تھیں۔
''یہ تو آپ اسی سے پوچھیں۔'' سکندر کا لہجہ تلخ سا تھا ماما نے اسے گھورا۔
''یہ تو میں اس سے پوچھ ہی لوں گی۔ پہلے یہ تو بتاؤ تم نے اسے کچھ کہا تو نہیں۔''
''میں نے...... کیوں؟ میں بھلا اسے کیوں کچھ کہوں گا۔'' سکندر نے روکھے پن سے کہا۔
''تو پھر وہ بیمار کیوں ہو گئی ہے کل سے بخار میں پھنک رہی ہے ابھی بھی اس قدر بخار ہے۔''
''اب آپ مجھ پر شک کر رہی ہیں...... بھلا اس کی بیماری سے میرا کیا تعلق؟ وہ بیمار تھی یہ تو اسے بھی دکھائی دے رہا تھا مگر اس قدر حالت خراب ہو گی اندازہ نہ تھا کچھ تشویش تو بہر حال اسے بھی ہوئی تھی مگر نظر انداز کر گیا۔
''تعلق ہے یا نہیں...... مگر خیال رکھو وہ بیوی ہے تمہاری، خیال تو رکھنا چاہیے تھا تمہیں...... جو یہ سے شکایتیں سنی ہیں میں نے تمہاری...... گھر سے کتنی کتنی دیر باہر رہتے ہو۔'' انہوں نے آخر میں خفگی سے کہا تو وہ دیکھ کر رہ گیا۔
''دیکھو سکندر! افتخار بھائی کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ وہ تمہیں بیٹوں کی طرح چاہتے ہیں زہرہ اور افتخار ہر وقت مسکراتے رہتے ہیں مگر بیٹے کی کمی ان کو اندر ہی اندر خوفزدہ ضرور رکھتی ہے۔ اسی لیے میں نے تمہیں ان کے ہاں رہنے دیا تھا۔ سنیہا سے تم بے شک

شادی کرتے مجھے قطعی دُکھ نہ ہوتا مگر میں نہیں چاہتی تھی کہ زہرہ وغیرہ کے دل میں کوئی بات آئے۔ وہ صرف تمہیں اپنا بیٹا کہتے ہی نہیں اصل میں سمجھتے بھی ہیں، اسی لیے میں نے تمہارے اور ماہم کے نکاح کا فیصلہ کیا تھا مجھے علم ہے اندر ہی اندر وہ ہر وقت خوفزدہ ضرور رہتے تھے کہ کہیں تم اپنی پسند کی شادی کرلو اور انہیں بھول جاؤ۔ وہ تم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اس لیے یہ سب کیا تھا۔''

''میں سب سمجھتا ہوں امی! میں تو کبھی سنیہا کو اس نظر سے دیکھتا بھی نہیں وہ تو اس کے فادر نے پرپوزل دیا تھا میں نے آپ سے بات کی جہاں تک ماہم کی بات ہے تو اس کی سوچ سے مجھے واقعی بہت دُکھ ہوا ہے۔''

''اچھا...... چلو اُٹھو...... ماہم کو میں دیکھ لوں گی۔ اس کی ساری غلط فہمیاں رفع کردوں گی تم اس وقت اسے لے کر ڈاکٹر کے پاس جاؤ بہت بخار ہے اسے۔'' امی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ویسے سکندر...... مجھے بہت افسوس ہوا یہ جان کر تم گھر میں لاتعلق رہنے لگے ہو۔ بہت دُکھ کی بات ہے ماہم کوئی غیر تو نہیں تمہاری اپنی بیوی ہے تمہیں خود احساس ہونا چاہیے تھا۔ بجائے میرے کہنے کے......'' آخر میں انہوں نے اسے شرمندہ کردیا تھا۔ تین چار دن سے اس نے سرد مہری کی جو چادر اوڑھ رکھی تھی اب امی کے یوں احساس دلانے پر چھٹکنے لگی تھی۔

''امی! آپ پلیز ماہم سے کچھ نہیں کہیں گی۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ میں خود نمٹ لوں گا۔ آپ اسے کچھ نہیں بتائیں گی۔ ابھی بہت سے حساب ہیں جو مجھے بے باق کرنے ہیں۔'' آخری جملہ اس نے ذرا آہستہ کہا تھا امی نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''کیا کرو گے تم؟''

''پتہ نہیں...... مگر امی اس کی سوچ سے مجھے بہت تکلیف پہنچی ہے کم از کم اتنی تکلیف کا احساس اسے بھی ہونا چاہیے نا۔'' عجیب منطق تھی سکندر کی وہ مسکرادیں۔

''اچھا دیکھوں گی کیا کرنا ہے مجھے...... تم گاڑی نکالو۔ میں ماہم کو لے کر آتی ہوں۔'' اسے کہہ کر وہ چلی گئی تھیں۔ وہ بھی چابی اُٹھائے باہر نکل آیا۔

وہ گاڑی میں بیٹھی تو امی نے دروازہ بند کردیا

''دھیان سے چیک اپ کروا کر لانا۔'' خاص تاکید کے ہمراہ دونوں کو رُخصت کیا تھا۔

سارا راستہ دونوں کی خاموشی رہی تھی۔ ڈاکٹر سجاد کے کلینک وہ اکثر پہلے بھی آتی رہتی تھی چیک اپ کروا کے میڈیسن لے کر وہ دوبارہ گاڑی میں آبیٹھے۔ میڈیسن والا شاپر ڈیش بورڈ پر رکھ کر سکندر نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ بائیں ہاتھ سے گاڑی ڈرائیو کرتے بائیں ہاتھ سے اس نے کیسٹ لگایا تھا۔ گاڑی میں مدھر سروں سے گلوکار کی آواز گونجنے لگی تھی۔

کہو اک دن کہ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے سب کچھ تمہارا ہے

کہو اک دن کہ......

ماہم نے ایک دم پہلو بدلا تھا۔ کن اکھیوں سے اسے دیکھا جو سامنے دھیان رکھے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

ستارا سی جنہیں کہتے ہو وہ آنکھیں تمہاری ہیں

جنہیں تم شاخ سی کہتی ہو وہ بانہیں تمہاری ہیں
جنہیں تم پھول سی کہتے ہو وہ باتیں تمہاری ہیں
کہوایک دن کہ جو کچھ بھی......

ماہم نے پھر اسے دیکھا وہ متوجہ کب تھا اسٹیئرنگ پر دھرے اس کے مضبوط ہاتھوں کی اُنگلیاں اسٹیئرنگ ویل پر بج رہی تھیں۔

کہواک دن کہ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے سب کچھ تمہارا ہے
اگر سب کچھ یہ میرا ہے تو سب کچھ بخش دواک دن
وجود اپنا مجھے دے دو محبت دواک دن
میرے ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھے روح کھینچ لواک دن

ماہم نے ایک دم ہاتھ بڑھا کر ٹیپ ریکارڈ بند کر دیا تھا۔ سکندر نے چہرے کا رُخ موڑا۔ بہت برہمی سے اسے دیکھا۔

''میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' اس کی نظروں میں ایسی ہی تپش تھی وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

سکندر نے ایک نظر ڈالنے کے بعد پھر چہرے کا رُخ موڑ لیا تو وہ اندر ہی اندر کٹنے لگی۔ اس کی خفگی اس کے لیے سوہانِ روح تھی۔ آنکھوں میں بے اختیار نمی اُتر آئی۔

''س......س...... سکندر!'' بہت ہمت کر کے وہ اسے مخاطب کر پائی تھی۔ اس نے اسے ایک پل کو دیکھا تھا۔''ایم سوری......'' بھرائی ہوئی آواز میں وہ صرف یہی کہہ سکی۔

''فارواٹ......'' سکندر کا لہجہ سپاٹ سا تھا ماہم کا دل سکڑ سا گیا۔

''اپنے رویوں پر...... میں بہت شرمندہ ہوں۔''

''جسٹ اے منٹ ماہم......'' اس سے پہلے وہ کچھ کہتی سکندر نے اسے روک دیا تھا۔

''تم کیوں شرمندہ ہو...... اچھی بات نہیں اس طرح مجھے تمہارے خیالات سے آگاہی ہو گئی ہے۔''

''بھئی میں نے جان لیا ہے کہ تم مجھ سے کس قسم کی توقعات وابستہ کیے ہوئے ہو۔ ہاں رُخصتی کی بات میں نے امی کو منع کر دیا ہے بے فکر رہو۔ احسان و مروت کی آڑ میں تمہیں کوئی بھی میرے پلّے نہیں باندھے گا۔''

الفاظ تھے کہ تیر جو سیدھے دل میں پیوست ہوتے گئے تھے۔ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے شاید وہ اس سے بہت زیادہ ناراض ہو چکا تھا۔ دل کٹ کر رہ گیا۔ سکندر کے چپ ہونے پر گاڑی میں اس کے رونے کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ گاڑی سگنل پر رُکی تو ایک دس بارہ سال کا بچہ ہاتھوں میں پھولوں کی ٹوکری لیے ان کے گاڑی کے شیشے پر جھکا۔

''صاحب...... تازہ پھول لے و...... نئے تازہ ہیں۔'' پھولوں کی ٹوکری آگے کیے کہہ رہا تھا ماہم نے ہاتھ کی پشت سے اپنا چہرہ صاف کیا۔ نظر لڑکے کی طرف ڈالی جو ٹوکری سے موتیے کے پھول نکال نکال کر دکھا رہا تھا۔

''بھئی میں کیا کروں گا ان پھولوں کا......'' سکندر نے اُکتاتے ہوئے کہا ماہم کے دل کو کچھ ہوا۔ پھول وہ بھی موتیے کے

اس کی کمزوری تھے مگر وہ ایک نظر پھولوں کو اور ایک نظر سکندر کو دیکھ کر رہ گئی جس کے چہرے پر بیزاری کی تحریر واضح پڑھی جا سکتی تھی۔

''صاحب بیگم صاحبہ کے لیے لے لو۔ یہ گجرے ہیں تازہ ہیں بیگم صاحبہ کے ہاتھوں میں بہت زیادہ سجیں گے۔'' وہ لڑکا سکندر کو آمادہ کر رہا تھا ماہم ایک دم نظریں پھیر گئی۔

''کیوں بھئی زبردستی ہے کیا؟ تمہارے یہ گجرے یہ پھول بک نہیں رہے کیا؟'' سکندر نے مذاقاً پوچھا تھا۔

''نہیں صاحب جی! یہ بات تھوڑی ہے۔ بک جاتے ہیں مگر تھوڑی دیر لگتی ہے۔ یہ تو اپنی روزی ہے مگر جس دن جلدی بک جائیں میں جلد گھر چلا جاتا ہوں اور جس دن نہ بکیں دیر ہو جاتی ہے۔ اماں راہ تکتی رہتی ہے۔ صاحب جی یہ تھوڑے سے رہ گئے ہیں...... لے لو......'' وہ بڑے انداز میں اسے قائل کر رہا تھا۔ سکندر مسکرا دیا ایک نظر اس کی ٹوکری پر ڈالی جہاں واقعی ہی تھوڑے پھول اور گجرے تھے۔

''لاؤ بھئی دے دو...... یہ سارے ہی دے دو...... بھئی تمہاری تو روزی کا سوال ہے اور ہمارا کیا ہے آ کر کسی کا دل خوش ہو جائے۔'' لڑکے کی بات پر ہنستے اس نے والٹ نکالا تھا۔

''کتنے پیسے ہوئے؟'' سکندر نے شاپر تھام کر ڈیش بورڈ پر رکھا تھا۔

''صاحب جی پچاس روپے۔'' سکندر نے سر ہلا کر سو کا نوٹ نکال کر اسے تھمایا تھا اسی دوران سگنل بھی کھل گیا تھا۔ پیچھے سے گاڑیوں کے ہارن بھی گونجنے لگے تھے سکندر نے فوراً اسٹیئرنگ سنبھالا۔

''صاحب جی باقی پیسے......'' وہ لڑکا کہہ رہا تھا سکندر نے جلدی سے گاڑی آگے بڑھا لی تھی۔ پیچھے کھڑا لڑکا آوازیں دے رہا تھا۔ مگر سکندر نے جیسے سنی ہی نہیں تھی ماہم خاموشی سے چپ چاپ ساری کارروائی دیکھتی رہی تھی۔ گاڑی گھر کے پورچ میں رُکی تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ سب ڈرائنگ روم میں تھے وہ سیدھی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ بستر پر بیٹھی تو لگا بہت دور کا سفر طے کر کے آئی ہو۔ سکندر کی ہم سفری میں گزرے پل اس پر اسی قدر بھاری ہوتے تھے۔ وہ بیڈ کی پشت پر کمر ٹکائے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی جب اسے اپنے اردگرد بہت مانوس سی خوشبو محسوس ہوئی تھی۔ ماہم نے تڑپ کر آنکھیں وا کی تھیں۔ سامنے ہی وہ اپنا بھرپور سراپا لیے بڑے انہماک سے تک رہا تھا اس کے دیکھ لینے پر بھی نظروں کا ارتکاز نہیں ٹوٹا تھا۔ وہ فوراً سیدھی ہو گئی تھی۔ تبھی وہ دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتا بستر پر اس کے قریب ہی آ بیٹھا تھا وہ مزید اپنے آپ میں سمٹ سی گئی تھی۔ تھوڑی دیر قبل کس قدر روکھا پھیکا سا دل شکن انداز تھا۔ اس کی نظریں خود بخود جھک گئی تھیں۔ اس مانوس سی خوشبو نے اس کے وجود کو اپنے حصار میں لینا شروع کر دیا تھا۔

''تم اپنی میڈیسن گاڑی میں ہی چھوڑ آئی تھیں۔'' سنجیدہ لہجے میں کہہ رہا تھا ماہم کی نظر اس کے ہاتھوں پر گئی جہاں میڈیسن کے شاپر کے علاوہ کچھ اور بھی تھا۔ میڈیسن والا شاپر ٹیبل پر رکھ کر وہ پھولوں والا شاپر کھولنے لگا۔

''تمہیں میرا ان کو پہننا ناگوار گزرے اور شاید اچھا بھی لگے مگر میں ان پھولوں کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ وہ پھولوں والا بیچارہ یہ تمہارے لیے ہی دے رہا تھا اب بیچارے کو کیا علم کہ بیگم صاحبہ ابھی آدھی بیگم ہیں۔'' طنز تھا یا مذاق وہ قطعی سمجھنے سے قاصر

تھی۔ نرمی سے ماہم کا ہاتھ تھامتے گجرا پہناتے اس نے اس کی آنکھوں میں بھی جھانکا تھا۔

وہ نظر پھیر گئی تھی۔ چہرے پر سوائے سپاٹ سے تاثرات کے کچھ بھی نہ تھا۔ کوئی لطیف سی شرارت کوئی گدگدی کرنے والی مسکراہٹ پورے بدن میں ہلچل مچا دینے والی آنکھوں کی چمک، ہر جذبہ جیسے جامد سا تھا۔ گہری گہری چادر میں لپٹا ہوا۔ ایک ایک کر کے دونوں ہاتھوں میں اس نے گجرے پہنا دیئے تھے۔ وہ اس قدر شاک اور ملال کی کیفیت میں غرق تھی کہ مزاحمت تک نہ کر سکی تھی۔

باقی پھولوں کے ہار اس کی جھولی میں ڈال کر اس کے ہاتھوں کو بغور دیکھتے سکندر نے پھولوں کی مہک اس کے ہاتھوں کے چہرے کے قریب لے کر سونگھی تھی۔

''دراصل تم سے میرا نکاح زبردستی نہیں ہوا تھا مگر اب لگتا ہے تمہارے لیے زبردستی ہی سہی دل میں جگہ بنانی ہوگی ورنہ......''

بات تھی زہر میں بجھا ہوا نشتر ماہم نے نمی بھری آنکھوں سے اسے دیکھا وہ کھل کر مسکرایا تھا۔

''مجبوری ہے بھئی...... زبردستی کے رشتوں میں صرف سمجھوتہ ہوتا ہے۔ اتنی تو عقل ہوگی نہ تم میں......'' وہ آج شاید اس کی جان لینے کے درپے تھا۔ ماہم کی جان سخت عذاب میں مبتلا ہو چکی تھی مگر کوئی راہ فرار نہ تھی۔

''کہتے ہیں پھول جذبات کے اظہار کا سب سے خوبصورت ذریعہ ہوتے ہیں مگر افسوس......'' اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ دل آویزی سے مسکرایا تھا پھر وہ اسے سخت ہراساں کر گیا تھا۔

سنیہا کی شادی ہو رہی ہے عید کے تیسرے دن یہ اس کا انویٹیشن کارڈ ہے۔ مسٹر اینڈ مسز سکندر کے نام......'' آج وہ اسے دھچکے پر دھچکا لگا رہا تھا وہ جو ابھی سنبھل بھی نہ پائی تھی اس نئے انکشاف پر حیران ہوئی۔ بے یقین نظروں سے اسے دیکھا سکندر نے اپنے ہاتھ میں پکڑا انویٹیشن کارڈ اس کی طرف بڑھایا تھا جسے اس نے لرزتے ہاتھوں سے تھاما تھا۔

''تمہارے لیے شاید خوشی کا پیغام ہو مگر مجھے بہت دُکھ ہوا ہے کہ کم از کم میں تمہارے خدشات کو سچ نہیں کر پایا۔ سنیہا اپنے کزن ارقم میں انٹرسٹنگ تھی جب اس کے والد نے سنیہا کا پرپوزل پیش کیا تھا تو وہ قطعی لاعلم تھی اور شاید میں لاعلمی میں ہی اسے غلط ہرٹ کر دیتا اگر وہ مجھے اپنی کمٹمنٹ کا کہہ کر ایکسکیوز نہ کر لیتی اس کے بعد میرا تمہارے ساتھ نکاح طے پایا گیا۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑا تھا بس اتنا اعتراض تھا کہ مرینہ کی شادی کے بعد یہ تقریب ہو جائے مگر امی نہیں مانی تھیں اور میرا خیال ہے یہی انکار تم تک پہنچا تھا، جسے تم نے اپنی نظر اور سوچ کے مطابق دیکھا۔ چلو اب تو تمہارے خدشوں کی نفی ہو چکی ہے نا......تو تیار رہنا تمہیں میرے ساتھ سنیہا کی شادی میں ضرور چلنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہاں تمہاری سوچوں کو منفی رُخ ڈالنے کے لیے کوئی اور گرہ ہاتھ لگ جائے۔'' وہ طنز پر طنز کرتا اسے زمین میں گاڑھ دینے کو تھا، ماہم اتنی ہمت نہیں رکھتی تھی کہ سر اُٹھا کر اسے دیکھ لے۔

''اور ہاں میں نے امی کو رُخصتی کی ڈیٹ فکس کرنے سے منع کر دیا ہے۔ مگر پھر بھی فیصلہ تم پر ہے۔ یہ شادی بیاہ دنوں کا کھیل نہیں پوری زندگی کا سوال ہے۔ ایک جذباتی لمحے میں بہہ کر پوری زندگی کا فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ اچھی طرح سوچ لینا۔ پھر کوئی فیصلہ کرنا۔ تب تک میں امی کو کنوینس کر لوں گا۔

وہ اُٹھ کراس کے کمرے سے نکل گیا تھا۔ پتہ نہیں وہ حقیقت پسند تھا یا اذیت پسند بہر حال اس کے لفظوں سے وہ اندر تک ادھڑتی چلی گئی تھی۔ بے پناہ تکلیف کا احساس ہو رہا ہے۔ کسی پل چین نہ تھا۔ وہ تو چلا گیا تھا اسے اس طرح ساکت وصامت چھوڑ کر مگر وہ اپنے جسم سے اپنی روح نکلتے ضرور محسوس کر رہی تھی بے یقینی سے کبھی ہاتھوں میں سجے گجروں کو دیکھتی اور کبھی اس انویٹیشن کارڈ کو، جس نے اس کے آخری خدشے تک کو ختم کر ڈالا تھا کہ شاید سنیہا اس میں انٹرسٹنگ ہو۔

''میں واقعی بہت احمق ہوں۔'' سسکتے ہوئے اپنے گھٹنوں پر سر ٹکا کر ماہم بُری طرح سے رو دی تھی۔

❖ ۞ ❖

رمضان کے باقی دن کیسے گزرے تھے یہ صرف وہی جانتی تھی۔ سکندر سے اب کسی بھی اچھائی کی اسے اُمید نہ تھی ایک دفعہ پھر اسے اذیت کے بھنور میں دھکیل کر خود لاتعلق بن بیٹھا تھا۔ یوں جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہیں۔ اسے جانتا تک نہ ہو کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ نسرین خالہ نے رمضان کے شروع میں ہی اسے پیسے دیئے تھے کہ وہ اپنی پسند کی عیدی خرید لے جویریہ کے ساتھ جا کر وہ جو بھی پسند تھا لے آئی تھی۔

آج انتیسواں روزتھا کثرت رائے یہی تھی کہ عید کل ہو گی۔ دو دن سے نسرین آنٹی کے ہاں گیا ہوا تھا۔ وہ ہر سال عید ادھر ہی کرتا تھا اس دفعہ بھی وہ چلا گیا تھا۔ اس کے جانے سے گھر بہت سونا سونا لگنے لگا تھا۔ سارا دن بے پناہ مصروفیت میں گزرا تھا۔ وہ امی اور جویریہ تینوں بُری طرح مصروف رہی تھیں۔ عصر کے قریب جا کر وہ لوگ فارغ ہوئیں تو جویریہ امی کے ساتھ کچن میں افطاری کا اہتمام کرنے گھس گئی جبکہ وہ کل پہننے والے کپڑے لے کر استری اسٹینڈ پر آ کھڑی ہوئی۔ سب کے کپڑے پریس کر کے ساری مطلوبہ چیزیں جمع کر کے سب کے کمروں میں پہنچانے کے بعد وہ سکندر کے کمرے میں آ گئی دو دن سے وہ یہاں پر نہیں تھا اس دوران وہ اس کے کمرے کو نئے سرے سے ترتیب دینے سیٹنگ چینج کرنے سجانے سنوارنے میں لگی ہوئی تھی۔ اُمید تو نہیں تھی کہ وہ عید یہاں آ کر کرے گا مگر پھر بھی اپنے دل کو تسلی دینے کو اس کے کپڑے پریس کر کے تمام چیزیں ڈھونڈ کر رکھیں۔ ایک بھرپور نظر اس کے بیڈروم پر ڈال کر باہر نکل آئی۔

افطاری کے بعد نماز ادا کرتے ہی وہ اور جویریہ چھت پر چلی آئیں۔ بہت تلاش بسیار کے باوجود چاند صاحب کا چہرہ نظر نہیں آیا تھا۔ دونوں نیچے آ کر ٹیلی ویژن لگا کر بیٹھ چکی تھیں۔

نو بجے ہی وہ نماز تراویح ادا کر کے بستر میں جا گھسی تھی۔ سارے دن کی تھکاوٹ تھی جس نے اسے نڈھال کیا ہوا تھا۔

''تم اتنی جلدی سونے لگی ہو۔ ابھی تو چاند صاحب کا بھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ ہلال کمیٹی تو ابھی تک دوربین لگائے خلاؤں میں گھورتے چاند میاں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہوئی ہے۔ جیسے وہ بیچارہ ان کا قرضہ لے کر بھاگا ہوا ہے۔'' جویریہ نے اس کے کمرے میں جھانکا تو وہ اس کی لن ترانیوں پر ہنس دی اُٹھنے کی بجائے مزید کمبل میں منہ چھپا گئی۔ وہ گہری نیند میں تھی جب کسی نے اسے بُری طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا کچھ بھی نہ سمجھ پائی جب سمجھ آئی تو جویریہ کے ساتھ میرینہ کو دیکھ کر چونکی۔

''ماہم! جلدی چلو اُٹھو پلیز......دیکھو چاند نکل آیا ہے۔''

''ہیں......'' ماہم مکمل طور پر حواسوں میں لوٹی تھی۔ ''کیا......واقعی......''

''جی جناب! صبح عید ہے......فٹافٹ باہر آ جاؤ۔'' وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ بھی حیرت وخوشی کے جذبات لیے سرہانے پر پڑا دوپٹہ کھینچ کر مرینہ کے ساتھ باہر نکل آئی۔

لاؤنج میں سبحان، شاہد کے ساتھ سکندر بھی تھا اسے دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکن سن ہوئی تھی۔

''چاند رات مبارک ہو ماہم بھابی۔'' سبحان اور شاہد اس کے قریب آ گئے تھے۔ وہ انہیں گھور کر امی ابو کی طرف جھک گئی۔ انہوں نے پیشانی پر بوسہ دیتے دُعا دی تھی۔

''خوش رہو......اللہ ہمارے بچوں کو ایسی ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔''

''یہ چاند صاحب اچانک کہاں سے آ ٹپکے۔ نو بجے تک تو کوئی آثار نہیں تھے۔'' وہ مرینہ اور جویریہ کے پاس جا بیٹھی۔ جویریہ ہنس دی۔

''بھابی صاحبہ کون سے چاند کا پوچھی ہیں۔'' مرینہ کا انداز شرارتی تھا وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ ہونقوں کی طرح اسے دیکھا تو سب ہنس دیئے۔

''پوچھنے کی کیا بات ہے بھلا...... بھلا چاند کتنے ہوتے ہیں۔ کوئی دس بارہ تھوڑی ہیں۔'' اپنی خفت مٹانے کو کہا۔

''میرے حساب سے تو دو چاند ہوتے ہیں ایک زمینی اور آسمانی......'' سبحان دور کی کوڑی لایا تھا وہ حیران ہوئی۔

''ذرا تم اپنے اس زمینی اور آسمانی چاند کی وضاحت بھی کر دو۔'' جویریہ نے جل کر کہا تھا سب کے قہقہے بے اختیار تھے۔

''آسمانی چاند تو ''مون'' ہوتا ہی ہے مگر زمینی چاند ''صرف ہمارے سکندر بھیا'' ہی ہیں۔ کیوں ماہم بھابی۔'' مرینہ نے سرگوشی کے سے انداز میں اس کے کان کے قریب کہا تو وہ پزل سی ہو گئی۔ ''آپ کی عید تو اسی چاند کو دیکھ کر ہو جاتی ہو گی۔ ہیں ناں۔'' وہ اسے مزید کنفیوژ کر رہی تھی۔

''مرینہ......بکومت......'' تادیبی نظروں سے گھورا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

سکندر، امی ابو کے ساتھ محو گفتگو تھا اس نے وال کلاک دیکھا رات کے گیارہ کا ٹائم تھا۔ میں خود مایوس ہو کر سونے والی تھی جب یہ لوگ آ گئے تھے۔ یہ خوشخبری لے کر کل عید ہو گی۔ ٹی وی لگایا تو ادھر بھی یہی خوشخبری تھی۔ ضویریہ کی بات پر وہ مسکرا دی۔

''ہم شاپنگ کے لیے نکلے تھے سوچا آپ کو بھی ساتھ لے لیں۔ آپ دونوں تیار ہو جائیں۔'' مرینہ نے اپنی آمد کا مقصد بتایا تو اس نے امی کی طرف دیکھا۔

''ہاں چلی جاؤ تم دونوں......کوئی چیز لینی ہو تو لے لینا......'' امی نے کہا تھا۔ وہ چپ ہو گئی۔ یہ آج کوئی نئی بات تو نہ تھی ہر عید پر ہی ہوتا تھا۔ سکندر اپنے بہن بھائیوں کو لے کر ادھر آ جاتا تھا پھر یہاں سے سب مل کر جاتے تھے۔ نیا تو کچھ بھی نہ تھا۔ سب کچھ وہی تھا مگر سکندر کا رویہ اور ماہم کا اپنا آپ وہ نہیں رہا تھا۔

''تم لوگ گاڑی میں بیٹھو میں آتا ہوں۔'' ان سب کو تیار دیکھ کر سکندر حکم دیتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

وہ واپس لوٹا تو سب گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ وہ مرینہ اور جویریہ پچھلی سیٹ پر تھیں جبکہ سبحان، شاہد اور سکندر اگلی سیٹ پر تھے۔

بازار میں اچھا خاصا رش تھا۔ خوش باش چہرے، ہنستے مسکراتے لوگ بے فکر قہقہے سے بھرپور ہنسی ماہم کے اندر اک خلا سا بھرتی جا رہی تھی۔ ادھر سے اُدھر گھومتے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ جویریہ اور میرینہ نے مہندی لگوائی تھی اسے بھی کہتی رہیں مگر وہ نہیں مانی تھی وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر سبحان اور شاہد کو لے کر پارلر چلی گئی تھیں۔ وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی صرف باہر کی گہما گہمی کو دیکھ رہی تھی۔ سکندر ایک نظر اس کو دیکھ کر پارلر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ دو تین منٹ بعد واپس لوٹا تو گاڑی میں آ بیٹھا۔

''تم آگے آ جاؤ......'' اگنیشن میں چابی گھماتے اس نے کہا تو وہ اپنے ہی خیالوں سے چونکی۔

''نہیں......میں ٹھیک ہوں ادھر ہی۔'' سکندر کے اس طرح ری ایکٹ کرنے پر وہ ایک دفعہ پھر زود رنج ہونے لگی تھی۔

''میں تمہارا شوہر نہیں ہوں......آرام سے آگے آ ؤ۔'' سکندر نے ایک دم کچھ غصے سے کہا تو وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ اگلی سیٹ پر آ کر بیٹھتے ہوئے اس کے اندر کی تلملاہٹ عروج پر تھی۔ اپنا سارا غصہ دروازے پر نکالا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے مجھ سے بات کرنے کی۔ اتنے دن ہو گئے ہیں طنز پر طنز کیے جاتے ہیں۔ حد ہوتی ہے برداشت کی بھی۔'' وہ کہے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''ٹھیک ہے میں مانتی ہوں میرا قصور ہے معافی بھی تو مانگ رہی ہوں۔ اپنی غلطی، اپنی سوچوں پر شرمندہ بھی تو ہوں مگر......'' وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تھی۔ سکندر نے سکون سے گاڑی سٹارٹ کر دی تھی۔ تھوڑی دیر تک گاڑی میں اس کی سسکیاں گونجتی رہیں پھر خاموشی چھا گئی۔

''جذباتی لوگوں کا المیہ پتا ہے کیا ہے ماہم! وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔'' تھوڑی دیر بعد اس نے بھی لب کشائی کی تھی۔

''اور جو عقل سے کام لیتے ہیں وہ صرف اوروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔'' وہ محفوظ ہو رہا تھا۔ ماہم نے اسے گھورا۔ وہ مسکرا دیا۔

''اچھا یہ بتاؤ کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟'' اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''میں نے کیا فیصلہ کرنا ہے۔ فیصلہ تو آپ نے کرنا ہے، ساری عمر میری کم عقلی کو کوسنے اور طنز پر طنز کرنے کا......''

''اچھا......'' سکندر ایک دفعہ پھر ہنس دیا تھا ماہم کو اس کی ہنسی انتہائی زہر لگی۔

''بھئی میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ بلکہ امی کو بھی آگاہ کر دیا ہے۔'' بالکل سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ ماہم کو تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔ سکندر نے ایک طرف گاڑی روکی تھی۔

''کیا فیصلہ؟''

''عید کے پورے ایک ماہ بعد تمہاری رُخصتی کا اور یہی تمہاری کم عقلی کی سزا ہے۔'' وہ مزے سے بتا رہا تھا اور ماہم منہ کھولے دیکھ رہی تھی۔

''آپ......'' اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔

''میں اتنا بھی ظالم نہیں ہوں۔ جانتا ہوں تم مجھ سے کس قدر محبت کرتی ہو۔ مگر ماہم ہر جذبے میں میانہ روی ہی اچھی لگتی ہے۔ چاہے وہ محبت ہو یا نفرت ہو۔ یہ شدتیں بعض اوقات ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہو جاتی ہیں۔ میرے لیے تم بہت اہم

ہو...... بہت خاص...... میری ہستی کا مان اور میرا فخر ہو مگر مجھے تمہاری شدتوں سے خوف آتا ہے۔ اسی لیے مجھے تمہارے ساتھ یہ سارا رویہ اپنانا پڑا، تا کہ تم نارمل انسانوں کی طرح محبت کے جذبے کو محسوس کرو۔''

ماہم کے چہرے پر تیرتے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے صاف کرتے وہ بہت محبت و جذبات سے کہہ رہا تھا۔

''ایم سوری...... رئیلی سوری...... میں نے آپ کو ہرٹ کیا۔'' اس کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہ اور شدت سے رو پڑی تھی۔

''آپ کے خلوص...... محبت کو غلط نظروں سے دیکھا۔''

''اچھا...... چپ کرو اب......'' کندھے سے تھام کر اسے سیدھا کیا۔ ماہم دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگی۔

''دنیا میں شاید کوئی کم عقل مند خاتون ہوگی جو آنسوؤں کی سوغات لیے اپنے شوہر کو چاندرات وش کرتی ہوگی۔'' موسم بدلا تھا آنسو اندر کی ساری کثافت بہا کر لے گئے تھے تو سکندر کی بات اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔

''چاندرات یونہی تو وش نہیں کی جاتی۔ پیسے لگتے ہیں۔ آپ نے تو ایک ڈھیلا بھی کبھی مجھ پر خرچ نہیں کیا۔'' اندر کی کثافتوں کے دھلنے کے بعد نظر آنے والے چہرے اور لہجے کس قدر معطر تھے سکندر نے ایک بھرپور نظر ڈالی تھی۔

''ارے یہ تم زیادتی کر رہی ہو۔ ابھی چند دنوں پہلے ہی تو میں نے تمہاری خاطر پورے سو روپے خرچ کیے تھے پھول اور گجرے لے کر دیئے تھے اور تو اور تمہاری میڈیسن بھی میرے پلے سے گئی تھیں۔'' سکندر کا انداز دہائی دینے والا تھا۔

''جھوٹ مت بولیے۔ وہ پھول اور گجرے میرے لیے کب خریدے تھے وہ تو بیچارہ لڑکا پیچھے پڑ گیا تھا اور زبردستی آپ کو خریدنے پڑے تھے۔''

''اچھا......'' سکندر سر کھجانے لگا تھا پھر اس کی طرف دیکھ کر کھل کر مسکرا دیا۔ ''آج جو کہو گی لے کر دوں گا...... ٹھیک ہے...... مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میرے پاس سب کچھ ہے۔ بس آپ کے دل میں تھوڑی سی جگہ چاہیے۔'' اتنی دیر سے دل میں جو بات کھٹک رہی تھی وہ آخر کار ہونٹوں پر آ ہی گئی تھی۔

''صد افسوس...... دل کا پلاٹ پہلے ہی کسی کے قبضہ میں جا چکا ہے۔'' اس کی خواہش پر وہ کہہ رہا تھا ماہم کے ہونٹوں پر رقصاں مسکراہٹ ایک دم بے رنگ سی ہوگئی تھی۔

''کیا...... کون ہے وہ؟'' آنکھوں میں پھر نمی اُترنے لگی تھی۔

''ہے ایک پاگل...... کم عقل سی لڑکی......'' آنکھ دبا کر مسکرا کر کہتے ہوئے ماہم کا دل خوش کن انداز میں دھڑکا گیا تھا۔

''محترمہ کو ہماری زوجہ محترمہ ہونے کا خصوصی اعزاز حاصل ہے۔'' ماہم کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ وہ صرف اسے چاہتا ہے۔ اس کے دل پر صرف اس کی حکمرانی ہے یہ خیال ہی کتنا فرحت بخش تھا۔

''اچھا چلو تمہارے لیے عید کا گفٹ ہے وہ قبول کرو۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ وہاں پارلر میں وہ لوگ مجھے کوس رہے ہوں گے۔ میں آدھے گھنٹے کا کہہ کر تمہیں لایا تھا۔'' سکندر نے عجلت میں ڈیش بورڈ پر پڑا گفٹ پیک اُٹھا کر اسے تھمایا تو وہ دیکھنے لگی۔

''اسے کھولو......'' وہ منتظر تھا۔
اس نے جیسے ہی گفٹ کھولا اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔

''یہ تو وہی لاکٹ سیٹ ہے۔ جو سنیہا نے خریدا تھا۔''
''ہوں...... تمہیں عید کا تحفہ دینا تھا کچھ سمجھ نہ آیا کہ کس طرح تمہیں ساتھ لے کر جاؤں اسی لیے اس دن جویریہ کے ساتھ مل کر مجھے تمہیں تھوڑا سا اُلو بنانا پڑا تھا۔ کیوں کیسا لگا یہ گفٹ......'' وہ مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ ماہم کو گزشتہ تمام واقعات یاد آنے لگے۔ ایک خفگی بھری نظر اس پر ڈالی۔
''تو یہ سب کچھ آپ جان بوجھ کر کرتے رہے۔ صرف اور صرف مجھے تکلیف دینے کو جویریہ وغیرہ بھی آپ کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔''
''نہیں...... جویریہ میرے ساتھ ملی ہوئی نہیں تھی صرف میں نے اسے استعمال کیا تھا اور جہاں تک تمہیں تکلیف دینے کی بات ہے تو یہ سراسر الزام تھا۔'' وہ سنجیدہ اب بھی نہیں تھا۔ ماہم نے خفگی سے دیکھنا چاہا تھا مگر سکندر کی آنکھوں کے تیور کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔ اس نے جلدی سے بوکھلا کر چہرے کا رُخ بدلا۔
''چلیں بھی...... وہ لوگ انتظار کر رہے ہوں گے۔'' اسے گاڑی سٹارٹ کرنے کا کہہ کر وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ سکندر نے بھی مسکرا کر گاڑی سٹارٹ کر دی تھی۔ ماہم نے سکون سے ڈبے سے گفٹ نکال کر اپنے گلے میں پہن لیے تھے۔ زندگی ایک دم کتنی خوبصورت ہو گئی تھی۔

یہ چاندرات اپنے ساتھ کتنی انمول خوشیاں لے کر آئی تھی۔
''شکریہ اللہ میاں......''
''شکریہ چاندرات......''
وہ اندر ہی اندر تشکر بجالائی تھی۔

❖ ۞ ❖

اگلے صفحے پر ملاحظہ کیجیے

یہ دل یہ پاگل دل میرا کیوں بجھ گیا آوارگی
اس دشت میں ایک شہر تھا وہ کیا ہوا آوارگی......!

وہ گھاس پر ٹہلتے ٹہلتے ایک دم چونک گئی۔ یہ آواز اسے گیٹ کے پاس بنے سلطان بابا کے چھوٹے سے کوارٹر میں سے آرہی تھی۔ سلطان بابا ریڈیو کے بڑے شوقین تھے ان کے ریڈیو پر ہر وقت کوئی نہ کوئی اسٹیشن چل رہا ہوتا تھا۔ یہ آواز بھی شاید اسی سلسلے کی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتی، سلطان بابا کے کوارٹر کے قریب چلی آئی۔ سلطان بابا کی پشت اس کی طرف تھی، ریڈیو کان سے لگائے بڑے وہ مسرور انداز میں سر دھن رہے تھے۔

حمدہ لب بھینچے واپس پلٹی تو اماں زلیخا تیزی سے اندرونی سیڑھیاں اُترتے اسی طرف آتی دکھائی دیں۔

''تسی حمدہ پتر اتھے او...... میں تہانوں اندر ہر پاسے دیکھ آئی۔'' (حمدہ پتر تم ادھر ہو میں آپ کو ہر جگہ دکھ آئی ہوں)

''خیریت اماں......'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''آہو جی......تساں نوں وڈی بی بی یاد کرنی ہی۔'' (آپ کو بڑی بی بی بلا رہی ہیں) حمدہ نے گہرا سانس لیا۔

''آپ چلیں میں آتی ہوں۔'' زلیخا اماں کو روانہ کر کے وہ خود بھی اندر کی طرف چلی آئی۔

بی بی جن کو سب وڈی بی بی کہتے ہیں اپنے مخصوص تخت پر بیٹھی ہوئی تھیں ان کے پاس نسرین بھی تھی، وہ شاید اسے کوئی ہدایت دے رہی تھیں۔ اسے قریب آتے دیکھ کر مسکرائیں۔

''آؤ پتر حمدہ! میں کتنی بار زلیخا کو کہہ چکی تھی کہ تمہیں بلا لائے۔ کل سے آئی ہو، بس اِدھر اُدھر گم صم پھر رہی ہو۔ ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو۔'' نسرین کو جانے کا اشارہ کرتے انہوں نے اپنے قریب ہی تخت پر جگہ بنائی تو حمدہ خاموشی سے ٹک گئی۔

''یہ کچھ پردے ہیں عمر کے کمرے کے اتنے عرصے بعد وہ آرہا ہے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ کون سے رنگ والے پردے اس کے کمرے کے لیے رکھوں۔ تم بتاؤ کون سا رنگ ٹھیک رہے گا؟'' بی بی کے چہرے پر برسوں بعد اپنے بیٹے سے ملنے کا جوش نظر آرہا تھا، حمدہ نے اس کے سامنے رکھے پردوں کے ڈھیر کو دیکھا اور پھر بلیو اینڈ وائٹ کمبینیشن والے پردوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''یہ ٹھیک رہیں گے۔ ویسے یہ کام تو آپ کو ان کی پسند کے مطابق ہی کروانا چاہیے تھا۔ میں نے اپنی پسند بتا دی اب پتا نہیں ان کی پسند کیا ہے؟''

''تمہاری پسند کوئی عام پسند نہیں ہوتی۔ ویسے مجھے بھی عمر کے کمرے کے لیے یہی پردے پسند آئے تھے مگر پھر سوچا تم سے پوچھ لوں، تم پڑھی لکھی ہو، آج کل کے فیشن کا تمہیں زیادہ پتا ہے۔'' حمدہ ان کی بات پر دھیرے سے ہنس دی۔

''ماریہ باجی سے بات ہوئی کب تک واپسی ہوگی؟''

''ہاں ماریہ نے فون کیا تھا کہہ رہی تھی کہ موسم کی وجہ سے جہاز لیٹ ہوگیا ہے۔'' حمدہ نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

''اب یہ نسرین پتا نہیں کہاں رہ گئی ہے۔ میں نے کل سے کہہ رکھا تھا نسرین سے کہ عمر کے آنے سے پہلے اس کے کمرے کے پردے بدل دے مگر اب تک نہیں بدلے۔''

''لائیں میں کر دیتی ہوں۔ نسرین کچن میں لگی ہوگی۔'' وہ کل سے اُدھر تھی اب بی بی کو یوں پریشان دیکھ کر فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔

''نہ پتر نہ...... تُو کل سے ادھر ہے کچھ نہ کچھ کر ہی رہی ہے۔ نسرین فارغ ہو کر بدل دے گی۔'' بی بی نے فوراً انکار کیا۔

''کوئی بات نہیں۔'' اس نے دھیمی مسکراہٹ سے کہتے ہوئے پردے اُٹھا لیے۔

اس چھوٹی حویلی میں آج ہر طرف چہل پہل تھی اور کیوں نہ ہوتی سالوں بعد عمر پاکستان آ رہا تھا اور چند گھنٹے گزرنے کے بعد اس نے حویلی میں ہونا تھا۔ وہ پردے لیے عمر کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ ایک ماہ پہلے بی بی نے نئے سرے سے اس کمرے کا پینٹ کروا کر سارا فرنیچر نیا بنوا کر اس کمرے کو سجا دیا تھا۔ بس پردے تبدیل کرنے کی ضرورت تھی۔ حمدہ کو کچھ وقت لگا پردے بدلنے میں، اس کے بعد عصر کا وقت تھا، اس نے بی بی کے کمرے میں آ کر نماز پڑھی دُعا مانگ کر اُٹھی تو بی بی کمرے میں آتی دکھائی دیں۔

''اب تو جہاز آ چکا ہوگا نا؟'' بی بی کی بیتابی قابل دید تھی۔ حمدہ مسکرا دی۔

''جی...... اُمید تو ہے۔''

''یہ ماریہ نے فون بھی نہیں کیا۔ میں نے کہا تھا کہ جیسے ہی جہاز آئے فون کر دے۔ میں نے شکرانے کے نفل پڑھنے ہیں۔ عصر کی نماز کے بعد تو نفل نہیں پڑھے جا سکتے ناں۔'' حمدہ کیا کہہ سکتی تھی خاموش ہی رہی۔

''تم ماریہ کو فون کرو، پتا کرو جہاز آ گیا ہے یا نہیں۔'' بی بی نے کہا تو اس نے سر ہلا کر ان کے سرہانے رکھا کارڈلیس اُٹھا لیا۔ نمبر ملا کر اس نے دوسری طرف رابطہ کیا۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔'' دوسری طرف ماریہ باجی ہی تھیں۔

''میں حمدہ بول رہی ہوں۔ بی بی پوچھ رہی ہیں کہ جہاز لینڈ کر چکا ہے۔''

''ہاں...... ابھی ابھی لینڈ کیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ ابھی ہم باہر ہی ہیں۔ ایئرپورٹ سے کلیئرنگ کرواتے کرواتے بھی خاصا وقت لگ جائے گا۔ ماں جی کو کہنا پریشان نہ ہوں، ہم رات تک پہنچ جائیں گے۔''

''جی کہتی ہوں...... اللہ حافظ۔'' کال بند کر کے اس نے بی بی کو دیکھا وہ اس کی طرف متوجہ تھیں۔

''جہاز آ گیا ہے، ماریہ باجی کہہ رہی تھیں کہ ایئرپورٹ سے فارغ ہوتے ہوتے بھی دو گھنٹے لگ ہی جائیں گے۔''

''یا میرے مالک تیرا شکر......'' بی بی نے فوراً شکر بجا لایا۔

''میں وضو کر کے نماز پڑھ لوں، تم کچن میں نسرین کو دیکھنا کہاں تک کام ہوا ہے، گھر میں داخل ہوتے ہی سبھی نے کھانا مانگنا

ہے۔'' حمدہ سر ہلا کر کچن کی طرف چلی آئی تھی۔ نسرین کے ساتھ ہاتھ بٹاتی وہ سوچتی رہی کہ ہوسکتا ہے کل تک اماں واپس آ جائیں...... کل ممانی کے بھائی کے انتقال کی خبر پہنچی تھی، خاصا دور دراز علاقہ تھا، اماں کل شام کو ہی چلی گئی تھیں۔ آج انہوں نے فون کر کے حمدہ کو اطلاع دے دی تھی کہ وہ آج نہیں آپائیں گی تو آج رات بھی ادھر چھوٹی حویلی میں رہ کر کل پھر وہ صبح سویرے نکلنے کی کوشش کریں گی۔

شام تک وہ نسرین کے ساتھ ہی کچن میں مصروف رہی پھر اذان ہوئی تو وہ نماز پڑھنے بی بی کے کمرے میں چلی آئی۔ بی بی اور اس نے اکٹھے ہی مغرب کی نماز پڑھی تھی۔

''ماریہ کا نمبر تو ملاؤ ذرا...... پتا تو کرو اب یہ لوگ کہاں تک پہنچے ہیں۔'' بی بی کا دھیان بس ایک ہی طرف تھا، حمدہ مسکرادی۔ تاہم سر ہلا کر جائے نماز لپیٹ کر ایک طرف رکھتے اس نے سرہانے پر رکھا کارڈلیس پھر تھام لیا۔ بظاہر دُعا مانگتے بی بی کا سارا دھیان اسی طرف تھا۔

''السلام علیکم!'' نمبر ملا کر رابطہ ہونے پر اس نے کہا۔

''وعلیکم السلام! عمر اور ہم واپسی کے لیے نکل چکے ہیں۔ بس ایک دو گھنٹے میں گاؤں پہنچ جائیں گے۔'' دوسری طرف ماریہ باجی نے ہنستے ہوئے کہا تبھی اس کے ہاتھ سے کسی نے جیسے موبائل چھین لیا تھا۔

''اماں جی بس ایک دو گھنٹے کی دوری پر ہوں آپ سے...... مجھے پتا ہے آپ کس قدر بیتابی سے میرا انتظار کر رہی ہیں، کچھ یہی حال میرا بھی ہے۔ برسوں بعد آپ سے ملنا ہے، جی چاہ رہا ہے کہ اُڑ کر پہنچ جاؤں آپ تک۔'' دوسری طرف مسکراتی زندگی سے بھرپور اجنبی مردانہ آواز حمدہ کو اپنے کانوں میں گونجتی محسوس ہوئی تو اس نے ایک دم گھبرا کر ایک لفظ بھی کہے بغیر کال بند کر دی تھی۔

''کیا ہوا...... کیا کہہ رہی تھی ماریہ؟'' بی بی کا دھیان مکمل طور پر اسی طرف تھا۔

''کچھ نہیں...... وہ لوگ نکل چکے ہیں، ایک گھنٹے میں گاؤں میں ہوں گے۔'' اس نے کارڈلیس واپس سرہانے رکھتے سنجیدگی سے کہا۔

''اللہ ساتھ خیریت کے میرے بچے کو اپنے گھر لائے۔ برسوں ہم نے یہ دوری سہی ہے۔'' بی بی آبدیدہ ہوئیں تو حمدہ چپ چاپ دیکھے گئی۔

بی بی کا حوصلہ قابل دید تھا۔ انہوں نے برسوں اپنے بیٹے کی یاد میں روتے وقت گزارا تھا آج وہ سرخرو تھیں۔ جن لوگوں کے ڈر سے انہوں نے اپنے جگر گوشے کو خود سے دور کیا آج وہ لوگ خود ہی ان سے شرمسار تھے اور ان کو برسوں بعد آج اپنے بیٹے سے ملنے کا موقع رہا تھا۔

حمدہ خاموشی سے ان سب کی خیریت سے واپسی کی دُعا مانگتی بی بی کے کمرے سے نکل گئی تھی۔

❖❁❖

ان لوگوں کو ''چھوٹی حویلی'' پہنچتے پہنچتے رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ حمدہ بی بی کے کمرے میں ان کے بستر پر لیٹی ہوئی تھی

جب گاڑیوں کے اندر داخل ہونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں تو وہ ایک دم اُٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ بی بی کا کمرہ اس لوکیشن میں تھا کہ اس کھڑکی سے باہر گیٹ تک کے تمام مناظر واضح دکھائی دیتے تھے۔ گاڑیوں سے بڑی حویلی کے تمام افراد کے علاوہ ماریہ باجی، ذوالفقار بھائی ان کے دونوں بچے اور کچھ اضافی مہمانوں کو اُترتے حمدہ نے دیکھا اور پھر ماریہ باجی والی گاڑی میں سے ہی عمر نکلا تھا۔ حمدہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

جب وہ یہاں سے گیا تھا تو صرف سولہ سترہ سال کا نوعمر لڑکا تھا، بہت پُرانی بات تھی اور آج وہ ایک بھرپور قد کاٹھ والا مکمل طاقتور نوجوان تھا، وہ اپنی عمر اور جسامت سے ستائیس اٹھائیس سال کا لڑکا لگ رہا تھا۔ برآمدے کی سیڑھیوں پر بی بی ملازموں کے ہمراہ کھڑی تھیں۔ عمر نے گاڑی سے نکلتے ہی ایک دم بھاگ کر ماں جی کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

''میرا بیٹا! میرا عمر......'' ماں جی نے والہانہ انداز میں عمر کو خود سے لپٹا لیا تھا۔

وہ بار بار بڑی شدت، بیقراری اور والہانہ پن سے اس کی پیشانی چوم رہی تھیں۔

''ماں صدقے...... ماں قربان...... جب گیا تھا چھوٹا سا تھا، آج اتنا بڑا ہو گیا ہے۔'' وہ ساتھ ساتھ رو رہی تھیں، اماں زلیخا اور نسرین آنکھوں میں آنسو لیے عمر پر پھول برسا رہی تھیں۔ کھڑکی کے اس طرف کھڑی حمدہ کی بھی آنکھوں میں نمی سمٹ آئی تو وہ وہاں سے ہٹ کر واپس بستر پر آ بیٹھی۔ مگر کل سے کچھ پریشان اور بے چین تھی تو آج بہت چاہنے کے باوجود اس حویلی کا حصہ نہیں بن پا رہی تھی اور بی بی کا یہ بیٹا کتنا بدل گیا تھا، رات کے وقت ٹیوب لائٹ کی روشنی میں وہ جو بھی دیکھ پائی تھی وہ یہی تھا کہ عمر ہاشم ایک مضبوط قد کاٹھ والا ایک توانا مرد تھا، مضبوط سینہ کشادہ پیشانی، چوڑے کسرتی کندھے، یقیناً غیر ملک میں رہ کر اس کی صحت پر خاصا اچھا اثر پڑا تھا۔ خیر جب وہ یہاں سے گیا تھا۔ عمر تب بھی خاصا توانا وجود کا مالک تھا۔ سوچتے سوچتے کچھ دیر گزری تو اماں زلیخا اندر داخل ہوئیں۔

''پتر تسی ادھر بیٹھے رو...... ادھر کھانے والی میز تے وڈی بی بی تسی نوں بلا رے نیں......'' حمدہ نے سر اُٹھا کر زلیخا اماں کو دیکھا، بی بی اُسے بلا رہی تھیں یقیناً کھانے کی ٹیبل پر چھوٹی حویلی کے علاوہ بڑی حویلی کے افراد بھی براجمان ہوں گے۔ وہ شش و پنج میں پڑ گئی کہ کیا کرے وہ جائے کہ نہ جائے۔ بی بی نے اس کے معاملے میں کبھی حیثیت مرتبے کا خیال نہیں رکھا تھا مگر بڑی حویلی کے فرد اس لحاظ کو ضرور ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ خصوصاً چھوٹی چوہدرانیاں۔

''میں فیر جا کے آکھاں کہ تسی آ رہے ہونا؟'' اسے یوں اُلجھتا دیکھ کر اماں زلیخا نے پوچھا۔ انہیں شاید کچن میں اور بھی کام تھے، حمدہ ایک گہرا سانس لیتے بستر سے اُتر آئی۔

''چلیں۔''

اس نے کل شام گھر سے نکلتے وقت یہ لباس پہنا تھا ہلکا ٹی پنک رنگ تھا، پچھلے سال باجی نگہت نے اسے یہ سوٹ بھجوایا تھا، جدید فیشن کے مطابق سلا ہوا تھا شاید، انہوں نے کسی اچھی دکان سے خریدا تھا۔ ایک دو بار ہی حمدہ نے پہنا تھا اور جب اماں نے اسے بتایا کہ وہ اسے یہاں چھوڑ کر جائیں گی تو پہلے تو وہ مانی ہی نہ تھی کہ ادھر ''چھوٹی حویلی'' میں مہمانوں کی موجودگی اور عمر کی آمد سے وہ بے خبر نہ تھی مگر اماں اسے اکیلے گھر میں تنہا بھی نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ مجبوراً اسے یہ سوٹ پہننا پڑا تھا کہ وہ بی بی کے رشتہ

داروں کے سامنے کسی بھی قسم کی سبکی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ براؤن بڑی سی شال اپنے گرد لپیٹے اپنی چپل اڑس کر وہ زلیخا اماں کے ہمراہ ہی کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ آج رات کے کھانے کا انتظام دعوت خانے میں کیا گیا تھا، ایک بڑی سی میز اور اس کے گرد کرسیوں پر بیٹھے لاتعداد لوگ، حمدہ دروازے پر ہی رُک گئی تھی۔ بی بی کی نظر اس کی طرف اُٹھی تو اسے دروازے پر ہی رُکتے دیکھ کر مسکرائیں۔

''آؤ حمدہ! اِدھر آجاؤ میرے پاس، میں تمہارا ہی انتظار کررہی تھی۔'' بی بی کے کہنے پر وہ ان کے پاس چلی آئی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے سب پر ایک اجتماعی نگاہ ہی ڈالتے اجتماعی سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔''

ماریہ باجی اور کئی لوگوں کی نظریں اس کی طرف اُٹھی تھیں۔ خصوصاً بی بی کے دائیں طرف بیٹھے عمر نے بھی اسے دیکھا۔ ایک بڑی سی براؤن چادر میں خود کو چھپائے وہ بی بی کے بائیں طرف آ بیٹھی تھی۔

''کہاں تھیں تم نظر ہی نہیں آئی۔'' ماریہ باجی نے پوچھا تو وہ صرف ہلا کر رہ گئی۔

''نسرین کرسی ادھر ہی لادو...... حمدہ میرے پاس ہی بیٹھ جائے گی۔''

بی بی نے اپنی کرسی عمر کی طرف کھسکا کر اس کے لیے ٹیبل کے گرد جگہ بنائی تھی۔

''آئی نہیں ابھی تک تمہاری ماں؟'' یہ بڑی چوہدرانی کی آواز تھی۔ ہمیشہ کی طرح طنز۔

''ہو از شی؟'' عمر اس نئے وجود سے یکسر انجان تھا، اس نے ماریہ کی طرف دیکھا۔ دھیمی آواز میں ہی پوچھا۔

''چاچی مختار کی بیٹی ہے۔'' ماریہ نے دھیمے سے کہا جبکہ بی بی ڈشیں اُٹھا اُٹھا کر حمدہ کے آگے رکھ رہی تھیں۔ جنہیں اس نے شکریہ کے ساتھ تھام لیا تھا، یقیناً وہ رکھ رکھاؤ والی لڑکی تھی۔

''چاچی مختار؟'' عمر سوچنے لگا۔

''نانا جان کے چچازاد بھائی قفیل چاچا کی بیوی کا نام مختار ہے۔ یہ انہی کی بیٹی ہے۔''

''اوہ...... آئی سی......'' عمر کو ایک دم یاد آیا تو اس بار اس نے قدرے غور سے ماں جی کے بائیں طرف بیٹھے وجود کو دیکھا۔

''ہاں نگہت میری ہم عمر ہے، ساجدہ تمہاری اور یہ تیسرے نمبر والی حمدہ ہے۔''

''ان کا ایک بیٹا بھی تھا قمر؟''

''ہاں وہ آج کل ملک سے باہر ہوتا ہے۔ بیوی بچوں والا ہے۔ دوبئی میں رہتا ہے۔'' دونوں بہن بھائی یہ ساری گفتگو بڑے دھیمے سروں میں کررہے تھے جبکہ باقی لوگ کھانا کھا رہے تھے۔

''جب میں گیا تھا تو یہ بچی سی تھی اب تو کافی بڑی ہوگئی ہے اور خاصی خوبصورت بھی ہے۔'' بڑی سی براؤن چادر میں لشکارے مارتا اس کا دودھیا حُسن ایک نگاہ میں ہی جانچ چکا تھا۔ ماریہ نے ایک نگاہ اُٹھا کر اپنے خوبرو بھائی کو دیکھا وہ بظاہر کھانا کھا رہا تھا مگر نگاہیں حمدہ کے چہرے پر ہی تھیں۔ وہ ایک کھلے ماحول میں رہ کر آیا تھا اور یہ بیبا کی شادی اسی ماحول کا نتیجہ تھی جو دل کی بات فوراً لبوں پر لے آیا تھا۔

''چاچی مختار خود بھی تو ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہیں۔ان کے چاروں بچے ان پر ہی گئے ہیں۔'' ماریہ باجی نے اس کی نگاہوں کے تاثر کو عام لہجے میں سمو کر زائل کرنے کی کوشش کی۔

''یہ دونوں بہن بھائیوں میں کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں؟'' چھوٹی ممانی دونوں کو یوں دھیمے لب و لہجے میں باہم گفتگو کرتے دیکھ کر پوچھنے لگیں تو ماریہ فوراً مسکرا کر سیدھی ہوئی۔

''کچھ خاص نہیں بس ارد گرد کی باتیں کر رہے تھے۔'' حمدہ نے کھانا کھاتے سر اُٹھا کر دیکھا عمر ابھی بھی گاہے بگاہے اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس کی نگاہوں میں ایسا تاثر ضرور تھا کہ حمدہ سٹپٹا سی گئی۔براہِ راست کسی نے بھی دونوں کا تعارف نہیں کروایا تھا اگر کچھ پل قبل اس نے عمر کی آمد پر خوش آمدیدی کارروائی اپنی آنکھوں سے ملاحظہ نہ کی ہوتی تو شاید وہ اسے پہچان بھی نہ پاتی۔

حمدہ نے سوچا شاید یہ شخص بھی اس کے تعارف سے بے خبر ہے شاید اسی لیے بار بار اسے دیکھ رہا ہے۔کھانا کھاتے ہوئے وہ مسلسل اس شخص کی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کرتی رہی اور اندر ہی اندر گھبراتی رہی جبکہ باقی سبھی خوشگوار موڈ میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔اس نے بہت جلد ہی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور پھر باقی لوگوں کے اُٹھنے کا انتظار کیے بغیر اس نے ٹیبل چھوڑ دی تھی۔کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے کسی کی نگاہوں کی تپش اپنی پشت پر مسلسل محسوس کی تھی،مگر وہ بغیر گھبرائے اپنے مخصوص رکھ رکھاؤ اور پُر وقار انداز سمیت کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

❖❁❖

اس کا خیال تھا کہ اماں اگلی صبح سویرے نکلیں گی تو گاؤں نو بجے تک پہنچ ہی جائیں گی مگر اماں کا فون آیا کہ ان کا وہاں شہر سے کچھ خریدنے کا پروگرام بن گیا ہے تو شام تک آئیں گی۔حمدہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔کل اتوار تھا آج ہفتہ کی چھٹی اسے کرنا پڑ گئی تھی۔وہ گاؤں سے باہر ایک مقامی کالج میں پڑھا رہی تھی۔اسے ابھی تین چار ماہ ہی ہوئے تھے یہ جاب شروع کیے۔وہ ایم اے انگلش تھی یہ کالج مقامی سطح پر ساتھ والے گاؤں کے مالکوں نے ارد گرد کے دیہات کی لڑکیوں کی سہولت کے لیے پرائیویٹ لیول پر بنوایا تھا۔ابھی ایک آدھ سال ہی ہوا تھا کہ اس کالج میں فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر کی کلاسز شروع کی تھیں۔یہاں جاب بھی ''بی بی'' نے ساتھ والے گاؤں کے ملکوں سے کہہ کر دلوائی تھی۔

اماں گھر نہیں تھیں وہاں تالا لگا ہوا تھا اور اماں نے اسے بار بار گھر کے چکر لگانے سے بھی منع کر دیا تھا۔وہ پرسوں شام کو حویلی میں آئی تھی عجلت میں وہ صرف ایک دو چیزیں ہی لے کر آئی تھی۔اس وقت کے دس بج رہے تھے ناشتے کے بعد چھوٹی حویلی کے سبھی افراد بی بی سمیت بڑی حویلی جا رہے تھے۔

ماریہ باجی نے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا مگر وہ آصفہ (بڑی چوہدرانی) بیگم اور تیسری چوہدرانی جمیلہ کی وجہ سے انکار کر گئی۔وہ پرسوں سے ایک ہی لباس پہنے ہوئے تھی۔وہ لوگ نکلنے لگے تو اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ بھی اپنے گھر سے ہو آئے۔چابیاں اس کے پاس ہی تھیں وہ تھوڑی دیر گھر کا بھی چکر لگا لے گی اور لباس بھی بدل آئے گی۔

''میں گھر چلی جاؤں بی بی؟'' اس نے بی بی سے اجازت لے لینا مناسب سمجھا۔

''اس وقت؟'' بی بی نے اس کا چہرہ دیکھا،ان کے چہرے پر تفکر کے سائے لہرائے۔

''مجھے کچھ کتابیں لینی ہیں۔ میں نے سوچا کہ فارغ رہنے سے کوئی کتاب ہی پڑھ لوں۔'' سر جھکائے اس نے کہا تو بی بی نے ایک دو پل اسے دیکھا۔

''چلی جاؤ مگر اکیلے نہیں جانا۔ نسرین تو گھر چلی گئی ہے زلیخا اندر ہی ہے اس کو ساتھ لے کر چلی جاؤ۔ زیادہ دیر نہیں رُکنا۔ کتابیں اور کپڑے لے کر فوراً آ جانا۔'' انہوں نے اجازت دی تو حمدہ گہرا سانس لے کر مسکرا دی۔

''جی......'' وہ لوگ بڑی حویلی کے لیے نکلے تو وہ بھی زلیخا اماں کو لے کر اپنے گھر آ گئی۔ وہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی ابھی تالا کھول رہی تھی کہ سفید گاڑی اس کے پاس آ کر رُکی۔ گاڑی کے اندر موجود شخص جان بوجھ کر متوجہ کرنے کو زور سے ہارن دینے لگا تھا۔ حمدہ نے لب بھینچ کر براؤن چادر کے اندر فوراً منہ چھپا لیا تھا۔

''حمدہ بی بی! تساں چھیتی بواء کھولو......اے نحوست مارا ایتھے جم ای گیا اے۔'' باقر علی کو دیکھ کر اماں زلیخا کے بھی تیور بدلے تھے۔

''کیوں دور دور رہندے او حضور میرے کولوں
سانوں دسدیو ہویا کی قصور میرے کولوں''

وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر کافی بلند آواز میں گنگنانے لگا تو حمدہ بغیر توجہ دیئے تالا کھول کر دروازہ دھکیلتے فوراً اپنے گھر میں داخل ہو گئی تھی۔ اماں زلیخا اس کے پیچھے بیرونی دروازہ بند کر کے اسی کمرے میں چلی آئی تھیں۔ وہ دیوار گیر ایک الماری کا پٹ کھول کر اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔

''یہ باقر علی دی جان دا......ترا......دو بچیاں دا پیو بن گیا اے پر حرکتاں نئیں گئیاں...... جنانی او دی چھڈ کے ٹر گئی اے پر انہوں عقل نہیں آئی۔'' اماں زلیخا نے کافی غصے سے کہا۔

حمدہ خاموش رہی۔ جب سے اس نے کالج جانا شروع کیا تھا اماں نے اس کے لیے کئی سوٹ سلوائے تھے۔ مگر ماریہ باجی اور بڑی حویلی کی عورتوں کے کپڑوں کے سامنے یہ چند جوڑے کچھ بھی نہ تھے۔ چند منٹ اِدھر اُدھر ہاتھ مارتے اس نے قدرے ایک معقول لباس نکال ہی لیا کہ جسے پہن کر وہ باجی ماریہ کے مقابل کم مائیگی کے احساس کا شکار نہ ہو پاتی۔

''پتر جلدی لے لو......جو بھی لینا اے، اللہ بیڑا غرق کرے...... لے کے تساں دی زندگی اجیرن کر رکھی اے۔''

اماں زلیخا کی بات پر بھی وہ خاموش رہی۔ کپڑے نکال کر وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ یہ درمیانے سائز کے تین کمروں والا گھر تھا۔ جس کی دیواریں اور چھت پلستر تھیں۔ البتہ بیرونی دروازے سے آگے کچھ حصہ کچی مٹی کا تھا۔ ایک درمیانے سائز کی چھوٹی سی میز تھی جس پر کپڑا ڈال کر استری رکھی ہوئی تھی وہ کپڑے استری کرنے لگی تو اماں زلیخا بھی اسی کمرے میں آ گئیں۔ حمدہ نے جب تک کپڑے استری کیے اماں زلیخا کا موضوع گفتگو باقر علی کی ہی ذات رہی اور حمدہ اس سارے ذکر کے دوران بالکل خاموش رہی۔ جیسے اس نے اس معاملے میں کبھی نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہو؟

''میں نہا لوں، بس تھوڑی دیر لگے گی۔'' اپنے گھر میں آ کر وہ پہلی بار کچھ بولی تھی، اماں زلیخا گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

نہانے کے بعد اس نے اپنے لمبے گھنے بالوں کو تولیے میں لپیٹا ہوا تھا، گیلے بدن کی وجہ سے لباس بھی گیلا ہو گیا تھا۔ بالوں

کو آگے کر کے اس نے تولیے کے ساتھ ایک دو جھٹکے دیئے پھر وہی گیلا تولیہ کمر کے گرد لپیٹ کر بالوں کو پیچھے ڈال کر برش کرنے لگی تھی۔ سردیوں کی دھوپ جسم کو عجیب سکون دے رہی تھی۔ بالوں میں برش کرتے یونہی وہ پلٹی تو دھک سے رہ گئی نگاہ سیدھی سامنے عمارت کی طرف اُٹھی تھی۔

باقر علی حسب معمول اپنی چھت پر کھڑا اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ حمدہ کو لگا اس کے وجود کو انگاروں نے چھو لیا ہو۔ عجیب وحشیانہ غلیظ نگاہیں تھیں، نجانے وہ کیسے چوک گئی تھی جو ارد گرد کا جائزہ نہ لے سکی تھی۔ ان کے گھر کی دیوار سات آٹھ فٹ لمبی تھی مگر سامنے والی عمارت کی بلندی کے سامنے اس دیوار کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ یہ شخص دن بدن اس کی زندگی کا ناسور بنتا جا رہا تھا اور اس شخص کی بہنوں کا غرور کم نہیں ہوتا تھا۔ وہ ایک پل بھی ضائع کیے بغیر بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں روپوش ہو گئی تھی۔ کمرے میں آ کر اپنی وہی براؤن چادر لے کر چاروں طرف یوں پھیلا لی کہ جیسے وہ ان غلیظ نگاہوں کی غلاظت سے بچنا چاہ رہی ہو۔

''کیا ہوا پتر...... خیر ہے نا؟'' اماں زلیخا اسے یوں بھاگ کر کمرے میں گم ہوتے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ حمدہ کا جی چاہا کہ خوب روئے اتنا کہ روتے روتے اس کی سانس رُک جائے اور وہ اس شخص کی پہنچ سے کوسوں دور چلی جائے وہ ساری دنیا کے لیے ایک تماشہ بن چکی تھی۔ اس گاؤں کا چھوٹا بڑا ہر کوئی اس کی ''داستان'' کو مزے لے لے کر سناتا تھا، ایسے میں اس کا جی چاہتا تھا کہ کہیں بھاگ جائے، کسی ایسی جگہ جہاں اس شخص کی غلیظ نظریں نہ ہوں۔ لوگوں کی چٹ پٹی باتیں نہ ہوں۔ طعنے اور طنز نہ ہو، مگر وہ مجبور تھی اس دُنیا میں جینے پر مجبور تھی۔ اماں زلیخا کے استفسار پر محض سر ہلا کر وہ خاموشی سے چند کتابیں لے کر باہر نکل آئی تھی۔

''چلیں......'' اس نے کہا تو اماں زلیخا نے سر ہلا دیا۔ کمروں میں تالے لگا کر باہر نکلی تو نظر غیر ارادی طور پر سامنے عمارت کی طرف اُٹھ گئی اب وہ شخص وہاں نہیں تھا۔

حمدہ کو لگا وہ جیسے ایک دم جی اُٹھی ہے۔ اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''تساں نوں میں حویلی دے گیٹ کول چھڈ کے اپنے کار داوی اک چکر لا لیواں گی۔'' رستے میں اماں زلیخاں نے کہا تو اس نے محض سر ہلا دیا۔

''اماں آپ اپنے گھر ہو آؤ۔ میں اب چلی جاؤں گی۔'' جونہی حویلی کا گیٹ دکھائی دیا اس نے کہا۔

''چل پتر، دھیان نال چلی جا۔'' اس کے اور حویلی کے گیٹ کے درمیان کوئی تیس چالیس قدموں کا فاصلہ تھا۔ وہ سر جھکائے اپنی براؤن چادر چاروں طرف پھیلائے تیزی سے قدم اُٹھاتے آگے بڑھی تھی۔ ابھی وہ پانچ دس قدموں کے فاصلے پر تھی جب وہی منحوس شخص ایک پگڈنڈی سے بھاگتا ہوا ایک دم اس کے سامنے آ گیا۔ حمدہ نے گھبرا کر ارد گرد دیکھا مگر چاروں طرف کوئی نہیں تھا۔

''رستہ چھوڑو۔'' ایک دم غصے اور اذیت سے حمدہ کا بُرا حال تھا۔

''اوئے ہوئے ہمیں تڑیاں......'' وہ ہنسا مگر حمدہ خاموش رہی۔

''چھوٹی حویلی والے تم پر کچھ زیادہ ہی مہربان نہیں ہو رہے۔ آخر چکر کیا ہے؟'' اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس

نے گلے میں پڑی ہوئی گرم چادر کے دونوں پلو تھام لیے تھے۔ حمدہ اس شخص سے ہم کلام ہونا تو ایک طرف اس کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے کترا کر سائیڈ سے نکلنا چاہا مگر اس شخص نے اگلے ہی پل اس کا بازو اپنی آہنی گرفت میں جکڑ کر ایک دم جھٹکے سے اپنے سامنے کیا تھا۔ حمدہ اس آہنی گرفت سے لرز کر رہ گئی تھی۔

''چھوڑو میرا بازو......'' وہ چیخی تھی مگر اس شخص پر مطلق اثر نہیں ہوا تھا۔

''اکڑ نہیں گئی تمہاری......اور وہ بڑھیا ہے کس خوش فہمی میں؟ میرے سامنے زبان چلائی تو مٹی میں رول دوں گا تمہیں......تم میری منگ ہو تو رعایت برت رہا ہوں جس دن میری برداشت ختم ہوگئی تم میرے گھر، میرے کمرے میں پائی جاؤ گی۔'' حمدہ کے آنسو ایک دم بہہ نکلے۔ ایک ہاتھ میں اس نے کتابیں تھام رکھی تھیں، دوسرا بازو اس شخص کی وحشی گرفت میں تھا۔

''میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟ کیوں نہیں میری جان چھوڑ دیتے۔'' وہ سسک اُٹھی تھی مگر اس شخص کو رحم نہیں آیا تھا۔

''اگر جان ہی چھوڑنا ہوتی تو اتنے سالوں سے اس معاملے کو لٹکا کے نہ رکھتا۔'' جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑتے اس نے خاصے غصے سے کہا۔

''اگر تم اس بھول میں ہو کہ میرے ہوئے کوئی مائی کا لعل تمہیں بیاہ کر لے جائے گا تو میری جان اس غلط فہمی سے نکل آؤ۔ میں بندہ مارنا بھی جانتا ہوں اور مرجانا بھی۔ کاشف مراد والا قصہ بھولی تو نہیں۔ وہ بڑھیا تیسرا دن ہے گاؤں سے غائب ہے کہیں کوئی چال تو نہیں چل رہی۔ مگر کان کھول کر سن لو وہ جتنی بھی چالیں چل لے مگر میرے آگے اس کی ہر چال دم توڑ دے گی۔''

وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر حمدہ اب ایک لمحہ بھی رُکے بغیر تیزی سے بھاگی تھی، گیٹ بند تھا، مگر کنڈا نہیں لگا تھا اس کے دھکیلنے سے کھلتا چلا گیا تھا اور حمدہ بغیر پلٹ کر دیکھے اندرونی حصے کی طرف بڑھتی چلی گئی تھی۔

❖ ❁ ❖

وہ بڑی حویلی آیا تھا بی بی، ماریہ اور باقی سب لوگ بھی ادھر ہی تھے۔ یہاں آ کر اسے یاد آیا کہ وہ اپنا موبائل تو اپنے کمرے میں بھول آیا ہے۔ وہ تقریباً وہاں آدھا گھنٹہ بیٹھنے کے بعد واپس اپنی حویلی آیا تھا۔ سلطان بابا نے گیٹ کھولا، انہیں ابھی گیٹ بند نہ کرنے کا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ اس کا یہ کمرہ بی بی نے نیا سجایا تھا، بچپن میں اس کا کمرہ نیچے ہوتا تھا، اب اس کا کمرہ زینہ طے کرتے ہی راہداری میں پہلے نمبر پر تھا۔ موبائل لے کر وہ پلٹا تو نگاہ یونہی شیشے کے پار والے منظر پر پڑی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ سامنے نظر آتے وجود کو دیکھ کو نظر انداز کر دیتا اگلے منظر نے اسے رُکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ایک دم کھڑکی کا شیشہ کھول کر باہر جھانکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ بلاشبہ حمدہ تھی۔ رات ڈائننگ ٹیبل پر دکھائی دیئے جانے والی چاچی مختار کی بیٹی۔ وہ اپنے دھیان میں چلی آ رہی تھی جب باقر علی نے ایک دم حویلی کے گیٹ سے چند قدموں کے فاصلے پر اس کا راستہ روک لیا تھا۔ دونوں میں ایک دو بات ہوئی تھی۔ شاید پھر حمدہ نے سائیڈ سے گزر کر جانا چاہا تھا مگر باقر علی نے ایک دم اس کا بازو تھام کر اس کو پھر اپنے سامنے کر لیا تھا۔ اس کے بعد وہ کافی تلخی اور غصے سے اسے کچھ کہہ رہا تھا جس کے سبب حمدہ رونے لگی تھی۔ عمر کے لیے یہ سب حیرت انگیز اور دلچسپ تھا۔ رات اس لڑکی کا غیر معمولی حُسن دیکھ کر وہ ٹھٹکا تھا اور اپنی طبیعت اور فطرت کے برعکس اسے گاہے بگاہے دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ جبکہ

اب معاملہ اسے کچھ اور ہی نوعیت کا لگ رہا تھا۔ پھر باقر علی نے اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔ حمدہ اب بھی آنسو بہا رہی تھی اور پھر وہ ایک دم بھاگتے ہوئے حویلی کے اندر داخل ہوگئی تھی۔

''یہ سب کیا معاملہ ہے؟'' کیوں نہ حمدہ سے ہی پوچھا جائے۔ حمدہ کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ، جیسے نگاہوں کے سامنے جم گیا تھا۔ یہ خیال آتے ہی وہ تیزی سے اپنے کمرے سے نکلا تھا۔

اس کا ارادہ تیزی سے نیچے جانے کا تھا، وہ اپنے دھیان میں راہداری کا موڑ مڑتے ہی تیز رفتاری سے زینہ طے کرتے وجود کو نہیں دیکھ پایا تھا، نتیجتاً تصادم شدید تھا۔ اپنے دھیان میں تیز رفتاری سے اندر آنے والا وجود اس کے سخت وجود سے ٹکرا کر پیچھے کو گرا تھا، اس سے پہلے کہ عمر کچھ سمجھتا، معاملے کی نوعیت کا اندازہ لگاتا گرنے والا وجود سیڑھیوں سے تیزی گر کر قلابازیاں لگاتا نیچے فرش پر جا گرا تھا۔

نسوانی چیخ شدید تھی، عمر ششدر رہ گیا تھا، یہ کوئی اور نہیں چند پل قبل گیٹ پر نظر آتی حمیدہ ہی تھی جو اب اس تصادم کے نتیجے میں لڑکھڑا گئی تھی۔ وہ فوراً تین تین چار چار زینے پھلانگتا اس تک پہنچا تھا۔ گرتے ہی وہ حواس کھو چکی تھی۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا، اس کی براؤن چادر زینے کی ریلنگ میں اُلجھ کر نہ صرف ایک کونے سے پھٹ چکی تھی بلکہ وہیں سیڑھیوں پر گر گئی تھی۔ وہ نہا کر آئی تھی، گیلے بال خون کی نمی سے مزید نم ہو چکے تھے۔ وہ منہ کے بل فرش پر گری تھی، عمر نے فوراً اس کو کندھوں سے تھام کر سیدھا کیا۔

''کوئی ہے...... اماں زلیخا......'' حمدہ کے گالوں کو تھپک کر اس نے اسے حواس میں لانے کی کوشش کی مگر پھر ناکام ہو کر اس نے آوازیں دیں مگر حویلی میں کوئی ہوتا تو نظر آتا۔ اس کی دائیں کلائی میں پڑی چوڑیاں ٹوٹ چکی تھیں اور کلائی کہنی تک خون آلود ہو چکی تھی۔ سر پر شاید شدید چوٹ لگی تھی، ایک دم فرش پر خون کی دھار بن گئی تھی۔

''سلطان بابا...... سلطان بابا......'' اتنی دور تک اس کی آواز بھلا کہاں سنائی دیتی۔ وہ جب تک کسی کے آنے کا انتظار کرتا، اس لڑکی کا اچھا خاصا خون بہہ جانا تھا۔ اس نے بس ایک پل کو سوچا اور پھر فوراً حمدہ کو بازوؤں میں اُٹھا کر اماں کی کے کمرے میں لے آیا تھا۔

''ماریہ باجی آپ بھائی جان کو لے کر فوراً حویلی آئیں۔ پلیز جلدی میں ماں جی کے کمرے میں ہوں۔'' حمدہ کو ماں جی کے بستر پر لٹا کر اس نے پہلا کام یہی کیا تھا کہ ماریہ باجی کو کال کی تھی۔ موبائل بند کر کے اس نے دیکھا اس کی سفید شرٹ خون سے رنگین ہو چکی تھی۔ وہ عرصے بعد اس حویلی میں آیا تھا، اسے نہیں پتا تھا کہ کون سی چیز کہاں ہے، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ خون کو کیسے روکے، اس نے کمرے میں نگاہ دوڑائی ایک طرف اسٹینڈ پر ٹاول پڑا ہوا تھا، اس کا ایک حصہ پھاڑ کر حمدہ کے سر کے متاثرہ حصے پر باندھا، باقی ٹاول سے اس کے بازو کو صاف کیا، اس کے علاوہ اس لڑکی کے بائیں پاؤں پر بھی خاصی چوٹ آئی تھی۔ لگتا تھا کہ کسی سیڑھی کا کنارہ بُری طرح پاؤں کو زخمی کر گیا تھا۔ اچھی خاصی اسکن اُتر چکی تھی۔ اس کے پاؤں کو تھام کر زخم کا جائزہ لیتے ہوئے گاہے بگاہے حمدہ کے چہرے کو بھی دیکھ رہا تھا۔ کل اس کا خوبصورت اور دلکش وجود بے حد نمایاں تھا، اس کے کالے سیاہ گھنے بال بستر پر بکھرے ہوئے تھے۔

اس کے وجود سے نظریں ہٹا کر وہ باہر نکل آیا تھا۔ اس کی چادر سیڑھیوں پر ہی پڑی ہوئی تھی، وہ چادر اُٹھا کر واپس کمرے میں چلا آیا تھا۔ اس کے دلکش سراپا پر اس کی چادر کو ڈال دیا تھا۔ اس کا حُسن کچھ حد تک چادر کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔ عمر نے اس کی نبض دیکھی، پریشانی والی بات تو نہیں تھی، مگر جس رفتار سے اس لڑکی کا خون بہہ رہا تھا اور ابھی تک بیہوش تھی اس سے عمر کو تشویش لاحق ہو رہی تھی۔ اس نے ایک دفعہ پھر ماریہ باجی کو کال کر کے ایمر جنسی کا کہہ کر فوراً بی جان کے کمرے میں پہنچنے کی تاکید کی تھی۔

ابھی وہ کل آیا تھا، بے شک وہ اسی علاقے کا تھا مگر گزرے سالوں میں ہونے والی تبدیلیاں تھیں کہ وہ خود کو اس ماحول کے لیے اجنبی محسوس کر رہا تھا۔ اگر وہ خود سے اسے فوراً کہیں لے بھی جائے تو کہاں؟ اسے نہ یہاں کسی ڈاکٹر عالم تھا اور نہ ہی کسی ہسپتال کا۔ اس نے پانی کا گلاس لے کر اس کے منہ پر چھینٹے مارے مگر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

''کہاں رہ گئے ہیں یہ ذوالفقار بھائی اور ماریہ باجی؟'' یہ حادثہ اس سے ٹکراؤ کی وجہ سے ہوا تھا، وہ شعوری طور پر قصوروار نہ تھا مگر اب لگ رہا تھا کہ اس لڑکی کا یوں اتنا خون بہہ جانا اس سب کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

''کیا ہوا خیریت؟'' وہ مسلسل اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا جب عقب سے ماریہ کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر ایک دم گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر سیدھا ہوا۔

''ہائے اسے کیا ہوا؟'' جونہی نظر حمدہ پر پڑی وہ ایک دم پریشان ہو کر حمدہ کی طرف بڑھی تھی۔

''کیا ہوا ہے انہیں؟'' ذوالفقار بھائی بھی اندر آ گئے تھے، ان کے لیے بھی صورتحال حیران کن تھی۔

''سیڑھیوں سے گر گئی ہیں۔''

''اوہ...... مگر کیسے؟''

''آپ بھائی جان پلیز اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کریں۔ لگتا ہے سر پر کافی گہری چوٹ لگی ہے۔ منہ کے بل پختہ فرش پر گری ہے، اس سے پہلے سیڑھیوں سے سر ٹکرایا ہے۔'' ذوالفقار بھائی خود بھی ڈاکٹر تھے۔ وہ فوراً اس کے پاس بیٹھ گئے تھے، عمر پریشانی سے قریب کھڑا تھا۔

''فرسٹ ایڈ باکس ہے حویلی میں؟'' بھائی جان نے ماریہ باجی سے کہا۔

''ہاں میں لاتی ہوں۔'' وہ فوراً باہر نکل گئیں۔

''کافی خون بہہ گیا ہے۔ میں کوشش کر چکا ہوں مگر ہوش نہیں آ رہا اسے؟'' عمر کے بتانے پر ذوالفقار بھائی اس کی نبض تھام کر دوسرے ہاتھ سے حمدہ کے سر کا زخم دیکھنے لگ گئے تھے۔ ماریہ باجی فوراً باکس لے آئی تھیں۔ سر کا زخم گہرا تھا۔ اسٹیچنگ کی ضرورت تھی، ذوالفقار بھائی خاموشی سے اپنے کام میں جت گئے۔

''آہ......'' کوئی دس پندرہ منٹ بعد وہ ہلکا سا کراہی۔

تب ہی عمر کی جان میں جان آئی۔ درحقیقت وہ حمدہ کی طویل بیہوشی سے خاصا اپ سیٹ ہو چکا تھا۔

''حمدہ......'' ماریہ باجی اس کا ہاتھ تھامے بڑی محبت سے پکار رہی تھیں۔

''باجی......'' آنکھیں کھول کر ماریہ کو خود پر جھکے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں تکلیف سے ایک دم آنسو آ گئے تھے۔

''رونا نہیں...... کچھ نہیں ہوا؟ بس معمولی سی چوٹ ہے۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔'' باجی نے فوراً اس کے آنسوؤں کو صاف کیا، اس کی بیہوشی کے دوران وہ تولیے سے اس کے منہ، ہاتھوں اور بازوؤں سے خون صاف کر چکی تھی۔ حمدہ کو لگا اس کا سارا جسم پھوڑے کی مانند دُکھ رہا ہے۔ اس نے سوچنے کی کوشش کی کہ اسے کیا ہوا تھا مگر کمزوری نقاہت کی وجہ سے ذہن ایک دم تاریک ہونا شروع ہوا تو اسے لگا کہ وہ ایک بار پھر حواس کھو رہی ہے۔

''حمدہ؟'' ماریہ باجی کی پکار پر اُس نے آنکھیں کھولنا چاہیں، مگر پلکیں وا نہیں ہوئی تھیں۔

''کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے؟'' کوئی بہت تشویش سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے بعد اُس کا ذہن مکمل تاریکی میں ڈوب چکا تھا۔

''انہیں ہوش آ چکا ہے، جو ایک دو انجکشن لگائے ہیں، لگتا ہے اُن کا اثر ہے۔ سر کی چوٹ گہری ہے، پاؤں کا زخم نارمل ہے۔ بازو پر بھی آئی تھنک چوڑیوں کی وجہ سے زخم آئے ہیں۔ باقی اندرونی زخم یہ ہوش میں آئیں گی تو پتہ چلے گا۔'' عمر خاموشی سے ذوالفقار بھائی کی بات سنتے حمدہ کو دیکھے گیا۔

نجانے کیا کشش تھی اس وجود میں کہ وہ کئی پل تک اس کے چہرے سے نگاہ نہ ہٹا پایا تھا۔ یوں جیسے کسی اَن دیکھی طاقت نے اس کی نگاہوں کا حصار اس کے گرد باندھ دیا تھا۔ حمدہ کے چہرے پر کنپٹی سے نیچے رُخسار کی ہڈی پر کافی گہرا نیل پڑا ہوا تھا۔ شاید سیڑھی کا کنارہ لگا تھا عمر کا دل ملال سے بھرنے لگا۔ وہ حمدہ کے پاؤں کی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ نجانے ایک دم کیا ہوا، دل میں ایسی کون سی لہر اُٹھی تھی کہ اس کے ہاتھ غیر محسوس انداز میں اس کے پاؤں کو تھام چکے تھے۔

نرم و نازک گلابی پاؤں کا گداز اس کی مردانہ ہتھیلیوں پر ایک دم اُترا تو وہ دم سادھے چت لیٹے بے خبر وجود کو دیکھے گیا۔ وہ خود بھی حیران تھا کہ یہ اسے کیا ہو رہا ہے؟ کوئی عجیب سا احساس تھا جو حمدہ کے چہرے سے اس کے دل میں اُتر رہا تھا۔

''تمہارے کپڑے بھی خاصے خون آلود ہو چکے ہیں تم چینج کر لو۔'' ماریہ کی نگاہ اس پر پڑی تو ساری شرٹ خون میں رنگین دیکھ کر کہنے لگی۔ عمر نے آہستگی سے ہاتھ حمدہ کے پاؤں سے ہٹا کر اپنی گود میں رکھ لیے۔ تاہم نگاہیں اسی ملیح چہرے کے گرد رقصاں تھیں۔ کچھ دیر پہلے یہ لڑکی باقر علی کے ساتھ حویلی سے چند قدم فاصلے پر کھڑی رو رہی تھی، اس نے اپنی آنکھوں سے اسے حویلی میں داخل ہوتے دیکھا تھا اور اب یہ بیہوش اور زخمی حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ عمر کے اندر ملال کے بادل گہرے ہوتے چلے گئے۔

''ہوں......'' وہ بستر سے اُٹھ گیا تھا۔ طبی امداد مکمل ہو چکی تھی، ذوالفقار بھائی بھی پیچھے ہٹ گئے تھے۔

''جب ان کو دوبارہ ہوش آئے تو مجھ سے پوچھ کر کچھ گولیاں کھلا دیں۔'' ذوالفقار علی، ماریہ باجی کو ہدایت دے کر باہر نکل گئے تھے۔

ماریہ باجی نے بستر پر پڑا کمبل حمدہ کے وجود پر ڈالا تو عمر بھی ایک گہری سانس لیتا اپنے حلیے پر نگاہ ڈالتا کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

آج جو کچھ بھی ہوا تھا، اس کے بعد اس کے دل کی جو کیفیت تھی وہ سب عجیب تر تھی۔ عجیب سے احساس میں گھرتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف چل دیا تھا۔ سیڑھیوں پر ٹوٹی چوڑیوں کے کئی ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے، ان سیاہ ٹکڑوں کو دیکھتے ہوئے عمر کے اندر کی کیفیت میں مزید شدت در آئی تو اس نے لب بھینچ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنا چاہی تھی۔

❖ ✿ ❖

وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا، اس کے دل کی کیفیت ابھی تک برقرار تھی، وہ اچھا خاصا اپ سیٹ ہو چکا تھا۔ کپڑے بدلنے کے بعد وہ دوبارہ حمدہ کو دیکھنے نہیں گیا تھا، اسے لگ رہا تھا اس کی نگاہ دوبارہ اس وجود کی طرف اُٹھے گی تو وہ اپنا آپ بھول جائے گا۔ یہ جو تھوڑے بہت حواس قائم ہیں یہ بھی نہ رہیں گے۔ اب اسے کمرے میں بند ہوئے بھی تین گھنٹے ہو رہے تھے۔ وہ اسی طرح کھڑکی کے شیشے کے پار دیکھ رہا تھا، جب دستک دے کر ماریہ باجی اندر داخل ہوئیں۔

''کیا بات ہے تم کمرے سے باہر نہیں نکلے...... لنچ بھی نہیں کیا؟'' ماریہ باجی کے سوال پر وہ کھڑکی سے ہٹ کر صوفے پر آ بیٹھا۔

''بس یونہی موڈ نہیں ہو رہا تھا۔'' ماریہ نے کافی غور سے اپنے اس نخریلے سے بھائی کو دیکھا۔

''حمدہ کیسی ہے...... ہوش آیا اسے؟''

''ہاں ہوش آیا تھا...... لگتا ہے بیچاری کو اندرونی چوٹیں کافی آئی ہیں مسلسل رو رہی تھی۔ ابھی ماں جی نے اسے کھانا کھلا کر دوا دے کر سلایا ہے۔''

''میں یہ سوچ سوچ کر حیران ہو رہی ہوں کہ وہ اوپر لینے کیا آئی تھی؟ جب ہم بڑی حویلی کے لیے نکلے تھے تب وہ اپنے گھر گئی تھی، اماں زلیخاں کے ساتھ...... اسے کپڑے بدلنے تھے۔'' عمر ماریہ کی بات کے جواب میں بھلا کیا کہتا؟ وہ تو خود بے خبر تھا۔

''جس طرح تم اس کے گرنے کا ذکر کر رہے ہو۔ میں اُلجھ گئی ہوں، ایک بات پوچھوں عمر! سچ سچ بتانا؟'' عمر نے سوالیہ نظروں سے اپنے سے چند سال بڑی بہن کو دیکھا۔

''تمہارے اور حمدہ کے درمیان کوئی بات ہے...... میرا طلب ہے کہ......؟'' وہ جھجکتے ہوئے اپنے جملے کی وضاحت نہ کر پائی تھیں، عمر نے خاصا چونک کر بہن کو دیکھا۔

''کیا مطلب...... میری تو اس سے براہِ راست ابھی تک بات چیت ہی نہیں ہوئی۔ رات کھانے کی ٹیبل پر اسے دیکھا تھا اور پھر جب وہ گری تھی تب دیکھا تھا۔''

''میرا مطلب ہے کہ جس طرح وہ سیڑھیوں سے گری ہے...... حویلی میں کوئی بھی نہیں تھا...... وہ اوپر کیا لینے گئی تھی...... اور پھر ایک دم کیسے گر گئی؟'' جھجکتے ہوئے ماریہ نے اپنے دل کی بات کہہ دی تھی۔ عمر کو ایک دو پل لگے تھے ماریہ کی بات کی گہرائی میں جانے میں اور جب بات اس کی سمجھ میں آئی تو غصے سے ایک دم صوفے سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپا آپ نے ایسی گھٹیا بات میرے متعلق سوچی بھی کیسے؟'' وہ غصے سے ایک دم بولا تھا۔

ماریہ بھی ایک دم کھڑی ہوگئی، عمر کے تیوروں سے وہ ایک دم خائف ہوئی تھی۔

''نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ تم نے رات جب اسے دیکھا تھا، تو کہہ رہے تھے کہ یہ بہت خوبصورت ہے تو میرے ذہن میں یہ آیا کہ شاید کوئی ایسی بات ہوئی ہو؟''

''وہ خوبصورت ہے تو میں نے جو احساسات تھے فوراً کہہ ڈالے۔ میں بھلے ایک آزاد روشن خیال ملک میں رہ کر آیا ہوں مگر اپنی قدروں اور اپنی ماں جی کی تربیت کو کبھی ایک لمحہ بھی فراموش نہیں کیا۔ میرے کردار میں نہ پہلے کبھی جھول آیا تھا اور نہ ہی آج آیا ہے۔ مجھے حیرت ہی نہیں دُکھ بھی ہو رہا ہے کہ آپ نے میرے بارے میں ایسی بات کیسے سوچ لی؟ بھلے حادثے کے وقت حویلی میں کوئی موجود نہ تھا اور میرا اس وقت یہاں موجود ہونا بھی محض اتفاق ہی تھا، مجھے نہیں علم کہ وہ اوپر کیوں آئی تھی مگر آپ کو اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ میرا اس سارے معاملے میں کوئی عمل دخل نہیں میں اپنے دل میں اس کے لیے ویسی ہی عزت محسوس کر رہا ہوں جیسی کہ آپ اور ماں جی کی محسوس کرتا ہوں۔'' وہ دُکھ، کرب، اذیت سے کہہ رہا تھا۔ ماریہ نے گہرا سانس لیتے اس کا بازو تھام لیا۔

''ایم سوری...... یہ محض خیال تھا جو مجھے تنگ کر رہا تھا۔ سوچا تم سے کلیئر کر لوں۔ پلیز بُرا نہ ماننا۔'' عمر لب بھینچتے سنجیدہ تاثرات لیے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

''دراصل چاچی مختار کا گھرانہ پہلے ہی کافی کرائسس سے گزر چکا ہے۔ چاچا طفیل تمہیں یاد ہو شاید جب تم حویلی میں رہتے تھے تو ان کے بارے میں نجانے کیسی کیسی باتیں مشہور تھیں۔ وہ شرابی اور جواری ہی نہیں بلکہ طوائفوں کے چکر میں بھی رہتے تھے۔'' ماریہ باجی نے بتانا شروع کیا تو عمر نے چہرہ موڑ کر بڑی بہن کو دیکھا۔ اسے یہ سب بہت اچھی طرح یاد تھا۔

''اسی چکر بازی میں آہستہ آہستہ انہوں نے نہ صرف ہمارے دونوں ماموؤں کے ہاتھوں اپنی زمینیں بیچیں پھر جو تھوڑی بہت دولت تھی، وہ بھی طوائفوں کے چکر میں اُڑا دی۔ چاچی مختار بڑی باہمت خاتون ہیں، ایسے حالات میں انہوں نے بڑی استقامت اور ہمت سے سب برداشت کیا۔'' عمر ماریہ کی بات بغور سنتے کچھ اُلجھ گیا۔ حمدہ کے گرنے سے پہلے اس نے کچھ اور دیکھا تھا، باقر علی نے جس طرح اس کی کلائی تھامی اور حمدہ کا رونا۔

''چاچی مختار نے نگہت کی شادی اپنے بھتیجے کے ساتھ کم عمری میں ہی کر دی اور پھر ساجدہ کو بھی اپنی کسی خالہ زاد بہن کے بیٹے سے بیاہ دیا۔ رہ گیا قمر وہ لڑکا تھا، دن بدن خراب ہوتے حالات کے باوجود مختار چاچی نے اسے شہر ہوسٹل میں پڑھنے کے لیے بھیجا تھا۔ اب ان کی تمام امیدوں کا مرکز قمر ہی تھا۔ چاچا طفیل اپنی غلط صحبت کی وجہ سے گاؤں آتے تھے چاچی کے لیے وجہ پریشانی بن جاتے تھے۔ زمینیں بچیں پھر جمع شدہ رقم ختم ہوئی تو نوبت چاچی کے زیورات تک پہنچ گئی۔ چاچی حالات کو دیکھ رہی تھیں، انہوں نے نگہت اور ساجدہ کی شادی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی مگر ابھی ان کے دو بچے بیاہنے والے رہتے تھے۔ قمر اور حمدہ بھی ابھی زیرِ تعلیم تھے۔ انہوں نے وہ سارا زیور ''ماں جی'' کے پاس امانتاً رکھوا دیا۔'' ماریہ باجی چند پل کو خاموش ہوئیں عمر کی دلچسپی ایک دم اس معاملے میں خاصی بڑھ گئی۔

''پھر کیا ہوا؟''

''تم نے چاچی مختار کی سفید حویلی دیکھی ہے نہ بچپن میں؟'' عمر نے ماریہ کے پوچھنے پر سر ہلا دیا۔

''جب چاچا طفیل چاچی مختار کو ہر طرح سے بے بس کر چکے تو چاچی، حمدہ کو لے کر اپنے میکے چلی گئیں پیچھے چاچا نے باقر علی

کے ہاتھ وہ حویلی بیچ دی۔"

"کیا واقعی؟"

"ہوں اب وہ حویلی باقر علی کے قبضے میں ہے۔ چاچی چند سال اپنے میکے میں رہیں پیچھے چاچا طفیل کے وہی مشغلے رہے۔ ایک دفعہ باقر علی کا کسی کام سے چاچی کے میکے جانا ہوا، وہاں اس نے حمدہ کو دیکھا، حمدہ کی خوبصورتی نے اسے اتنا متاثر کیا کہ اس نے چاچا طفیل کو اپنی انگلیوں پر نچانا شروع کر دیا۔ چاچا طفیل باقر علی کے کہنے بار بار چاچی کے میکے گیا ان کو لینے اور پھر مجبوراً چاچی کو آنا پڑا۔ اس دوران قمر کا شہر میں تعلیم کے دوران کسی امیر ماں باپ کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ افیئر چلا اور اس نے چپ چاپ شادی کر لی۔ چاچی کو پتا چلا تو وہ بہت بیمار ہو گئیں۔ قمر ان کی تمام اُمیدوں کا مرکز تھا۔ چاچا کو پتا تھا کہ بیمار چاچی ان کی راہ میں اتنی مزاحمت نہیں کر پائیں گی انہوں نے حمدہ کا رشتہ باقر علی کے ساتھ طے کر دیا۔"

"کیا؟" عمر تو حقیقتاً چونکا تھا۔

"پہلے باقر علی نے دھوکے سے اونے پونے داموں چاچا طفیل سے حویلی خریدی پھر حمدہ کا رشتہ مانگ لیا۔ باقر علی ہماری ممانیوں کا بھائی ہے، بالکل فراڈ، لوفر اور بدمعاش فطرت کا حامل۔ کئی جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ تعلقات ہیں۔" ماریہ باجی بڑے دُکھ سے یہ سب بتا رہی تھیں۔

"اور چاچا طفیل اپنی غلط صحبت کی وجہ سے پہلے ہی آدھے ہو چکے تھے، زمین اپنے ہاتھوں سے گنوا دی تھی، دولت رہی نہ تھی، باقر علی کے ہاتھوں وہ بلیک میل ہو رہے تھے، ان حالات میں چاچی مختار نے ایک دفعہ پھر حوصلہ کیا۔ بڑی مشکلوں سے حمدہ کو پڑھایا، خود اس کے ساتھ کالج جاتی تھیں، ہر جگہ اس کا سایہ بنی رہیں۔ انہوں نے صاف اور واضح الفاظ میں حمدہ اور باقر علی کے رشتے سے انکار کر دیا تھا، وہ کون سا غیر شادی شدہ تھا، ایک بیوی تھی دو بچے تھے، مگر حمدہ کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ تمہیں پتا ہے سفید حویلی کے سامنے کچھ زمین بھی چاچا طفیل کے نام تھی۔"

"ہاں......" عمر کو اچانک یاد آیا کہ حویلی کے سامنے ایک ڈیرہ تھا جہاں کبھی کبھار چاچا طفیل کے مہمان آ کر رہا کرتے تھے۔

"جب چاچا طفیل نے حویلی باقر علی کے ہاتھ بیچی تو یہ لوگ اس ڈیرے پر آ گئے ایک دم حویلی سے ڈیرے تک کا سفر چاچی نے بڑی ہمت اور حوصلے سے طے کیا اور جب باقر علی سے حمدہ کے رشتے سے چاچی نے انکار کر دیا تو چاچا طفیل ان کے ہم خیال ہو گئے، تب ماں جی، حمدہ اور چاچی کو حویلی لے آئیں۔ قمر کبھی کبھار چکر لگا تا تھا مگر اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر تھا اور پھر وہ اپنی بیوی کے ساتھ دبئی شفٹ ہو گیا تو چاچی کے لیے ہر آس ختم ہو گئی۔ ادھر باقر علی کا حمدہ سے شادی کا تقاضا بڑھنے لگا، مگر چاچی ڈٹی رہیں، ایک دن چاچا طفیل کا کسی جواری کے ساتھ نشے کی حالت میں جھگڑا ہوا تو گولی لگ گئی چند دن وہ ہسپتال میں رہے اور پھر چاچا فوت ہو گئے۔ باقر علی اب بھی حمدہ کو اپنی منگیتر سمجھتا ہے، اس کے بعد چاچی نے اپنے میکے میں ہی حمدہ کا رشتہ دیکھا، وہ لوگ حالات سے باخبر تھے، چاچی نے خاموشی سے نکاح کر دینا چاہا، جس دن وہ لوگ گاؤں بارات لے کر آئے باقر علی کو علم ہو گیا، اس نے دُلہا کو یرغمال بنا لیا۔ بہت گولیاں چلائیں مرنے مارنے پر تل گیا۔ پھر گاؤں کے بڑوں کے درمیان میں آنے سے اس نے اس لڑکے کو چھوڑ دیا مگر اب حمدہ کی ذات ایک سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے، چاچی نے بڑے دونوں لڑکیاں کم عمری میں ہی بیاہ دی

تھیں، اس ایک دفعہ کے بعد کہیں بھی حمدہ کے رشتے کی بات نہیں چل پائی، یہ کچھ عرصہ حویلی میں رہی تھیں مگر پھر ہماری بڑی اور چھوٹی ممانیوں کی طنزیہ باتوں کو دیکھتے چاچی واپس اسی ڈیرے میں چلی گئی ہیں۔ یہ دونوں ادھر ہی رہتی ہیں۔ باقر علی مستقل سفید حویلی میں تو نہیں ہوتا مگر اکثر وہ ادھر آتا رہتا ہے اور جب بھی آتا ہے حمدہ کے لیے زندگی مشکل بنا دیتا ہے۔ اسے دھمکاتا رہتا ہے، اس کی بیوی اس کی انہی حرکتوں کی وجہ سے اسے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔''

عمر کے ذہن میں ایک دم سارا معاملہ کلیئر ہوا، یقیناً اس نے چند گھنٹے پہلے جو بھی دیکھا تھا وہ بھی شاید اسی سلسلے کی کوئی کڑی تھی۔

''میں تمہیں یہ ساری باتیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ رات جس طرح تم حمدہ کو دیکھ کر برملا اس کی خوبصورتی کا اظہار کر رہے تھے اس سے مجھے خدشہ ہوا کہ تم اسے کہیں کوئی عام لڑکی نہ سمجھ بیٹھو۔ وہ کافی کم گو سنجیدہ مزاج اور بہت زیادہ سلجھی ہوئی لڑکی ہے، جس طرح اس کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی اور پھر اب باقر علی کا کردار یہ سب حوالے اسے بہت تکلیف دیتے ہیں۔ چاچی مختار کو ہم پر بہت اعتماد ہے، وہ جب بھی کہیں جاتی ہیں حمدہ کو حویلی میں چھوڑ جاتی ہیں۔ آج کل بھی وہ اپنی بھاوج کے بھائی کی وفات کی وجہ سے میکے گئی ہوئی ہیں۔ اسی لیے آج کل حمدہ حویلی میں نظر آ رہی ہے۔ شام کو چاچی نے آ جانا ہے تو حمدہ چلی جائے گی۔'' عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔

''وہ یقیناً ایک اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ اس پر پہلی نگاہ ڈالنے سے ہی اس کے کردار کی حقیقت اور سچائی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ میں نے رات کو محض اپنے محسوسات کا اظہار کیا تھا، مگر یہ حادثہ جب ہوا تو وہ اوپر ہی آ رہی تھی وہ کیوں آ رہی تھی یہ مجھے نہیں علم۔'' عمر نے بات پوری کی تو ماریہ مسکرا دی۔

''مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہوگا۔''

''میں بھلے مغربی معاشرے میں ایک لمبا عرصہ گزار کر آیا ہوں، مگر یہ بھی سچ ہے کہ ماموں اور ان کی فیملی کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے نہیں لگا کہ میں نے اتنا لمبا عرصہ اپنے گاؤں یا یا حویلی سے دور گزارا ہے۔ آپ ماموں اشفاق کی سخت گیر طبیعت سے اچھی طرح واقف ہی ہیں، ان کی یہ سخت گیری ہی تھی کہ آج میں اس ماڈرن معاشرے کی تمام تر بُرائیوں سے دور بالکل صاف ستھری شخصیت کا حامل بن پایا ہوں۔ آپ کے ذہن میں شاید یہ تھا کہ جس طرح میں نے حمدہ کی خوبصورتی کی برملا تعریف کی ہے کہیں میں ماڈرن اور بے باک معاشرے کی سی شخصیت کا مالک تو نہیں بن گیا مگر ایسی بات نہیں، میرے نزدیک میری قدریں اور ماں جی کی تربیت کا اولین تاثر بہت اہم تھا اور میں نے زندگی کے ہر معاملے میں ہر قدم پر اپنی قدروں کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ خصوصاً ماں جی کی تربیت کو۔'' ماریہ مسکرا دی۔ وہ ایسا ہی بھائی چاہتی تھی ہر خامی ہر بُرائی سے پاک عورت کی دل سے عزت کرنے والا۔

''تم نے لنچ بھی نہیں کیا۔ آؤ نیچے چلتے ہیں، ماں جی تمہارے لنچ نہ کرنے پر پریشان ہو رہی ہیں۔ اسی لیے میں اوپر آئی تھی۔''

ذہن میں موجود خدشات ختم ہو گئے تھے تو عمر کا ہاتھ تھام کر ماریہ باجی نے قدم باہر کی طرف بڑھا دیئے۔

❖❀❖

اماں شام کے قریب آ گئی تھیں، کچھ دیر بعد حمدہ کے پاس آئیں تو اس کی شدید چوٹوں کو دیکھ کر خاصی پریشان ہو گئی تھیں۔ چوٹوں کے علاوہ بخار نے بھی آ لیا تھا۔ اماں، حمدہ کی حالت دیکھ کر متوحش ہو چکی تھیں مگر ماں جی، ماریہ وغیرہ کے بار بار دلاسہ دینے پر وہ آج رات حمدہ کی وجہ سے ادھر ہی رُکنے پر آمادہ ہو گئی تھیں دوسرا گاؤں میں داخل ہوتے ہی انہوں نے باقر علی کو دیکھ لیا تھا۔ اب حمدہ کی اس خراب حالت کی وجہ سے وہ دو کمروں والے ڈیرہ نما گھر میں جانے کا رسک نہیں لے سکتی تھیں۔

کھانے کی میز پر انہوں نے عمر کو دیکھا، اس سے پہلے عمر کہیں باہر نکلا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی۔ انہیں سلجھا ہوا عمر خاصا پسند آیا تھا۔ آج کھانے کی میز پر ماریہ اس کا شوہر بچے، بی بی کے علاوہ مختار چاچی اور عمر بھی تھے، جبکہ حمدہ بخار کی وجہ سے ''بی بی'' کے کمرے میں ہی تھی، کچھ دیر پہلے مختار چاچی نے خود کھانا کھلا کر دوا کھلائی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد سبھی ہال کمرے میں چلے آئے تھے۔ عمر کچھ دیر ان سب کے پاس بیٹھا پھر ایکسکیوز کرتا وہاں سے اُٹھ کر اوپر اپنے کمرے میں جانے کے بجائے بی بی کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا جہاں حمدہ رُکی ہوئی تھی۔ حمدہ کی بینڈ یج ہونے کے بعد وہ دوبارہ اس کمرے میں نہیں آیا تھا۔ کچھ وہ مسلسل غنودگی میں رہی تھی، اب یقیناً وہ جاگ رہی ہو گی۔ عمر نے اندر داخل ہونے سے پہلے دروازے پر دستک دی تھی۔

''آ جائیں۔'' حمدہ جاگ رہی تھی۔

عمر نے کمرے میں قدم رکھا تو وہ بی بی کے بستر پر دراز دروازے کی ہی طرف دیکھ رہی تھی، اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی، عمر کو دیکھ کر وہ چونکی تھی۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام......آپ......'' عمر سے ابھی تک براہِ راست کوئی تعارف نہیں ہوا تھا۔ کل رات کھانے کی میز پر جس طرح دونوں بہن بھائی سرگوشیوں میں گفتگو کر رہے تھے اس سے وہ یہی سمجھی تھی کہ وہ دونوں اسی کے لیے متعلق باتیں کر رہے ہیں اور پھر جس طرح عمر اُسے گاہے بگاہے دیکھتا رہا تھا اس سے بھی وہ خاصی اُلجھ چکی تھی۔ حادثے کے وقت وہ اسی عمر سے ٹکراؤ کے سبب گری تھی، اس کا سر سیڑھی کے کنارے سے لگنے سے پھٹا تھا۔ اس کے بعد جب وہ گری تھی تو فوراً حواس کھو بیٹھی تھی۔ عمر کو کمرے میں دیکھ کر اس نے اُٹھنے کی کوشش کی تھی۔

''آپ لیٹی رہیں میں بس آپ کی طبیعت دریافت کرنے آیا تھا۔'' عمر کے کہنے پر وہ اسی طرح لیٹی رہی۔

''کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟ ماریہ باجی بتا رہی تھیں کہ اب بخار بھی ہو گیا ہے آپ کو۔'' وہ ایک طرف رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا تھا۔

''جی ٹھیک ہوں۔'' بظاہر دھیمے لہجے میں اس نے کہا تھا مگر اس سے بھی اس کے اندر کی نقاہت کا بخوبی ادراک کیا جا سکتا تھا۔ بخار کی حدت کی وجہ سے چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔

ایک بار پھر اس کو اپنا دل ایک مقناطیسیت کی کشش کی وجہ سے حمدہ کی طرف کھنچتا محسوس ہوا۔ وہ خوبصورتی تھی۔ مگر اس کی

خوبصورت میں مقناطیسیت جیسی کشش تھی، جو مقابل کو پورے زور سے اپنی طرف کھینچ سکتی تھی۔ مگر اس خوبصورتی کے باوجود اس وجود میں ایک اور بات بھی تھی جو اس وجود پر کل رات پہلی نگاہ ڈالنے کے فوراً بعد ہی وہ محسوس کر گیا تھا۔

یہ خاص بات اس لڑکی کا ڈھکا چھپا انداز اور سراپا تھا۔ اس کے کردار کی حیا تھی۔ اس کی تربیت جس ماحول میں ہوئی تھی وہاں عورت بڑی ارزاں چیز تھی مگر یہاں آنے کے بعد بی بی، ماریہ، ممانیوں اور ان کے بچوں کے علاوہ جو تیسرا وجود اس نے دیکھا تھا وہ یہی ذات تھی اور جس طرح اس کی ذات میں وقار اور رکھ رکھاؤ جھلکتا تھا، شاید ایسی خاص کیفیت اور بات اس نے کسی اور عورت میں محسوس نہ کی تھی۔

''سر کا زخم کیسا ہے؟'' دونوں کے درمیان بے معنی سی خاموشی در آئی تو عمر نے خود ہی گھبرا کر پوچھ لیا۔

''درد ہو رہا ہے۔'' درد کی اذیت اس کے چہرے سے بھی چھلک رہی تھی۔

''ذوالفقار بھائی کو کہتا ہوں وہ کوئی پین کلر دے دیں۔ آپ کا بازو اور دایاں پاؤں بھی زخمی تھا نا۔''

''جی...... مگر سر میں زیادہ درد ہو رہا ہے۔'' اپنی بینڈیج ہوئی کلائی اس نے اُٹھا کر اپنے سر کی پٹی کو چھوا۔

''اس کے علاوہ کہیں اور چوٹ تو نہیں لگی؟'' عمر پھر رہا تھا، حمدہ بس نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔ جبکہ کمر پر قلابازی کھا کر گرنے سے جو چوٹیں لگی تھیں وہ ہر کروٹ پر تکلیف دے رہی تھیں۔ شاید اس لیے بخار نے بھی آ لیا تھا، یوں لگ رہا تھا کہ جیسے جسم پھوڑے کی مانند دُکھ رہا ہے۔ عمر کے سوال پر بس ایک لحظہ کو اس کی نگاہوں میں دیکھ کر سر جھکا لیا تھا۔

''میں ذوالفقار بھائی اور ماریہ باجی کو بھیجتا ہوں، اگر کہیں اور بھی تکلیف محسوس کر رہی ہوں تو باجی ماریہ کو بتانے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ بھائی جان سے کہہ کر بہتر ٹریٹمنٹ کروا سکتی ہیں۔'' اس کے چہرے سے عمر نے فوراً اندازہ لگا لیا تھا کہ اسے کہیں اور بھی تکلیف ہو رہی ہے مگر کہہ نہیں پا رہی۔

حمدہ نے خاموشی سے نگاہیں پھیر لیں نجانے کیوں جب بھی اس نے اس شخص کی طرف نگاہ ڈالی تھی اسے بڑی توجہ سے اپنی طرف دیکھتا ہی پایا تھا۔

''جی بہتر۔'' نجانے ان کی آنکھوں میں کیسا تاثر تھا کہ وہ سر اُٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کر پائی تھی۔

''اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ شب بخیر اینڈ اللہ حافظ۔'' ایک بھرپور نظر اس کے وجود پر ڈال کر وہ باہر گیا تھا اور حمدہ اس شخص کی آنکھوں کے تاثر کو ہی لے کر خاصی اُلجھ چکی تھی اوپر سے اس کے یہ الفاظ۔

''اپنا بہت خیال رکھیے گا۔'' ان الفاظ نے اسے مزید ہراساں کر ڈالا تھا۔

''تو کیا باقر علی کے بعد اس جیسی ایک اور آزمائش میری منتظر ہے۔'' اس سوچ نے اس کی رنگت ہلدی کی مانند زرد کر ڈالی تھی۔

حمدہ نے بہت بے دم ہو کر اپنا سر تکیے پر گرا لیا تھا۔

❖ ❁ ❖

ایک دو دن میں حمدہ کا بخار اُترا تو مزید دو دن اس کو اماں نے زبردستی کالج سے چھٹیاں کروا کر آرام کروایا تھا۔ اس کے بعد

وہ اب کالج جا رہی تھی، حویلی سے وہ اپنے گھر اگلے دن ہی آ گئی تھیں۔ اس دن کے بعد وہ ابھی تک دوبارہ حویلی نہیں گئی تھی۔ اس گاؤں کی چند لڑکیاں بھی اسی کالج میں داخل تھیں تو وہ صبح سویرے ان کے ساتھ ہی کالج کے لیے نکل جاتی تھی، یہ مقامی سطح پر اپنی مدد آپ کے تحت چلایا جانے والا کالج تھا۔ دو بجے وہاں سے واپسی ہوتی تھی تو اس کے بعد وہ گھر آ کر گھر کے کاموں میں لگ جاتی تھی۔ شروع کے دن ایک دو دن ماریہ باجی مسلسل بی بی کے ساتھ آ کر اس کی عیادت کر جاتی تھیں پھر جب اس نے کالج جانا شروع کیا تو ماریہ باجی نے بھی آنا چھوڑ دیا۔ اماں خود وہاں دن میں چکر لگاتی رہتی تھیں۔ انہی سے حمدہ کو پتا چلا کہ ماریہ باجی چند دن بھائی کی آمد کی وجہ سے جو میکے آئی تھیں اب واپس چلی گئی ہیں اور ماریہ باجی کی غیر موجودگی میں بی بی اکیلی ہوتی تھیں یا آج کل ان کا بیٹا عمر تھا۔

کالج سے واپسی پر اپنے ساتھ روزانہ آنے والی دونوں لڑکیوں کے ہمراہ قدم اُٹھاتے وہ جیسے ہی شہر کی حدود سے نکل کر کچے راستے پر ہوتی تھی تو عمر ہاشم کو اس جگہ پر آنکھیں جمائے دیکھتی تھی اور جیسے ہی وہ اسے دیکھ لیتا تھا دوبارہ اپنے مزارعوں کے ساتھ مصروف گفتگو ہو جاتا تھا مگر حمدہ کئی قدم تک اس شخص کی پہلی نگاہ کی حدت دور تک محسوس کرتی رہتی تھی اور پھر گھر جا کر وہ اُلجھتی رہتی۔

''ہوسکتا ہے مجھے ہی وہم ہوتا ہو؟ اس شخص کی نگاہ میں وہ تاثر ہی نہ ہو جو مجھے محسوس ہو رہا ہے۔'' اس نے اپنے آپ کو بہلایا مگر کوئی احساس تھا جو اس کے اندر گھر جانے تک کروٹیں لیتا رہا تھا۔

گھر آ کر کپڑے بدل کر کھانا کھا کر ظہر کی نماز پڑھ کر وہ لیٹی تو اماں اس کے پاس آ بیٹھیں۔

''سونے لگی ہو؟''

''جی...... خیریت کوئی بات ہے؟'' اماں اسے کچھ متفکر اور پریشان دکھائی دیں تو وہ دوبارہ اُٹھ بیٹھی۔

''ہاں...... وہ آج باقر علی آیا تھا۔'' اماں نے کہا تو حمدہ سانس روکے اماں کو دیکھنے لگی۔ یہ شخص اس کی زندگی کا ایک رستا ہوا ناسور تھا۔ کبھی کبھار تو حمدہ کا جی چاہتا تھا کہ وہ کسی ایسی جگہ چلی جائے جہاں اس شخص کا جان لیوا تصور تک نہ ہو۔

''پھر؟''

''اچھی خاصی دھمکیاں دے کر گیا ہے۔ سچ مانو تو عثمان والے واقعے کے بعد میں خود بھی ڈر گئی ہوں ایک تنہا عورت کب تک ایسے درندوں کا مقابلہ کرے؟ وہ زور آور ہے، میں گئی تھی آج بڑی حویلی بی بی کو لے کر باقر علی کی دونوں بہنوں سے بات کرنے تو انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ اس سلسلے میں وہ کوئی مدد نہیں کر سکتیں، ان کا بھائی ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ چھوٹی تو مشورہ تک دینے لگ گئی کہ کہیں نہ کہیں تو تمہارا رشتہ کرنا ہی ہے تو پھر باقر علی سے ہی کر دوں۔ میرے دل پر جیسے ہاتھ پڑا تھا، میں بھی اچھی خاصی سنا کر آئی ہوں۔ پر باقر علی جاتے ہوئے دھمکی دے کر گیا تھا کہ اب انتظار نہیں کرے گا ایک دو دن میں پھر چکر لگائے گا۔''

حمدہ نے خاموشی سے ماں کو دیکھا، کئی سالوں سے اس کی ماں تن تنہا اس جیسے جنگلی درندے کے سامنے دیوار بنی کھڑی تھیں اس کے لیے، مسلسل لڑ رہی تھیں آخر کب تک؟ آج اس کی ماں پریشان تھی یقیناً وہ اچھا خاصا دھمکا کر گیا ہوگا۔ حمدہ کو لگتا تھا کہ ہر

گزرتا دن باقر علی اس کے گرد شکنجہ کستا چلا جا رہا ہے۔ عثمان والے واقعے کے بعد اماں کو اُمید تھی کہ وہ اپنے میکے میں ہی اسے کہیں نہ کہیں کھپا لیں گی مگر اب سبھی کو اپنے عزیز تھے۔ حمدہ کی خاطر وہ بھلا کیونکر باقر علی سے دشمنی مول لے لیتے۔ بھائی اس کا خود ڈر کر لندن جا بیٹھا تھا۔ بہنوں کی اپنی زندگی تھی، باپ کا کیا وہ بھگت رہی تھی۔

''تو پھر اب کیا سوچا آپ نے؟'' بڑی اذیت سے اماں کے چہرے کو دیکھا۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ تم کو سرگودھا اپنی خالہ کے گھر بھیج دوں۔ میں پچھلے دنوں فوتگی پر جب گئی تھی تو میری سرگودھا والی خالہ بھی ادھر آئی ہوئی تھیں۔ شادی کے بعد چند دن ایک بار ہی سرگودھا آنا جانا ہوا ہے۔ خالہ کو ساری بات بتائی تو کہنے لگیں کہ تمہیں ان کے پاس بھیج دوں اور کسی سے ذکر بھی نہ کروں۔ گاؤں والے یہی کہتے رہیں گے کہ ہم دونوں کہیں چلی گئی ہیں، بھلے کہتے رہیں اب ایک باقر علی کی وجہ سے تمہاری زندگی برباد کرنے سے تو رہی؟ بی بی سے میں نے ذکر کیا ہے۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ اچھا فیصلہ ہے۔ جس طرح باقر علی آج کل کچھ بھی کر دینے پر تلا ہوا ہے، مجھے تو خود ڈر لگنے لگ گیا ہے۔ آج صاف کہہ گیا ہے کہ اگر میں ایک دو دن میں نکاح کا بندوبست نہیں کر سکی تو وہ خود تمہیں اُٹھوا لے گا۔ گاؤں والوں نے خاصا بیچ بچاؤ کروایا ہے۔ اب تو برادری والے بھی کہنے لگ گئے ہیں کہ کہیں نہ کہیں تو تمہارا بیاہ کرنا ہی ہے نا تو باقر علی سے ہی کر دوں۔'' حمدہ نے لب بھینچ کر سر جھکا لیا۔

''میں خالہ کا نمبر لے آئی تھی آج بی بی کے ہاں ان سے مشورے کے بعد خالہ کو کال کی تھی، وہ کہہ رہی تھیں کہ ایک دو دن میں تمہیں لے کر سرگودھا آ جاؤں اور کسی سے بھی ذکر نہ کروں، اس کے بعد کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر تمہاری شادی کر دیں گے۔''

''اور شادی کر دینا جیسے بڑا آسان کام ہے نا؟'' حمدہ کا جی چاہا کہ کہہ دے مگر متفکر اور پریشان ماں کو وہ اپنے لفظوں سے مزید چھلنی نہیں کر سکتی تھی۔

''اور اگر باقر علی کو پتہ چل گیا تو؟''

''نہیں چلے گا...... بی بی کے علاوہ کسی اور کو پتا ہی نہیں ہوگا کہ ہم کہاں ہیں۔'' اماں خاصی پُر جوش تھیں لگتا تھا کہ وہ سارے حالات کا اچھی طرح تجزیہ کر کے اس سے بات کر رہی تھیں۔

''اماں آپ قمر بھائی سے بات کریں۔ ہوسکتا ہے وہ ہمیں اپنے پاس بلوا لیں۔'' حمدہ نے ایک اُمید بھری نگاہ سے اماں کو دیکھا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

''قمر سے اگر اُمید ہوتی تو یہ حالات یہاں تک پہنچتے ہی کیوں؟ باقر علی جتنا بھی بدبخت سہی مگر ایک دفعہ قمر اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا تو ساری برادری نے ہمارا ساتھ دینا تھا۔ میں نے کئی بار اس سے فون کر کے بات کی ہے پر ہر بار ٹال جاتا ہے۔'' حمدہ نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

''میں چھوٹی حویلی جا رہی ہوں۔ آج باقر علی کو میں نے سامنے والی حویلی میں دیکھا تھا۔ تنہا گھر میں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں، اُٹھو میرے ساتھ ہی چلو۔'' باقر علی کے ذکر پر وہ فوراً بستر سے اُتر گئی تھی۔ اماں ایک منٹ کے لیے اسے گھر میں تنہا نہیں چھوڑتی تھیں۔ خصوصاً ان دنوں تو ہرگز نہیں جب وہ گاؤں یا سامنے والی حویلی میں دکھائی دے جاتا تھا۔

''کتاب وغیرہ لینی ہے تو لے لو...... میرا شام تک ادھر ہی رُکنے کا ارادہ ہے۔ ہو سکتا ہے تب تک یہ منحوس باقر علی بھی یہاں سے دفعان ہو چکا ہو۔'' اماں اسے ہدایت دے کر کمرے سے نکل گئیں تو وہ سر ہلاتی اپنی کتابوں والی الماری کی طرف بڑھی۔ اپنی براؤن چادر لے کر وہ جانے کے لیے بالکل تیار تھی۔

❖ ❁ ❖

حمدہ کو چھوٹی حویلی میں آنا ہمیشہ سے ہی اچھا لگتا تھا، یہاں آنے کی بڑی وجہ یہاں کی خاموشی ہوتی تھی، بی بی اور ماریہ تنہا ہوتی تھیں۔ ماریہ کی شادی ہوگئی اور وقت نے کروٹ بدلی تو حمدہ لوگوں کی اپنی سفید حویلی بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئی اور پھر کچھ عرصہ اماں کے ہمراہ اسے اس حویلی میں مستقل رہنا بھی پڑا تھا اماں کے میکے کی نسبت یہاں رہنے کو وہ ترجیح دیتی تھی، کہ یہ حویلی اسے ہمیشہ سے پسند تھی۔ اس حویلی میں اس کی دلچسپی کی سب سے بڑی وجہ اوپر والے پورشن پر بنی لائبریری تھی۔ اس دن بھی باقر علی سے سامنے کے بعد وہ آنسو بہاتی حویلی میں آئی تھی تو اس کا ارادہ اوپر والے حصے میں بنی اس لائبریری میں جانے کا تھا کہ عمر سے ٹکرا گئی۔ اس دن کے بعد وہ دوبارہ حویلی نہیں آئی تھی، مگر جس طرح عمر کو کالج سے واپسی پر راستے میں چند دنوں سے دیکھ رہی تھی وہ سب اسے اُلجھا رہا تھا۔

اماں اسے حویلی چھوڑ کر خود زلیخا اماں کو لے کر نزدیکی بازار چلی گئی تھیں، وہ کچھ دیر بی بی کے پاس بیٹھی تھی عمر گھر پر نہیں تھا، حمدہ اس کی غیر موجودگی کا سن کر پُرسکون ہوگئی تھی۔ عصر کی نماز بی بی اور اس نے اکٹھے ہی پڑھی تھی نماز کے بعد بی بی نے کوئی وظیفہ شروع کر دیا تو حمدہ زینہ طے کرتے اوپر لائبریری میں چلی آئی تھی۔

ماریہ کے پاس کتابوں کا اچھا کلیکشن تھا، وہ مختار مسعود کی آواز دوست نکال کر آرام دہ صوفے پر آ بیٹھی تھی۔ کالج سے آنے کے بعد وہ سوئی نہیں تھی اب کتاب پڑھتے خود بخود نیند آنے لگی تو وہ اسی ٹوسیٹر صوفے پر نیم دراز ہوگئی تھی۔

❖ ❁ ❖

عمر جب حویلی لوٹا تو ماں جی کو مختار چاچی اور زلیخاں اماں کے ہمراہ بیٹھے پایا ارد گرد خریداری کا سامان تھا۔

''السلام علیکم......''

''وعلیکم السلام۔'' تینوں نے اکٹھے جواب دیا تھا۔ اماں زلیخا اور مختار چاچی ابھی گاؤں لوٹی تھیں اور اس وقت بیٹھی خریدا ہوا سامان دیکھ رہی تھیں۔

''کہاں رہے آج سارا دن؟'' ماں جی نے عمر سے پوچھا، وہ آج سارا دن حویلی سے غائب رہا تھا۔

''بس کہاں رہنا تھا، ماموؤں کی طرف چلا گیا تھا بڑی حویلی۔ ساری دوپہر وہاں گزار کر وہاں سے واپسی پر باغات کی طرف چلا آیا تھا پھر کچھ جاننے والے مل گئے تو سارا وقت ادھر ہی گزر گیا۔'' عمر ماں جی کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گیا تھا۔

''آگے کا کیا سوچا ہے بیٹا؟'' چاچی مختار نے پوچھا تو عمر ہنس دیا۔

''ارادہ تو میرا اپنا بزنس کرنے کا ہے مگر ماں جی چاہتی ہیں کہ میں شہر جا کر علیحدہ سے کچھ کرنے کی بجائے ماموؤں کے ساتھ مل کر کام کروں یا پھر زمین وغیرہ کے معاملات دیکھوں۔''

''سوچ تو بی بی کی بھی ٹھیک ہے۔ تجربہ چاہیے ہوتا ہے۔ عرصے بعد لوٹے ہو کچھ وقت لگتا ہے ہر کام سمجھنے میں۔'' مختار چاچی نے اپنی رائے دی۔

''چلیں دیکھتے ہیں کہ کیا کرتا ہوں، آپ سنائیں طبیعت ٹھیک ٹھاک ہے؟ گھر میں سب خیریت ہے نا؟''

''اللہ کا شکر ہے۔'' مختار چاچی نے جواب دیا تو عمر اُٹھ کھڑا ہوں۔

''میں چینج کر لوں۔''

''حمدہ کہاں ہے نظر نہیں آ رہی؟'' عمر آگے بڑھا تو مختار چاچی نے بی بی سے پوچھا۔ عمر فوراً ٹھٹکا۔

''تو کیا حمدہ بھی آئی ہوئی تھی؟'' عمر کو اپنی دھڑکنوں میں ایک عجیب سا ارتعاش پیدا ہوتا محسوس ہوا۔

''وہ اوپر کتابوں والے کمرے میں ہے۔ مغرب کی نماز بھی شاید اندر ہی پڑھ لی ہوگی نیچے تو نہیں اُترا ابھی تک۔'' بی بی نے جواب دیا۔

عمر فوراً پلٹا اور اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے لائبریری کی طرف چلا آیا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ پردے برابر تھے وہ پردہ ہٹا کر اندر بڑھا تو ٹھٹک گیا۔ وہ سامنے ہی صوفے پر نیم دراز محوِ خواب دکھائی دی۔ براؤن چادر اس کے وجود پر مخصوص انداز میں لپٹی ہوئی تھی کتاب سینے پر دھری تھی ایک ہاتھ کتاب پر اور دوسرا پہلو میں تھا۔ وہ محوِ خواب عجیب سا ماورائی کردار لگی تھی یا پھر خوبصورت مصور کا تراشیدہ پوز۔ عمر کو لگا اس کے دل و دماغ میں ایک کوندا سا لپک گیا ہے۔ وہ مجسمہ حُسن تھی، نازک پیکر بے خبری کے عالم میں بھی کسی کے وجود میں ہزار قیامتیں برپا کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

عمر کا جی چاہا کہ آگے بڑھے اور بے خبری کی نیند میں محو اس نازک سے پیکر کو چھو کر دیکھے مگر عقل احساسات پر غالب آ گئی تو اس نے وہیں دہلیز پر کھڑے کھڑے ہی دروازے کو ناک کیا تھا۔ ایک بار...... دو بار...... عمر نے تیسری بار ناک کیا تو حمدہ نے پلکیں وا کر دیں۔

''حمدہ......؟'' کسی نے پکارا تھا۔ نیند کی حالت میں اس نے صرف گردن گھما کر دیکھا مگر دروازے پر موجود شخص کر دیکھ کر ہڑبڑا کر اُٹھی تھی۔

''آپ؟'' وہ اس جگہ عمر ہاشم کی موجودگی کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ ایک دم کھڑی ہوگئی تھی۔ اس کے سینے پر رکھی کتاب نیچے قالین پر جا گری تھی۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟'' وہی مخصوص انداز تھا دیکھنے کا، حمدہ کنفیوز سی ہوگئی تھی۔

''وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں۔'' کتاب اُٹھا کر وہ عمر کی طرف سے رُخ موڑ کر ریک کی طرف بڑھ گئی تھی۔ کتاب واپس اس کی جگہ پر رکھ کر پلٹی تو عمر کو اسی طرح کھڑے پایا۔

عمر کے دیکھنے کا انداز برقرار تھا۔ حمدہ کی پیشانی کی سلوٹیں واضح ہوگئیں۔ یہ شخص ایسے کیوں دیکھتا ہے؟ وہ اُلجھ گئی تھی۔

''کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟'' عمر کا اس سے بات کرنے کا موڈ تھا، حمدہ نے محض سر ہلا دیا۔

''سر کا زخم کیسا ہے اب؟''

''جی بہتر ہے۔''

''آپ کو میں نے شاید ڈسٹرب کر دیا ہے۔ آپ کی نیند خراب کر دی؟'' حمدہ نے سر اُٹھا کر سنجیدگی سے عمر ہاشم کو دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں وہی مخصوص تاثر تھا وہ اُلجھ گئی۔

حمدہ کا جی چاہا کہ وہ اس کو اس طرح دیکھنے سے ٹوک دے جھڑک دے، مگر پھر سر جھکا لیا کہ وہ یہ سب نہیں کر سکتی تھی۔

''نہیں...... میں تو بس کتاب پڑھنے بیٹھی تھی نجانے کیسے نیند آ گئی؟ چلتی ہوں۔'' وہ مزید ایک منٹ بھی وہاں رُکے بغیر عمر کے قریب سے گزرتے تیزی سے نکل گئی تھی۔

❖ ✿ ❖

وہ اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں وہی کتاب تھی جو دو دن قبل اسٹڈی میں حمدہ کے پاس تھی۔ حمدہ کے جانے کے بعد وہ یہ کتاب لے کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا اور جب بھی فارغ ہوتا تھا یہ کتاب لے کر لیٹ جاتا تھا، اس کتاب میں سے اسے حمدہ کے وجود کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔

عمر اپنے اس پاگل پن پر خود حیرت زدہ تھا مگر وہ اس مسرور کن کیفیت سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کیفیت میں ایک حیات بخش سرور تھا۔ اس نے ایک بڑی پریکٹیل لائف گزاری تھی، وہ عشق و محبت کو قطعی اہمیت دینے والا انسان نہ تھا اور پاکستان آتے ہی جس وجود سے سامنا ہوا تھا وہ حمدہ کا ہی تھا اور جس طرح حمدہ کے وجود کا احساس اس کے دل کے نہاں خانوں میں پیدا ہوا تھا وہ خود بھی اپنی اس کیفیت پر حیران تھا۔ حمدہ اپنے گھر جا چکی تھی اس کے گھر جا کر اس کو دیکھنے کی کوشش ناکام ٹھہری تھی اس کے اگلے روز ہی وہ ان کے ہاں گیا تھا مگر وہ میڈیسن لے کر سوئی ہوئی تھی چاچی مختار سے مل کر وہ آ گیا تھا اور پھر بار بار جانے کی بھی کوئی خاص وجہ نہ تھی بس چار دن اسی کشمکش میں گزرے تھے اور اس سے اگلے دن آموں کے باغات کی طرف جاتے ہوئے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ جس چہرے کو دیکھنے کے لیے اس قدر بے قرار ہے وہ سردیوں کی اس دوپہر میں ایک دم اچانک یوں سرِ راہ نظر آ جائے گا۔

حمدہ پر پہلی نگاہ ڈالنے کے بعد اس نے نگاہ جھکا لی تھی وہ تنہا نہ تھی مگر اس کے بعد جو سکون جو قرار دل کو ملا تھا اپنی اس کیفیت پر عمر خود بھی پریشان تھا اور اگلے دن کل والے مخصوص وقت پر عمر ہاشم کے قدم خود بخود اسی راستے پر ہو لیے تھے اور حمدہ پر نگاہ پڑتے ہی اسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ اس وجود سے انجانے میں پہلی نگاہ والی محبت کر بیٹھا ہے۔

"Lofe in first sight" کیا ہوتا ہے تب اس نے جانا تھا اور پھر اگلا پورا ہفتہ اسی مخصوص روٹین میں گزرا تھا۔ اب دل ایک نگاہ دیکھ لینے کے بعد مزید مراحل طے کرنے کی سوچ رہا تھا۔ دیکھنے کی لذت سے آشنا ہونے کے بعد وہ اب بات کرنے، روبرو ملنے کے تقاضے کرنے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ خاصا پریشان کن مرحلہ ہے، مگر وہ اپنے آپ کو بڑی مشکل سے سنبھال رہا تھا کہ وہ اسے اچانک اسٹڈی میں نظر آ گئی تھی۔ وہ اب دو دن سے کالج نہیں جا رہی تھی تو عمر کو لگ رہا تھا کہ اگلے چند گھنٹوں میں وہ اسے نظر نہ آئی تو وہ تمام تر احتیاط بالائے طاق رکھتے ان کے گھر پہنچ جائے گا۔ وہ بہانے بہانے سے نسرین اور اماں زلیخا سے اس کی طبیعت بھی دریافت کر چکا تھا، چند بار چاچی مختار بھی حویلی میں نظر آئی تھیں، بڑے رازدارانہ انداز میں ماں جی سے گفتگو

کرتی دکھائی دی تھیں، ان سے بھی براہِ راست اس نے حمدہ کی طبیعت کا پوچھ لیا تھا مگر کوئی تسلی بخش جواب نہ مل سکا تھا کہ وہ اچانک گھر میں کیوں قید ہوگئی ہے۔ کالج کیوں نہیں جارہی۔ قوی امکان یہ بھی تھا کہ کہیں وہ پکی سڑک کی طرف سے تو نہیں جانے لگ گئی مگر صبح وہ فجر کے بعد سے اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑے ہوکر پکی سڑک کی طرف جانے والے راستے پر نگاہیں جمائے رکھتا تھا اور پھر نو دس بجے نا اُمید ہوکر وہاں سے ہٹ جاتا تھا۔

''کہاں گم ہوگئی ہوا چھی لڑکی! نظر کیوں نہیں آرہیں؟'' اس وقت اپنے بستر پر لیٹا سینے پر کتاب رکھے وہ تصور ہی تصور میں حمدہ سے مخاطب تھا، جب اس کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''آجاؤ۔'' عمر کو پتہ تھا کہ رات کے وقت اماں زلیخا اسے دودھ دینے آئی ہوں گی مگر ماں جی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ فوراً اُٹھ بیٹھا تھا، کتاب سینے سے ہٹا کر سائیڈ پر رکھی تھی۔

''ماں جی آپ؟'' فوراً بستر سے اُتر کر آگے بڑھ کر ماں جی کا ہاتھ تھام کر بستر پر لا بٹھایا تھا۔

''خیریت...... کوئی کام تھا تو مجھے بلوالیا ہوتا۔ آپ نے اوپر آنے کی زحمت کی۔'' خود بھی ماں جی کے ساتھ ہی بیٹھ کر پوچھا۔ ماں جی کو گھٹنوں کا درد رہتا تھا وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر نہیں آتی تھیں۔ عمر کی بات پر مسکرادیں۔

''ہاں...... بڑا ضروری کام تھا، سوچا خود ہی تمہارے پاس جاؤں۔'' عمر ہمہ تن گوش ہوگیا۔

''آپ حکم کریں ماں جی۔''

''جب سے آئے ہو بڑے خاموش رہتے ہو۔ کوئی بات ہے؟ کوئی پریشان ہے کیا؟'' وہ ماں تھیں اس کے اندر کے حال سے بھلے بے خبر تھیں مگر اس کی ظاہری بیقراری تو دیکھ سکتی تھیں نا۔ عمران کی اس درجہ فکر مندی پر مسکرادیا۔

''بھلا آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کیا پریشانی ہوگی ماں جی! ایسی کوئی بات نہیں۔''

''تم اتنا عرصہ گاؤں، حویلی اور رشتوں سے دور رہے ہو، اب عرصے بعد لوٹے ہو یہاں گاؤں میں بہت کچھ بدلا ہے۔ میں نے ساری زندگی تمہاری اور ماریہ کی خاطر تنہا گزار دی، تمہارے باپ اور ددھیال والوں نے جو بھی کیا میں وہ نہیں دہراؤں گی، تمہاری آس میں، میں نے یہ زندگی کاٹ دی ہے بیٹا۔'' ماں جی کہہ رہی تھیں، عمر اُلجھ گیا، یقیناً ماں جی بہت ہی خاص بات کہنا چاہتی تھیں۔ یہ سب تمہید تھی شاید۔

''ماں جی آپ جو بھی کہنے آئی ہیں بلا توقف کہہ دیں۔'' عمر نے ان کے دونوں ضعیف ہاتھ تھام لیے تو وہ مسکرادیں۔

''تمہارے بڑے ماموں نے اپنی بیٹی کا رشتہ ڈالا ہے۔''

''اوہ......'' عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ ماموں کی بیٹی زویا پڑھی لکھی بظاہر اچھی لڑکی تھی۔ اگر اماں چند دن پہلے جب وہ باہر تھا اس سے کہتی تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوتا۔

''پھر آپ نے کیا کہا؟''

''تمہاری مرضی کے بغیر میں بھلا کیسے ہاں کہہ سکتی تھی۔''

''آپ کی اپنی مرضی کیا ہے؟'' عمر نے سنجیدگی سے ماں جی سے دریافت کیا۔

''سچ پوچھو تو دونوں ماموؤں کے ہاں رشتہ داری کرنے کا میرا دل ہی نہیں مانتا۔ زویا اچھی بچی ہے، مگر سالوں سے ہاسٹل میں رہ رہی ہے اس کے بارے میں کئی طرح کی باتیں مشہور ہیں، آزاد خیال ہے، گاؤں کے ماحول میں نہیں رہ سکتی۔ پھر بھی تم ہر روز ماموں کے گھر جاتے ہو، ہوسکتا ہے تمہیں اچھی لگی ہو۔ مگر میں راضی نہیں ہوں اور سب سے بڑی بات باقر علی کی بھانجی ہے اپنے اس ماموں سے اس کی بہت بنتی ہے، اکثر باقر علی کے ساتھ اس کے گاؤں گئی ہوتی ہے۔''

''اوہ...... تو جب آپ کو پسند نہیں تو آپ انکار کر دیں۔ میں عرصے بعد لوٹا ہوں ماموں روز بلوا لیتے ہیں تو مروتاً مجھے جانا پڑتا ہے، ان کے ہاں چکر لگانے سے مراد یہ نہیں کہ میں زویا کو پسند کرنے لگ گیا ہوں یا میرا انٹرسٹ اس کی طرف ہے۔ نیور......'' عمر نے واضح الفاظ میں انکار کر دیا تو ماں نے گہرا سانس فضا میں چھوڑا۔

''اس لیے میں نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ تم سے بھی پوچھ لوں۔''

''آپ صاف انکار کر دیں۔''

''ہاں میں بھی سوچ رہی تھی۔ اس بات کے علاوہ بھی مجھے تم سے ایک بہت ضروری کام تھا۔'' ماں جی اب اصل بات کی طرف آئی تھیں۔

''کیسا کام؟''

''تمہیں آج رات تین بجے کے قریب ڈرائیور کے ہمراہ کسی کو لے کر سرگودھا جانا ہے۔'' ماں جی کا انداز سرگوشیانہ ہوگیا تھا۔ عمر نے اُلجھ کر انہیں دیکھا۔

''خیریت...... کس کو لے کر جانا ہے؟''

''تم مختار اور اس کی بیٹی کے حالات سے متعلق اتنے دنوں میں تھوڑا بہت باخبر ہو ہی گئے ہو گے؟'' ماں جی نے پوچھا تو حمدہ کے ذکر پر وہ ایک دم فوراً کانشس ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

''جی...... ماریہ باجی نے ہی ان لوگوں کے حالات سے متعلق بتایا تھا۔

''باقر علی کا تقاضا دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اب ہر دوسرے روز وہ مختار کے گھر پہنچا ہوتا ہے۔ حالات نے مختار کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ وہ اور اس کی بیٹی دنیا کی نظروں میں تماشہ بن گئی ہیں، کوئی بھی ان کی مدد کرنے کا خطرہ مول نہیں لیتا۔ باقر علی کے پاس پیسہ ہے، اچھے بُرے ہر طرح کے لوگوں سے تعلقات ہیں۔ غنڈہ گردی میں ماہر ہے۔ نہ اُسے اپنی عمر کا خیال ہے اور نہ ہی کسی کی عزت بے عزتی کا۔'' اماں کے لہجے میں دُکھ اور تاسف تھا، عمر کو لگا اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔

''کیا ہوا ہے چاچی مختار کی بیٹی ٹھیک تو ہے نا؟'' اپنے آپ کو نارمل رکھنے کے باوجود وہ پوچھے بغیر نہ رہ پایا تھا، اس کے لہجے میں بے حد تشویش تھی۔

''ابھی تک وہ بیچاری عزت سے ہی ہے، مگر باقر علی مختار کو کل کہہ گیا تھا کہ اگلے مہینے کی بیس تاریخ کو شادی کی تیاری رکھے۔ بیچاری بڑی پریشان ہے، پیسہ سارا شوہر اپنی زندگی میں ہی بُرے کاموں میں اُجاڑ گیا، ایک حویلی تھی وہ بھی اب باقر علی کے پاس ہے۔ لے دے کے یہ گھر جس میں رہ رہے ہیں اور نہر کے پاس والی زمین رہ گئی ہے، وہ بھی یوں کہ یہ مختار کے نام تھی۔ جب تم

آئے تھے، مختار ایک فوتگی میں گئی تھی، مختار کی ایک خالہ ہے اس نے اپنی مرضی سے ایک خاصے جاگیر دار بندے سے شادی کی تھی، اس فوتگی میں اس کی مختار سے بھی ملاقات ہوئی تھی، اپنی اس خالہ سے یہ لوگ کم ہی ملتے جلتے ہیں، مختار کے سارے حالات جان کر اس نے مختار کو کہا تھا کہ وہ بیٹی کو لے کر سرگودھا آ جائے، اس کے بیٹے اعلیٰ اور اونچے عہدوں پر ہیں وہ سب سنبھال لیں گے۔ بس یہاں کسی کو پتہ نہ چلے۔'' عمر یہ سب سن کر ششدر رہ گیا تھا، اس کے دل و دماغ میں اس ساری گفتگو سننے کے بعد یہی خیال آیا تھا کہ وہ اب حمدہ کو نہیں دیکھ پائے گا اسی تصور نے اسے اچھا خاصا پریشان کر دیا تھا۔

''پر اس کا کیا حل ہوگا؟''

''مختار نے اپنی خالہ اور اس کے بیٹوں سے اچھی طرح صلاح مشورہ کر کے ہی فیصلہ کیا ہے کہ آج رات حمدہ کو یہاں سے نکال دیا جائے باقر علی گاؤں میں ہی ہے اس لیے آدھی رات کا انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔ ہمارا ڈرائیور قابل بھروسہ ہے میں سمجھا دوں گی وہ کسی کے سامنے پھر زبان نہیں کھولے گا، تم کو ساتھ بھیج رہی ہوں کہ لڑکی ذات ہے، اتنا لمبا سفر ہے پھر اچھی خاصی خوبصورت اور جوان ہے، خدا جانے راستے میں کیا حالات ہوں، تم ساتھ ہو گے تو ہمیں تسلی رہے گی تم حمدہ کو وہاں سرگودھا میں چھوڑ کر دو تین دن میں واپس آ جانا، یہاں میں سب کو بتا دوں گی کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ مری سیر کے لیے نکلے ہوئے ہو۔ مختار نے دو دن سے حمدہ کو گھر سے نہیں نکلنے دیا۔ چند دن اسی طرح گزر جائیں گے۔ اگر کسی کو شک بھی ہوا تو مختار کہہ دے گی کہ حمدہ اپنی بہن نگہت کے پاس ہے۔ جانا تو مختار کو بھی ساتھ تھا مگر مختار اپنے خالہ زاد بھائیوں کے سمجھانے پر اب رُک گئی ہے کہ اس طرح دونوں کے غائب ہونے پر کسی کو شک نہ ہو جائے۔ مختار ادھر ہی رہے گی تاکہ باقر علی اطمینان سے رہے، اگر اس کو ذرا سا بھی شک ہو گیا تو وہ تو مرنے مارنے پر تل جائے گا۔ حمدہ والے قصے کو اس نے زندگی موت کا معاملہ بنا رکھا ہے۔''

''پھر اس کے بعد کیا ہوگا اور جب اگلے ماہ تک حمدہ واپس گاؤں نہ پہنچی اور باقر علی شادی کے لیے آ پہنچا تو پھر؟''

''مختار کے خالہ زاد بھائیوں نے اسے تسلی دی ہے کہ اس دوران وہ کہیں اچھی جگہ رشتہ دیکھ کر حمدہ کی شادی کروا دینے کی کوشش کریں گے اور باقر علی نے پتا چلنے پر شور کیا تو وہ اس کا بھی بندوبست کر لیں گے۔ بس ایک بار حمدہ کی شادی ہو جائے۔'' عمر کو لگا کہ اس کے اعصاب پر گویا بم پھٹا ہے۔

ماں جی کی ساری گفتگو سننے کے بعد اس کے دل کی بیقراری کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

''اور مختار چاچی کی خالہ کی فیملی کیسی ہے؟ آئی مین کریکٹر وائز کیسے لوگ ہیں؟''

''مختار تو ان کی بڑی تعریفیں کرتی ہیں۔ پہلے ہمارا ارادہ یہی تھا کہ تم لوگ حمدہ کو چھوڑ کر واپس آ جاؤ گے مگر پھر میں نے ہی مختار کو مشورہ دیا تھا کہ اکیلی جوان لڑکی کو اجنبی لوگوں میں چھوڑ کر آ جانے کی کوئی تک نہیں بنتی۔ عمر تم چند دن وہاں رُکنا، وہاں کے اندرونی حالات اور گھر والوں کے طور طریقوں کو اچھی طرح دیکھنا اگر تمہیں لگے کہ حمدہ کے وہاں رہنے میں خطرے والی کوئی بات نہیں تو ٹھیک ورنہ پھر جس طرح تم لے کر جاؤ گے واپس لے آنا۔'' عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ یعنی اس کو حمدہ کے قریب رہنے کی کچھ مہلت مل رہی تھی۔

''کب نکلنا ہے؟''

''رات تین بجے......حمدہ کو مختار حویلی میں چھوڑ گئی ہے۔''

''حمدہ اس وقت حویلی میں ہے۔''عمر کے لیے یہ بات بڑی خوشگوار تھی۔

''تم سو جاؤ اب......میں نے زلیخا اور نسرین دونوں کو چھٹی دے دی ہے سلطان کو پتہ نہیں چلے گا میں تم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی حمدہ کو گاڑی میں سوار کروا دوں گی۔ سلطان کو یہی پتا ہوگا کہ تم اور ڈرائیور مری کی سیر کے لیے نکلے ہو۔ ہاں اپنی تیاری کر لینا، وہاں تمہیں چند دن رُکنا ہوگا۔''بی بی جان اسے ہدایات دیتے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''آئیں میں آپ کو نیچے کمرے تک چھوڑ آؤں۔''یقیناً حمدہ نیچے ماں جی کے کمرے میں ہی ہوگی۔ اس کو دیکھنے، صرف ایک نگاہ دیکھ لینے کی خواہش اس قدر شدید تھی کہ ماں جی کے ساتھ فوراً وہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''تم سو جاؤ۔''ماں جی نے روکنا چاہا۔

''نہیں......کچھ نہیں ہوتا۔''وہ ماں جی کو بازوؤں کے حصار میں لیے کمرے سے نکل آیا تھا۔ ماں جی اس محبت پر مسکرا دی تھیں۔

زینہ طے کر کے وہ ماں جی کے کمرے کے سامنے آرُکا تھا۔

دروازے کے دوسری طرف وہ تھی مگر ماں جی نے دروازے کے باہر سے ہی اسے جانے کو کہہ دیا تھا، عمر کو لگا کہ وہ کنویں کے پاس پہنچ کر پیاسا لوٹایا جا رہا ہے۔ اس کے دل کی حالت عجیب سی ہوگئی۔

وہ ساری رات نہیں سو پایا تھا۔ وہ وقت سے بہت پہلے ہی اُٹھ کر تیار ہو چکا تھا۔ تین بجے کے قریب وہ نیچے آیا تو اماں باہر سے آتی دکھائی دیں۔

''بشیر (ڈرائیور) آ چکا ہے۔ اس کو ہی پتہ ہے کہ تمہارے ساتھ چند دنوں کے لیے مری جا رہا ہے، اس کو راستے میں ہی سمجھا لینا۔ حمدہ کو میں گاڑی میں بٹھا آتی ہوں، یہ کچھ رقم ہے رکھ لو، کام آئے گی۔''ماں جی اسے جلدی جلدی ہدایات دے رہی تھیں۔

''اس کارڈ پر سرگودھا جہاں پہنچنا ہے، اس جگہ کا سارا پتہ درج ہے، یہ فون نمبرز بھی ہیں۔ یہ مختار کی خالہ کا نمبر ہے وہ اچھی طرح سمجھا دیں گی۔''عمر نے اپنا سفری بیگ تھام رکھا تھا، اماں سے مل کر ان کو اچھی طرح تسلی دے کر وہ گاڑی کی طرف چلا آیا تھا، بشیر اصل صورتحال سے بے خبر تھا۔ اس نے فرنٹ ڈور کھولا تو وہ ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

سلطان بابا نے گیٹ کھول دیا تھا، بشیر نے گاڑی نکالی تو عمر نے اس دوران بھاری جیپ کے پردے برابر کر دیئے تھے۔ گاڑی کی لائٹ آف ہی تھی عمر نے موبائل کی روشنی میں دیکھا۔ حمدہ اس کے دائیں طرف اپنی مخصوص چادر اپنے گرد لپیٹے بیٹھی ہوئی تھی۔ بس اس دفعہ فرق یہ تھا کہ اس بار چادر نے اس کے وجود کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کو بھی ڈھانپ رکھا تھا۔ عمر دل کی ہزار خواہشوں کے باوجود اس کا چہرہ نہ دیکھ پایا تھا۔

''السلام علیکم!''عمر نے آہستگی سے اسے پکارا تو وہ محض سر ہلا گئی۔

''کافی لمبا سفر ہے آپ آرام و سکون سے سو جائیں۔ آپ کو باحفاظت آپ کی منزل تک پہنچانا اب ہمارے ذمہ ہے۔''عمر

نے اسی دھیمے انداز میں کہا تو حمدہ نے دوبارہ سر ہلا کر سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکا لیا۔ گاڑی گاؤں کی حدود سے نکلی تو عمر نے گہرا سانس لیا۔

''بشیر گاڑی کی لائٹس آن کرلو۔'' حفظ ماتقدم کے طور پر انہوں نے لائٹس روشن نہیں کی تھیں۔ بشیر نے عمر کے حکم پر بیرونی لائٹس کے ساتھ ساتھ اندرونی لائٹس بھی روشن کر دی تھیں۔ عمر نے دیکھا لائٹ روشن ہونے پر حمدہ نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا، وہ یقیناً خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔

''آپ رو رہی ہیں؟'' عمر کو اس کے رونے سے خاصی تکلیف ہوئی تھی۔ حمدہ نے چونک کر اسے دیکھا وہ متوجہ تھا۔ وہی نگاہ کا مخصوص تاثر...... حمدہ کا دل لرز کر رہ گیا۔ وہ لب بھینچ کر سر جھکا گئی تھی۔

بشیر بھی لائٹ آن ہونے کی وجہ سے اندرونی منظر دیکھ کر چونک گیا تھا۔ براؤن چادر میں لپٹا وجود اسے حیرت زدہ کرنے کو کافی تھا، مگر وہ اُلجھ گیا تھا بیک ویو مرر سے اس نے عمر کی طرف دیکھا مگر وہ جرأت کے باوجود پوچھنے کی ہمت نہ کر پایا۔ عمر نے اس کی توجہ محسوس کر لی تھی اور مسکرا دیا۔

''بشیر ہم مری نہیں بلکہ سرگودھا جا رہے ہیں۔ گاڑی سرگودھا روڈ کی طرف موڑ لو اور ہاں پریشان مت ہوں میں تمہیں راستے میں سمجھا دوں گا، اور گاڑی کی اندرونی لائٹ آف کر دو۔'' اس کے بعد سفر خاموشی سے کٹنے لگا تھا۔ تین گھنٹوں کے سفر کے بعد وہ گجرات دریائے چناب کا پل کراس کر رہے تھے تو وہاں ہوٹل کا انتظام دیکھ کر عمر نے گاڑی روکنے کو کہا تھا۔

''یہاں کیوں روکی ہے؟'' حمدہ نے چونک کر عمر کو دیکھا۔

''کچھ دیر یہاں ٹھہر کر فریش ہولیں۔ سردی کی وجہ سے چائے یا کافی کی ضرورت ہوگی تو وہ پی لیتے ہیں۔'' حمدہ خاموش ہو گئی تھی اور عمر کے کہنے پر گاڑی سے نکل آئی تھی۔

عمر اسے لیے اندرونی حصے کی طرف آ گیا تھا ریسپشن پر رُک کر اس نے ایک کمرے کی چابی لی تھی۔

''آئیں میں آپ کو کمرے تک چھوڑ آتا ہوں، کچھ دیر رُک کر فریش ہولیں۔ میں ادھر باہر ہی رہوں گا۔ اگر کچھ کھانے پینے کی ضرورت ہو تو فون کر کے روم میں منگوا لیجیے گا۔'' حمدہ، عمر کے سلجھے ہوئے انداز پر شرمندہ ہو گئی تھی۔ عمر اسے روم تک چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔ حمدہ نے فریش ہو کر منہ ہاتھ دھویا تھا، باہر ابھی کافی اندھیرا برقرار تھا۔ وضو کر کے اس نے بستر کی چادر بچھا کر پہلے نماز پڑھی تھی، ابھی وہ دُعا مانگ رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی اس نے چونک کر دروازے کو دیکھا اور پھر اُٹھ کر قریب چلی آئی۔

''جی......کون؟''

''عمر......'' حمدہ نے دروازہ کھول دیا تو عمر کے ہمراہ ویٹر بھی تھا جس کے ساتھ چائے اور کھانے کے لوازمات والی ٹرالی بھی تھی۔

عمر کے اشارہ کرنے پر ویٹر ٹرالی اندر لے آیا تھا اور پھر خاموشی سے واپس چلا گیا تھا۔ حمدہ جو چادر کا پلو ہاتھ میں پکڑے چہرے پر رکھے کھڑی تھی ویٹر کے نکلنے پر اس نے پلو گرا دیا تھا۔

''آپ نے خوامخواہ زحمت کی۔ میں کسی بھی چیز کی ضرورت محسوس نہیں کر رہی۔'' اس کے انداز میں کچھ تلخی در آئی۔
''مجھے اندازہ تھا اس لیے خود ہی منگوا لیا۔ آئیں کچھ لے لیں پلیز۔'' عمر کا انداز شائستہ تھا وہ چپ ہو گئی۔ جائے نماز والی چادر اُٹھا کر واپس بستر پر بچھا کر خود بھی بستر کے کنارے ٹک گئی تو عمر نزدیکی صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔
''ہم یہاں کب تک رُکیں گے؟''
''آپ یہ لے لیں پھر نکلتے ہیں۔'' عمر کے اشارہ کرنے پر اس نے ٹرالی اپنی طرف کھسکا لی تھی۔
چائے کے ساتھ دیگر لوازمات بھی تھے، چائے بنا کر چینی ملاتے ہوئے وہ رُکی نظر اُٹھا کر عمر کو دیکھا وہ اسی کی طرف متوجہ تھا، مسکرا دیا۔ وہی نگاہ کا دل موہ لینے والا مخصوص تاثر تھا۔
''ہاف ٹی اسپون......'' حمدہ کے اندر جھنجلاہٹ بڑی شدید تھی۔ مگر اپنے چہرے کو بمشکل نارمل کرتے چینی ملا کر کپ بغیر عمر کی طرف دیکھے اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔
''شکریہ......'' عمر نے کپ تھام لیا تھا۔ دونوں نے خاموشی سے چائے پی تھی حمدہ عمر کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی مگر گاہے بگاہے اپنے چہرے پر عمر کی پُرتپش نظروں کی حدت شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ ایسے میں اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔
''آپ کے پاس موبائل ہوگا؟'' چائے پی کر عمر نے پوچھا تو حمدہ نے چونک کر اسے دیکھا وہ سنجیدہ تھا۔
''جی ہے تو......؟'' حمدہ سوال کے پس منظر سے بے خبر تھی۔ موبائل اس کے شولڈر بیگ میں تھا اور بیگ اس نے کمرے میں آ کر بستر پر رکھ دیا تھا۔
''ذرا دیں گی۔'' حمدہ نے سر ہلا کر بیگ سے ایک معمولی سا سیٹ نکال کر عمر کی طرف بڑھا دیا۔
عمر نے موبائل لے کر پہلے تو چند منٹ اس کے تمام سسٹم کا جائزہ لیا اور پھر سم نکال کر موبائل واپس حمدہ کی طرف بڑھا دیا تھا۔ حمدہ نے تھام تو لیا تھا مگر عمر کی اس حرکت سے اُلجھ گئی تھی۔ ساتھ ہی عمر نے اپنی پاکٹ سے ایک اور موبائل سیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔
''آپ کی احتیاط کے پیش نظر میں نے یہ سم نکالی ہے۔ ہوسکتا ہے گاؤں سے ماں جی یا چاچی مختار آپ کے نمبر پر کال کریں تو نمبر ٹریس کروانا آسان ہو جائے گا۔ اسی لیے یہ سیٹ رکھ لیں اس میں نئی سم ہے یہ نمبر ماریہ باجی اور ماں جی کے علاوہ صرف میرے علم میں ہے اگر آپ یہ نمبر یوز کریں گی تو آپ کو پریشانی نہیں ہوگی۔'' حمدہ نے ایک گہری سانس لیا۔ اگر بات نمبر کی تھی تو وہ اپنے موبائل میں بھی استعمال کر سکتی تھی مگر ایک نیا خاصا مہنگا اور قیمتی سیٹ دینا وہ سمجھ نہ سکی تھی۔
''یہ نیو اسٹائل کا ایک کمپیوٹرائزڈ موبائل ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہے کہ آپ کو لوکیشن ظاہر کیے بغیر تمام کالز کا ریکارڈ یہ اپنے اندر محفوظ رکھتا ہے اگر گاؤں سے اس سیٹ پر کال کی جائے گی تو بھی ٹریس نہیں کی جا سکے گی۔'' عمر کی مزید وضاحت نے اسے قدرے پُرسکون کیا تھا۔
''ویسے بھی میرا یہ نمبر عام نمبر نہیں ہے۔ کوئی ٹریس کرنے کی کوشش بھی کرے تو پتا نہیں چل پائے گا۔''
''مگر آپ کیا کریں گے؟'' وہ سمجھی تھی کہ عمر نے اپنا موبائل اسے دے دیا ہے وہ مسکرایا۔

''ڈونٹ وری میرے پاس اس جیسا ایک اور سیٹ بھی ہے۔'' وہ قدرے ریلیکس ہوگئی تھی۔
حمدہ نے خاموشی سے موبائل اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا حمدہ کے اس عمل سے عمر کے اندر ایک عجیب سرخوشی سی پیدا ہوئی تھی، عمر کو ایک دم یوں لگا کہ اس نے گویا موبائل نہیں بلکہ اس کے وجود کو قبول کر لیا ہے۔
''کافی دیر ہوگئی ہے۔ اب چلیں۔'' وہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

❖ ✿ ❖

اماں نے حمدہ کو اپنی خالہ اور ان کے سسرال کے متعلق اچھا خاصا بتا دیا تھا۔ وہ ان لوگوں سے مل کر نارمل ہی رہی تھی جبکہ عمر خالہ بی کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ خالہ جن کا اصل نام رخشندہ تھا وہ مختار چاچی سے سات آٹھ سال بڑی ہوں گی۔ ان کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں اور سبھی بچے شادی شدہ تھے۔ سب سے بڑے افتخار صاحب تھے جو کہ اپنے علاقے کے ایم این اے تھے۔ یہ لوگ جدی پشتی جاگیردار تھے، ان کے والد وفات پا چکے تھے اور باپ کی وفات کے بعد اب افتخار صاحب اپنی علاقائی سیٹ پر تھے۔ ان کے بعد دو بہنیں تھیں جو شادی شدہ اور گھر بار والی تھیں۔ اس کے بعد شہباز صاحب تھے۔ فیڈرل گورنمنٹ میں خاصے اونچے عہدے پر تھے اور بیوی بچوں کے ہمراہ اسلام آباد میں مقیم تھے۔ سب سے چھوٹے انس تھے جن کی حال ہی میں شادی ہوئی تھی اور فی الحال کوئی بچہ نہ تھا، یہ بھی صوبائی گورنمنٹ میں تھے۔ خود لاہور ہوتے تھے، جبکہ بیوی آبائی حویلی میں ہوتی تھیں۔ افتخار صاحب کے بھی تین بچے تھے اور سکول ایج میں تھے، دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ ان لوگوں نے حمدہ اور عمر کو ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ خاصا پروٹوکول دیا گیا تھا۔ عمر کی افتخار انکل سے اس سارے مسئلے پر ایک لمبی بات چیت ہوئی تھی جس سے عمر نے اندازہ لگایا کہ افتخار انکل کا اپنے علاقے میں اچھا خاصا ہولڈ ہے۔ ان کے اندر جاگیرداروں والا مخصوص رُعب و دبدبہ پایا جاتا تھا، انہوں نے حمدہ والے معاملے میں عمر کو بالکل بے فکر ہو جانے کو کہا تھا بلکہ وہ باقر علی کے خلاف قانونی طور پر کوئی نہ کوئی کارروائی کرنے پر بھی بضد تھے عمر نے ان کو فی الحال کوئی بھی قدم اُٹھانے سے منع کیا تھا کہ باقر علی سے اگر گفت وشنید سے معاملہ حل ہو سکتا ہے تو وہ نہیں چاہتا تھا کہ بات زیادہ بگڑے۔

اسے یہاں آئے تیسرا دن تھا حمدہ اندرونی حصے میں رہ رہی تھی جبکہ اس کا اور بشیر کی رہائش کا انتظام مردان خانے میں تھا۔ تاہم دن میں ایک بار وہ ملازمہ کو پیغام بھیج کر حمدہ کو بلوا کر ضرور مل لیتا تھا۔ یہاں آ کر حمدہ سے متعلق اس کے جذبات میں مزید شدت آئی تھی۔

اماں اور مختار چاچی سے وہ روزانہ بات کر رہا تھا۔ فی الحال وہاں کی صورتحال نارمل ہی تھی۔ باقر علی روزانہ مختار چاچی کے ہاں چکر لگا رہا تھا۔ شادی کے سلسلے میں ہر روز آ کر کوئی نہ کوئی شوشا چھوڑ رہا تھا۔ تاہم وہ ابھی تک حمدہ کی غیر موجودگی سے بے خبر ہی تھا۔ ماں جی یہاں کے حالات اچھے جان کر مطمئن ہوگئی تھیں۔ ان کا مشورہ دیا تھا کہ عمر آج کل میں اب واپس آ جائے۔ وہ مردان خانے کے کمرے میں لیٹا نجانے کیا کچھ سوچ رہا تھا جب دستک ہوئی تھی اور اس کی اجازت سے حویلی کا ایک ملازم اندر آ گیا تھا۔

''افتخار صاحب نے یاد کیا ہے آپ کو؟'' ملازم نے اطلاع دی تو اس نے آنے کا کہہ کر اسے چلتا کیا۔ افتخار صاحب باہر

گاڑیوں کے پاس کھڑے تھے، شاید کہیں جانے کا ارادہ تھا۔

''آؤ یار تمہیں کہیں گھما پھرا لائیں۔ تیسرا دن ہے تمہیں یاں آئے ابھی تک اپنا علاقہ ہی نہیں دکھایا۔'' عمر سے افتخار صاحب خاصا گھل مل گئے تھے۔ اس کے کندھے پر بازو رکھ کر بے تکلفی سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''کیوں نہیں۔'' وہ ان کے ساتھ ہی ان کی جیپ میں آ بیٹھا تھا۔ ان لوگوں کا علاقہ خاصا خوبصورت تھا، جا بجا مالٹوں کے باغات تھے، اس علاقے کی خوبصورتی شاید یہ باغات ہی تھے۔ افتخار صاحب کی اپنی زمینیں تھیں۔

''اس طرف نہر (ایک چھوٹا نالہ) کی طرف سے باغات دیکھنے والے ہیں۔ تم گھومو پھرو...... مجھے ڈیرے پر کچھ کام ہے۔ ادھر چلتا ہوں، واپسی پر ملتے ہیں۔'' افتخار صاحب کو ایک فون آ گیا تو وہ عمر کو کہہ کر خود چلے گئے تھے۔ باغ کے ملازم اپنے کام میں مصروف تھے ایک ملازم اس کے ساتھ تھا یہ حویلی کا کوئی ملازم تھا۔

''میں دیکھ لوں گا ڈونٹ وری یار......'' ملازم ساٹھ ستر سال کی عمر کا ضعیف انسان تھا۔ کب سے ساتھ تھا۔ اب وہ تھکن محسوس کر رہا تھا۔ عمر کو اس کی تھکن کا احساس ہوا تو اسے منع کرتے خود ہی آگے بڑھ آیا۔ اس طرف چھوٹی سی نہر تھی (حرف عام میں ایسی نہروں کو نالے بھی کہا جاتا ہے) وہاں نہر کے پل کے پاس دو تین خواتین دکھائی دیں تو عمر چونکا۔ ان خواتین میں ایک حمدہ بھی تھی، ایک لڑکی ملازمہ تھی اور ایک شاید حویلی کی خواتین میں سے کوئی تھیں۔ (کیونکہ حویلی کی خواتین کو اس نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا) یہ لوگ شاید سیر کو نکلی تھیں عمر وہیں کچھ فاصلے پر رُک گیا تھا۔

''حمدہ یار! اس طرف کا پانی بہت ٹھنڈا ہے، آؤ تم بھی پاؤں لٹکا کر بیٹھو بڑا مزہ آئے گا۔'' کھنکتی آواز پر حمدہ نے مسکرا کر کانوں کو ہاتھ لگایا تھا۔

''نہیں بابا مجھے معاف کریں۔ اتنی سردی ہے آپ کے علاقے میں...... میرا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' اس نے فوراً انکار کر دیا تھا بلکہ کچھ فاصلے پر ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''اچھا...... ابھی تم نے سردی دیکھی کہاں ہے؟ کیوں زینیے حمدہ کو سردی کا نظارہ نہ کروا دیں۔'' اس خاتون کی عمر کی طرف پشت تھی، عمر خاموشی سے تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں لڑکیوں نے ایک دوسرے کو نجانے کیا اشارے کیے تھے کہ انہوں نے فوراً دونوں ہاتھوں میں پانی بھر بھر کر حمدہ کی طرف اُچھالنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس افتاد پر ایک دم گھبرائی تھی۔ پانی کے چھینٹوں سے بچنے کے لیے وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر کئی قدم پیچھے ہٹی تھی۔ عمر دیکھ رہا تھا جس طرح وہ پیچھے ہٹ رہی تھی بالکل نہر کے کنارے پر پہنچ گئی تھی۔

''حمدہ......'' عمر نے فوراً ڈر کر خاصا فاصلہ ہونے کے باوجود اسے آواز دی تھی مگر تب تک دیر ہو چکی تھی۔ حمدہ بے توازن سی ہو کر پیچھے کو گری تھی اور اگلے ہی پل وہ اس چھوٹی سی نہر کے پانی میں تھی۔

''حمدہ......'' عمر فوراً نہر کی طرف بھاگا تھا، بغیر کچھ سوچے سمجھے اس نے نہر میں چھلانگ لگا دی تھی۔ دونوں لڑکیاں چیخ چیخ کر کسی کو مدد کے لیے پکار رہی تھیں۔ عمر اچھا تیراک تھا اس نے لمحوں میں حمدہ کو جا لیا تھا۔ حمدہ پیچھے کی طرف گرتے ہوئے کسی سخت چیز سے ٹکرائی تھی، شاید کنارے پر لگے کسی پتھر سے اس نے ایک دو پل اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی تھی مگر سب بے سود تھا

بس اسے ایک دم ایسا لگا جیسے کسی نے اسے دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا ہے اس کے بعد اس کا ذہن بالکل تاریک ہو چکا تھا، عمر ایک اچھا تیراک ضرور تھا مگر حمدہ کے بے حواس وجود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ نہر اس جگہ سے خاصی دور تھی جہاں باغ میں ملازم کام کر رہے تھے ورنہ دونوں لڑکیوں کی چیخ و پکار سن کر کوئی نہ کوئی پہنچ ہی جاتا۔

عمر، حمدہ کو ایک بازو کے حصار میں لیے دوسرے بازو اور پاؤں کے ساتھ ہاتھ پاؤں مارتے قدرے کم گہرے حصے کی طرف آ گیا تھا۔ دونوں لڑکیاں بھی بھاگ کر اسی طرف آ گئی تھیں۔

''ہائے اللہ...... چھوٹی بی بی، ان کے سر سے تو خون بھی بہہ رہا ہے۔'' زینب خاصی خوفزدہ ہو گئی تھی۔ عمر دونوں لڑکیوں کا خوف دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتیں۔

''اس نے خود ہی حمدہ کی نبض دیکھی، خاصی سلو چل رہی تھی۔ اس کے سر سے بالکل اسی جگہ سے خون بہہ رہا تھا جہاں چند دن پہلے چوٹ لگی تھی، زخم تازہ تھا اس کے ٹانکے پھر کھل گئے تھے۔

''اسے کچھ ہوا تو نہیں؟'' ازکیٰ مسلسل رو رہی تھی۔

''فی الحال تو کچھ نہیں کہہ سکتے؟'' مگر تشویش تو بہرحال ہے۔ آپ لوگ اگر رونے دھونے کے بجائے میری مدد کریں، حمدہ کا پیٹ دبا کر پانی نکالیں تو شاید ہوش آ سکتا ہے۔'' عمر نے جھنجلا کر کہا تو ازکیٰ نے فوراً آنسو صاف کرتے اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ زینب اس کے پاؤں ملنے لگ گئی تھی۔ عمر اس کے چہرے کو دیکھتے مسلسل اس کی نبض تھامے بیٹھا تھا۔

''حمدہ......'' وہ ساتھ ساتھ اس کو آوازیں دے رہا تھا۔ اس کا چہرہ تھپتھپا رہا تھا۔

''آپ وہی ہیں نا جو حمدہ کے ساتھ آئے تھے؟'' ازکیٰ اپنے حواس پر کچھ حد تک قابو پا چکی تھی۔ اس کے سوال پر عمر نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ موسم خاصا سرد تھا۔ حمدہ اور عمر دونوں بھیگے ہوئے تھے۔ حمدہ کے ہونٹ گہرے نیلے ہو چکے تھے۔ اس کا سارا جسم سرد پانی کی وجہ سے برف ہو رہا تھا۔ ان تینوں کی کوششوں سے کچھ منٹ بعد حمدہ نے کراہ کر آنکھ کھول لی تھی۔

''آپ ٹھیک ہیں نا...... کیسا فیل کر رہی ہیں آپ؟'' عمر پوچھ رہا تھا وہ چند پل تو اسے دیکھے گئی اور پھر جب اسے صورتحال کا احساس ہوا تو کچھ پل قبل پیش آنے والا حادثہ پوری جزئیات کے ساتھ ذہن کی اسکرین میں تازہ ہوا تو خوفزدہ ہو کر عمر کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور پھر بُری طرح رو دی۔

''ٹیک اٹ ایزی...... خطرے کی کوئی بات نہیں۔'' عمر نے اسے دلاسہ دینا چاہا وہ مکمل طور پر کانپ رہی تھی۔ حمدہ نے اُٹھ کر بیٹھنا چاہا تو ازکیٰ اور عمر نے فوراً دائیں بائیں سے سہارا دے کر بٹھایا۔ بلکہ عمر نے اس کی کمر کے گرد بازو پھیلا کر بیٹھنے کو ٹیک فراہم کی تھی۔

''میں ڈرائیور کو فون کرتی ہوں وہ زمینوں کی طرف ہے۔ ہم اسی کے ساتھ آئی تھیں اور پھر پیدل یہاں سے آئی تھیں۔'' ازکیٰ نے ڈرائیور کو کال کی تھی اور اسے فوراً نہر کے پاس پہنچنے کو کہا تھا۔

حمدہ اس قدر خوفزدہ تھی کہ مسلسل عمر کا ہاتھ تھامے اس کے سہارے بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیور فوراً پہنچا تھا۔ ازکیٰ اور عمر کے سہارے سردی سے کانپتی بدحواسی کی کیفیت میں وہ گاڑی میں سوار ہوئی تو گاڑی حویلی کی طرف تیزی سے روانہ ہوئی تھی۔

❖❁❖

حمدہ نے اس حادثے کا اچھا خاصا اثر لیا تھا۔ وہ مسلسل بیہوش تھی۔ حویلی پہنچنے تک وہ پتا نہیں کیسے حواس میں رہی تھی، رخشندہ خالہ تو اس کی کنڈیشن دیکھ کر اور حادثے کی خبر پا کر اپنی بہو اور ملازمہ پر جو برہم ہوئیں وہ ایک طرف فوراً افتخار صاحب کو فون کیا تھا اور ساتھ ہی ڈاکٹر کو بھی کال کی تھی۔ ڈاکٹر نے آ کر چیک کرنے کے بعد دوائی لکھ دی تھی۔ حمدہ حادثے کے زیر اثر خوف کا شکار تھی۔ ڈاکٹر نے اس کی اسٹیچنگ کر کے سر کی مرہم پٹی کر دی تھی۔

عمر مسلسل اس کے کمرے میں تھا۔ کئی بار افتخار صاحب نے اُسے دلاسہ دیا تھا اور جا کر آرام کرنے کو کہا تھا کہ بہر حال اس قدر شدید سردی میں وہ بھی گیلا ہوا تھا مگر عمر لباس بدل کر واپس حمدہ والے کمرے میں آ گیا تھا اور جب تک اسے مکمل طور پر ہوش نہیں آ جاتا وہ اب اس کے پاس سے ہلنے والا نہ تھا۔

افتخار صاحب ان کی بیگم اور بچے تک حمدہ کی وجہ سے پریشان تھے۔ ازکیٰ اور زینب اپنی جگہ شرمندہ تھیں۔ ان لوگوں نے لوگوں کو یہ قطعی نہیں بتایا تھا کہ ان کی شرارت کی وجہ سے حمدہ نہر میں گری تھی۔ عمر نے بھی اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی تھی بس یہی کہا تھا کہ وہ پاؤں پھسلنے سے نہر میں گر گئی تھی اور ان کے شور پر عمر نے فوراً موقع پر پہنچ کر اسے نکالنے کی کوشش کی تھی۔

ڈاکٹر کی کوششوں سے اس کی حالت قدرے بہتر ہوئی تو سبھی نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ عمر ابھی تک گم صم تھا۔ ڈاکٹر کے انجکشنز کی وجہ سے وہ سو گئی تھی تو سبھی اس کے پاس سے ہٹ گئے تھے تاہم ازکیٰ اور رخشندہ خالہ وہیں تھیں۔

''بیٹا جاؤ تم بھی کھانا کھا لو اور آرام کر لو۔ یہ اب بہتر ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔'' رخشندہ خالہ عمر کی فکرمندی پر خاصی متاثر ہوئی تھیں۔ انہوں نے محبت سے کہا تو ناچار عمر کو اُٹھنا پڑا۔

کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے ایک بار پلٹ کر حمدہ کے چہرے کو ضرور دیکھا تھا۔ اس کے سر پر بندھی پٹی نے اسے لب بھینچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے واپس اپنے رہائشی کمرے میں آ گیا تھا۔

''اسے رہ رہ کر حادثے کی تمام جزئیات یاد آ رہی تھیں۔ اگر وہ وہاں نہ ہوتا اور خدانخواستہ حمدہ کو کچھ ہو جاتا تو......'' اس تصور سے ہی عمر کو اپنے دل کی دھڑکن بند ہوتی محسوس ہوتی تھی۔

وہ اس قدر شدید محبت کرنے لگ گیا تھا کہ اب لگتا تھا کہ اگر کسی دن اس کا چہرہ دیکھنے کو نہ ملا تو وہ سانس بھی نہ لے پائے گا۔ عمر اپنے جذبات و احساسات پر خود بھی حیران و ششدر تھا۔ اس نے تمام تر زندگی اس قدر محتاط انداز میں گزاری تھی کہ زندگی میں ''محبت'' جیسی حماقت کا تصور بھی کہیں نہ تھا۔

اس کی ماں جی اپنے چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں۔ ماں باپ نے بے انتہا ناز و نعم میں پالا تھا۔ اس کے نانا ایک درمیانے درجے کے کاشت کار تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے سے کئی گنا امیر دولت مند دوست کے بیٹے سے بڑی دھوم دھام سے کی تھی۔ مگر بیٹی کی قسمت کہ شوہر عیاش نکلا تھا۔ وہ کسی ایک عورت تک صبر کر کے بیٹھے رہنے والا انسان نہ تھا۔ کچھ عرصے بعد ہی ماریہ پیدا ہوئی تو بھی شوہر کی فطرت نہ بدلی اور پھر ایک دن حد ہو گئی ان کے شوہر ایک اور بیوی بیاہ لائے، نجانے وہ عورت کون تھی، کہاں کی تھی، ماں جی کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔ شوہر کی عیاش فطرت اب تک میکے والوں سے چھپا رکھی تھی مگر

اب بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوٹا تھا۔ ان کے بھائی اور باپ کے لیے بیٹی کی سوتن برداشت کرنا ناممکن تھا اور نتیجتاً چند سال بعد ہی میکے آ گئی تھیں۔ عمر کی ولادت میکے میں ہی ہوئی تھی اور پھر ایک دن شوہر نے طلاق بھجوا دی تو ماں جی کی گویا دنیا ہی اُجڑ گئی تھی۔ ایسے عالم میں بابا جان نے ان کا بہت ساتھ دیا تھا۔ ماں جی کے حق مہر میں ہی ان کے نام اچھی خاصی زمین لکھوائی گئی تھی اور طلاق کی صورت میں ان کی ملکیت میں آ گئی تھی۔ بڑے دونوں بھائیوں نے عدالت میں دعویٰ کر کے اس زمین پر قبضہ لے لیا تو دونوں خاندانوں میں ایک دشمنی سی چل نکلی۔ عمر کے والد ہاشم صاحب کے لیے زمین پر قبضہ لے لینا ایک چیلنج تھا انہوں نے بھی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ ان کے بچے ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔ تاہم عدالت کی طرف سے اتنے چھوٹے بچوں کو باپ کے حوالے نہ کرنے کا جب فیصلہ ہوا تو بڑے سرفراز ماموں نے ایک اور فیصلہ بھی کیا، انہوں نے اپنے سب سے بڑے بیٹے ذوالفقار بھائی کا نکاح ماریہ باجی سے کر دیا اور عمر کو عدالت کی طرف سے ملنے والی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی لے کر وہ پوری فیملی سمیت امریکہ میں سیٹل ہو گئے۔ ماں جی نے اپنی ساری زندگی بڑی اذیت اور مشقت میں گزاری تھی۔ بڑے سرفراز بھائی کے علاوہ باقی تینوں بھائیوں کی طرف سے ان کی ذات کو کبھی کوئی سکھ حاصل نہ ہوا تھا۔ جب تک نانا جان زندہ رہے ماں جی اور وہ چھوٹی حویلی میں مقیم رہے جبکہ باقی تینوں بھائی اپنی بیویوں کے ساتھ بڑی حویلی میں شفٹ ہو گئے جو گاؤں سے قدرے ہٹ کر تھی۔ دوسرے نمبر والی ممانی اور سب سے چھوٹی ممانی دونوں بہنیں تھیں اور یہ دونوں بہنیں باقر علی کی بہنیں تھیں۔ باقر علی اکلوتا بھائی تھا۔ شروع سے ہی روپے پیسے کی ریل پیل نے اچھا خاصا بگاڑ ڈالا تھا۔ جس کی انتہائی حد اب حمدہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی صورت تھی۔

ذوالفقار بھائی نے جیسے ہی ایم بی بی ایس مکمل کیا تھا ان کی ماریہ باجی کے ساتھ فوراً شادی کر دی گئی تھی۔ ماریہ باجی آج کل لاہور میں مقیم تھیں کہ وہاں ذوالفقار بھائی کا ذاتی کلینک تھا۔ امریکہ میں عمر نے سرفراز ماموں کے زیر سایہ تربیت پائی تھی۔ سرفراز ماموں ایک بہت اصول پرست خاندانی وقار کو اہمیت دینے والے مذہبی انسان تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد کے ساتھ ساتھ عمر کی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی تھی۔ امریکہ جیسے آزاد معاشرے میں زندگی کے مدارج طے کرتے ہوئے کئی مواقع ملے بھٹکنے کے لیے مگر ماموں کی تربیت اتنی مضبوط تھی کہ قدم کبھی لڑکھڑائے ہی نہ تھے۔ اس نے عورت کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ امریکہ میں عورت کو جس طرح استعمال کیا جاتا تھا اس کے باوجود اس نے ہمیشہ عورت ذات کو عزت دی تھی اس کے نزدیک عورت ایک بہت سنبھال سنبھال کر رکھنے والی شے ہے۔ بہت قابل عزت اور قابل احترام ہستی۔

عمر کے نزدیک اپنی ماں ایک ماڈل ہستی تھیں اور ماریہ باجی اس کے لیے بہت خاص ہستی تھیں، ان دونوں کے علاوہ اس نے جس عورت کی سب سے زیادہ عزت کی تھی وہ اس کی ممانی تھیں، جنہوں نے اس کو اپنے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ پھر ان کی بیٹیاں تھیں، جنہیں اس نے ہمیشہ ماریہ باجی جیسا مقام دیا تھا، مگر پاکستان آتے ہی جس طرح حمدہ نے پہلی نگاہ میں اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اس کے دل میں جو مقام حاصل کر لیا تھا وہ آج تک کوئی اور عورت حاصل نہ کر پائی تھی۔ وہ صرف اس کے لیے بیقرار بے چین ہی نہ تھا بلکہ وہ اس کے تمام مسائل کو بھی حل کرنا چاہتا تھا اور اس طرح حل کرنا چاہتا تھا کہ عمر کی محبت کی وجہ سے اس شفاف بے داغ وجود پر کوئی الزام نہ آئے اس کی شخصیت اسی طرح روشن رہے۔ کہنے کو وہ ماں جی کے سامنے اپنے دل کی خواہش

بیان کرسکتا تھا مگر خاموش تھا تو صرف اس لیے کہ وہ حمدہ کی طرف سے اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ اگر وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھائے تو وہ رد تو نہیں کرے گی۔ اگر وہ مان گئی تو اس کے لیے باقر علی سے لڑنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔

صرف حمدہ کے وجود کی کشش نے ہی اسے اسیر نہیں کیا تھا بلکہ اس کے کردار باوقار انداز اور رکھ رکھاؤ نے بھی اسے متاثر کیا تھا۔ وہ پہلی نگاہ کی محبت کا شکار ہوا تھا۔ آج حمدہ کو اس حالت میں دیکھ کر اس کا دل بے انتہا بیقرار تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ حمدہ کے وجود کی ساری تکلیف اپنے جسم پر لے لے۔ اس کے سارے مسائل بانٹ لے۔ مگر وہ بے بس تھا۔ نجانے وہ کیا سوچتی ہوگی؟ اس کے متعلق اس کی کیا رائے ہوگی؟ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ باقر علی کی حرکتوں کی وجہ سے وہ شادی جیسے بندھن سے ہی خوفزدہ ہو چکی ہے۔ جس طرح ماریہ باجی کے بتانے پر کہ اس کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی ایسے عالم میں ایسی لڑکی پر کیا بیتی ہو گی جس کے نکاح سے کچھ پل پہلے اس کے ہونے والے شوہر کو اغوا کر لیا جائے اور پھر قید میں ڈال کر دھمکیاں دی جائیں۔ اس کی نہ صرف شادی رکوادی جائے بلکہ آئندہ کے لیے اس کی ازدواجی زندگی کے تمام خوشگوار خواب بھی نوچ دیئے جائیں۔

وہ سمجھ سکتا تھا کہ حمدہ کی خاموشی کے پیچھے کیا اسباب کارفرما ہیں؟ وہ اتنی سنجیدہ اور ریزرو کیوں رہتی ہے؟ وہ کون سے عوامل ہیں، جنہوں نے اسے چپ سادھنے پر مجبور کر دیا ہے؟ وہ اتنی خاموش کیوں رہتی ہے؟ ورنہ اس نے کئی بار اپنی نگاہ کے تاثر پر اسے چونکتے اور اُلجھتے دیکھا تھا۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی جارہی تھی۔ مگر عمر ہاشم کے اندر سوچوں کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے تھے۔

❖ ❁ ❖

وہ صبح سویرے مہمان خانے سے نکل کر اندرونی حصے کی طرف چلا آیا تھا، صبح صبح کا وقت تھا، حمدہ کی فکر میں وہ ساری رات نہیں سو پایا تھا۔ اب بھی اندر اطلاع بھجوائے بغیر اس طرف چلا آیا تھا۔ لان میں اسے ازکیٰ مل گئی تھیں اسے دیکھ کر مسکرا دیں۔

''السلام علیکم!'' عمر نے پہل کی۔

''وعلیکم السلام۔''

''حمدہ کیسی ہے؟'' عمر نے فوراً اصل بات پوچھی۔

''کل سے خاصی بہتر ہے۔'' ازکیٰ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں؟'' وہ جس طرح کل سارا وقت پریشان رہا تھا ازکیٰ تب ہی اُلجھ گئی تھی مگر اب صبح سویرے اسے دوبارہ دیکھ کر اور اب اس کی پریشانی ملاحظہ کر کے ضرور چونکی تھی۔

''وائے ناٹ......شیور......آئیں......'' اپنی چادر سنبھالتی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ اسے لے کر حمدہ والے کمرے میں آ گئی تھی۔

حمدہ اکیلی تھی۔ بستر پر کندھوں تک لحاف ڈالے سو رہی تھی۔

''آپ پلیز بیٹھیں۔'' عمر نے بستر کے نزدیک رکھی کرسی سنبھال لی تھی۔

''یہ اب بہتر ہے۔ سرد پانی اور پھر گرنے کے خوف کی وجہ سے نیم غنودگی میں رہی تھی۔ اب تو خاصی بہتر حالت میں ہے۔

اگر آپ بات کرنا چاہیں تو میں جگا دیتی ہوں۔'' ازکئی نے بستر کے کنارے بیٹھتے ہوئے کہا تو عمر نے منع کر دیا۔
''نہیں رہنے دیں میں بس دیکھنے آیا تھا۔''
''آپ ریلیٹو ز ہیں آپس میں؟'' ازکئی نے پوچھا۔
''جی...... ماں جی کے کزن کی بیٹی ہیں یہ...... حمدہ کی والدہ بھی ماں جی کے ننھیالی رشتہ داروں میں سے ہیں۔''
''اوہ......'' ازکئی نے ہونٹ سکیڑے جبکہ عمر ازکئی کی موجودگی کی وجہ سے محتاط تھا، اس نے حمدہ کی طرف دیکھنے سے خصوصی طور پر احتراز برتا کہ کہیں ازکئی اس کی نگاہ کا تاثر نہ پڑھ لیں۔
اس دوران حمدہ نے کروٹ بدلی اور پھر آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ شاید دونوں کی آوازوں سے ڈسٹرب ہوگئی تھی۔ اس نے پہلے ازکئی اور پھر عمر کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گزرے کئی پل ایک رنگین فلم کی طرح گزرنے لگے۔
وہ گری تھی، گہرے یخ پانی میں، اس کے سر پر چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے حواس بے قابو ہو گئے تھے، لمحوں میں اس کے ہاتھ پاؤں بے جان ہونے لگے تھے، وہ تیرنا نہیں جانتی تھی مگر اس کے باوجود وہ ڈوبنے سے خود کو بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی اور پھر اس نے کسی کو پانی میں چھلانگ لگاتے دیکھا تھا، وہ پانی کے بہاؤ میں ڈوب رہی تھی۔ جب عمر ہاشم نے اس کے قریب آ کر اسے ڈوبنے سے بچانے کے لیے اس کو تھاما تھا۔ عمر ہاشم کے حصار میں آتے ہی اسے لگا تھا کہ وہ اب ڈوبے گی نہیں مگر سرد پانی اور سر کی چوٹ نے اس کے حواس چھین لیے تھے۔
اس کے بعد اسے جب ہوش آیا تھا عمر اور ازکئی نے اسے سہارا دیا ہوا تھا۔ وہ لوگ اسے لے کر گاڑی میں سوار ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ ساری رات نیم غنودگی اور کچھ نیند کی کیفیت میں بس ہر بار گرنے اور اس کے بعد کے واقعات کو ہی خواب و خیال میں دیکھتی رہی تھی اور ہر بار جو احساس اسے شدت سے اپنے حصار میں لے لیتا تھا وہ یہی تھا کہ عمر کے حصار میں آ کر وہ بالکل پُرسکون ہو جاتی تھی وہ اب ڈوبے گی نہیں۔ یہ شخص اسے ڈوبنے نہیں دے گا۔ یہ ایسا تو قوی احساس تھا کہ ہر بار وہ صرف اسی چہرے کو اپنے اطراف میں دیکھتی رہی تھی مختلف روپ میں، مختلف انداز میں، غنودگی اور نیم غنودگی دونوں حالتوں میں بس اسے صرف یہی چہرہ نظر آ رہا تھا اور اب آنکھ کھلتے ہی اسے یہی چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اسے لگا وہ جیسے خواب دیکھ رہی ہے۔
''عمر......'' اس کے لب ہلے اور اس نے لاشعوری طور پر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جیسے وہ اس کے موجود ہونے کا یقین چاہتی ہو۔
ازکئی کی موجودگی میں عمر ہاشم، حمدہ کی اس حرکت پر خجل سا ہو گیا تھا تاہم ازکئی سے نظر چراتے اس نے حمدہ کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام ضرور لیا تھا۔
''میں جب بھی ڈوبنے لگوں گی آپ مجھے ہر بار بچا لیں گے نا؟'' عمر کو لگا وہ ابھی تک نیم غنودگی کی کیفیت میں ہے۔ اوپر سے اس کے الفاظ...... عمر کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کرتے وہ حواس میں قطعی نہیں لگ رہی تھی۔
خدانخواستہ...... یہ حادثہ تھا، اور ایسے ناخوشگوار حادثے بار بار ہونا کوئی پسند نہیں کرتا۔ آپ بتائیں ٹھیک ہیں۔ اب طبیعت کیسی ہے؟ کیا فیل کر رہی ہیں؟'' عمر نے بھی ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے حقیقت کا احساس دلاتے کہا تو وہ چونکی۔

یوں لگا وہ ایک دم خواب سے بیدار ہوئی ہے۔ عمر کے ہاتھ کے لمس نے گویا اس کے وجود میں ہی نہ صرف برقی رو دوڑا دی تھی بلکہ اس کے سوئے حواسوں کو بھی جگا دیا تھا اس نے دم اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔
ازکیٰ اس سارے وقت محض خاموش تماشائی تھی مگر ایک پل میں بہت کچھ محسوس کر گئی تھی۔ خصوصاً عمر ہاشم کی آنکھوں کا تاثر۔
''عمر صاحب تشریف رکھیے۔ میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔'' وہ اب مزید رُکے بغیر تیزی سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ حمدہ کا خفت و شرمندگی سے بُرا حال تھا۔
''آپ نے بتایا نہیں کیسا فیل کر رہی ہیں آپ؟'' عمر بڑے ریلیکس موڈ میں کرسی کی پشت سے کمر ٹکائے پوچھ رہا تھا۔
''جی بہتر ہوں۔''
''ہوسکتا ہے میں آج گاؤں چلا جاؤں۔ صبح صبح ماریہ باجی کی کال آگئی تھی دو دن پہلے ماں جی کی طبیعت خراب ہے، انہیں سخت بخار ہے۔ ماریہ باجی رات سے گاؤں آئی ہوئی ہیں۔ ماں جی کی طرف سے مجھے خاصی تشویش ہو رہی ہے۔ اگر آپ چاچی کے نام کوئی پیغام دینا چاہیں تو؟'' حمدہ نے عمر کو دیکھا وہ متوجہ تھا وہ نگاہیں جھکا گئی۔
''میں آپ کے ساتھ واپس جانا چاہتی ہوں۔ کل والے واقعے کے بعد مجھے اماں بہت یاد آ رہی ہیں۔ میں اب مزید یہاں نہیں رُک سکتی۔ یہ اجنبی لوگ، آپ بھی چلے گئے تو میں کیسے رہوں گی اِدھر......'' وہ اس کے چلے جانے کا سن کر ایک دم خوفزدہ ہو گئی تھی۔
''میرا جانا تو مجبوری ہے۔'' عمر نے ہلکا سا مسکرا کر کہا۔
''یہ لوگ اچھے اور ملنسار ہیں۔ میں ان کو اچھی طرح پرکھ چکا ہوں۔ یہاں چند دن رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ میں واپس جا کر چاچی کو یہاں کے حالات کا تفصیل سے بتاؤں گا تو وہ مطمئن ہو کر خود بھی آ جائیں گی۔'' عمر کے تسلی دینے پر وہ خاموش ہو گئی تھی یوں جیسے وہ عمر سے بحث کرنے سے احتراز برت رہی ہو۔
''حمدہ! ایک سوال کا جواب دیں گی؟ دونوں کے درمیان چند پل بالکل خاموشی رہی تھی۔ عمر کے الفاظ پر اس نے چونک کر عمر کو دیکھا۔
''جی......؟''
''باقر علی کے علاوہ کسی اور کا نام آپ کے سامنے رکھا جائے تو کیا قبول کر لیں گی؟'' بہت نپے تلے اور سنجیدہ الفاظ میں پوچھ رہا تھا۔ حمدہ نے اُلجھ کر اسے دیکھا پھر جب سمجھی تو لہجے میں تلخی اُتر آئی۔
''جس لڑکی کی بارات آ کر بغیر شادی کے واپس لوٹ جائے اس لڑکی کی پھر اپنی کوئی مرضی نہیں رہتی۔ میں یہاں کیوں ہوں، آپ بے خبر تو نہیں؟'' وہ بولی تو لہجہ خاصا تلخ تھا۔
''ہر بار تو ایسا نہیں ہوتا بلکہ......'' عمر نے مزید کچھ کہنا چاہا تو حمدہ نے تیزی سے بات کاٹ دی۔
''جب تک باقر علی زندہ ہے تب تک تو ایسا ہی ہوا ہے اور ہوتا رہے گا، عثمان جیسا شخص تو صرف مجھ سے شادی کرنے کے

جرم میں یرغمال بنایا گیا تھا مگر ایسے بہت سے لوگ خاندان میں اور باہر کے لوگ ہیں جنہیں ہمارے گھر پہنچنے سے پہلے ہی ہراساں کر دیا جاتا رہا ہے آپ باقر علی کو نہیں جانتے، وہ کس قماش کا شخص ہے، آپ نہیں جانتے اور مجھ جیسی لڑکی سے شادی شاید کوئی پاگل شخص ہی کرنے کی ہامی بھرے تو بھرے......" وہ تلخی سے کہتی اپنا ہی مذاق اُڑا رہی تھی۔ اس کی آواز میں خود اذیتی اور نمی کا احساس بس گیا تو عمر کو دُکھ ہوا۔

"اگر وہ پاگل شخص عمر ہاشم ہو تو؟" بہت سنجیدگی سے کہتے عمر نے حمدہ کا چہرہ بھی دیکھا، پہلے تو وہ بات سمجھی ہی نہیں اور پھر جب بات سمجھی تو ایک دم بستر پر اُٹھ بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا تھا۔

"جی......ای؟" وہ عمر کی نگاہوں کے تاثر سے ضرور اُلجھی تھی مگر عمر اس حد تک سنجیدہ ہو سکتا ہے اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔

اس کے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ عمر ہاشم اسے پرپوز کرے گا۔

"یہ کیسا مذاق ہے؟" وہ خاصی ناگواری سے بولی تھی۔

"یہ مذاق نہیں میری زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے۔ پتا نہیں آپ اس بات پر یقین کریں گی یا نہیں مگر یہ سچ ہے آپ سے میں Love in first sight والے معاملے کا شکار ہوں۔ میں نے ایک خاصی پریکٹیکل زندگی گزاری ہے مگر آپ کے معاملات میں اپنے جذبات کو میں نے اپنے اختیارات سے باہر محسوس کیا ہے۔ میں محض لفاظی نہیں کر رہا، حمدہ رئیلی میں آپ کو اپنانا چاہتا ہوں۔ آئی وانٹ ٹو میری یو......" وہ سنجیدہ تھا۔

حمدہ بے یقین نگاہوں سے عمر ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو کل والی حالت میں دیکھ کر میں نے رات ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ مجھے آج واپس جانا ہے۔ میں چاچی، ماں جی اور ماریہ باجی وغیرہ کو لے کر آؤں گا۔ مجھے آپ سے شادی کرنی ہے۔" اب کے بڑا اٹل اور فیصلہ کن انداز تھا۔

حمدہ حیرت سے منہ کھولے عمر ہاشم کے اٹل فیصلہ کن انداز کو دیکھ رہی تھی۔

"میں محض لفاظی نہیں کر رہا، یہ وعدہ سمجھ لیں یا کچھ بھی...... باقر علی جیسے لوگوں سے نبٹنا میرے لیے قطعی مشکل نہیں...... میں محض اس لیے خاموش ہوں کہ میں نہیں چاہتا کہ آپ کے کردار پر کوئی اُنگلی اُٹھائے۔ میں آپ کو مکمل تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کروں گا۔" حمدہ نے لب بھینچ لیے۔

"یہ ناممکن ہے۔ میرے اور آپ کے درمیان؟" اس نے کچھ اور بھی کہنا چاہا تھا کہ عمر نے ہاتھ اُٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

"فیصلہ کرنے کی قطعی جلدی مت کریں۔ جب تک چاچی نہیں آ جاتیں اس بارے میں سوچنے میں کوئی حرج نہیں اور ایک بات طے ہے اگر چاچی مختار نے ہاں کہہ دی تو آپ کے انکار کو میں نہیں مانوں گا۔ آپ یہاں اسی لیے بھیجی گئی ہیں کہ یہ لوگ کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر بات طے کر دیں اور چاچی آ کر اس کو اوکے کر کے شادی کر دیں گی اور آپ کو کیا فرق پڑتا ہے وہ کوئی بھی شخص ہو۔"

"آپ میں اور کسی بھی ایکس وائے زیڈ میں بہت فرق ہے۔" حمدہ نے خاصا غصے سے کہا تو عمر مسکرا دیا۔ اسے حمدہ کے اس

طرح کے ری ایکشن کی توقع تھی۔

''مثلاً......''

''آپ اور میرے درمیان......'' ابھی اس نے کہنا شروع کیا تھا کہ ازکیٰ دروازے پر دستک دیتی اندر چلی آئی تھی۔

''اُمید ہے میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا۔'' وہ پوچھ رہی تھی حمدہ بس لب بھینچ کر بیٹھی رہی۔

''میں چلتا ہوں حمدہ! میں ناشتہ کرتے ہی گاؤں کے لیے روانہ ہو رہا ہوں۔ اپنا موبائل آن رکھیے گا، رابطہ کرتا رہوں گا۔'' ازکیٰ کے آنے کی وجہ سے جو بات ادھوری رہ گئی تھی اس کو اسی طرح چھوڑ کے وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپ اپنے گاؤں واپس جا رہے ہیں؟'' ازکیٰ نے فوراً اندازہ لگایا تو عمر نے سر ہلا دیا۔

''جی......''

''چند دن اور رُکتے۔'' اس نے مہمان نوازی نبھائی۔

''نہیں......ادھر حویلی میں ماں جی بیمار ہیں۔ ماریہ باجی کی کالز آ رہی ہیں۔ میرا وہاں پہنچنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی ایک بہت ضروری کام ہے۔'' جواب دیتے اس نے حمدہ کو بھی دیکھا وہ سر جھکا گئی۔

''او کے جی...... چلتا ہوں اب...... حمدہ! اب اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ میں جلد ہی آنے کی کوشش کروں گا۔ او کے اللہ حافظ۔''

وہ خصوصاً حمدہ سے کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا اور حمدہ ایک دم بڑے نڈھال سے انداز میں دوبارہ بستر پر گر گئی تھی۔

❖ ✿ ❖

عمر کو رستے میں ہی ماریہ باجی نے کال کر کے اطلاع کر دی تھی کہ ماں جی کی طبیعت خراب ہونے پر وہ اور ذوالفقار بھائی ان کو شہر کلینک میں لے آئے تھے۔ ماں جی ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں اکثر ان کا بلڈ پریشر شوٹ کر جاتا تھا، عموماً اکثر ایسا پریشانی کی حالت میں ہوتا تھا، عمر سیدھا کلینک ہی پہنچا تھا۔ شام تک اماں کی طبیعت سنبھلی تو ماریہ باجی ان کو اپنی طرف لے آئی تھیں۔ رات انہوں نے ادھر ہی گزاری تھی۔ صبح ناشتے کی میز پر ماریہ باجی ذوالفقار اور عمر تینوں ہی تھے۔ ماں جی اپنے کمرے میں تھیں۔

''ماں جی کا بی پی اچانک کیسے شوٹ کر گیا۔ خیریت تھی نا؟'' ناشتہ کرتے ماریہ باجی کو دیکھا۔

''بس گاؤں میں دونوں ماموؤں نے حویلی آ کر بہت باتیں کی تھیں۔ وہی زویا والے رشتے کا مسئلہ؟ ماں جی نے مجھے زیادہ تو کچھ نہیں بتایا پرسوں صبح مختار چاچی نے کال کی اور ذکر کیا پھر شام تک ماں جی کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی، میں ذوالفقار کو لے کر فوراً پہنچی، اگلی صبح تمہیں فون کرنے کے بعد ان کو لے کر شہر آ گئی تھی۔ کل سارا دن وہ کلینک میں ذوالفقار کی نگہداشت میں رہی ہیں تو کچھ طبیعت سنبھلی ہے۔'' عمر کے لیے اپنے ماموؤں کے رویے خاصے تکلیف دہ تھے۔ بہت تعجب سے وہ ماریہ باجی کی باتیں سن رہا تھا۔

''مگر کیوں...... رشتہ کرنا یا نہ کرنا ہماری اپنی صوابدید پر ہے۔ رشتے سے انکار بڑے ماموں کی بیٹی کے لیے ہوا ہے، باقی دونوں کو کیا ہوا ہے؟''

''یہی تو مسئلے ہیں کہ منجھلے ماموں نہ تین میں نہ تیرہ میں، بس خاموش ہیں چونکہ بڑے ماموں کی بیٹی ہے اور چھوٹے ماموں کی بیگم کی بھانجی اور ہماری دونوں ممانیوں میں بڑا ایکا ہے اور ان کے زعم کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ یہ لوگ باقر علی کی غنڈہ گردیوں کو بہادری اور مردانگی کے زمرے میں شمار کرتی ہیں اور ہمارے ماموں صاحبان بیویوں کی عقل سے فیصلے کرنے والے انسان ہیں انہیں یہ تھا کہ تم باہر سے پڑھ کر آئے ہو، نانا مرحوم اور پھر اپنے ہمارے والد کی طرف سے جو تھوڑی بہت زمین ہمیں ملی ہوئی ہے اس کو بنیاد کر تمہیں وہ بہلا پھسلا کر کاروبار کرنے کی آفر کریں گے اور جب زمین داری کا معاملہ ختم ہو جائے گا تو بیٹی کا رشتہ دے کر تمہیں اپنے ماتحت کرنے کی کوشش کریں گے۔ جبکہ ایسا نہیں ہو رہا تو انہوں نے ماں جی کو بہت کچھ سنایا ہے۔'' ماریہ باجی تو بھری بیٹھی تھیں۔ عمر منظر سے غائب رہنے کی وجہ سے یہاں کے حالات سے یکسر بے خبر رہا تھا اس کے لیے اپنے ماموؤں کی یہ اندرونی چپقلش خاصی حیران کن تھی۔

ماں جی نے اسی بات کی سخت ٹینشن لی ہے کہ انہوں نے ساری عمر اپنے بھائیوں کے آسرے پر گاؤں میں زندگی گزار دی۔ تمہاری جدائی میں ورنہ جس طرح شروع سے ہی ماموں سرفراز ماں جی کو اپنے ساتھ امریکہ لے جانے کی کوششوں میں سرگرداں رہے تھے اب ہم وہاں ہوتے تو اچھے خاصے سیٹل ہو چکے ہوتے۔ تم ماموں کے ساتھ مل کر اپنا کاروبار کر رہے ہوتے۔ مگر ماں جی کو یہ تھا کہ یہ اپنا وطن ہے، باپ دادا کی جگہ ہے، مرحوم نانا کو ماں جی تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ نانا جی نے اپنی زندگی میں ہی اپنی بیٹی اور چاروں بیٹوں کو حصے دے کر فارغ کر دیا تھا۔ ماموں سرفراز باہر چلے گئے باقی تینوں نے مل کر کاروبار شروع کر لیا۔ بڑے ماموں کچھ زیادہ لمبے ہاتھ مارنے کے چکر میں رہے ہیں ہمیشہ سے، انہوں نے حمدہ کے والد چاچا طفیل کو یوں ہاتھوں میں لیا کہ ان سے نہر کے اس طرف اور پولٹری فارم والی ساری زمین اونے پونے داموں میں خرید لی۔ آج وہاں ان کا فش فارم اور پولٹری فارم کروڑوں کا بزنس کر رہا ہے اور جو اصل حقدار ہیں وہ رُل رہے ہیں ان پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔'' عمر اس سلسلے میں خاموش رہا، ذوالفقار بھائی بھی خاموش تھے۔

''اب کیا ہوگا، ماں جی گاؤں جائیں گی یا پھر ادھر ہی رہنا ہے؟'' عمر نے پوچھا۔

''نہیں گاؤں ہی جائیں گی۔ ہم نے جائز الفاظ میں رشتہ لینے سے انکار کیا ہے۔ کسی کے گھر میں ڈاکہ نہیں ڈالا کہ چھپ کر بیٹھیں۔ ماں جی کی طبیعت سنبھل گئی ہے۔ جیسا تم مینا سب سمجھو کرلو، وہ تو وہاں تنہا تھیں تو مختار چاچی نے فون کر کے مجھے بلوا لیا۔ دو تین دن سے تم سے بات ہو رہی تھی تم نے بھی ذکر نہیں کیا کہ تم مری گئے ہوئے ہو۔ وہ تو گاؤں پہنچ کر علم ہوا کہ تم تین چار دن سے مری گئے ہوئے ہو۔'' عمر نے چونک کر ماری باجی اور ذوالفقار بھائی کو دیکھا، وہ اس کی غیر موجودگی کی وجہ سے بے خبر تھے اس کا مطلب تھا کہ ماں جی اور چاچی نے ماریہ باجی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ مری نہیں سرگودھا میں تھا۔

''مختار چاچی کیسی ہیں؟''

''بظاہر تو ٹھیک ہیں۔ مجھے ماں جی کی پریشانی لگی رہی مگر وہاں کے حالات کچھ ٹھیک نہیں لگے۔ اماں زلیخا نے ہی ذکر کیا تھا کہ حمدہ کہیں غائب ہے۔ چاچی مختار کہتی ہیں کہ وہ نگہت کے پاس گئی ہوئی ہے دو تین دن سے مگر باقر علی نے سارے گاؤں میں کچھ اور ہی مشورہ کروا دیا ہے۔ پھر ماں جی کی طبیعت پریشانی لگ گئی تو مجھے خود سے چاچی یا پھر ماں جی سے خصوصی طور پر پوچھنے کا

وقت ہی نہیں ملا۔''

''اوہ......'' عمر کے لیے یہ نئی صورتحال تھی، ماں جی نے فون پر ان حالات کا ذکر نہیں کیا تھا۔

''اور چاچی مختار اس وقت کہاں ہیں؟''

''ہماری حویلی ہی میں ہیں۔ اماں زلیخا نے ہی ذکر کیا تھا کہ دو دن پہلے رات اندھیرے باقر علی چند مردوں اور ایک دو عورتوں کو لے کر چاچی مختار کے گھر میں زبردستی گھس گیا تھا، نجانے اسے کیسے شک ہو گیا تھا کہ حمدہ گاؤں میں نہیں ہے اور پھر اس نے سارے گھر کی تلاشی لی، تلاشی سے پہلے چاچی باقر علی کے سامنے ہی کہتی رہیں کہ حمدہ گھر پر ہی ہے، مگر بعد میں کہنے لگیں وہ نگہت کے ہاں چلی گئی ہے۔ باقر علی کو شک ہو گیا ہے کہ اس بار چاچی نے حمدہ کو کہیں روپوش کر دیا ہے تاکہ اگلے ماہ شادی نہ ہو سکے۔ اس نے گھر کا سامان توڑ ڈالا، اچھا خاصا شور شرابہ کیا گاؤں کے لوگ اُٹھ کر فوراً موقع پر پہنچے تو سب کے سامنے اس نے واضح الفاظ میں چاچی کو دھمکی دی کہ اگر چند دن میں حمدہ گھر نہ پہنچی تو وہ نگہت کے سسرال میں دھاوا بول دے گا۔ ماں جی چاچی کو حویلی میں لے آئی ہیں۔ اماں زلیخا تو یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ ہماری دونوں ممانیاں اپنے تئیں چند رشتہ دار عورتوں کے ذریعے پتہ کروا چکی ہیں کہ وہ نگہت کے پاس نہیں ہے۔ اب وہ کہاں ہے؟ یہ تو چاچی مختار بتا سکتی ہیں۔'' عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ ذوالفقار بھائی ناشتہ ختم کر کے چلے گئے تھے۔

''حمدہ، نگہت کے پاس واقعی نہیں وہ سرگودھا میں ہے۔'' عمر نے بڑے پُرسکون انداز میں بتایا تو ماریہ کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

''کیا کہہ رہے ہو۔ واقعی...... مگر تمہیں کس نے بتایا ہے؟''

''میں مری نہیں سرگودھا گیا ہوا تھا۔ میں ہی ماں جی اور چاچی مختار کے کہنے پر حمدہ کو وہاں چھوڑ کر آیا ہوں۔'' عمر نے مزید انکشاف کیا۔

''یہ کیا قصہ ہے۔ سرگودھا میں چاچی مختار کا کون ہے کس کے پاس حمدہ کو چھوڑ کر آئے ہو؟'' ماریہ باجی کا تشویش سے بُرا حال ہوا۔

عمر نے تمام صورتحال سے آگاہ کر کے تمام تفصیلات بتا ڈالیں۔

''تمہیں یقین ہے کہ چاچی کے اتنے عرصے بعد ملنے والی اس خالہ کی فیملی بھروسے لائق ہے۔ اسے وہاں کوئی نقصان تو نہیں ہو گا نا۔'' تمام صورتحال جاننے کے بعد اک نئی فکر لاحق ہوئی۔

''مجھے انسانوں کی بے شک بہت پہچان نہیں مگر جتنی بھی زندگی گزاری ہے اس کی روشنی میں میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ حمدہ کے معاملے میں قابل بھروسہ ہیں۔''

''دیکھو ماں جی نے بھی مجھے کچھ نہ بتایا میں اب تک یہی سمجھتی رہی ہوں کہ تم مری سیر کے لیے گئے ہوئے ہو۔'' عمر آہستگی سے مسکرا دیا۔

''مجھے حمدہ والے سلسلے میں ہی آپ سے ایک اور بہت ہی اہم بات کرنی ہے۔ ماں جی سے تفصیلاً ذکر کرنے سے پہلے آپ

سے ذکر کرلوں تو بہتر ہے۔''

''کوئی خاص بات ہے؟'' وہ فوراً متفکر ہوئیں۔

''جی......''

''حمدہ کو وہاں کس لیے بھیجا گیا ہے آپ کو تفصیل بتا تو دی ہے میں نے۔'' ماریہ نے سر ہلا دیا۔

''وہ لوگ میری توقع کے برعکس کافی اچھے رہے ہیں۔ اسی لیے میں مطمئن ہو کر واپس آیا ہوں۔ ہوسکتا ہے ادھر کے بگڑے حالات کو دیکھتے چاچی مختار حمدہ کی شادی کرنے کا ارادہ کرلیں، ویسے بھی انکل افتخار نے مجھے یقین دلایا تھا کہ حمدہ اب ان کی ذمہ داری ہے، ہم لوگ بے فکر رہیں، وہ چند ایک جاننے والوں سے رشتے کا ذکر کرتے ہیں شاید کہیں اچھی جگہ بات بن جائے۔''

''ارے یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔'' ماریہ باجی خوش ہوئیں تو عمر نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

''میں اسی سلسلے میں آیا ہوں۔ میں حمدہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''عمر......'' عمر کے انکشاف پر ماریہ باجی کافی حد تک مہر بہ لب رہی تھیں۔

''کیا میں نے بہت ناجائز بات کہہ دی ہے۔'' ماریہ کی خاموشی پر عمر نے کریدا۔

''نہیں...... مجھے یقین نہیں آرہا۔ تم نے ہمیشہ سے ایک مختلف زندگی گزاری ہے، میں سوچ رہی ہوں کہ تم نے یہ فیصلہ کیونکر کیا؟ میں مانتی ہوں حمدہ بہت زیادہ خوبصورت ہے مگر شادی کرنے کے لیے خوبصورتی مین وجہ تو نہیں بن سکتی۔ پھر جس طرح حمدہ کے حالات رہے ہیں اور باقر علی والی صورتحال ہی دیکھ لو، ایسے میں تمہارا یہ فیصلہ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کس طرح کاری ایکٹ کروں۔ کیا تم واقعی سیریس ہو یا محض مذاق کررہے ہو یا حمدہ کے ساتھ وقتی ہمدردی کے جذبات رکھتے ہوئے اتنا بڑا فیصلہ کیا ہے؟'' عمر نے ایک گہری سانس لیا۔

''میں نے بیشک ہمیشہ سے ایک بہت مختلف زندگی گزاری ہے مگر اپنا اصل کبھی نہیں بھولا۔ ماموں کے زیر سایہ پرورش پاتے ہوئے بھی میں نے نہ یہاں کے حالات کبھی فراموش کیے اور نہ ہی یہاں کے طور طریقے۔ حمدہ بیشک بہت خوبصورت ہے اور اس کے حالات کو دیکھتے ہوئے میں اس کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں کررہا، میں واقعی سیریس ہوں یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ میں مذاق کروں۔ آئی تھنک آئی فال ان لوود ہر۔''

''کیا؟'' ماریہ باجی حیرت سے اپنے خوبرو بھائی کو دیکھ رہی تھیں۔

''ماریہ باجی کیا آپ لو ان فرسٹ سائٹ (پہلی نگاہ کی محبت) پر یقین کرتی ہیں؟'' ماریہ خاموش رہی تو عمر نے مسکرا کر ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''آپ کو شاید یاد ہو میں نے حمدہ کو دیکھتے ہی کہا تھا کہ یہ خاصی خوبصورت لڑکی ہے وہ میری پہلی نگاہ تھی اس نگاہ میں، میں نے محض حمدہ کی خوبصورتی نہیں دیکھی تھی اس کے کردار کا وہ پہلو دیکھا تھا جو اس کی ذات کے رکھ رکھاؤ اور وقار پر مشتمل تھا، براؤن چادر اپنے اطراف میں لپیٹے وہ سب میں ایک دم نمایاں اور باوقار تھی۔ اس کی خوبصورتی، اس کے اطوار اس کا ماں جی کے پاس دھیمے اور سلجھے ہوئے انداز میں بیٹھ جانا، ماریہ باجی یہی وہ پہلی نگاہ تھی جس نے مجھے چونکا دیا تھا اور اس کے بعد جب بھی حمدہ کا چہرہ

نگاہوں کے سامنے آیا یوں لگا کوئی اَن دیکھی کشش مجھے اس کی طرف کھینچ رہی ہے۔'' ماریہ حیران وششدر اپنے بھائی کا دیوانہ پن دیکھ رہی تھی۔

''باجی! وہ ایک اشارہ کرے تو میں اس کے لیے آگ میں کودنے کو تیار ہوں ہے تو یہ غیر عقلمندی والی بات مگر باقر علی سے دشمنی مول لینا ایسا ہی ہے اور میں حمدہ کی خاطر سب جھیلنے کو تیار ہوں۔ میں حمدہ کو مکمل عزت مان اور محبت بھری رفاقت دینا چاہتا ہوں، بولیں باجی! کیا میں غلط ہوں؟'' ماریہ نے ایک گہرا طویل سانس لیا۔

''حمدہ ایک بہت اچھی سلجھی ہوئی ایجوکیٹڈ لڑکی ہے۔ چاچی نے اس کی تربیت بڑے ناز ونعم میں کی ہے مگر حالات وواقعات نے بیچاری کو ٹھوکروں پر رکھ لیا ہے۔ مجھے حمدہ اور چاچی سے دلی لگاؤ ہے میری دلی خواہش تھی کہ حمدہ کی جہاں بھی شادی ہو وہاں وہ پوری عزت اور مان کے ساتھ سر اُٹھا کر جیے۔ اسے زندگی کی تمام خوشیاں ملیں، ہمارے ماموؤں اور ان کے سالے صاحب کی طرف سے جو بھی زیادتیاں ہوئی ہیں ان کا ازالہ ہو جائے، مجھے خوشی ہو رہی ہے مگر اچھی طرح لوچ لو کہ کہیں تمہیں بعد میں اس فیصلے پر پچھتانا نہ پڑ جائے۔ کیونکہ حمدہ سے شادی کی صورت میں سب سے پہلے ہمارے ماموں ہی تمہارے خلاف کھڑے ہوں گے۔''

''میں ہینڈل کر لوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔ بس آپ اتنی فیور کر دیں کہ ماں جی اور چاچی سے ساری بات کر لیں۔ حمدہ وہاں تنہا ہے میں چاہتا ہوں کہ جتنی جلدی ممکن ہو، یہ معاملہ نبٹ جائے، ایک دفعہ حمدہ کے ساتھ میرا نام جڑ گیا تو پھر بعد میں باقر علی جیسے لوگوں سے نبٹنا میرے لیے قطعی مشکل نہیں۔'' عمر کا لہجہ ہمیشہ سے زیادہ مضبوط اور اٹل تھا ماریہ باجی نے مسکرا کر سر ہلایا۔

❖ ❁ ❖

ماریہ باجی نے ماں جی اور چاچی سے بات کی تھی، چاچی مختار کی شادی پر مرگ والی کیفیت تھی۔ اگلے تین چار دن میں اس معاملے کو کیسے نبٹایا جائے بس اسی سلسلے میں گفت وشنید ہوتی رہی تھی۔ ماں جی نے امریکہ ماموں سرفراز سے بات کر کے باقاعدہ صلاح مشورے کے بعد ہی یہ طے کیا کہ یہاں سے یہ سب لوگ بالکل خاموشی سے سرگودھا جائیں گے اور وہاں سے نکاح کے بعد واپس آ جائیں گے بعد میں باقر علی کو علم ہو بھی گیا تو معاملے کو حل کرنے کی کوشش کی جائے گی اگر صلح صفائی سے باقر علی مان گیا تو ٹھیک ورنہ پھر افتخار صاحب خود ہی کوئی لائحہ عمل ترتیب دے لیں گے۔ اس ساری منصوبہ بندی کے دوران سبھی نے رازداری کا مکمل طور پر خیال رکھا، ماں جی شہر میں ہی تھیں۔ مختار چاچی کو بھی شہر بلوا لیا گیا تھا۔ ماں جی کو حویلی سے کچھ ضروری اشیاء درکار تھیں جو کہ انہوں نے عمر کی دلہن کے لیے زیورات اور لباس وغیرہ کی صورت تیار کروا رکھی تھیں وہ بھی ماریہ باجی ذوالفقار بھائی کے ساتھ جا کر ساتھ میں چاچی مختار کو بھی لے آئی تھیں۔ مختار چاچی نے اپنی دونوں بیٹیوں اور داماد وں سے اس رشتے کے متعلق ذکر کیا تھا اور پھر سارا لائحہ عمل طے کرنے کے بعد ان لوگوں نے سرگودھا اطلاع کر دی تھی۔

حمدہ کے لیے ابھی تک عمر کی پسندیدگی والا انکشاف ہی خاصا حیران کن تھا اوپر سے ایک دم یہ نئی صورتحال عمر نے جانے کے بعد اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا حتیٰ کہ ایک کال تک بھی نہیں کی تھی۔ گاؤں میں ہونے والی تمام صورتحال اسے پتا چل گئی تھیں مگر بعد میں ہونے والی منصوبہ بندی سے وہ بے خبر ہی تھی کہ رات کو ازکیٰ نے آ کر اسے یہ اطلاع دی تھی کہ گاؤں سے یہ سب لوگ آج

یہاں سرگودھا پہنچنے والے ہیں عمر کے لیے اس کا پروپوزل اماں نے قبول کرلیا ہے اور اسی سلسلے میں آج نکاح کی رسم ادا کی جائے گی۔ وہ ساری رات پریشان رہی تھی۔

وہ بار بار اماں سے رابطہ کرنے کی کوشش کررہی تھی مگر ادھر سے کوئی بات ہی نہیں کرتا تھا۔ بس اماں نے ایک بار ہی کال کر کے کہہ دیا کہ وہ وہاں آکر اسے ساری صورتحال سمجھا دیں گی۔ یہ لوگ دوپہر کو یہاں پہنچے تھے۔ ان لوگوں کے ہمراہ حمدہ کی دونوں بہنیں اور ان کے شوہر بھی تھے، اماں، ماریہ باجی ان کے شوہر بی بی کے علاوہ چند اور جاننے والے بھی تھے جن میں ایک دو گاؤں کے معتبر بزرگ تھے۔ یہ سب بی بی کے حامی تھے۔ یقیناً عمر لوگوں کے ساتھ ہی آئے تھے۔ ماں جی خاصی پُرسکون تھیں جبکہ ماریہ اور حمدہ کی دونوں بہنیں خاصی خوش لگ رہی تھیں۔ نکاح کی تقریب شام کے وقت تھی اور اس وقت وہ اماں کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھی اس ساری صورتحال پر اُلجھ رہی تھی۔

''اماں بھلا یہ کہاں ممکن ہے؟ ہمارا اور ان کا کوئی جوڑ نہیں..... کہاں وہ لوگ اور کہاں ہم؟ اماں یہ سب طے کرنے سے پہلے مجھے کچھ تو بتایا ہوتا؟''

''ٹھیک کہا تم نے...... مگر میں ماں ہوں تمہارے لیے مجھے کسی ایسے ہی خاندان کی تلاش تھی، بی بی سے میری آج کی رشتہ داری نہیں کہ میں انکار کر دیتی۔ وہ لوگ بہت محبت اور خوشی سے یہ سب کر رہے ہیں۔ ہم تم اور وہ ایک ہی خاندان کا حصہ ہیں۔ رشتہ داری ہے ہماری آپس میں، اگر تمہارے باپ کی یہ حرکتیں نہ ہوتیں تو اللہ نے بہت کچھ دے رکھا تھا، زمین، جائیداد، حویلی، دولت، کوئی کمی نہ تھی اور عمر لاکھوں میں بہتر ہے تم اپنے دل سے یہ خیال نکال دو یہ لوگ بہت محبت اور خوشی سے تمہیں اپنا رہے ہیں۔'' اماں نے اس کو سمجھانا چاہا۔

''وہ سب ٹھیک ہے مگر جب ہمارے پاس سب کچھ تھا تب ہماری حیثیت بھی اور تھی، اماں یہ باقر علی کے نام کی شہرت مجھے جیتے جی مار ڈالنے کو کافی ہے۔ باقر علی کا حوالہ سن کر لوگ میرا نام لیتے اور یہ لوگ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، جب گاؤں میں پتہ چلے گا تو بہت ہنگامہ ہوگا۔'' وہ انتہائی پریشان تھی۔

''تم دل سے سب واہموں کو نکال کر پُرسکون ہو جاؤ۔ جب تک تمہاری ماں زندہ ہے وہ کسی کو بھی تمہاری طرف میلی نگاہ سے بھی نہیں دیکھنے دے گی۔ وہ سب کچھ تمہاری بہتری اور بھلائی کے لیے ہی کر رہی ہوں۔ پھر افتخار نے بھی تسلی دی ہے کہ اگر ایک دفعہ نکاح ہو گیا تو ہماری قانونی حیثیت مستحکم ہو جائے گی تب باقر علی نے اگر کوئی اوچھی حرکت کی بھی تو ہم اس قابل ہو سکیں گے کہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکیں۔'' اماں بہت پُرامید تھیں وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر ماریہ باجی اور نگہت وغیرہ کے آ جانے سے بات ٹل گئی تھی۔

''ہم تمہارے لیے شہر سے آتے ہوئے یہ سب لے کر آئے ہیں۔'' نگہت باجی نے ایک خاصا بھاری خوبصورت کام والا جوڑا اس کے سامنے پھیلا دیا تھا۔ سوٹ کافی پیارا تھا حمدہ کی نگاہیں ایک پل کو سوٹ پر جم سی گئی تھیں۔

''میں نے اور نگہت نے آتے ہوئے عمر کو ساتھ لے کر یہ سوٹ خریدا تھا پیارا ہے نا؟'' ماریہ اس کی توجہ محسوس کر کے ایک دم خوش ہو کر پوچھ رہی تھی۔ حمدہ محض سر ہلا گئی۔

یہ سب کچھ اس قدر عجلت اور افراتفری میں ہو رہا تھا کہ حمدہ کو اپنے احساسات کی خود بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی، خصوصاً عمر ہاشم جیسے اعلیٰ اور مکمل شخصیت رکھنے والے انسان کا تصور ہی مقابل کو شکست تسلیم کر دینے پر مائل کر سکتا تھا۔

شام تک ماریہ باجی نگہت اور ازکیٰ نے مل کر اسے مکمل طور پر دلہن کے روپ میں سجا دیا تھا۔ ایجاب و قبول کے مراحل طے کرتے وقت وہ شدت سے روئی تو سبھی کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

حمدہ نکاح کے کچھ دیر بعد ہی اندر کمرے میں آ گئی تھی۔ ماریہ نے روایتی نندوں کی طرح حمدہ سے چھیڑ چھاڑ تو نہیں کی تھی تاہم وہ آتے جاتے جن نظروں سے دیکھ رہی تھیں حمدہ مسلسل پزل ہو رہی تھی۔

''تم بیٹھو تمہارے لیے کھانے پینے کو کچھ لاتی ہوں۔'' اسے بٹھا کر ازکیٰ باہر نکل گئی تو وہ گم صم سی بیٹھی اس ساری صورتحال پر مسلسل غور کرنے لگی۔ تبھی اس کے سرہانے پڑا موبائل بجنے لگا۔ حمدہ نے چونک کر موبائل کو دیکھا یہ عمر ہاشم کا دیا ہوا موبائل تھا۔ موبائل کی اسکرین پر جگمگانے والا نمبر دیکھ کر وہ چونکی تھی۔

''عمر کالنگ......'' کے حروف واضح تھے۔ اس دن صبح عمر کے واپسی جانے کے بعد وہ لاشعوری طور پر اس کی کال کی منتظر رہی تھی مگر کوئی کال نہ آئی تھی مگر اب عمر کا نام دیکھ کر وہ اُلجھ گئی۔ کچھ دیر قبل نکاح کی رسم ہوئی تھی اور اب یہ کال آ گئی تھی اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کرے؟ حمدہ نے خاموشی سے موبائل تھام کر کان سے لگا لیا۔

''السلام علیکم......'' عمر کہہ رہا تھا، حمدہ کو اپنی ہتھیلیاں بھیگتی محسوس ہوئیں۔

نکاح کے بعد اس شخص سے بات کرنا...... حمدہ کے اندر ایک دم ڈھیروں شرم نے ڈیرہ جمایا۔

''حمدہ؟'' وہ پکار رہا تھا، وہ تب بھی خاموش رہی۔ لب شرم و حیا سے ساکت رہ گئے۔

''مجھے پتا ہے آپ سن رہی ہیں......کیسی ہیں آپ؟ طبیعت ٹھیک ہے؟'' عمر کی وہی مخصوص بھاری سحر طرز آواز کانوں میں گونجی تو اس نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا، وہاں سے ماریہ باجی ازکیٰ کے ہمراہ اندر آ رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے کال کاٹ کر موبائل گود میں رکھ لیا۔

''کیا ہوا......کس کی کال تھی؟'' ماریہ باجی نے اس کا شرم سے سرخ چہرہ دیکھا۔ تبھی موبائل پھر بجنے لگا تھا۔ ماریہ کی طرف سے نظریں چراتے اس نے پھر کال کاٹ دی۔

''کہیں عمر تو کال نہیں کر رہا؟'' اس کے سرخ رُخسار دیکھتے ماریہ نے تکا مارا تو وہ مزید سرخ پڑ گئی۔ ماریہ باجی کھل کر ہنس دیں۔

''ابھی عمر نے مجھے بھی کال کی تھی۔ باہر کھانا کھایا جا رہا ہے وہ تمہیں دیکھنا چاہتا ہے۔ کیا خیال ہے بلا لوں؟''

''ماریہ باجی پلیز......'' انہوں نے محبت سے اسے اپنے بازو کے حصار میں لے لیا

''وہ بہت بے چین ہو رہا ہے۔ صرف ایک جھلک دیکھنا چاہتا ہے۔ میں نے کہہ دیا اپنی بیگم سے پوچھ لو اگر وہ ملنے پر آمادہ ہو جائیں تو میں ملاقات کا انتظام کر دیتی ہوں۔''

''مجھے نہیں ملنا......'' ماریہ نے ازکیٰ کو دیکھا وہ معنی خیز انداز میں ہنس دیں۔

"مگر ہم تو ملاقات کروانے کا وعدہ کر بیٹھے ہیں۔" حمدہ کو اپنے ہاتھ پاؤں یخ ہوتے محسوس ہوئے۔
"یار میرا بھائی اتنا ڈراؤنا نہیں کہ تم یوں خوفزدہ ہو جاؤ۔" ماریہ نے اسے چھیڑا۔
"میرے لیے یہ سب قبول کرنا بہت مشکل ہے۔ ابھی میں کسی کا بھی سامنا نہیں کر سکتی۔" حمدہ کی آنکھوں سے دھیرے سے آنسو بہہ نکلے۔ ماریہ نے آہستگی سے گلے لگا کر دلاسہ دیا۔
تبھی دروازے پر دستک ہوئی تو ازکئی نے اُٹھ کر دیکھا عمر ہاشم کو دیکھ وہ مسکرا دی۔
حمدہ بھی اسے دیکھ کر متوحش ہوگئی۔ ازکئی کے راستہ دینے پر وہ اندر آ گیا تھا۔ حمدہ نے فوراً دوپٹے کے زرتار پلو میں اپنا منہ چھپالیا۔ ماریہ کی ہنسی نکل گئی۔ وہ اسے خود سے جدا کرتے کھڑی ہوگئیں۔ حمدہ خاصی پریشان ہوگئی تھی۔
"ہم باہر ہی ہیں۔ عمر زیادہ پریشان نہیں کرنا۔" حمدہ اور عمر کو ایک ساتھ کہہ کر وہ ازکئی کو لیے باہر نکل گئی تھیں۔
عمر نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا تو حمدہ کو اپنا دل بھی بند ہوتا محسوس ہوا۔ دوپٹے کا کنارہ مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑ کر چہرے کے گرد کرلیا۔ کامداری سرخ دوپٹے کی اوٹ میں وہ سر جھکائے عمر ہاشم کو مسکرانے پر مجبور کرگئی تھی۔
کئی دن ہو گئے تھے اس نے اسے نہیں دیکھا تھا اس کی آواز نہیں سنی تھی وہ پچھلے دنوں اتنا بزی رہا تھا کہ کال کرنے کا وقت بھی نہیں ملا تھا۔ وہ جاتے ہوئے اسے کہہ کر بھی گیا تھا کہ وہ موبائل آن رکھے وہ کال کرے گا مگر پھر نہ کر پایا اور اب جب سے وہ ادھر تھا نجانے کیسے خود کو روک رکھا تھا، ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کو دیکھنے پہنچ جائے اور اب جبکہ اس کے جملہ حقوق عمر ہاشم کے نام محفوظ ہو چکے تھے وہ اس کے وجود پر مکمل ملکیت کا حق رکھتا تھا تو بھی اس سے ملنے سے پہلے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔
"السلام علیکم......" وہ اس کے سامنے آ رُکا تو حمدہ ساکت سی سر جھکائے اسی طرح سرخ دوپٹے کی اوٹ میں بیٹھی رہی۔ عمر اس کے سامنے بستر پر ٹکا تو اس نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔
"کیسی ہیں آپ؟" عمر پوچھ رہا تھا حمدہ پر گھبراہٹ طاری ہو چکی تھی۔ اس نے غیر محسوس انداز میں پیچھے سرکنا چاہا تو عمر نے ایک دم اس کا ہاتھ تھام کر اس کی کوشش ناکام بنا دی تھی۔ حمدہ نے تڑپ کر دیکھا مگر دوپٹے کی اوٹ سے وہ مقابل کے تیور نہ جانچ پائی۔
"میں زیادہ دیر نہیں رُکوں گا بس تھوڑی دیر کے لیے صرف آپ کو دیکھنے آیا ہوں۔" اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے عمر نے مسکرا کر کہتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے مضبوطی سے دوپٹے کے کنارے کو تھامے ہاتھ کو پکڑ کر اس کا چہرہ اپنے سامنے کیا تھا حمدہ عمر کی اس جسارت پر بس لحظہ بھر کو دیکھ پائی تھی۔ وہ آنکھوں میں جذبوں کا ایک جہاں آباد کیے نہایت وارفتہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ حمدہ کا دل بڑے زور سے دھڑکنے لگا۔
حمدہ نے پلکوں کی جھالر گرا لی تو عمر کے ہاتھوں میں جکڑے اپنے دونوں ہاتھ بھی کھینچ لیے۔ عمر جو اس قدر شدت سے اسے دیکھ رہا تھا اس کے ہاتھ کھینچنے پر چونک گیا۔ حمدہ حسین تھی مگر اس وقت دلہناپے کی تمام تر سج دھج لیے وہ اس کی ساری سدھ بدھ کھوئے دے رہی تھی۔

''حمدہ! آپ بہت پیاری لگ رہیں۔'' حمدہ جو اس کی نظروں سے پہلے ہی خائف ہو رہی تھی اب ایک دم ٹپٹا گئی۔اس قدر والہانہ پن اس قدر بے ساختگی؟

''آپ خوش ہیں نا؟'' وہ پوچھ رہا تھا، وہ بس سر جھکائے بیٹھی رہی۔

وہ ایک دفعہ پہلے بھی دلہن بنی تھی مگر تب نکاح سے پہلے ہی اس کی سج دھج اُجاڑ دی گئی تھی اور آج اس کی زندگی میں یہ دن دوسری بار آیا تھا۔دوسری بار کسی مرد کے نام پر وہ پور پور سجائی گئی تھی مگر اس وقت وہ اپنی حالت پر خود ہی گھبرا رہی تھی۔اس کے دل کے اندر خوشی کے بجائے خوف، ڈر اور گھبراہٹ کا عنصر غالب تھا۔ماضی میں اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہو چکا تھا ان لمحوں میں وہ چاہ کر بھی ماضی کو فراموش نہیں کر پا رہی تھی۔

''میں آپ کی فیلنگ سمجھ سکتا ہوں۔مجھے اندازہ ہے کہ آپ کے لیے یہ سب فوراً قبول کرنا مشکل ہے۔مگر مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلدی اس رشتے پر دل سے خوشی محسوس کریں گی۔میں نے آپ کو پہلی نگاہ میں دیکھنے کے بعد آپ سے محبت کا رشتہ باندھا تھا، آج آپ میری زندگی کا حصہ ہیں۔یقین کریں میں بہت خوش ہوں۔'' وہ کہہ رہا تھا، حمدہ خاموش رہی۔

''آپ کچھ نہیں کہیں گی؟'' اس کے ہاتھ کو محبت سے تھام کر وہ کہہ رہا تھا۔

''کیا کہوں؟'' حمدہ نے سر اُٹھا کر عمر کو دیکھا اور ہنس دیا۔

''جو بھی آپ کے دل میں ہے۔اس وقت جو بھی محسوس کر رہی ہیں۔'' محبت سے ہاتھ دبا کر اس کو بولنے پر اُکسایا۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے اگر باقر علی کو پتہ لگ گیا تو؟'' عمر ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

''تو اچھی بات ہے نا میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ بہت جلد یہ معاملہ سلجھ جائے۔باقر علی نے جو بھی اسٹیپ لینا ہے جلد از جلد لے۔آپ اب میری بیوی ہیں اگر وہ کسی زعم میں آ کر کچھ غلط کرے گا تو اس کا خمیازہ بھی بھگتے گا۔آپ کی جان کا تحفظ اب میری ذمہ داری ہے اگر مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں تو بس یہی کہوں گا کہ بے فکر ہو کر آنے والی نئی زندگی کے متعلق خوشگوار انداز میں سوچیں۔ان شاء اللہ میں آپ کو زندگی کے کسی بھی قدم پر تنہا نہیں چھوڑوں گا۔'' عمر کے الفاظ حمدہ کے اندر ایک یقین بن کر اُترے تھے۔ایک دھیمی سی مسکان اس کے لبوں پر آٹھہری جسے عمر ہاشم نے بھی فوراً محسوس کر لیا اس کی حوصلہ افزائی ہوئی تھی گویا۔

''آپ کے لیے یہ چھوٹا سا تحفہ لایا تھا۔اگر قبول کر لیں تو گی تو عنایت ہو گی۔'' عمر ہاشم نے پینٹ کی جیب سے ایک خوبصورت بریسلیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا، حمدہ نے ٹپٹا کر عمر اور پھر تحفے کو دیکھا۔

''اس کی کیا ضرورت تھی؟'' وہ لینے میں تامل برت رہی تھی۔عمر نے مسکرا کر خود ہی حمدہ کا ہاتھ تھام کر نہایت آہستگی سے بریسلیٹ پہنا دیا۔

عمر کے ہاتھ میں اس کا نرم و نازک ہاتھ لرز رہا تھا۔بریسلیٹ پہنا کر عمر نے ایک دو پل حمدہ کی لرزتی پلکوں کو دیکھا اور پھر جھک کر بہت نرمی سے اس کے ہاتھ کو پر حدت ہونٹوں سے چھوتے ہوئے اس کے وجود کو بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔حمدہ اس سب کے لیے قطعی تیار نہ تھی اچھی خاصی حواس باختہ ہو گئی تھی۔

''آپ میری زندگی کا سب سے بڑا سچ ہیں حمدہ! آپ کی محبت میری رگوں میں خون کی مانند سرائیت کر رہی ہے۔حالات

کچھ بھی ہوں میں کبھی بھی کسی بھی موڑ پر آپ کو تنہا نہیں ہونے دوں گا۔ میری محبت میرے خلوص پر اعتبار کیجیے گا۔'' بہت محبت و اپنائیت سے کہتے نہایت استحقاق بھرے انداز میں اس کے چہرے پر اپنا پُر حدت لمس چھوڑ کر سب کہہ کر عمر ہاشم چلا گیا تو بھی حمدہ اپنی جگہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔

اگلے دن صبح صبح یہ لوگ رُخصت ہو رہے تھے، پروگرام کے مطابق یہ طے پایا تھا کہ جب تک معاملہ حل نہیں ہو گا حمدہ اور چاچی مختار ادھر ہی رُکیں گی باقی لوگ رُخصت ہو رہے تھے۔ صبح سے عمر کی کئی کالز آ رہی تھیں مگر کل نکاح کے بعد عمر سے ہونے والی ملاقات کے بعد حمدہ اس کی کوئی کال ریسیو نہیں کر رہی تھی جیسے ہی ماریہ باجی اور بی بی حمدہ کی بہنیں سب اس سے مل کر اس کے کمرے سے نکلیں عمر کے میسجز آنے شروع ہو گئے تھے۔

''میں آپ کو ایک بار جانے سے پہلے دیکھنا چاہتا ہوں حمدہ پلیز باہر لان میں آئیں یا پھر میری کال پک کریں۔'' حمدہ میسج پڑھ کر مسکرا دی۔

حمدہ کو لگا گویا ایک دم زندگی میں سارے غموں کی تلافی ہو گئی ہے۔ سارے زخموں پر مرہم رکھ دیا گیا ہے۔

''میں نہیں آ سکتی۔'' اس نے میسج کر دیا۔

''تو پھر ٹھیک ہے میں خود اندر آ جاتا ہوں۔'' فوراً جواب ملا تھا۔ وہ ہنس دی۔

ایک دو پل سوچنے کے بعد وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔ اماں اور حویلی والے سب کو رُخصت کرنے باہر صحن میں آئے ہوئے تھے۔ بی بی خالہ بی سے مل رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے اماں کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ ماریہ باجی اسے دیکھ کر مسکرا دیں اور محبت سے اس کا بازو تھام لیا۔

''اپنا خیال رکھنا اور پریشان نہیں ہونا۔ ہم کوشش کریں گے کہ اب جلد از جلد یہ معاملہ ہینڈل ہو جائے پھر تمہیں بڑی دھوم دھام سے رُخصت کروا کر اپنی حویلی لے کر جائیں گے۔'' وہ اسے چھیڑ رہی تھیں وہ جھینپ گئی۔

بی بی نے بھی اسے دوبارہ گلے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا تو اس کے اندر کا اعتماد کئی گنا بڑھا۔ ان لوگوں کے ساتھ ہی چلتے وہ سیڑھیوں تک چلی آئی تھی آگے لان تھا، جہاں گیٹ کے قریب عمر اور ذوالفقار بھائی اپنی اپنی گاڑیوں کے پاس کھڑے تھے۔ حمدہ نے چہرہ پھیر لیا تھا۔ عمر کی نگاہوں کا وہی مخصوص تاثر اس وقت اُلجھانے کے بجائے بڑے خوبصورت انداز میں دل دھڑکانے کا سبب بن گیا تھا

تبھی موبائل میں میسج ٹون بج اُٹھی اس نے ہاتھ میں پکڑا موبائل دیکھا، عمر کا میسج تھا۔

''تھینکس ......'' وہ سر جھکائے مسکرا دی۔ گاڑیاں گیٹ سے نکلیں تو وہ حویلی والوں کے ہمراہ اندر چلی آئی۔ بظاہر اسے افسردہ ہونا چاہیے تھا مگر وہ مطمئن تھی اسے یقین تھا کہ جس طرح قسمت نے ایک دم پلٹا کھایا ہے اب وہ دن دور نہیں ہو گا۔ جب وہ باقر علی کے عفریت سے نجات پا لے گی اور ایک پُر سکون زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے گی۔ اسے اب شدت سے ان لوگوں کے لوٹنے کا انتظار تھا۔

❖ ❁ ❖

حمدہ اور عمر ہاشم کے نکاح میں شامل گواہان میں سے دو گواہ بی بی کے ساتھ ہی گاؤں سے گئے تھے۔ یہ دونوں اشخاص علاقے کے سرکردہ شخصیت کے حامل تھے۔ چا چا رحمت اور ان کے بھائی اشفاق صاحب کو بی بی نے بطور خاص اسی لیے بلوایا تھا کہ نکاح کے دوران ان لوگوں کی شرکت سے معاملہ ان لوگوں کے حق میں رہے گا۔ کیونکہ جب سے باقر علی اور حمدہ والا معاشقہ شروع ہوا تھا یہ لوگ ہی ابھی تک معاملے کو سنبھالے ہوئے تھے ورنہ جس طرح باقر علی کی حرکات تھیں کچھ بعید نہ تھا کہ وہ کب کا زور وز بردستی سے حمدہ سے شادی رچا چکا ہوتا۔ حمدہ کی وہ شادی جو ہوتے ہوتے رہ گئی تھی اس شادی کا دُلہا جسے اغوا کر کے باقر علی نے کئی دن اپنی تحویل میں رکھا تھا ان لوگوں کی کوششوں سے ہی دوبارہ وہ باقر علی کی قید سے نکل پایا تھا اور باقر علی ابھی تک محض ڈرا دھمکا کر حمدہ اور اس کی ماں کو ہراساں ہی کرتا رہا تھا یہ سب ان لوگوں کی وجہ سے ہی تھا ورنہ حمدہ کا حصول مشکل نہ تھا۔ اب جس طرح نکاح کی تقریب ہوئی تھی بی بی نے ان لوگوں کو ہی ثالث بنا کر گاؤں کے تمام بڑے بڑے زمینداروں کو اس معاملے کو حل کرنے کی دعوت دی تھی۔ چند دن تو خوب معاملہ اُچھالا گیا تھا، باقر علی اپنے گاؤں سے اس گاؤں میں روزانہ چکر لگا رہا تھا، اس کی حیثیت ایک زخم کھائے شیر کی سی تھی، وہ روز دھمکیاں بھجوا رہا تھا مگر مقابل بھی عمر ہاشم جیسے لوگ تھے وہاں بی بی کے دونوں بھائی زویا والے رشتے سے انکار پر سخت ناراض تھے مگر چونکہ بی بی ان کی ہمشیرہ تھیں تو وہ باقر علی کے بجائے ان کا ساتھ دینے پر مجبور تھے ورنہ یہ طے تھا کہ اگر وہ باقر علی کی حمایت کریں گے تو ساری برادری ان لوگوں کا بائیکاٹ کر دے گی، بی بی جن کا اصل نام بلقیس بیگم تھا، بچپن سے ہی چھوٹے بڑے سبھی نے ان کو بی بی کہنا شروع کر دیا تو وقت کے ساتھ ساتھ یہ نام ان کی پہچان بن گیا تھا۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد بی بی نے بھائیوں پر انحصار کرنے کے بجائے اپنی زمینوں کے معاملات خود سنبھالے تھے۔ وہ براہِ راست نگرانی نہ کرتی تھیں۔ ان کی پورے گاؤں میں ایک مخصوص حیثیت تھی تمام چھوٹے بڑے زمینداران کے فیصلے کو اہمیت دیتے تھے، ایسے میں باقر علی اگر براہِ راست حمدہ والے معاملے پر ان سے اُلجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا سراسر نقصان اس کی اپنی ذات کو ہونا تھا، بہر حال علاقے کے تمام سرکردہ افراد ان کے ہمراہ تھے۔ عمر ہاشم چونکہ عرصہ بعد اپنے علاقے میں آیا تھا تو اس کے لیے یہاں کے بہت سے حالات و واقعات نامانوس تھے چونکہ جوان خون تھا جوشیلا تھا، قوت بازو پر انحصار کرتا تھا۔ وہ باقر علی کی حمدہ کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی بالادستی کو قبول کرنے پر تیار نہ تھا جبکہ بی بی کی رائے تھی کہ یہ سارا معاملہ گاؤں میں ہی حل ہو جائے تو بہتر ہے کل کلاں کو اگر کوئی اونچ نیچ ہو گئی یا باقر علی نے کوئی کارروائی کی تو سارے گاؤں والے ان کا ساتھ دینے کو تیار ہوں گے۔ اس مؤقف پر عمر نے بی بی کی بات مان لی تھی مگر اندرونی طور پر وہ باقر علی سے خاصا خار کھائے ہوئے تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ باقر علی اس کے سامنے آجائے تو وہ اس سے بھڑ بیٹھے۔ مگر بی بی کی وجہ سے خاموش تھا۔

کچھ دیر پہلے وہ گاؤں کی بیٹھک میں سب کے درمیان تھا۔ باقر علی بھی آیا ہوا تھا اس کے اپنے تینوں ماموں بھی تھے۔ منجھلے ماموں کے علاوہ بڑے اور چھوٹے دونوں ماموؤں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ عمر کو ماموؤں کے اس طرزِ عمل سے بڑی تکلیف ہوئی تھی۔ بی بی نے اپنی ساری زندگی ان بھائیوں کے ساتھ گزاری تھی اور یہ بھائی اب اس موقع پر اپنے مفادات کی وجہ سے پہلو تہی کر رہے تھے۔ باقر علی کا طرزِ عمل خاصا شدت انگیز تھا، وہ بار بار حمدہ کا نام لے کر چا چی مختار پر دھوکہ دہی اور دغابازی کے الزام عائد کر رہا تھا، عمر کا جی چاہ رہا تھا کہ ایک دم اس کا گریبان پکڑ کر اس کی ساری اکڑ نکال کر رکھ دے۔ وہ بلیک بیلٹ رہا تھا

امریکہ میں رہتے ہوئے دو ہی تو شوق تھے ایک تعلیم پر توجہ دینا اور دوسرا بلیک بیلٹ بننا...... باقر علی جیسے لوگ اس کے ایک ہاتھ کی مار تھے۔ بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتا وہ پنچایت کا فیصلہ سن کر چلا آیا تھا۔

چونکہ چاچی مختار اور حمدہ منظر سے غائب تھیں حتمی فیصلہ یہی طے پایا تھا کہ یہ دونوں واپس گاؤں آئیں بلکہ نکاح میں موجود تمام گواہان بھی پنچایت میں حاضر ہوں تبھی کوئی حتمی فیصلہ ہوگا۔ جبکہ باقر علی معاملے کو غلط رنگ دینے کی کوشش میں تھا، اس کی کوشش تھی کہ حمدہ کے کردار کو بنیاد بنا کر عمر ہاشم کے ساتھ نکاح کی رسم کو کوئی اور ہی رنگ دے ڈالے۔ عمر پنچایت سے سخت کبیدہ خاطر ہو کر نکلا تھا۔ حویلی آیا بھی تو خاصا غصے میں تھا۔

''ماں جی! صرف آپ کی وجہ سے میں اس معاملے کو اتنا برداشت کر رہا ہوں ورنہ باقر علی جس طرح حمدہ اور میرے نکاح کو غلط رنگ دینے کی کوشش کر رہا ہے میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ آپ سب لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حمدہ بیچاری تو سرے سے بے خبر تھی اس سے شادی کی خواہش صرف اور صرف میری تھی۔ ہم نے صاف اور واضح انداز اپنایا ہے، ڈائریکٹ نکاح کیا تھا۔ چاچی مختار حمدہ کی وارث ہیں ان کی ایماء پر یہ نکاح ہوا تھا، اب باقر علی کون ہوتا ہے اس معاملے کو اُچھالنے والا۔ آپ نے بھی گاؤں والوں کو شامل کر کے معاملے کو مزید اُلجھا دیا ہے۔ اب ہر کوئی نجانے کس کس رنگ میں اس نکاح کی کارروائی کو لے رہا ہے اوپر سے گاؤں والوں نے چاچی مختار اور حمدہ کی موجودگی کو لازمی قرار دے دیا ہے۔'' بی بی نے جیسے ہی پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا ہے؟ وہ پھٹ پڑا تھا۔

''تم اتنا عرصہ گاؤں سے دور رہے ہو۔ تمہارے لیے یہ سب کچھ نیا اور عجیب ہے، یہاں گاؤں میں ایسے متنازعہ فیصلے اسی طرح ہوتے ہیں۔ گاؤں والوں کو اس لیے شامل کیا تھا کہ کل کو باقر علی کچھ غلط کرے تو ہمارے پاس گاؤں کے لوگوں کی حمایت ہو۔'' بی بی نے رسان سے سمجھانا چاہا تو اس نے ناراضی سے انہیں دیکھا۔

''اور وہ باقر علی جان بوجھ کر حمدہ کی غیر موجودگی کو غلط رنگ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ سب کیا ہے؟ گاؤں والوں نے اس شخص کو خوامخواہ سر پر چڑھا لیا ہے، ورنہ ایک ہاتھ کی مار ہیں ایسے لوگ؟'' بی بی نے بغور عمر ہاشم کا غصہ دیکھا اور پھر اس کا بازو پکڑ کر پاس بٹھا کر محبت سے اس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیریں۔

''اب کیا طے ہوا ہے؟'' بی بی کے انداز پر عمر نے اپنا غصہ کنٹرول کیا۔

''گاؤں والوں نے نکاح کے تمام گواہان کو پرسوں پنچایت میں حاضر ہونے کو کہا ہے۔ خصوصاً چاچی مختار کی موجودگی ضرور قرار دی گئی ہے اور ان کے ساتھ ساتھ افتخار صاحب کی موجودگی بھی۔ باقر علی کو شک ہے کہ حمدہ اور چاچی یہیں گاؤں میں ہی ہیں وہ افتخار صاحب کے پاس نہیں بلکہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور یہ نکاح والا سارا معاملہ محض ڈرامہ ہے۔ بلکہ وہ حمدہ کے کردار کے حوالے سے بھی مجھے بنیاد بنا کر اور بھی بکواس کر رہا تھا۔''

''بکواس کرتا ہے تو کرنے دو۔ باقر علی خود کس کردار اور قماش کا شخص ہے یہ بھی سارا گاؤں جانتا ہے۔'' بی بی نے اپنے بیٹے کے بگڑے تیوروں کو بغور دیکھا۔

''حمدہ کا کردار اخلاق سب سامنے کی باتیں ہیں۔ گاؤں والے اندھے نہیں جو معاملے کو پرکھ نہ سکیں۔ میں نے تو صرف اس

لیے گاؤں کے سربراہوں کو اس معاملے میں شامل کیا تھا کہ باقر علی جیسے لوگوں کو سنبھالنا آسان رہے، جس طرح ایک عرصے سے باقر علی نے حمدہ کا پیچھا لیا ہوا ہے وہ محض تمہارے اور حمدہ کے نکاح کا سن کر خاموش بیٹھنے والا نہیں تھا اس لیے بھی مجھے گاؤں والوں کی مدد چاہیے تھی۔''

''بہر حال جو بھی وجہ تھی مگر باقر علی نے بیچ پنچایت کے اب اگر اگلی بار حمدہ کے سلسلے میں کوئی فضول بات کی تو میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ حمدہ اب میری بیوی ہے۔'' عمر ہاشم خاصا تپا ہوا تھا۔

''اچھا جو بھی ہے اب معاملہ گاؤں کی پنچایت میں میں نے خود پہنچایا ہے، تو تم بھی آرام وسکون سے اب معاملے کو سلجھنے دو، جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ پرسوں افتخار، مختار اور حمدہ کے ہمراہ آتو رہا ہے پھر دیکھتے ہیں پنچایت کیا فیصلہ کرتی ہے مجھے یقین ہے یہ فیصلہ ہمارے حق میں ہی ہوگا۔ بعد میں جو ہوگا دیکھیں گے۔'' بی بی نے اب بھی پُرسکون انداز میں سمجھانے کی کوشش کی تو عمر محض خاموش ہوگیا۔

بی بی اُٹھ کر نماز پڑھنے چلی گئیں تو عمر کا دھیان حمدہ کی طرف چلا گیا۔ نکاح کے بعد سے اب کتنے دن ہورہے تھے حمدہ کو دیکھے ہوئے۔ عمر کا شدت سے جی چاہا کہ وہ کہیں سے سامنے آجائے تو وہ اسے جی بھر کر دیکھ لے۔

وہ جب سے لوٹا تھا اس نے کئی بار حمدہ کے نمبر پر کال کی تھی مگر وہ کال ہی پک نہیں کرتی تھی، جبکہ افتخار صاحب اور مختار چاچی سے کئی بار بات ہو چکی تھی، نہ وہ کسی میسج کا جواب دیتی تھی اور نہ ہی کال ریسیو کرتی تھی۔ اس وقت دل و دماغ میں جو کیفیت چل رہی تھی ایسے میں جی چاہ رہا تھا کہ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر حمدہ کے پاس چلا جائے یا اسے اپنے سامنے لے آئے۔ موبائل کے بجائے اس نے حویلی والے نمبر سے اس کے نمبر پر کال کی تو چار پانچ بیلز کے بعد کال ریسیو کرلی گئی تھی۔

''السلام علیکم!'' کئی دن بعد حمدہ کی آواز سننے کو مل رہی تھی یوں لگا جیسے اندر سینے میں کہیں اُٹھنے والی طغیانی کا وجود ایک دم سرد پڑ گیا تھا۔

''وعلیکم السلام...... کیسی ہیں؟'' عمر کی آواز پہچان کر دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔

''حمدہ پلیز بات کریں۔ کال بند نہیں کریں۔ میں نے آپ کو کال کی ہے کوئی نازیبا حرکت نہیں کی۔'' وہ پہلے ہی باقر علی کی حرکتوں سے وجہ پریشان تھا۔ ایسے میں حمدہ کا رویہ اس کا ٹمپر لوز ہوا تھا۔

''میں اماں کو بلوا دیتی ہوں، کوئی خاص بات ہے تو ان سے کرلیں۔'' عمر کی دھمکی پر دوسری طرف سے پُرسکون انداز میں جواب ملا تھا۔

''میں نے اگر چاچی سے بات کرنی ہوگی تو ان سے ڈائریکٹ بات کروں گا۔ آپ بتائیں آپ کیوں میری کالز پک نہیں کر رہیں؟ آپ کو اندازہ نہیں آپ کے اس رویے کی وجہ سے میں کس قدر پریشان اور ہرٹ ہو رہا ہوں۔'' شروع میں تلخی سے مگر آخر میں دھیمے لہجے میں کہا۔

''مجھے یوں بات کرنا اچھا نہیں لگا اسی لیے میں کال ریسیو نہیں کرتی تھی۔ ہمارا صرف نکاح ہوا ہے رُخصتی تو نہیں نا......'' حمدہ کا وہی سنجیدہ انداز تھا۔

حمدہ کے الفاظ نے عمر پر بڑے عجیب انداز میں اثر کیا۔

''آپ میری بیوی ہیں رُخصتی تو محض ایک فارمیلٹی ہے۔ نکاح سے بڑھ کر بھی شادی کی کوئی رسم ہوتی ہے تو وہ بتا دیں میں وہ بھی کروا لیتا ہوں۔'' حمدہ کے الفاظ پر عمر نے کچھ غصے سے کہا تو دوسری طرف خاموشی چھا گئی اور پھر کچھ توقف کے بعد وہ کہنے لگی۔

''مگر جس ماحول سے میں تعلق رکھتی ہوں وہاں ان باتوں کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں آپ سے بات کروں اور کسی کو کچھ کہنے کا موقع ملے۔ بھلے ہمارے درمیان بہت جائز رشتہ ہے مگر جب تک باقر علی والا معاملہ حل نہیں ہو جاتا میں سکون سے آپ سے بات نہیں کر سکتی۔'' عمر نے لب بھینچ لیے۔ وہ تو سمجھا تھا کہ نکاح ہو چکا ہے اب سب کچھ کلیئر ہو چکا ہے مگر لگ رہا تھا کہ اصل پریشانی تو اب آئی ہے۔ حمدہ کا گریز اسے طیش دلا گیا تھا۔

''او کے...... اب آپ سے تبھی بات ہو گی جب آپ رُخصت ہو کر میرے روبرو میرے بیڈ روم میں ہوں گی۔ اللہ حافظ......'' عمر نے بہت سنجیدگی سے کہتے کال بند کر دی تھی، جبکہ دوسری طرف حمدہ کے رویے اور الفاظ پر ایک دم پریشان ہو کر اپنی جگہ جامد سی کھڑی رہ گئی تھی۔

❖ ❁ ❖

حمدہ، چاچی مختار اور افتخار صاحب کے ساتھ وہ لوگ دوپہر کو ہی گاؤں پہنچ گئے تھے۔ افتخار صاحب ایک بااثر شخصیت تھے اپنی ذاتی لینڈ کروزر اور محافظوں کے درمیان جب گاؤں میں داخل ہوئے تھے علاقے میں فوراً ان کی آمد کی خبر پھیل گئی تھی۔ ان لوگوں کو پروگرام کے تحت چھوٹی حویلی میں ہی ٹھہرنا تھا۔ گاڑی سیدھی حویلی ہی آئی تھی۔ عمر ذوالفقار بھائی کے ہمراہ پہلے سے ہی موجود تھا۔ حمدہ چاچی مختار کے ہمراہ جیسے ہی گاڑی سے نکلی نگاہ سیدھی عمر کی طرف اُٹھی اور وہ افتخار صاحب سے گلے مل رہا تھا۔ حمدہ کو دیکھ کر عمر کی نگاہوں میں ہمیشہ اُبھرنے والا مخصوص تاثر اس وقت غائب تھا۔ حمدہ کو دیکھ کر بھی وہ شخص سنجیدہ رہا تھا۔ اس کے دل میں رہ رہ کر عجیب سا ملال اُتر رہا تھا۔ پرسوں رات عمر نے کال کی تھی اس سے بات کرنے کے بعد کل سارا دن کوئی کال نہیں آئی تھی، یہاں کے حالات سے متعلق مسلسل معلومات مل رہی تھیں آج وہ لوگ صبح سویرے نکل آئے تھے مگر اب عمر کا بے تاثر انداز دیکھ کر حمدہ کا دل ملال سے بھرتا جا رہا تھا۔

وہ لڑکی ذات تھی اس نے ایک کانٹوں سے بھری زندگی گزاری تھی، قدم قدم پر پتھروں سے سامنا ہوا تھا وہ بڑی مشکل سے اپنے وجود اور کردار کو سنبھال کر یہاں تک پہنچی تھی ایسے میں وہ عمر ہاشم کے نام کی بدنامی کیسے سہہ لیتی کہ یہاں سے بی بی کے ذریعے ملنے والی خبروں میں یہ بھی ذکر تھا کہ باقر علی عمر ہاشم اور اس کے تعلق کو غلط انداز میں اُچھالنے کی کوشش کر رہا ہے تا کہ گاؤں والوں کو نکاح والے معاملے سے متعلق بھڑکا سکے۔ ایسے میں اگر وہ عمر سے بات کرنے سے بچ رہی تھی سنجیدگی اختیار کر رہی تھی تو کون سا غلط کر رہی تھی، پرسوں رات سنائی دیئے جانے والے عمر ہاشم کے الفاظ اسے ہرگز نہیں بھول رہے تھے۔

''او کے...... اب آپ سے تبھی بات ہو گی جب آپ رُخصت ہو کر میرے روبرو، میرے بیڈ روم میں ہوں گی۔'' بظاہر یہ الفاظ بے ضرر اور سادہ سے تھے مگر ان الفاظ کو ادا کرتے وقت عمر ہاشم کا جو لہجہ تھا وہ حمدہ کے دل کو ہولائے دے رہا تھا۔

اوپر سے عمر کو دیکھنے کا وہ مخصوص انداز بھی مفقود تھا۔ اب سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے؟ کیسے اس شخص کو سمجھائے؟ اس

نے خاموشی سے وضو سے کر کے نماز ادا کی۔ سفر کی تھکان تھی، نسرین کھانے کا پیغام لے کر آئی تو وہ منع کرتے بستر پر دراز ہو گئی۔ وہ کچھ دیر سو کر اپنے ذہن کو پُرسکون کرنا چاہتی تھی۔

کچھ دیر سو کر وہ باہر آئی تو گاؤں کی کئی خواتین اماں اور بی بی کے پاس آئی بیٹھی تھیں۔ موضوع بحث آج رات ہونے والی پنچایت ہی تھا۔ باقر علی، عمر اور حمدہ کا ذکر خصوصی تھا وہ کچھ دیر ان کے پاس ٹھہری اور پھر وہاں سے اُٹھ کر واپس بی بی کے کمرے میں چلی آئی۔ کھڑکی کے پاس کھڑی وہ باہر لان کی طرف دیکھ رہی تھی کہ اچانک گیٹ کی طرف سے ایک دم شور اُٹھ کھڑا ہوا۔ حمدہ نے دیکھا گیٹ پر عمر تیزی سے باہر جانے کی کوشش کر رہا تھا، پیچھے سے ذوالفقار بھائی نے بھاگ کر اس کا بازو تھام لیا تھا، اس لیے عمر نے سختی سے کچھ کہا تھا فاصلہ ہونے کی وجہ سے حمدہ سمجھ نہ سکی تھی۔ بس دونوں کے تیز تیز اونچا اونچا بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں، شاید عمر کے ہاتھ میں کوئی چیز بھی تھی، جسے ذوالفقار بھائی چھیننے کی کوشش کر رہے تھے شور کی آواز سن کر اندر سے خواتین کے علاوہ سلطان بابا، بشیر اور ایک دو ملازم اور اکٹھے ہو گئے تھے اور وہ سب مل کر عمر کو پکڑ چکے تھے۔ حمدہ نے دیکھا ذوالفقار بھائی نے عمر کے ہاتھ سے زبردستی پسٹل چھین کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔ اب وہ زبردستی عمر کو بازو کے حصار میں لیے مردانے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

یہ کیا ماجرہ تھا حمدہ سمجھ نہ سکی تھی وہ کھڑکی سے ہٹ کر فوراً باہر نکل آئی تھی۔ ماریہ باجی نڈھال سی بی بی جان کو بازو کے حصار میں لیے اندر آ رہی تھیں۔ ساتھ میں اماں اور دیگر خواتین بھی تھیں یہ سب شور سن کر ہی باہر گئی تھیں۔

''کیا ہوا ہے؟'' حمدہ نے آگے بڑھ کر بی بی کا دوسرا بازو تھام لیا تھا۔

''ہونا کیا ہے وہی مردود باقر علی کا قصہ۔'' اماں نفرت سے بولیں، حمدہ کا دل بیٹھنے لگا عمر سخت غصے میں تھا یقیناً کوئی بات ہو چکی ہوتی۔

''آج صبح ہماری آمد سے پہلے عمر کسی کام سے باہر اڈے کی طرف نکلا تھا راستے میں باقر علی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ بشیر، عمر کے ساتھ تھا، باقر علی نے عمر کو ایسی باتیں کیں جس سے وہ طیش کا شکار ہو کر کچھ سخت کہے، ان کی نیت لڑائی کرنے کی تھی تاکہ رات ہونے والی پنچایت سے پہلے ہی معاملہ خراب ہو جائے۔ عمر کو اس کی باتوں پر آ غصہ آ گیا تو اس نے اس کی پٹائی کر ڈالی وہ تو شکر ہے کہ بشیر ساتھ تھا جو شور مچانے پر اردگرد کے لوگ اکٹھے ہو گئے اور باقر علی کو چھڑوا کر لے گئے۔ بشیر بتا رہا تھا کہ اس وقت باقر علی کے ساتھ دو آدمی تھے ان کے پاس ہتھیار وغیرہ نہیں تھے سو بچت ہو گئی۔ جاتے جاتے وہ عمر کو وڈے ڈیرے کی طرف شام سے پہلے پہنچنے کا طعنہ دے کر گیا تھا کہ اگر وہ مرد کی اولاد ہے تو شام سے پہلے وڈے ڈیرے پر آ جائے وہاں وہ اچھی طرح نپٹے گا اور تب سے ہم لوگ عمر کو حویلی سے باہر نکلنے نہیں دے رہے تھے، اب نجانے کیسے نظر بچا کر وہ نکلنے لگا تھا کہ بشیر اور ذوالفقار نے دیکھ لیا اور فوراً روک لیا۔'' بی بی کی طبیعت خراب تھی ان کو کمرے میں لا کر لٹانے کے بعد ماریہ باجی اس کے بار بار استفسار کرنے پر ایک طرف لے جا کر بتا رہی تھیں۔

''باقر علی نے عمر کو کہا کیا تھا کہ وہ اس قدر طیش میں آ گئے کہ اس کی پٹائی کر ڈالی؟'' حمدہ حیرت وخوف سے ششدر تھی کچھ توقف کے بعد سنبھل کر پوچھا۔

''بشیر ہی بتا رہا تھا کہ عمر کو دیکھ کر پہلے تو اس نے عمر کا راستہ روکا پھر اس نے تمہارے حوالے سے چند باتیں کیں اور جب اس نے عمر سے یہ کہا کہ اگر تم مرد کی اولاد ہوتے تو سب کے سامنے اسی گاؤں میں رہ کر حمدہ سے نکاح کر کے دکھاتے یوں ہیجڑوں کی طرح چھپ چھپا کر منہ کالا نہ کرتے تو اس کے الفاظ ایسے گھٹیا تھے کہ عمر خود پر کنٹرول نہ رکھ سکا اور تمہیں شاید پتا نہ ہو عمر بلیک بیلٹ ہولڈر ہے، اس نے اچھا خاصا پیٹ ڈالا تھا۔ تب سے عمر کا غصے سے بُرا حال ہے اب بھی وہیں جانے کا ارادہ تھا۔ اگر باقر علی نے عمر کو ڈیرے پر بلایا تھا تو یقیناً ارادے بھی نیک نہیں ہوں گے مگر عمر طیش اور غصے سے یہ نہیں سوچ رہا۔'' ماریہ خاصی افسردہ تھی۔ حمدہ کے لیے یہ سب واقعات سخت تکلیف دہ تھے۔

''اب عمر کہاں ہیں؟''

''ذوالفقار مہمان خانے کی طرف لے گئے ہیں۔ بی بی کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ عمر، باقر علی کی باتوں کی وجہ سے سخت جذباتی ہو رہا ہے اور ماں جی اس کی وجہ سے پریشان ہو رہی ہیں۔'' وہ گم صم سی ماریہ باجی کا چہرہ دیکھ رہی تھی، ماریہ باجی بی بی کی طرف لوٹیں تو وہ بھی ادھر ہی آ گئی۔

بی بی نے اسے دیکھ کر اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔ حمدہ خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گئی۔

''عمر کہاں ہے؟'' بی بی نے ماریہ سے پوچھا۔

''ذوالفقار علی کے ساتھ مہمان خانے کی طرف ہی ہے۔'' بی بی نے سر ہلا دیا اور پھر حمدہ کا ہاتھ تھام کر اُٹھ بیٹھیں۔

''عمر بہت جذباتی ہو رہا ہے باقر علی نے نجانے اس سے ایسی کیا باتیں کہہ دی ہیں کہ جب بھی دونوں کا سامنا ہوتا ہے مرنے مارنے کی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ آج جو بھی ہوا ہے پتا تو لگ گیا ہوگا تمہیں؟'' حمدہ نے محض سر ہلا دیا۔

''میری تو کوئی بات اس پر اثر نہیں کر رہی اتنا سمجھا چکی ہوں، اب رات کو پنچایت ہے مگر وہ کچھ سن ہی نہیں رہا۔'' بی بی خاصی پریشان تھیں۔ حمدہ خاموش رہی وہ بھلا کیا کر سکتی تھی؟

''تم عمر سے بات کرو اسے سمجھاؤ کہ یوں جذباتی نہیں ہوتے۔ گاؤں والے ہمارے ساتھ ہیں۔ وہ ہمارے حق میں فیصلہ کریں گے۔ ٹھیک ہے مرد ہے اور مرد ہی جذباتی ہوتے ہیں مگر وقت اور موقعے کی نزاکت بھی تو دیکھے۔'' بی بی کی بات پر اس نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔

''میں بھلا کیسے بات کر سکتی ہوں؟''

''تم بیوی ہو اس کی...... تمہاری بات اس پر اور انداز میں اثر کرے گی۔ وہ تمہیں اہمیت دیتا ہے تمہارے معاملے کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنا رکھا ہے، باقر علی کو کسی بھی طرح کی رعایت دینے کو تیار نہیں۔ وہ تمہیں چاہتا ہے مگر اگر تم اچھے انداز میں بات کرو گی تو تمہاری بات مان لے گا۔'' حمدہ تو سچ مچ پریشان ہوگئی تھی۔

''میں بھلا کیا کہوں گی؟'' وہ اُلجھ گئی تھی۔

''میں جانتی ہوں تم اور مزاج کی بچی ہو۔ نکاح، منگنی ہمارے ہاں محض رسمیں ہیں مگر تم اگر خود ایک بار عمر کے پاس جا کر اسے سمجھاؤ گی اچھے انداز میں بات کرو گی تو وہ سمجھ جائے گا۔'' حمدہ بس نگاہ جھکا گئی۔

''میرا ایک ہی بیٹا ہے، میں نے ساری زندگی انہی دو بچوں کے آسرے پر گزار دی ہے۔ عمر نے تمہارا نام لیا تو میں نے انا کا مسئلہ نہ بنایا کہ تم ہر لحاظ سے قبول کی جانے والی بچی ہو۔ عمر کے دل کی خوشی کو اہمیت دی کہ میرا بیٹا خوش رہے گا، تو میں بھی خود رہوں گی۔ اب یہ باقر علی سے جھگڑے والا معاملہ میری تو سمجھ و عقل زائل ہو رہی ہے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کروں، لے دے کر تمہارا خیال ہی آ رہا ہے کہ اگر تم ایک بار عمر سے بات کر لو تو وہ نارمل ہو جائے گا۔'' حمدہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''جی بی بی جی! میں کوشش کروں گی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔''

''جیتی رہو۔ سدا سہاگن رہو، خوش رہو۔'' انہوں نے ایک دم اسے ساتھ لگا کر ڈھیروں دُعائیں دے ڈالی تھیں۔

❖ ❁ ❖

مغرب کے بعد حمدہ کے دونوں بہنوئی بھی پہنچ گئے تھے کہ گواہان میں افتخار صاحب کے علاوہ یہ دونوں بھی شامل تھے۔ حمدہ بی بی سے بات کرنے کے بعد انتظار کرتی رہی کہ عمر اندر آئے تو وہ اس سے بات کرے، مغرب کے بعد عمر پنچایت میں جانے کے لیے تیار ہونے اپنے کمرے کی طرف آیا تھا۔ عمر کے آنے کی اطلاع ملی تو حمدہ، بی بی کو دلاسہ دیتے سیڑھیاں چڑھتے اوپر آ گئی تھی۔ عمر کے دروازے کے سامنے رُک کر ایک پل کو اپنا تنقیدی جائزہ لیا۔

نکاح کے جوڑوں میں سے ایک جوڑا تھا جو سادہ تھا مگر خاصا قیمتی اور بوتیک اسٹائل کا تھا۔ اس جوڑے میں اس کی شخصیت کا وقار اور رکھ رکھاؤ کچھ اور اُبھر کر سامنے آ رہا تھا۔ اس وقت ہمیشہ کی طرح چادر کے بجائے سوٹ کے ہم رنگ دوپٹے میں ملبوس تھی۔ دروازے پر دستک دیتے حمدہ کو اپنے ہاتھ میں ہلکی سی کپکپاہٹ محسوس ہوئی۔

''یس......'' عمر کی آواز پر اس نے آہستگی سے دروازہ وا کرتے اندر قدم رکھا عمر جو ابھی باتھ روم سے چینج کر کے نکلا تھا ٹاول سے چہرہ صاف کرتے ٹھٹکا۔

''آپ؟'' حمدہ کو دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں حمدہ کی موجودگی کا قطعی تصور نہیں کر سکتا تھا۔

''السلام علیکم۔'' عمر نے اگلے ہی پل حیرانگی کو پس پشت ڈالتے رُخ بدل کر لب بھینچ لیے تھے۔

عمر ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگ گیا تھا۔ حمدہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس طرح اس سے بات کا آغاز کرے۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' عمر نے حمدہ کے سوال پر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''جی فرمایئے کیسے آنے کی زحمت کی آپ نے؟'' چہرہ بلا کا سنجیدہ اور کھردرا لہجہ تھا۔

حمدہ نے لب بھینچ لیے آنکھوں میں بے بسی سے نمی سمٹ آئی۔ کتنا اجنبی لہجہ تھا، اس نے ایک شاکی نگاہ عمر پر ڈالی۔

''یہ باقر علی والا کیا معاملہ ہے؟'' اس نے خود پر کنٹرول کرتے عمر کو دیکھا۔

''بس یہی دریافت کرنے آئی ہیں؟'' حمدہ خاموش رہی۔

''آئی ایم سوری آپ سے کچھ بھی نہ کہنے کا عہد کیا تھا اور میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ نے کیونکر میرے کمرے میں آنے کی زحمت گوارا کر لی ہے جبکہ مجھ سے کوسوں میل کے فاصلے سے محض موبائل پر بات کرنے سے

آپ کے کردار پر خوف آتا ہے۔ ابھی تو آپ کی باقاعدہ رُخصتی نہیں ہوئی پھر اس آمد کو کیا سمجھوں؟''

''اُف......'' حمدہ کو لگا عمر ہاشم کے اس طعنے پر اس کا سارا وجود زخمی ہو گیا ہے۔ اس نے لب دانتوں تلے دبا کر بہت شکایتی نظروں سے عمر کو دیکھا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ کے پاس میرے کسی بھی سوال کا جواب نہیں۔ جب میرے کسی سوال کا جواب دیں گی تو میں آپ کو آپ کے تمام سوالوں کا جواب دوں گا۔ آپ نے میرے کمرے میں آنے کی زحمت کی، ذرہ نوازی ہے آپ کی کہ آپ نے مجھ جیسے حقیر کو یہ عزت افزائی بخشی۔ میرے پاس وقت نہیں ہے، چلتا ہوں۔'' چند پل کھڑے ہو کر حمدہ کے جواب کا انتظار کیا اور اس کی شکایتی نظروں کو بالکل نظر انداز کیے وہ پلٹا۔ ایک تو اس کا مسلسل طنزیہ انداز اوپر سے اس کے تیور حمدہ کی جان پر بن آئی۔ بی بی کی کہی گئی تمام باتیں یاد آئیں تو گھبرا کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''آپ ایسے نہیں جا سکتے۔ میں آپ کو ایسے نہیں جانے دوں گی۔'' بہت گھبرا کر ایک دم نہایت قریب آ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے عمر کا بایاں بازو تھام لیا۔

''آپ کو میری بات سننا ہوگی۔'' عمر نے بہت چونک کر نہایت استعجاب سے اس کی اس حرکت کو دیکھا۔ وہ اب خود کو مزید پتھر نہیں بنا سکتا تھا، حمدہ کے مومی ہاتھوں کا نرم لمس اس کے وجود میں سرائیت کرتا اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ رہا تھا۔

''کیا بات ہے کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟'' کچھ تلخی اور برہمی سے کہنا چاہا مگر حمدہ کی آنکھوں میں ایک دم آنسو سمٹ آئے۔

''آپ مجھ سے خفا ہیں، آپ مجھے ڈانٹ لیں، ناراض ہو لیں۔ پرسوں رات والی تمام باتوں پر بُرا بھلا کہہ لیں مگر اس وقت ایسے مت جائیں، میری بات سن کر جائیں۔'' عمر خود کو جتنا بھی پتھر بنا لیتا مگر اس پل حمدہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ فوراً موم کا پتلا بن گیا تھا۔

''حمدہ...... پلیز روئیں مت...... میں خفا نہیں ہوں، بس آپ کی باتوں نے تکلیف دی تھی۔ اب اگر آپ روئیں گی تو مجھے مزید تکلیف ہوگی۔'' فوراً گھبرا کر بازو سے پکڑ کر اسے چپ کروانا چاہا تو حمدہ تو مزید سسکی تھی۔

''حمدہ پلیز......'' عمر کی جان پہ بن آئی تھی۔ اسے دونوں کندھوں سے تھاما تو وہ سسک کر اس کے ساتھ آ لگی، عمر حمدہ کی اس حرکت پر ساکت رہ گیا۔

''مجھے معاف کر دیں، میں نے جان بوجھ کر آپ کی کالز کو اگنور نہیں کیا، بس خود بخود ہو گیا سب، میں نے وہ سب بکواس کی مجھے معاف کر دیں۔ ماریہ باجی اور بی بی سب بہت پریشان ہیں۔ میں آئندہ ایسی بات نہیں کروں گی آپ جب بھی بلائیں گے میں آپ کے پاس آ جاؤں گی بس آپ وعدہ کریں آپ باقر علی سے نہیں اُلجھیں گے۔'' عمر کو لگا وہ روح تک سیراب ہو گیا ہے۔

''میں کب اُلجھتا ہوں وہ خود میرے راستے میں آتا ہے، حمدہ! وہ آپ کے متعلق گھٹیا باتیں کرتا ہے، ایسی باتیں جو کوئی بھی غیرت مند مرد برداشت نہ کر سکے۔ بی بی کی وجہ سے میں نے بہت برداشت کیا ہے مگر آج صبح جب اس نے اس قدر گھٹیا انداز میں مجھے گالی دی آپ کے حوالے سے طعنے بازی کی تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا تھا، جواباً میرا ہاتھ اُٹھ گیا تھا۔ ورنہ میں نے آخری لمحے تک کوشش کی تھی کہ اس سے نہ اُلجھوں۔'' حمدہ کے آنسو اپنے ہونٹوں سے چنتے عمر نے اپنی والہانہ محبت کا احساس بخشا تو حمدہ

سٹپٹا کر خود سے ہی نظریں چرا گئی۔ عمر کی گرفت سے نکلنے کی اس نے کوشش نہ کی تھی اور نہ ہی کرنا چاہتی تھی۔

''بی بی بہت پریشان ہیں۔'' عمر نے حمدہ کو دیکھا اور مزید گرفت سخت کر کے اسے قریب کر لیا۔

''بی بی نے بھیجا ہے آپ کو؟'' براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے پوچھا۔

''مگر میں آئی تو خود ہوں نا؟'' اس نے جھوٹ نہیں بولا تھا عمر مسکرا دیا۔

''آپ وعدہ کریں آپ باقر علی سے اب نہیں اُلجھیں گے؟'' لمحے تھوڑے تھے کسی بھی لمحے نیچے سے پنچایت کی طرف جانے کے لیے عمر کو آواز دی جا سکتی تھی اور جانے سے پہلے حمدہ، بی بی کی خواہش کے مطابق اس سے وعدہ لے لینا چاہتی تھی اس نے اپنے تمام اصول توڑ کر تمام قاعدے فراموش کرتے اس کی نہ صرف دہلیز پر قدم رکھا تھا بلکہ اس کی پناہ میں اپنے وجود کی خود سپردگی فراہم کرتے ہوئے وہ صرف ایک بات سوچ رہی تھی کہ ایسا کرنے کا حکم بی بی نے دیا ہے وہ بیوی ہے اور ایک بیوی شوہر کو نرم کر سکتی ہے یہ بی بی نے کہا تھا اور بی بی نے اسے بھیجا ہی اس لیے تھا کہ وہ اس کے وجود کو چھو کر ایسا نرم ہو کہ اس کے ساتھ وعدوں کی زنجیر میں جکڑ کر تمام جذباتی پن بھول جائے۔

''آپ اس وقت جان بھی مانگیں تو حاضر کر دوں۔ باقر علی کیا چیز ہے۔'' عمر مکمل طور پر ان لمحوں کی گرفت میں تھا حمدہ نے ایک دم عمر کی بات پر اس کے ہونٹوں پر اپنا مخملی نرم ہاتھ رکھ دیا۔ عمر کے لیے حمدہ کی خود سپردگی ہی قیامت تھی اس ادا نے بالکل ہی گھائل کر دیا تھا۔ ایک دم اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر محبت و وارفتگی سے جھکا تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''اُف......'' عمر ایک دم ہوش میں آیا تھا اور حمدہ ایک دم اس کی گرفت سے نکلتے پیچھے ہٹی تھی۔

''یہ کون آ گیا اس وقت؟'' وہ سخت جھنجھلا گیا تھا۔ حمدہ کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ دل کی دھڑکن حد سے سوا تھی۔

''کون؟'' عمر نے دروازہ کھولنے کے بجائے پوچھا۔

''میں ذوالفقار! پنچایت سے پیغام آیا ہے ہم کب سے نیچے تمہارا ویٹ کر رہے ہیں جلدی کرو۔ دیر ہو رہی ہے، وہاں سب انتظار کر رہے ہیں۔'' عمر نے حمدہ کی طرف دیکھا وہ رُخ بدلتے بستر کے کنارے پر جا بیٹھی تھی۔

''آپ چلیں میں بس ابھی آیا۔'' عمر نے جواب دیا۔

''جلدی آؤ۔'' ذوالفقار بھائی کہہ کر چلے گئے تھے۔

''میں چلتا ہوں۔ نیچے سب ویٹ کر رہے ہیں۔'' وہ حمدہ کے سامنے کھڑا ہوا تو وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''آپ نے وعدہ کیا ہے نا کہ آپ باقر علی سے نہیں اُلجھیں گے۔'' وہ پوچھ رہی تھی وہ ہنس دیا۔

''نہیں اُلجھتا...... ہاں اگر وہ کچھ کہے گا تو میں چپ نہیں رہوں گا۔'' حمدہ نے لب بھینچ لیے تو عمر نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''چلیں آپ کہتی ہیں تو تب بھی خاموش رہوں گا۔ اب خوش۔'' حمدہ دھیرے سے مسکرا دی تو عمر نے گرمجوشی سے اس کے دونوں ہاتھ دبا کر ہونٹوں سے چھو لیے۔

''مجھے یقین ہے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہی ہو گا۔ آپ کا ساتھ ہو گا تو میں سب کچھ برداشت کر لوں گا، ہاں اگر آپ نے

ذرا سی بھی پہلو تہی کی تو میں اپنے وعدے پر قائم رہنے کی گارنٹی نہیں دوں گا۔'' عمر کہہ کر پلٹ گیا تھا۔

''میں اُمید رکھوں نا کہ واپسی پر آپ مجھے اسی کمرے میں منتظر ملیں گی؟'' وہ پوچھ رہا تھا اور حمدہ گم صم سی ہوگئی تھی وہ تو یہاں صرف بی بی کے کہنے پر آئی تھی۔ مزید کیا کرنا تھا وہ بے خبر تھی۔

''ہاں...... آپ جب بھی بلائیں گے میں آپ کے پاس ہوں گی۔'' ایک پل لگا تھا اسے فیصلہ کرنے میں عمر ہنس دیا۔

''آپ بی بی کو جا کر کہہ دیں آپ امتحان جیت گئی ہیں۔ واپسی پر میں آپ کو آزمائش میں نہیں ڈالوں گا۔ اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔'' مسکرا کر ہاتھ ہلا کر کہتے وہ کمرے سے نکل گیا تھا اور حمدہ حیرت سے کھڑی عمر کے الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

❖ ❁ ❖

ماریہ باجی موبائل کے ذریعے مسلسل ذوالفقار بھائی سے رابطہ رکھے ہوئے تھیں۔ پنچایت میں ہونے والی تمام کارروائی کی خبر انہیں مل رہی تھی، بی بی سارا وقت جائے نماز بچھائے دُعا مانگنے میں مصروف تھیں جبکہ اماں عمر لوگوں کے ساتھ ہی گئی ہوئی تھیں جوں جوں وقت گزر رہا تھا حمدہ کے دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی اور پھر دس بجے کے قریب ماریہ باجی کا موبائل بجا اور ذوالفقار بھائی نے انہیں خوشخبری سنائی۔

''مبارک ہو۔ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگیا ہے۔'' کال سننے کے بعد ماریہ باجی کا خوشی سے بُرا حال تھا انہوں نے حمدہ کو گلے لگایا تھا اور پھر بی بی کو خوشخبری سنانے کمرے میں گھس گئی تھی۔

باقر علی کی وجہ سے حمدہ نے ایک طویل عرصہ سخت اذیت میں گزارا تھا۔ یہ خوشخبری ایسی تھی کہ اس کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو بہہ نکلے۔ وہ کچھ سوچتے موبائل لیے باہر لان میں چلی آئی، عمر کا نمبر ملا کر کان سے لگالیا۔

''السلام علیکم۔'' دوسری طرف عمر نے فوراً کال پک کرلی تھی۔

''وعلیکم السلام! کیسے ہیں آپ؟''

''حمدہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگیا ہے۔'' عمر نے بڑے جوش سے بتایا۔

''کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا۔ خیریت رہی نا؟'' اسے جس چیز کا خوف تھا وہی پوچھا عمر ہنس دیا۔

''آپ سے وعدہ کر کے آیا تھا پھر جھگڑا کیسے ہوتا؟ حمدہ باقر علی نے بہت بکواس کی۔ دھمکیاں دی ہیں۔ گالیاں بکتا رہا، مگر اتنے لوگ تھے جو سب ہمارے حامی تھے۔ پھر چاچی کی گواہی اور افتخار صاحب کی موجودگی کی وجہ سے معاملہ منٹوں میں حل ہوا ہے۔''

''اماں کیسی ہیں؟'' حمدہ کو فوراً اماں کا خیال آیا۔

''ہم لوگ واپسی کے لیے نکل رہے ہیں۔ گھر آ کر بات کرتے ہیں۔'' عمر کے دوسری طرف بہت شور تھا حمدہ کی بات پر اس نے کہا۔

''میں انتظار کروں گی۔'' حمدہ نے کہہ کر کال بند کردی تو فوراً عمر کا میسج آ گیا۔

''انتظار کرنے کی یقین دہانی کا شکریہ، مگر میں اب اتنا بے حس بھی نہیں ہوں آپ میرے سامنے ہیں میرے پاس، آپ کو

میں سن سکتا ہوں، دیکھ سکتا ہوں میرے دل کی تسلی کو یہ بھی بہت ہے۔ حویلی آتے ہی میں ماں جی سے بس فوراً رخصتی کی بات کروں گا کہ اب فیصلہ ہمارے حق میں ہو جانے کے بعد اس معاملے کو زیادہ لٹکانا نہیں چاہتا۔'' حمدہ نے میسج پڑھا اور پھر مسکرا دی۔ اسے اب اور شدت سے ان سب لوگوں کی واپسی کا انتظار تھا۔

❖ ❁ ❖

فیصلہ ہوتے ہی باقر علی اپنے اسلحہ بردار محافظوں کو ہمراہ لیے پنچایت سے چلا گیا تھا۔ عمر سب سے ہاتھ ملاتا مبارکباد یں وصول کرتا افتخار صاحب کے پاس چلا آیا تھا۔ واپسی کی بات ہو رہی تھی، عمر کی جیپ بشیر ڈرائیو کر رہا تھا، عمر نے اپنی گاڑی میں چاچی مختار اور ان کے دونوں دامادوں کو سوار کر کے روانہ کیا اور خود ذوالفقار کے ہمراہ افتخار صاحب کی لینڈ کروزر میں آ بیٹھا تھا۔ ان کے پیچھے ان کے محافظ تھے۔ یہ سب گاڑیاں آگے پیچھے روانہ ہوئی تھیں۔ یہ لوگ ابھی کچھ دور ہی آئے تھے جب ایک دم کھیتوں سے نکل کر دو آدمیوں نے عمر والی گاڑی پر فائرنگ کر دی تھی۔ افتخار صاحب کی لینڈ کروزر ایک دم رُکی تھی ان کے عقب میں ان کے محافظوں کی بھی۔

افتخار صاحب کے محافظوں نے بھی جوابی کارروائی کی تھی تو ان دونوں آدمیوں نے اندھا دھند افتخار صاحب کی گاڑی پر بھی گولیاں برسا دی تھیں۔ گاڑی بلٹ پروف تھی مگر شیشے ٹوٹ کر لگنے والی گولیاں ان آدمیوں کے ماہر نشانہ باز ہونے کا ثبوت تھیں۔ دونوں آدمیوں میں سے ایک آدمی زخمی ہو کر گرا تو دوسرا بھاگ نکلا تھا، مگر ان دونوں آدمیوں کا ہدف پورا ہو گیا تھا، ایک طرف عمر کے بازو پر گولی لگی تھی جبکہ افتخار صاحب اور ذوالفقار نے جھک کر خود کو گرنے سے بچایا تھا۔ اگلی عمر والی جیپ سے چیخوں اور کراہوں کی آوازیں شدید تھیں۔ عمر اپنے زخمی بازو کی پروا کیے بغیر دروازہ کھول کر اگلی گاڑی کی طرف دوڑا تھا۔

''عمر ٹھہرو......رُکو......'' ذوالفقار بھائی پکارتے رہ گئے تھے۔

اگلی گاڑی میں بشیر اسٹیئرنگ پر اوندھا گرا ہوا تھا، پچھلی نشست پر براجمان چاچی مختار کو کئی گولیاں لگی تھیں، حملہ آوروں کا ہدف ہی عمر کی گاڑی تھی انہوں نے پچھلی سیٹ پر گولیاں برسائی تھیں مگر افسوس وہاں عمر کے بجائے چاچی مختار براجمان تھیں اس وقت ان کا وجود اپنے ہی خون میں نہایا ساکت تھا۔ عمر نے فوراً چاچی کو تھاما۔ ان کی نبض پر ہاتھ رکھا۔

''ذوالفقار بھائی ان کی نبض چل رہی ہے۔ جلدی کریں ہاسپٹل لے کر چلیں۔'' نبض دیکھنے کے بعد عمر چیخا۔ جبکہ چاچی کے دونوں داماد بالکل ٹھیک تھے وہ درمیانی نشست پر تھے اور نیچے لیٹ جانے پر بچ گئے تھے۔ بشیر بھی زخمی تھا اس کے کندھے پر بھی گولی لگی تھی۔ عمر کے اپنے بازو سے شدید خون بہہ رہا تھا اس کی پکار پر افتخار صاحب اور ان کے محافظ فوراً حرکت میں آئے تھے۔

❖ ❁ ❖

چاچی مختار جانبر نہ ہو سکی تھیں۔ ہسپتال لے جاتے ہوئے راستے ہی میں دم توڑ گئی تھیں۔ حمدہ کے لیے یہ حادثہ بہت تکلیف دہ تھا وہ جو بہت خوش کن جذبات لیے ان لوگوں کی واپسی کی منتظر تھی مگر اماں کا بے جان وجود دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔ عمر کو گولی لگی تھی۔ بشیر بھی زخمی تھا وہ لوگ ہسپتال ایڈمٹ تھے۔ افتخار صاحب کا غم و غصے سے بُرا حال تھا۔ حملہ آوروں کا ایک ساتھی زخمی ہو گیا تھا جسے افتخار صاحب کے محافظوں نے فوراً پکڑ لیا تھا۔ عمر لوگوں کے ساتھ وہ بھی ہسپتال میں داخل تھا

تاہم پولیس کی تحویل میں تھا۔ وہ شخص اپنے بیان میں بتا چکا تھا کہ ان لوگوں نے باقر علی کی ایماء پر گولیاں چلائی تھیں۔ وہ باقر علی کے ساتھی تھے۔ پولیس فوراً متحرک ہوگئی تھی۔ باقر علی کو گاؤں سے گرفتار کرلیا گیا تھا۔ حمدہ کا صدمے سے بُرا حال تھا، اس کی دونوں بہنیں نگہت اور ساجدہ فوراً آ گئی تھیں۔ اماں کے تمام رشتے داروں کو اطلاع مل گئی تھی، لندن قمر بھائی کو بھی ان لوگوں نے اطلاع کر دی تھی اس نے فوراً پاکستان پہنچنے کا کہا تھا، زندگی میں تو وہ ماں کے کسی کام نہ آسکا تھا مگر موت کے بعد بیوی بچوں کو لے کر آنے کا کہا تھا۔ قمر نے ایک ڈیڑھ دن میں پاکستان پہنچنا تھا اس دوران اماں کی ڈیڈ باڈی برف خانے میں رکھوا دی گئی تھی۔ حمدہ بالکل گم صم ہوگئی تھی۔ عمر ایک دن ہسپتال میں گزار کر اگلے دن ڈاکٹرز کی ہدایات کے باوجود حویلی آ گیا تھا۔ افتخار صاحب ابھی تک گاؤں میں ہی تھے۔ وہ اپنا تمام اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے باقر علی کی واپسی کی تمام راہیں بند کروا رہے تھے اماں ان کی خالہ زاد تھیں ان کی نگاہوں کے سامنے حادثہ ہوا تھا۔ عمر اور بشیر زخمی تھے۔ کیس عام لیول کا نہ تھا باقر علی کی گرفتاری پر اس کی دونوں بہنیں خوب رو دھو رہی تھیں۔ اگلے دن قمر پاکستان پہنچ گیا تو شام کے وقت اماں کی تدفین ہوگئی۔ حمدہ اس سارے عرصے میں بالکل گم صم صدمے سے نڈھال نہ کچھ کھا رہی تھی نہ پی رہی تھی۔ اماں کی میت حویلی سے ہی اُٹھی تھی۔ تمام رشتہ دار اور جاننے والے حویلی میں ہی آ رہے تھے۔ نگہت اور سارہ باجی بھی حویلی ہی میں تھیں۔ اس کے علاوہ قمر اور اس کی بیوی بچے بھی حویلی ہی آئے تھے۔

عمر کئی بار مردانے سے اندر کی طرف آیا تھا حمدہ کے متعلق اطلاع تو مل رہی تھی مگر ہر بار حمدہ کے پاس کسی نہ کسی کو موجود پا کر وہ بس ایک نگاہ ڈال کر پلٹ جاتا تھا۔ چاچی مختار کے ساتھ ہونے والے حادثے پر وہ خود بھی سخت تکلیف میں تھا۔ چند دن گزرے تو آنے والے مہمان رُخصت ہونے لگے جبکہ اب حویلی میں حمدہ لوگوں کے قریبی رشتہ دار ہی رہ گئے تھے، قمر ادھر حویلی میں ہی تھا جبکہ اس کی بیوی چند دن رہنے کے بعد اپنے میکے اپنے بچوں کے ہمراہ روانہ ہوگئی تھی۔ حمدہ اس وقت بی بی کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی اس کے پاس نگہت باجی، ساجدہ کے علاوہ قمر، بی بی اور ماریہ باجی تھے۔ موضوع بحث موجودہ حالات تھے۔

''جب تک رُخصتی نہیں ہو جاتی میں حمدہ کو اپنے ساتھ لے جاتی ہوں۔ اماں کو گزرے آٹھ دن ہو گئے ہیں۔ صدمے سے اس کا بُرا حال ہے میرے پاس جا کر شاید کچھ سنبھل جائے۔'' نگہت باجی کو حمدہ کی حالت بہت رُلا رہی تھی۔ انہوں نے بی بی کو کہا حمدہ اسی طرح گھٹنوں پر سر ٹکائے بیٹھی رہی۔

''حمدہ کو اگر میں اپنے ساتھ لے جاؤں تو؟'' یہ قمر تھا ساجدہ نے خاصی ناراضی سے اسے دیکھا۔

''اماں کی زندگی میں تو یہ خیال نہ آیا۔ جب سب سے زیادہ حمدہ اور اماں کو تمہاری ضرورت تھی تم شادی رچا کر پردیس جا بیٹھے۔ اب حمدہ کوئی لاوارث لڑکی نہیں رہی نکاح ہو چکا ہے۔ کہیں نہ بھی جگہ بنے مگر یہ حویلی تو اس کا گھر ہے نا۔'' قمر نے ساجدہ کی تلخ بات پر سر جھکا لیا۔

''میں نے بہت کوشش کی کہ میں اماں اور حمدہ کو اپنے پاس بلوا لوں مگر اماں ہی اول تو راضی نہ تھیں اپنا گاؤں چھوڑنے پر پھر میں زبردستی تو نہیں لے جا سکتا تھا نا؟ آپ بے شک حمدہ سے پوچھ لیں اس سلسلے میں حمدہ سے بھی کئی بار بات ہوئی تھی، مگر اماں اور حمدہ میرے شادی کر لینے کے بعد اس قدر بدظن تھیں کہ میرے پاس جانا تو دور کی بات تھی میں نے آج تک اماں کو جو بھی پیسہ بھجوایا

وہ سارا کا سارا جوں کا توں اکاؤنٹ میں پڑا ہوا ہے۔ اماں نے کبھی نکلوایا ہی نہیں۔ کئی بار میں نے خود آ کر اماں سے کہا کہ میرے ساتھ چلیں مگر وہ راضی ہی نہیں ہوئیں۔'' قمر کہہ رہا تھا حمدہ تب بھی اپنی مخصوص حالت میں بیٹھی رہی یوں جیسے اسے کسی کی بات سے کوئی غرض نہیں رہی تھی اب۔

''جو بھی ہو چکا وہ ایک طرف، مگر حمدہ کے سلسلے میں کسی کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ حمدہ ہماری بہو ہے اور یہ اب ادھر ہی رہے گی۔ اور رہ گئی بات رُخصتی کی تو ایسے حالات میں جو تم لوگ مل کر فیصلہ کرو۔'' بی بی نے گم صم بیٹھی حمدہ کو ساتھ لگا کر اپنا فیصلہ سنایا تو وہ تینوں بہن بھائی خاموش ہو گئے تھے۔

❖ ❁ ❖

وقت سب سے بڑا مرہم ہے، باقر علی گرفتار ہو چکا تھا۔ اس پر قتل عمد کا کیس تھا، اس کے ایماء پر حملہ کرنے والے دونوں آدمی بھی پولیس کی تحویل میں تھے۔ اس پر کیس چل رہا تھا۔ افتخار صاحب خود اس کیس کی پیروی کر رہے تھے۔ ایک ماہ کے اندر اندر کیس نے خاصی پیش رفت کی تھی۔ قوی اُمید تھی کہ باقر اور اس کے دونوں ساتھیوں کو سزائے موت تو ضرور ہو جائے گی۔

کیس کی سماعت کے دوران حمدہ کو بھی ایک دو بار عدالت جانا پڑا تھا۔ وہ حویلی میں ہی ہوتی تھی۔ نگہت اور ساجدہ چند دن رہنے کے بعد اپنے گھروں کو سدھاریں تھیں کہ وہ گھر بار اور بچوں والی تھیں۔ یوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کب تک یہاں گاؤں میں رہ سکتی تھیں۔ قمر بھی کچھ دن گاؤں رہا پھر وہ شہر اپنے سسرال روانہ ہو گیا۔ ماریہ باجی بھی چند دن بعد چلی گئیں تو پیچھے حویلی میں بی بی اور عمر کے ساتھ حمدہ رہ گئی۔ حمدہ نے اماں کی موت کا اچھا خاصا اثر لیا تھا وہ سارا دن قرآن پاک لیے بیٹھی رہتی یا پھر جائے نماز پر بی بی کے کمرے میں وقت گزار دیتی۔ عمر نے چند ایک بار اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر پھر اس کی طرف سے خاموشی پا کر چپ ہو جاتا تھا۔ عدالت میں بھی وہ عمر کے ساتھ ہی ایک دو بار گئی تھی۔

عمر حویلی آیا تو نسرین سے پتا چلا کہ ماں جی گاؤں میں کسی کے ہاں گئی ہوئی ہیں، جبکہ حمدہ بی بی کے کمرے میں ہی تھی کچھ سوچتے وہ بی بی کے کمرے میں چلا آیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا، حمدہ آج خلافِ معمول نماز یا قرآن پاک پڑھنے کے بجائے کھڑکی میں کھڑی باہر لان میں دیکھ رہی تھی۔ عمر چند پل کھڑا اسے دیکھتا رہا، حمدہ اس کی موجودگی سے بے خبر رہی تو اس نے آہستگی سے دروازے کو ناک کیا۔

حمدہ نے پلٹ کر اسے دیکھا عمر قدم بڑھاتا اس کی طرف چلا آیا۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' عمر نے مسکرا کر پوچھا تو وہ سر جھکا کر کھڑکی سے ہٹ کر بستر کے کنارے آ بیٹھی۔

''حمدہ آپ ہر وقت کمرے میں مت بند رہا کریں باہر نکلا کریں۔ جانے والے چلے جاتے ہیں مگر پیچھے رہ جانے والوں کے لیے زندگی ختم نہیں ہو جاتی۔ آپ کو دیکھتا ہوں تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہے میں آپ کے دُکھ کا اندازہ تو نہیں کر سکتا مگر تسلی و دلاسہ تو دے سکتا ہوں۔ یوں ہر وقت گم صم رہ کر آپ خود کو تنہا کر رہی ہیں۔ بی بی بھی آپ کی وجہ سے سخت پریشان ہیں۔'' اس کے اس طرح خاموش انداز پر عمر کو خاصی تکلیف ہوئی تو اس کے پاس ہی بستر کے کنارے آ بیٹھا۔

''کچھ تو کہیں...... رونے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ ہمارا تعلق ایسا ہے کہ آپ اپنے دل کی ہر بات بلا خوف و خطر مجھ

سے کہہ سکتی ہیں۔'' حمدہ کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام کر عمر نے مزید کہا تو حمدہ کی آنکھوں میں ایک دم آنسو سمٹ آئے۔ عمر نے پہلے بھی کئی بار قمر اس سلسلے میں بات کی تھی مگر تب وہ صدمے کی شدت سے عمر کی کسی بات پر کچھ نہ کہہ سکی تھی۔

''میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اماں مجھے یوں اچانک چھوڑ کر چلی جائیں گی۔'' عمر کے جواب میں ایک دم وہ سسک اُٹھی۔

''جانا تو سبھی نے ہے ہمیں بھی آپ کو بھی؟ بس ان کا اتنا ہی ساتھ تھا۔'' عمر نے دلاسہ دیا تو وہ روتی رہی۔ اماں کو یاد کر کے رونے کا تو حمدہ کو بس بہانہ چاہیے تھا۔

''قمر کا فون آیا تھا آج......'' عمر نے اسے رونے دیا اور پھر کچھ توقف کے بعد بتایا۔ اپنے آنسو چادر کے پلو سے صاف کرتے اس نے عمر کو دیکھا۔

''وہ لوگ واپس جا رہے ہیں۔ اسی ہفتے میں کسی دن کی ٹکٹ ہے۔'' عمر نے مزید بتایا۔

''قمر چاہتا ہے کہ آپ ان کے ساتھ چلیں۔'' عمر کی بات پر اس نے چونک کر عمر کو دیکھا۔ وہ سنجیدہ تھا۔

''وہ اپنے تمام رویوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اپنی بیوی اور سسرال والوں کی وجہ سے اس کی طرف سے آپ اور چاچی کو نظر انداز کیا گیا ہے مگر اب چاچی نہیں رہیں تو وہ آپ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ آپ گاؤں کے ماحول سے نکلیں گی تو آپ پر اچھا اثر پڑے گا، آپ چاچی کی وفات کے صدمے سے کچھ حد تک نکلنے کی کوشش کریں گی۔'' حمدہ کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

''تو پھر......؟''

''قمر کی بات کے جواب میں میرے پاس بھی ایک آپشن تھا مگر پھر میں نے سوچا کہ آپ کو واقعی اس صدمے سے نکلنے کے لیے کچھ عرصہ قمر کی آفر پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''

''آپ چاہتے ہیں کہ میں یہاں سے چلی جاؤں؟'' بجائے اس کے کہ وہ آپشن کے متعلق پوچھتی ایک دم خاصی تلخی سے عمر ہاشم کو دیکھا عمر ذرا سا مسکرا دیا۔

''نہیں میں نے تو قمر کی بات کہی ہے آپ سے۔''

''مجھے کہیں نہیں جانا۔ ٹھیک ہے قمر بھائی نے اماں کی زندگی میں بھی چند ایک بار بات کی تھی، مگر ان کی بیگم نے ہر بار فون کر کے مجھے اور اماں کو جو جو باتیں سنائی تھیں ایسے میں ہم ان کے پاس کیسے چلی جاتیں؟ اب اماں نہیں رہیں اور قمر بھائی چاہتے ہیں کہ میں ان کے پاس چلی جاؤں جبکہ ان کی بیگم نے چند دن یہاں گزار کر دوبارہ آنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ مجھے قمر بھائی سے کوئی شکوہ نہیں، وہ بھی اپنی جگہ مجبور ہیں، مگر میں ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔'' عمر کے جواب میں اس نے یہ سب کہا۔

''مگر اس طرح ہر وقت کمرے میں بند رہ کر بھی زندگی نہیں گزرنے والی۔ ٹھیک ہے کچھ وقت لگے گا سنبھلنے میں واپس زندگی کی طرف آنے میں۔ آپ کے لیے بہت سے لوگ پریشان ہیں۔ نگہت باجی اور ساجدہ دونوں کے دن میں کئی کئی فون آتے ہیں۔ آپ کو اندازہ نہیں وہ آپ کے متعلق کتنی فکر مند رہتی ہیں۔'' حمدہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔

''باقر علی گرفتار ہے عدالت جلد ہی فیصلہ سنا دے گی۔ ہمارا کیس بہت مضبوط ہے۔ وہ بچ نہیں سکے گا۔'' عمر نے اسے مزید بتایا۔

''قمر کی آفر ایک طرف آپ کے لیے میرے پاس بھی ایک آپشن ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر بھی غور کر لیں۔'' حمدہ نے سوالیہ نظروں سے عمر ہاشم کو دیکھا۔

''یہ میری ہی نہیں بی بی، ماریہ باجی، نگہت اور ساجدہ کے علاوہ باقی لوگوں کی بھی رائے ہے کہ سادگی کے ساتھ آپ کی رُخصتی کا عمل انجام بخیر ہو جائے۔'' بات ایسی تھی کہ حمدہ کا چہرہ عرصے بعد پہلی بار کچھ گل رنگ ہوا تھا۔ اماں کے بعد تو یوں لگتا تھا کہ جیسے زندگی ختم ہو چکی ہے بس، مگر اب عمر کی بات نے اس کے دل کو عجیب انداز میں دوبارہ سے چھوا تو اسے گزرے دنوں میں بہت سے انمٹ لمحے یاد آنے لگے۔ حمدہ کی پلکوں پر بوجھ بڑھ گیا۔

''ابھی اماں کا صدمہ جھیلے مہینے ہی گزرا ہے۔ اتنی جلدی کیسے...... اماں کے بغیر یہ سب مشکل ہے؟'' اماں کی یاد آتے ہی آنسو پھر بہہ نکلے۔ عمر نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں جکڑ لیے۔

''آپ جس طرح اس صدمے کو جان سے لگا کر سب فراموش کیے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی ہیں ایسے عالم میں مجھے یہی فیصلہ مناسب لگ رہا ہے۔ چاچی کے حوالے سے مجھے آپ کے جذبات اور احساسات کا ادراک ہے اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ یہ سب کچھ سادگی سے انجام بخیر ہو جائے تو بہتر ہے۔''

''یہ بہت مشکل ہے ابھی۔''

''ناممکن تو نہیں؟'' عمر آج اس موضوع پر تفصیلی بات کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔ وہ مکمل طور پر ہر پہلو کو سوچ کر آیا تھا حمدہ نے سر اُٹھا کر عمر کو دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اس کے حق میں مہربان اور محبت بھری نگاہ لیے منتظر تھا۔ حمدہ کی نگاہ سے وہ نجانے کیا سمجھا تھا کہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ سے حمدہ کو بازو سے تھام کر مضبوط حصار میں لے لیا تھا۔

''آپ میرے لیے بہت اہم اور بہت خاص ہیں۔ کسی کے چلے جانے سے زندگی رُک نہیں جاتی۔ آپ تو ماشاءاللہ بہت سمجھدار ہیں۔ اتنی جلدی ہمت ہار دیں گی تو پھر باقی زندگی کیسے گزاریں گی۔ آپ میری اولین خواہش ہیں آپ کو دیکھا اور دل نے آپ کو اپنا مان لیا۔ آپ سے شدت سے محبت کی ہے میں نے، آپ اگر ہزاروں سال انتظار کرنے کو کہیں گی تو میں آپ کی بات کو اہمیت دوں گا، حمدہ اس لیے کہ میں صرف آپ سے محبت نہیں کرتا بلکہ آپ کی عزت بھی کرتا ہوں، آپ کی ذات آپ کی بات میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ایسے غم اور دُکھ کے عالم میں میں بھلا آپ کو تنہا کیسے چھوڑ دوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ چاچی کی وفات سے ملنے والے اس گھاؤ پر جو مرہم میری محبت اور دلجوئی رکھ سکتی ہے وہ شاید وقت بھی نہ رکھ سکے۔'' عمر دھیمے اور سلجھے لہجے میں کہہ رہا تھا، حمدہ عمر کے سینے پر چہرہ ٹکائے شدت سے رو دی۔

ایسی محبت، ایسی توجہ کے وہ بھلا کہاں قابل تھی اور عمر نے اسے رونے دیا وہ خود چاہتا تھا کہ وہ جی بھر کر اس کی پناہوں میں رو لے تا کہ بعد میں مطلع بالکل صاف ہو۔ روز روشن کی طرح صاف شفاف۔ کچھ توقف کے بعد خوب رو دھو کر جی ہلکا ہونے پر اس نے سر اُٹھا کر عمر ہاشم کو دیکھا۔

''کیا خیال ہے پھر بی بی سے بات کروں؟'' عمر کے سوال پر وہ روتے روتے مسکرادی اور اپنی ہاں کے اظہار کے لیے بس سر اثبات میں ہلا کر دوبارہ عمر ہاشم کے مضبوط سینے پر اپنا چہرہ ٹکا دیا تھا۔

''تھینکس آلاٹ......حمدہ......تھینک یوسوچ۔'' حمدہ کی ہاں پر ایک دم پُر جوش ہوتے عمر نے اس کی صبیح پیشانی چوم لی تھی۔

حمدہ اس وارفتگی پر سٹپٹا گئی۔

''میں آپ کے اس اعتماد کو کبھی نہیں توڑوں گا۔ اس ہاں کی ہمیشہ پاسداری کروں گا۔'' نہایت والہانہ پن میں کہتے بہت شدت سے حمدہ کو اپنی مضبوط پناہوں میں سمیٹ لیا تھا۔ حمدہ نے عمر کی شدت پسندی پر مسکراتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

زندگی نے اس سے بہت کچھ چھینا تھا مگر عمر ہاشم جیسا محبت کرنے والے جیون ساتھی سے بھی تو نوازا تھا۔ اپنے فیصلے پر وہ خود ہی مطمئن تھی۔ عمر اس کے کان میں قدرے جھک کر آہستگی سے اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا، حمدہ نے اپنی تمام سوچوں کو پس پشت ڈالتے آنکھیں وا کرتے عمر کی محبت بھری سرگوشیوں کو سننے کے لیے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں ٹکا دی تھیں۔

وہ عرصے بعد ہر غم، ہر فکر سے آزاد ہو کر زندگی کی خوشیوں کو برتنے پر مطمئن و مسرور تھی۔ اسے یقین تھا کہ عمر ہاشم اسے زندگی کے کسی بھی میدان میں کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا اور یہی یقین دم بدم حمدہ کے چہرے سے غموں کے تفکرات کے بادل مٹاتا محبت کے رنگ بکھیرتا جارہا تھا۔

❖✿❖

شکار۔ مریم کا رویہ اتنا غلط تو نہیں، مجھے تو حیرت ہو رہی ہے رشتہ کروانے والی نے بھی کیا جھوٹ بولا؟ یہ تو وہی مثال ہوئی کہ کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔'' اس کی مثال پر ابو ہنس دیئے تھے۔ وہ جو منہ بنائے کھڑی تھی وہ بھی مسکرا دی۔

''کیا کریں بیٹا جی! لوگوں کی جھوٹی نمود اور نمائش نے انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔ جھوٹ، لالچ نے اصل اقدار بھلا دی ہیں لوگوں کو۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے، آج کل کے دور میں ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھا جا رہا ہے اور ہم جیسے سفید پوش لوگ اپنا بھرم رکھنے کے چکر میں نجانے کیا کچھ سہہ جاتے ہیں۔ قحط الرجال پڑ گیا ہے اصل میں، اصل سچے اور حقیقی لوگ نایاب ہو گئے ہیں بیٹا جی! کیا کریں یہی المیہ ہے ہمارے اس دور کا۔ جو جتنا جھوٹا ہے وہ اتنا ہی کامیاب ہے آج کے دور میں، دنیا اسی کو کہتے ہیں، چلنا پڑ رہا ہے اس دنیا کے ساتھ۔'' ابو سنجیدہ ہو کر بولے تو پھر دل کی بات کہتے چلے گئے۔ ان کے لہجے میں ایک تھکن سی آ ٹھہری تو اس دُکھ نے امی اور عمر کے ساتھ ساتھ مریم کے دل کو بھی آ لیا۔

''چلنا نہیں، اسی سڑک پر کھڑے رہنا ہے کیا؟'' مریم کی آواز پر ابو نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''آپ لوگ رُکیں، میں رکشا کا بندوبست کرتا ہوں۔'' عمر کو بھی فوراً اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا تھا۔ وہ اپنی بائیک پر ہی تھا، جبکہ یہ لوگ رکشا میں آئے تھے۔

''تمہیں پہلے ہی بہت تکلیف دی بیٹا! تمہیں تو اپنے کسی ضروری کام سے بھی جانا تھا؟ بہت وقت ضائع کر دیا تمہارا، فکر نہیں کرو ہم چلے جائیں گے۔'' ابو نے منع کیا۔

''تکلیف کیسی؟ حق بنتا ہے آپ کا...... میں بھی آپ کا اتنا ہی بیٹا ہوں جتنا وقار ہے، میں رکشا دیکھتا ہوں۔'' وہ ابو کا کندھا تھپتھپا کر چلا گیا۔

''بڑا لائق بچہ ہے ماشاء اللہ۔'' امی کے لہجے میں ایک حسرت سی تھی، ابو اور مریم چونکے۔

''اللہ ترقی دے، بہت سعادت مند ہے۔'' ابو ہنس دیئے تھے جبکہ مریم نے بغور امی کو دیکھا۔

''آپ بھائی صاحب سے بات تو کریں، اتنے عرصے سے ہم خوار ہو رہے ہیں۔ سو گھر چھاننا پڑ رہے ہیں، ماشاء اللہ سمجھدار ہے، نوکری کرتا ہے اچھا کما رہا ہے۔''

ہم نے بھی تو بھائی صاحب کی عندلیب لی ہے، وہ ہمارا بھی خیال کریں۔'' امی کے لہجے میں عجیب سا تاثر تھا، ابو ایک دم سنجیدہ ہو گئے تھے۔

''رشتے مقدروں سے بنتے ہیں، بھائی صاحب اور بھابی بیگم کی خواہش تمہارے سامنے ہے۔ بار بار ایک ہی بات مت کیا کرو۔ رہ گئی عندلیب بیٹی! وہ ہماری بہو ہے اور ہم نے کسی لالچ میں رشتہ نہیں کیا تھا، آئندہ ایسی بات مت دہرانا۔ رشتوں میں غرض شامل ہو جائے تو خالص پن ختم ہو جاتا ہے۔ عبید اور عندلیب خوش ہیں، ہمیں اور کیا چاہیے۔ فوزیہ نہ سہی چھوٹی سہی، بات تو ایک ہی ہے نا۔'' ابو نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی، مریم نے گہرا سانس لیا تو ایک دو پل بعد ہی عمر رکشا لیے آیا، امی ابھی بھی عمر کو دیکھ رہی تھیں۔ مریم نظر ہٹا کر سامنے سیاہ تارکول کی بل کھاتی ہوئی سڑک کو دیکھتی رہی۔

''شکریہ بیٹا!'' ابو عمر کا کندھا تھپتھپا کر رکشا کی طرف بڑھے تھے۔

"میں کرایہ ادا کر چکا ہوں، آپ نہیں دیجیے گا۔" عمر کی بات پر امی بولیں۔
"یہ اچھی بات تو نہیں بیٹا۔"
"کوئی تکلیف نہیں۔" امی اور ابو مسکرا کر بیٹھ گئے تو وہ بھی اپنی طرف دیکھتے عمر سے نظر بچا کر رکشا کی طرف بڑھی۔ تبھی دوپٹے کے کونے کو کھنچاؤ لگنے سے وہ پلٹی تھی۔
"سنو......" وہ جو سمجھی تھی کہ دوپٹہ کسی چیز سے اُلجھ گیا ہے، عمر کو کونا تھامے دیکھ کر ٹھٹکی اور پھر گھبرا کر امی ابو کو دیکھا وہ رکشا میں بیٹھ کر اب اس کے بیٹھنے کے منتظر تھے۔
"میں رات کال کروں گا، پک نہ کی تو نتائج کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔" سرسراتی سرگوشی کان کے قریب گونجی تو اس نے گھبرا کر پھر امی ابو کو دیکھا وہ متوجہ نہ تھے۔ ساتھ ہی عمر نے اس کے ہاتھ میں کوئی چیز دبا دی تھی۔
"بیٹھو مریم! کیا ہوا ہے؟ کیوں کھڑی ہو؟" امی کی پکار پر وہ خفت سے دوچار ہوئی، بغیر عمر کی طرف دیکھے مٹھی دبا کر فوراً رکشا کی طرف پلٹی تھی۔
"بس دوپٹہ اُلجھ گیا تھا۔ بیٹھنے لگی تھی۔" اپنا دوپٹہ کھینچ کر وہ اندر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی رکشا والے نے رکشا اسٹارٹ کر لیا تھا۔
پھر جب تک رکشا سٹارٹ ہو کر نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا وہ یونہی کھڑا دیکھتا رہا تھا اور پھر اس کے اوجھل ہونے کے بعد وہ ایک طرف کھڑی اپنی بائیک کی طرف بڑھا تھا۔

❖ ❁ ❖

گھر آ کر اس نے سب سے پہلے اپنے کمرے کا رُخ کیا آمنہ اور فوزیہ پیچھے پیچھے تھیں۔
"کیا ہوا؟ کیسا رہا تمہارا یہ ناگہانی دورہ...... رشتہ مہم تلاش......" اسے الماری میں سر دیئے کھڑے دیکھ کر فوزیہ بھی پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی اس نے سرعت سے ہاتھ میں دبی چیز کپڑوں میں گھسائی اور چادر اُتار کر تہ کر کے الماری میں رکھ کر پٹ بند کر دیا۔
"بتاؤ نا کیا ہوا؟" آمنہ بھی خاصی بیقراری سے پوچھ رہی تھی اس نے اپنی ہتھیلی کو دیکھا جو پسینے سے تر تھی، اس نے دوپٹے کے پلو سے ہتھیلی رگڑی۔
"بہت ہی بُرا! کچھ نہ پوچھو، آئیں ذرا یہ خالہ خیرن، اللہ کی قسم ایسی خبر لوں گی کہ ہمارے گھر آئندہ قدم رکھنے کا بھی نہ سوچیں گی۔" بستر پر بیٹھ کر وہ اب سینڈل اُتارنے لگی تھی۔ فوزیہ اور آمنہ دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔
"لڑکا کیسا تھا؟" آمنہ نے خاصے تجسس سے پوچھا تو اس کا منہ بن گیا۔
"لڑکا...... اسے لڑکا کہنا لڑکوں کی توہین ہے۔ یہ موٹا بھاری جسم، بدمعاشوں والی مونچھیں اور سرخ انگارہ دہکتی آنکھیں۔" مریم نے نقشہ کھینچتے ہوئے پہلے سے زیادہ ہولناکی دکھائی تھی۔ آمنہ اور فوزیہ نے فوراً جھرجھری لی۔
"مائی گاڈ! کیا واقعی وہ ایسا لگ رہا تھا؟" فوزیہ کی شکل اُتر چکی تھی۔

''لڑکا نہیں لگ رہا تھا۔''

''مگر تصویر تو اچھی خاصی تھی۔'' آمنہ حیرت سے گویا ہوئی۔

''اسی لیے تو ہم دھوکا کھا گئے، نجانے کون سے سال کی تصویر تھی، بہرحال ہم لوگ صاف جواب دے آئے ہیں شکر ہے ان لوگوں کو گھر بلانے کی مشقت نہیں کرنا پڑی۔''

''اور گھر بار کیسا تھا؟ خالہ خیرن تو بتا رہی تھیں کہ بہت پیارا خوبصورت ماربل لگا گھر ہے۔'' آمنہ نے پوچھا جبکہ فوزیہ اب خاموش تھی۔

''گھر...... اڑھائی مرلے کا گھر کیا ڈربہ خانہ تھا۔ جس میں چھوٹے چھوٹے تین کمرے تھے، اس سے بہتر تو ہمارا یہ بیس مرلے کا خوبصورت گھر ہے۔ خالہ خیرن نے صاف جھوٹ بولا ہے ہمارے ساتھ۔ لڑکے کی تعلیم صرف میٹرک اور وہ جو پانچ دکانوں والی بات تھی وہ بھی جھوٹ تھی، ایک دکان ہے کپڑے کی، جو دونوں بھائی مل کر چلاتے ہیں۔

''اسی لیے تو میں امی کو منع کر دیتی ہوں، اتنا جھوٹ ہے آج کل کے لوگوں میں۔ کیا کمی ہے مجھ میں، اچھا کما رہی ہوں، کھا رہی ہوں، کسی پر بوجھ تھوڑی ہوں۔'' فوزیہ ساری صورتحال سن کر ایک دم بھڑک اُٹھی تھی۔

''یہی تو امی کو سمجھاتی ہوں میں بھی۔'' آمنہ کو بھی اس ناکام مہم سے خاصا دُکھ ہوا تھا۔

''اسی لیے تو امی مجھے کہیں لے کر نہیں جاتیں اس بار بھی ابو کے کہنے پر لے گئی تھیں پھر میں بھی خاموش نہیں رہی۔ جواباً امی کی خاصی سننا پڑ گئی تھیں۔'' اس نے وہاں ہونے والی تمام صورتحال بتائی تو آمنہ اور فوزیہ بھی ہنس دیں۔

''تمہارا ابھی کوئی جواب نہیں اور عمر کا کیا ری ایکشن تھا؟'' آمنہ نے ہی پوچھا۔

''وہی جو میرا تھا، امی کے ڈانٹنے پر فوراً سمجھانے لگا، ابو نے بھی امی کو سمجھایا تو امی کا غم کچھ کم ہوا ورنہ بہت دُکھی ہو رہی تھیں۔''

''ظاہر ہے ایسی صورتحال تو انہوں نے سوچی تک نہ ہوگی۔ کتنی آس دلائی تھی خالہ خیرن نے۔'' فوزی بھی ڈس ہارٹ ہوئی تھی۔

''آئیں اس دفعہ ساری خبر لوں گی میں بھی۔'' اس نے اپنے عزائم کا اظہار کیا تھا۔

''اور کھلایا پلایا کیا ان لوگوں نے؟'' آمنہ نے مزید پوچھا۔

''بھئی لڑکے والے تھے، وہ خالی گلاس بھی لا کر رکھ دیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ لڑکے والوں کے لیے میز انواع و اقسام کی اشیاء سے بھر دینا لڑکی والوں کا شیوہ ہے۔ کوک کے چار گلاس تھے۔''

''صرف......؟'' فوزیہ کو بھی حیرت ہوئی تھی۔

''تمہارا کیا خیال ہے ہمارے گھر میں کچن سے ڈرائنگ روم تک اور بازار سے گھر تک کی جو لمبی پریڈ ہوتی ہے وہ لڑکے والے بھی کرتے۔ پیزا ہٹ کا تازہ پیزا، تمہارے ہاتھ سے تیار کردہ دہی بھلے، کباب، سموسے، چائے، مشروب، بسکٹ، نمکو وغیرہ۔ یار! لڑکے والے تو بری الذمہ ہوتے ہیں وہ کیوں اتنا خرچہ کریں، انہیں کون سا لڑکی دکھانی ہے ان کا بھی لڑکا ہے۔ جو

مرضی پلا دیں کھلا دیں۔'' آمنہ اور فوزیہ نے ایک دوسرے کو دیکھا اور گہرا سانس لیا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہے مریم!'' فوزیہ ہاتھ جھاڑتے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''اُٹھو...... امی ابو کو پانی وغیرہ پلاؤ۔ یہ انوسٹی گیشن اب بند کرو، اگلے چند دنوں میں اب یہی ٹاپک ڈسکس ہونا ہے ہمارے گھر میں۔'' فوزیہ کہہ کر باہر نکل گئی تو آمنہ بھی افسردگی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آمنہ کے باہر نکلتے ہی وہ تیزی سے اُٹھ کر الماری کی طرف آئی تھی۔ کاغذ کا وہ چھوٹا سا ٹکڑا سارے راستے اس کے ہاتھ کی مٹھی میں دبا رہا تھا۔ اس نے نکالا تو چرمرا گیا۔ امی ابو کی وجہ سے دیکھ ہی نہ پائی تھی اور گھر آتے ہی یہ دونوں نازل ہو گئیں۔

''میں رات کو فون کروں گا، کال ضرور پک کرنا۔'' کاغذ کی سلوٹیں درست کیں تو وہی الفاظ منہ چڑا رہے تھے۔

''بدتمیز......'' اسے ایک دم غصہ آیا۔ اس نے کاغذ کے ٹکڑے کر کے کمرے کے کونے میں رکھے ڈسٹ بن میں ڈال دیئے۔

عمر کی پسندیدگی سے وہ واقف تھی۔ شروع میں تو نہیں مگر دو سال پہلے جب تائی اور تایا نے اس کو عمر کے لیے مانگا تھا اور امی کا غصہ ایک دم بڑھ گیا تھا، ان کا خیال تھا کہ تائی ضرور فوزیہ یا آمنہ میں سے کسی کو مانگیں گی، مگر مریم کے لیے سن کر ان کا نہ صرف دل خراب ہوا تھا بلکہ وہ اندر ہی اندر تائی بیگم کی طرف بے بدظن ہو چکی تھیں۔ تائی کی بڑی بیٹی رمشاء اپنے ماموں زاد کے ساتھ بیاہ کر اسلام آباد جا چکی تھی، دوسری عندلیب کی شادی انہوں نے عبید بھائی سے کر دی تھی۔ عبید بھائی سعودیہ جا چکے تھے، چند ماہ پہلے انہوں نے عندلیب کو بھی وہیں بلا لیا تھا۔ عندلیب اور عبید بھائی بہت خوش تھے، ایسے میں امی کو فوزیہ کا جوڑ عمر سے جوڑنے کا بڑا اشتیاق تھا جبکہ ابو کے لیے فوزیہ اور مریم دونوں ایک جیسی تھیں، انہیں کوئی فرق نہ پڑتا تھا جبکہ امی نے تائی کو مریم کی کم عمری کا کہہ کر ٹال دیا تھا۔ دو سال پہلے وہ ایف ایس سی کر رہی تھی اور اسی سال وہ بی ایس سی کے ایگزیمز دے کر فارغ ہوئی تھی، آج کل رزلٹ کا انتظار کر رہی تھی جبکہ فوزیہ ایم اے انگلش لٹریچر کے بعد گھر کے ایک حصے کو اکیڈمی کے طور پر سیٹل کر کے بڑی کامیابی سے اپنی اکیڈمی چلا رہی تھی۔ فوزیہ سے بڑی ستارا کی شادی خالہ زاد داؤد بھائی سے ہو چکی تھی، ان کی ایک پیاری سی بیٹی بھی تھی جبکہ آمنہ یونیورسٹی جا رہی تھی، وہ میتھ میں ماسٹرز کر رہی تھی اور اس سے چھوٹا وقار بھا جو پری انجینئرنگ میں ایف ایس سی کر رہا تھا اس کا ارادہ آگے انجینئرنگ کالج میں جانے کا تھا۔

شروع میں تو اس نے تائی بیگم کے رشتہ مانگنے پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا کہ ابھی عمر ہی کیا تھی مگر جس طرح امی دل میں عمر کے رشتے کی بات لیے گاہے بگاہے اپنے خیالات کا اظہار کرتی رہتی تھیں، اس سے کوئی بات چھپی نہ رہی تھی۔ امی کا خیال تھا کہ تائی بیگم عمر اور فوزیہ کے لیے مان جائیں تو باقی آمنہ اور مریم کا تو کہیں نہ کہیں دیکھ ہی لیں گی اور اپنی امی کے تمام تر خیالات اور عمر کی پیش قدمیوں کے باوجود مریم اپنی جگہ بہت پُرسکون اور مطمئن تھی۔ اس نے اگر امی کی باتوں پر دھیان نہیں دیا تو عمر کے جذبات اور رویوں کو بھی یکطر نظر انداز کر رہی تھی۔ وہ کسی کے بھی حق میں نہ تھی، امی کے نہ ہی عمر کے۔ اس کا یقین تھا کہ رشتہ آسمانوں پر بنتے ہیں جس کا جہاں مقدر ہو گا ایک طے شدہ مدت میں ہو ہی جائے گا مگر آج کل جس طرح عمر کی حرکتیں تھیں وہ کچھ بے سکون سی ہو گئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ امی یا دوسرے لوگ اس کی طرف مشکوک ہوں اور وہ کوئی ایسی حرکت کر گزرے جس کی

وجہ سے امی ابو کو کسی کے سامنے سر جھکانا پڑے جبکہ عمر کے تیور دن بہ دن بدلتے جا رہے تھے، بعض اوقات وہ اس کے رویوں پر اُلجھ جاتی تھی تو کبھی ہنس کر ٹال جاتی تھی۔

عمر پڑھا لکھا نوجوان تھا ایم بی اے کے بعد ایک فرم میں اچھی خاصی پوسٹ پر حال ہی میں عہدہ سنبھالا تھا۔ تایا کی فیملی بھی انہی لوگوں کی طرح متوسط سی تھی۔ عمر کی تین بہنیں اور عمر سے چھوٹا ایک بھائی تھا۔ بڑی دونوں بہنیں شادی شدہ تھیں۔ چھوٹی ردا اس کے ساتھ ہی بی ایس سی کے ایگزیمز کے بعد فری تھی۔ عمر سے چھوٹا سکندر تھا جو ابھی یونیورسٹی لیول میں تھا۔

فوزیہ کے لیے یہ رشتہ خالہ خیرن لے کر آئی تھیں ابو نے تایا کو بھی ساتھ چلنے کا کہا تھا مگر انہیں ایک ضروری کام سے کہیں جانا پڑ گیا تو عمر اپنے آفس سے سیدھا ان کے ساتھ ادھر گیا تھا اور پھر ان لوگوں کے واپس آنے کے بعد وہ دوبارہ اپنے آفس چلا گیا تھا۔ رات ہونے میں ابھی چند گھنٹے تھے اسے کیا کرنا تھا وہ آرام سے طے کر کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

❖ ✿ ❖

کچن سے فارغ ہو کر وہ ٹی وی دیکھنے بیٹھ گئی تھی، آمنہ کے امتحان ہونے والے تھے تو وہ آج کل اپنی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی جبکہ وقار ایگزیمز کے بعد کسی اکیڈمی کو جوائن کر چکا تھا اس کا ارادہ آگے انجینئرنگ میں داخلہ لینا تھا آج کل اس کی ساری توجہ انٹری ٹیسٹ کی تیاری پر تھی۔ وہ اس کے قریب بیٹھا کچھ کاغذات پھیلائے اسٹڈی کر رہا تھا جبکہ فوزیہ اکیڈمی میں سٹوڈنٹس کے لیے ہوئے ٹیسٹ چیک کر رہی تھی۔ امی ابو روزانہ کی طرح اس وقت بھی بیٹھے خاندان کے کسی نہ کسی مسئلے کو ہی ڈسکس کر رہے تھے۔ دونوں کی آواز دھیمی تھی کہ دوسرے لوگ متوجہ نہ ہوں اور وہ رہی سدا کی تجسس پسند اس کے کان فوراً کھڑے ہوئے۔ غیر محسوس انداز میں ٹی وی کی طرف دیکھتی امی ابو کی طرف کھسکی تھی۔

''دیکھ لیں اپنی بھاوج کو، ہمارا ذرا احساس نہیں۔ دوسری بیٹی بھی میکے والوں میں دے رہی ہیں جبکہ میں نے عندلیب کی دفعہ ہی کہہ دیا تھا کہ ردا کی فکر مت کریں، وقار پڑھ لکھ جائے گا تو ہم دیکھ لیں گے۔ ابھی کون سی بڑی عمر ہو گئی ہے اس کی، اچھا رشتہ دیکھ کر فوراً تیار ہو گئی ہیں۔ بھلا ان اونچے لمبے کاروباری لوگوں کے سامنے ہماری کیا حیثیت؟'' اس کے کان کھڑے ہو چکے تھے۔

''ہیں...... یہ ردا کا کیا معاملہ ہے بھلا۔'' بڑے دن ہو گئے تھے اسے تایا کے ہاں چکر لگائے ہوئے اس لیے تازہ صورتحال کا اسے علم نہ تھا۔

''کتنی بار کہا ہے کہ دل چھوٹا نہیں کرتے۔ ماشاء اللہ اپنی بچی ہے اچھے گھر جائے گی تو ہمیں بھی سکھ ملے گا۔ اچھے لوگ ہیں پھر بھابی کے میکے والوں میں سے ہیں۔ لڑکا بھی پڑھا لکھا اچھے کاروبار والا ہے۔ وقار ابھی پڑھ رہا ہے انجینئرنگ میں بھی داخلہ لینا ہے، اتنی تو مشکل پڑھائی ہے اس کی، کئی سال لگ جائیں گے پھر اس کے بعد نوکری مقدروں سے ملتی ہے۔ ایسے میں بھابی جی کا فیصلہ کچھ غلط بھی نہیں۔'' ابو جی رسان سے سمجھا رہے تھے۔

''اتنی پیاری سلجھی ہوئی بچی تھی، باہر جائے گی دُکھ تو ہوگا۔'' امی کا انداز واقعی دُکھی تھا۔

''کہا ناں...... فکر کیوں کرتی ہو، اللہ بہتر کرے گا پھر کل جا رہی ہو نا؟ ادھر وہ لوگ رسماً آ رہے ہیں، بھائی صاحب نے کئی دن سے ذکر کر رکھا تھا بس تمہیں بتانا یاد نہیں رہا تھا۔ ردا کا ہاتھ بٹ جائے گا۔'' ابو جی کی وہی تحمل مزاجی تھی، مریم کے اندر پکڑ دھکڑ

شروع ہوگئی۔

''یہ کیا سلسلہ ہے؟ اور ردابی بی کو ہضم کیسے ہوگئی اتنی بڑی بات۔ اپنی ہر بات بتانے والی اتنی بڑی بات چھپا گئی مجھ سے؟''
اس کا دل چاہا ابھی اُٹھے اور جا کر فون کھڑکا دے مگر ابو جی اور امی مزید بھی کچھ ڈسکس کر رہے تھے وہ وہیں بیٹھی رہی۔

''تو پھر آپ بھی بھائی صاحب سے عمر اور فوزیہ کے لیے کہیں نا، دونوں ہم عمر ہیں۔ فوزیہ میں کیا کمی ہے بھلا؟'' امی کی وہی تکرار تھی۔

''اپنے منہ سے بھلا کیسے کہہ سکتا ہوں، ہاں بھائی صاحب نے چند دن پہلے اشارتاً عمر اور مریم کا ذکر کرتے سکندر اور آمنہ کے لیے بات کی تھی۔''

''ہائے...... کیا واقعی؟''

''ہاں...... کہہ رہے تھے کہ آمنہ کے لیے کہیں باہر نہ دیکھنا، فوزیہ کے لیے دیکھ لو، مریم اور آمنہ کی طرف سے بے فکر رہو۔ دونوں ان کی بچیاں ہیں۔'' امی چپ رہ گئی تھیں۔

مریم کا جی چاہا کہ لڈیاں ڈالے، آمنہ اور سکندر دونوں ایم ایس سی میتھا میٹکس کر رہے تھے، دونوں ایک ہی یونیورسٹی میں اکٹھے ہی تھے، پسندیدگی والی بات تو کبھی بھی نہیں۔ پتا نہیں یہ ان دونوں کا فیصلہ تھا یا محض تایا ابو کا خیال اس کا جی چاہا کہ ابھی اندر جا کر آمنہ کی گردن پکڑ لے۔

''آمنہ ہو یا فوزیہ ہمارے لیے ایک جیسی ہی ہیں نا، ردا کے متعلق دل میں بدگمانی مت ڈالنا۔ وقار کو کئی سال لگ جائیں گے سیٹل ہونے میں، اتنی دیر تک بچی کو بٹھائے رکھنا عقلمندی تو نہیں۔ ویسے بھی یہی عمر ہوتی ہے بچیوں کو اپنے گھر کا کر دینے والی۔''

''تو پھر آپ نے آمنہ اور سکندر والی بات کا کیا جواب دیا تھا؟'' اس کی طرح گویا امی کی بھی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''ابھی تو کچھ نہیں کہا، ویسے بھی بھائی صاحب نے اپنی خواہش ظاہر کی ہے باقاعدہ بات تو نہیں کی، میں نے بھی سن لی۔ اب تم سے مشورہ کیے بغیر کوئی جواب کیسے دے دیتا؟ ابھی دونوں پڑھ رہے ہیں، فارغ ہو لیں تو دیکھیں گے بھئی۔ ویسے بھی انہوں نے کون سا فوراً جواب مانگ لیا ہے۔ سوچ سمجھ کر اپنے بچوں کی رضامندی لے کر جواب دیں گے نا۔'' ابو پُرسوچ انداز میں کہہ رہے تھے دھیمی آواز بمشکل وہ سن پا رہی تھی اگر اس کا پورا وجود کان بنانہ ہوتا تو یہ کوشش ہی بیکار تھی جبکہ فوزیہ اردگرد سے بے نیاز اپنے ٹیسٹ چیک کرنے میں مصروف تھی اور یہی حال وقار کا بھی تھا۔

''آج عبید اور عندلیب کا بھی فون آیا تھا۔'' امی نے ابو سے ذکر کیا۔

''اچھا کیا کہہ رہے تھے؟ ٹھیک ہیں نا دونوں؟''

''ہاں خوش ہیں، عندلیب کا وزٹ ویزہ ختم ہو رہا ہے، عبید کہہ رہا تھا کہ آگے ویزہ نہیں مل رہا۔ ہو سکتا ہے عندلیب کو واپس بھیج دے۔''

''چلو اللہ کی مرضی! ویسے بھی اس حالت میں بچی کو اپنوں کے پاس ہونا چاہیے۔'' ابو جی نے کہا۔

''ہاں میں بھی یہی کہہ رہی تھی، ابھی تو چند ماہ ہوئے ہیں، واپس آجائے تو یہاں ہم ہیں وہاں دونوں کہاں ڈاکٹروں کے

چکر لگاتے رہیں گے؟ نا کوئی دیکھ بھال کرنے والا ہے بالکل تنہا وہاں عندلیب پریشان ہو جائے گی۔" عندلیب بھابی آج کل امید سے تھیں اور امی کی شدید خواہش تھی کہ ڈلیوری پاکستان میں ہو۔

"میں تو فارغ نہیں ہوں گا تم ہی کل ذرا یاد سے چکر لگا لینا۔ ردا مریم کا کہہ رہی تھی اسے بھی لے جانا۔" ابو جی نے ایک نگاہ اس پر ڈالی جو بظاہر ٹی وی دیکھنے مگر ساری توجہ ان پر ہی مبذول کیے ہوئے تھی۔

"اگر بات چھڑی تو میں ایک دفعہ فوزیہ اور عمر کی بات ضرور کروں گی۔ آمنہ اور سکندر والی بات تو بعد کی بات ہے۔ بڑی دونوں کو چھوڑ کر آخری کا نام لے لیا، بڑی ہی عقلمندی والی بات تھی کیا؟ اس معاملے میں مجھے مت ٹوکیے گا، میں سیدھی بات ماں جی کے کانوں میں ڈالوں گی آخری فیصلہ ان کا ہی ہوگا۔"

"پھر وہی بات، ہم اپنے منہ سے کہتے ہوئے اچھے لگیں گے کیا؟" ابو جی نے ٹوکا۔

"آپ بیٹھے رہیں انہی باتوں میں، میں کہتی ہوں بھلا کیا کمی ہے فوزیہ میں، خوبصورت ہے، پڑھی لکھی ہے، ماشاءاللہ کما لیتی ہے، بھابی بیگم کو اور کیا چاہیے؟"

"بالکل بھی نہیں، تم قطعی ذکر نہیں کرو گی۔ ہم دیکھ تو رہے ہیں چند لوگوں کو کہہ بھی رکھا ہے، اللہ نے چاہا تو کوئی سبیل بھی نکل آئے گی، نا امید نہیں ہوتے۔"

ابو جی کا وہی متحمل انداز تھا۔ تبھی اس کا موبائل بجنا شروع ہوا تو وہاں موجود سبھی نے اسے دیکھا۔ دراصل یہ موبائل گھر میں امی کے پاس ہوتا تھا مگر آج کل فری وقت میں مریم کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ وہ صبا اور ردا کو ہر وقت ایس ایم ایس کر کے وقت گزارتی تھی۔ اب بھی موبائل بجا تو امی جی نے چونک کر اسے دیکھا جس نے گود میں پڑا موبائل فوراً اُٹھا لیا تھا۔

"کس کی کال ہے؟" امی جی نے پوچھا۔

"ردا کی ہے۔" وہ جو سوچ رہی تھی کہ امی ابو کے اُٹھتے ہی اس سے گھنٹہ پیکج پر بات کرتی ہے اس کی کال دیکھ کر خوش ہو گئی تھی۔

"ایک تو ان دونوں کی ایک دوسرے کے بنا روٹی ہضم نہیں ہوتی۔" امی بڑبڑائی تھیں۔

"شکر کریں تکون کا تیسرا فرد غائب ہے۔" اس نے کال پک کر کے وقار کو گھورا اس کا اشارہ صبا کی طرف تھا جو آج کل ایگزیمز کے بعد ننھیال کے دورے پر تھی۔

"السلام علیکم!" وہ موبائل کان سے لگاتی باہر نکلی تھی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو؟" غیر متوقع آواز سن کر وہ چونک گئی تھی۔

"عمر؟" اس نے لب دانت تلے دبا لیے۔ دو دن پہلے جب وہ لوگ رشتہ دیکھنے گئے تھے تو اسی رات اس شخص کی کئی کالز آئی تھیں اور اس نے چارجنگ ختم ہونے کا بہانہ بنا کر موبائل سائلنٹ پر کر کے بیگ میں رکھ دیا تھا مگر آج اس کی آواز سن کر کچھ اُلجھ گئی تھی۔

"ٹھیک ٹھاک ...... آپ سنائیں؟" اب بات کرنا مجبوری تھی۔

''میں بھی اے ون ہوں، اس دن سے مسلسل کال کر رہا ہوں پک کیوں نہیں کر رہی تھیں۔''

''موبائل فون خراب تھا۔''

''اب کیسے ٹھیک ہو گیا؟'' اس نے طنزاً کہا تھا اس نے گھور کر موبائل فون کو دیکھا اگلے ہی لمحے تپ گئی تھی۔

''غیر ضروری کالز کے لیے ہمارا یہ موبائل آٹو میٹکلی کام کرتا ہے، سپیشل ورکنگ ہے اس کی۔ یوں سمجھیں غیر ضروری بندوں اور کالز کے لیے کام کرنا بند کر دیتا ہے۔'' اپنی طرف سے ٹھیک ٹھاک ڈوز دی تھی مگر دوسری طرف وہ بھی ڈھیٹ ہڈی تھا ایک دم ہنس دیا۔

''ویل ڈن بہت اچھا بول لیتی ہو اور بہت اچھی ورکنگ ہے تم لوگوں کے سیل کی۔''

''دادی جان اور باقی گھر والوں کا کیا حال ہے؟'' اس نے بات پلٹ دی۔

''مجھے کیا پتا؟ خود تو محترمہ کو کبھی توفیق نہیں ہوتی کہ کبھی چکر لگا لیں۔

''جی پاؤں میں مہندی لگائی ہوئی ہے آج کل۔'' اس نے جلانے کی حد کر دی تھی۔

''مریم!'' اپنی طرف سے وہ بڑے سٹائل میں بولا تھا مگر ادھر پرواہ کسے تھی؟

''کال کیوں کی ہے اور ردا کدھر ہے؟''

''تمہاری آواز سننا چاہتا تھا۔ بڑے دن ہو گئے تھے کوئی گرما گرمی نہیں ہوئی تھی سوچا کہ حال چال دریافت کرتے مزاجِ یار کا ہی اندازہ لگا لیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے حال چال تو دریافت کر لیا ہے آواز بھی سن لی ہے، رہ گئی گرما گرمی والی بات تو امی کو موبائل دیتی ہوں آج کل بجلی کے بحران کی وجہ سے آنے والی گرمی گرما گرم نوعیت کی ہے، وہ بہتر حال بتائیں گی۔'' اس نے دھمکی دی تھی۔

''مریم!'' وہ خاصے غصے سے بولا تھا۔ ''یہ چچی کی دھمکیاں مت دیا کرو۔''

''دیکھیں عمر بھائی! آپ کی باتیں میرے سر سے گزر جاتی ہیں، اس لیے ٹائم ضائع مت کیا کریں، خوامخواہ بیلنس کا بھی زیاں ردا کدھر ہے؟'' جواباً اس نے سنجیدگی سے ٹوکتے ردا کا بھی پوچھا تھا۔

''تم واقعی اتنی ناسمجھ ہو یا انجان بننے کی کوشش کرتی ہو؟'' وہ فوراً سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''عمر بھائی ردا سے کہیں کہ یا تو مجھے خود کال کرے یا پھر اپنا سیل آپ کے ہاتھوں میں مت دیا کرے۔ دوبارہ آپ کی آواز سنائی دی تو ڈائریکٹ ابو جی کو جا کر موبائل پکڑا دوں گی۔'' جواباً وہ خاصی تپ کر گویا ہوئی تھی۔

''ہائے...... بدنام گر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا؟ ویسے آپس کی بات ہے ہمارے چچا جان خاصے سیانے ہیں جو بات تم نہیں سمجھ پا رہیں وہ ضرور سمجھ جائیں گے۔ میرا خیال ہے یہ بھی ایک نیکی ہے، آزمائش شرط ہے، کیا خیال ہے دوبارہ میری آواز سن کر چچا جان کو دو گی نا؟'' غصے سے اس کے بعد ایک لفظ بھی کہے بغیر کال بند کر دی تھی۔

وہ جو ردا سے لمبی بات کرنے کا سوچ رہی تھی کل پر ٹال کر آرام سے موبائل آف کر کے اپنے اور آمنہ کے مشترکہ کمرے کی طرف چل دی تھی۔

اگلے دن وہ امی کے ساتھ تایا ابو کے ہاں چلی آئی تھی، وقار انہیں چھوڑنے آیا تھا۔ اسے اکیڈمی جانا تھا انہیں چھوڑ کر سلام کرتا فوراً نکل گیا تھا، واپسی پر ابو جی نے لینے آنا تھا۔

''بڑی چھپی رستم نکلی ہو تم؟ اور یہ رشتے والی کیا کہانی ہے؟'' تایا تائی کی طرف گوری چٹی ردا ایک دم شرما سی گئی تھی۔ سب سے ملنے کے بعد وہ اب اس کے پاس آ گئی۔

''مجھے کیا پتا امی جان سے پوچھو؟''

''موصوف کا حدود اربعہ کیا ہے؟'' اس نے باقاعدہ تفتیش کا آغاز کر لیا تھا۔

''امی جی کی خالہ کی بہو کا بیٹا ہے۔ ان لوگوں کا اپنا کاروبار ہے، لمبا چوڑا سا۔ زیادہ تفصیل مجھے بھی نہیں پتا۔ یہ لوگ بھی بہت کم ملتے رہے ہیں نا۔ کبھی کبھار شادی بیاہ میں امی وغیرہ ہی آتی جاتی رہی ہیں، چند دن پہلے ان لوگوں نے کال کر کے نانی جی سے بات کی اور پھر انہوں نے امی کو کہا اور یوں امی ابو نے ان کو آج گھر بلوا لیا ہے۔ ابھی صرف دیکھنے دکھانے کا سلسلہ ہے۔ اپروول وغیرہ کا پراسس بعد کی بات ہے۔'' ردا نے تفصیلاً ذکر کر دیا تھا۔

''اوہ! میں سمجھی کہ آج ہی باقاعدہ معاملہ طے ہو جائے گا۔ کوئی تصویر وغیرہ ہے لڑکے کی، نام کیا ہے؟''

''نہیں...... تصویر نہیں ہے۔ امی کی یہ خالہ تمہیں پتا تو ہے سرگودھا سے آگے کسی علاقے کی رہنے والی ہیں۔ وہیں ان کا پھلوں کا کاروبار ہے، اپنی فیکٹریاں ہیں۔ اتنی دور کی رشتہ داری کہاں ملنا ملانا تھا پہلے کبھی، ہم بھی اپنی تعلیم کی وجہ سے کہیں آئے گئے ہی نہیں اور نہ ہی وہ لوگ آئے۔''

''تو تمہیں دیکھ کہاں لیا ان لوگوں نے؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''بڑے ماموں اور نانی لوگوں کی کوشش ہے، بڑے ماموں کا زیادہ آنا جانا ہے پھر رمشاء باجی کے بڑے بیٹے کے عقیقے کی تصاویر کہیں ادھر گئی تھیں، بس آپی کہہ رہی تھیں کہ وہی تصاویر دیکھ کر امی کی خالہ کی بہو نے پوچھ گچھ شروع کر دی، وہ آج کل اپنے بیٹے کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی تھیں نا۔''

''اور نظر انتخاب تم پر ٹھہری، چلو اللہ بہتر کرے گا۔'' وہ ہنس دی، تبھی تائی بیگم چلی آئیں۔

''لڑکیو باتیں بعد میں کر لینا، بہت کام ہے کرنے والا، بے شک وہ لوگ رسماً آ رہے ہیں مگر میری سگی خالہ اور ان کی بہو کی فیملی ہے۔ کھانا اچھا سا ہونا چاہیے۔ شام کو وہ لوگ پہنچ رہے ہیں، رات ٹھہریں گے کل واپسی ہو گی۔'' وہ کچن میں ردا کو لیے پوچھ تاچھ کر رہی تھی تائی بیگم بھی ادھر آ گئی تھیں۔

''رمشاء کو فون کر دیا تھا، تمہارے بڑے ماموں رمشاء اور نانی بھی آ رہے ہیں، کتنے افراد ہو جائیں گے۔'' انہوں نے ساتھ ساتھ افراد کی تعداد بھی واضح کر دی تھی۔ دوپہر میں رمشاء باجی بھی آ گئی تھیں اور پھر ان لوگوں نے مل کر سارا کام سمیٹ لیا تھا۔ عمر آفس میں تھا تو سکندر اپنے دوستوں کے ساتھ کمبائن اسٹڈی میں مصروف۔ سہ پہر تک وہ تینوں مل کر نا صرف کچن کا سارا کام نبٹا چکی تھیں بلکہ گھر کی حالت بھی درست کر چکی تھیں۔ وہ لوگ ادھر سے نکل چکے تھے ردا کے ماموں سے فون پر مسلسل رابطہ

تھا، تقریباً شام تک وہ لوگ پہنچ رہے تھے۔

ردا نہا کر اپنا خوبصورت سٹائلش سا سوٹ پہن کر بہت پیاری لگ رہی تھی، جبکہ وہ سارے دن کی بھاگ دوڑ کے بعد اب کچھ پل سکون کے ملے تو اس کے بستر پر دراز ہو چکی تھی۔

''تم بھی چینج کرلو، کچن کا کام کرتے تمہارا یہ اسکائی بلیو سوٹ میلا ہو گیا ہے۔'' ردا بال بناتے کہہ رہی تھی۔

''نہ بابا مجھے تو معاف ہی رکھو۔ وہ لوگ تمہارے لیے آرہے ہیں، مجھے کیوں کباب میں ہڈی بنا رہی ہو، ویسے بھی میں ساتھ میں کوئی جوڑا لے کر نہیں آئی تھی۔''

''میرا کوئی سوٹ پہن لو۔'' اس نے جھٹ آفر کر دی تھی، تبھی سکندر نے کمرے میں جھانکا تھا۔

''اوئے ہوئے...... آج تو ہمارے غریب خانے میں بڑے بڑے لوگ رونق افروز ہیں۔'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھی۔

''وہ بڑے بڑے لوگ تھل کے ریگستانوں میں پائے جاتے ہیں غالباً......'' سکندر ہنس پڑا۔

''ہاں جس رفتار سے تمہارا قد بڑھ رہا تھا کسی زمانے میں مجھے تشویش لاحق ہو گئی تھی کہ کہیں تمہیں بھی ریگستانوں میں نہ چھوڑنا پڑے۔'' جواباً اس نے گھوڑا۔

''بکومت......'' اس نے فوراً ٹوکا۔ ''اور یہ تمہاری تیاری کیسی ہو رہی ہے؟''

''بالکل اے ون! یہ تمہاری ہمشیرہ صاحبہ کدھر تشریف فرما ہیں آج کل؟ کیمپس سے فری ہونے کے بعد تو نظر ہی نہیں آتیں۔ چند دن پہلے کال کی تھی مجھے نوٹس چاہیے تھے کچھ مگر صاف انکار کر دیا جواباً دوستوں کی منتیں کرنا پڑیں۔

''سارے سال کیمپس میں سنجیدگی سے پڑھائی کرتے تو نوٹس مانگنے کی نوبت کیوں آتی؟ بہت اچھا کیا آمنہ نے انکار کر دیا۔ تمہیں بھی تو اب پتا چلے کہ سارا سال لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ کر کے وقت ضائع کرنے کی سزا کیا ہوتی ہے۔'' اس نے فوراً آئینہ دکھایا تھا سکندر نے گھورا جبکہ ردا کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''بڑے دن بعد تم سے ملاقات ہو رہی ہے یار! کچھ تو لحاظ وحاظ کرو۔'' اس نے مسکین سی شکل بنالی تھی۔

''مستقبل کی بھابی صاحبہ ہیں یہ، ابھی سے پریکٹس کر رہی ہیں رُعب ڈالنے کی۔''

''روزانہ یہ ایسی ہی بے عزتی کیا کرے گی۔'' ردا نے چھیڑا۔ وہ ایک دم خاموش ہو کر اسے گھورنے لگی۔

''عمر بھائی آگئے ہیں؟'' بال بنا کر سلیقے سے دوپٹہ کندھوں پر جما کر وہ بھی اس کے پاس بستر پر آ بیٹھی تھی۔

''جی آگئے ہیں، امی ابو اور ماموں نانی کی عدالت میں سلام دُعا کر رہے تھے۔''

''میں نے سنا تھا ابھی میرا ذکر خیر ہو رہا تھا۔'' وہ کون سا اپنے بھائی سے کم تھا، فوراً دروازے سے اندر آ گیا اور پھر مریم کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چمک بڑھی تھی۔

''یہ مریم اور ردا آپ کی چغلیاں کر رہی تھیں، میں نے روکا تو مریم مجھ سے لڑنے لگی، ویسے برادر تمہیں اس بھوری بلی میں نظر کیا آیا تھا؟ کوئی اور نہیں ملی تمہیں۔'' کچھ دیر پہلے ہونے والی بے عزتی کا فوراً بدلہ چکا رہا تھا۔

مریم کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

''اس سے بُرائیوں کے علاوہ اور توقع بھی نہیں۔'' عمر ہنسا تھا۔

''میں نے کوئی چغلی وغلی نہیں کی۔ یہ بکواس کر رہا ہے۔'' اس نے فوراً سکندر کو گھورتے اسے بھی دیکھا وہ جواب اندر آ کر کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تھا۔

''آمنہ اور فوزیہ نہیں آئیں۔''

''آمنہ پیپرز کی تیاری میں مصروف تھی اور فوزیہ کو امی گھر چھوڑ آئی تھیں کہ آمنہ اکیلی ہوگئی گھر میں۔'' سکندر کے معنی خیز اشاروں کو نظرانداز کر کے اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اور چچا جان......''

''ابو کام سے واپسی پر ادھر ہی آئیں گے ہمیں لینے۔''

''ہائے تم رات نہیں رُکو گی۔'' ردا نے پوچھا تو اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''بے مروت اتنے دنوں بعد چکر لگایا ہے، کم از کم رات تو رُکتیں، میں خود چچی سے بات کروں گی۔''

''نہیں یار! پھر کبھی چکر لگاؤں گی۔''

عمر نے بغور دیکھا۔ جب سے ان لوگوں کی طرف سے اس کے پرپوزل کی بات چلی تھی وہ ان کے ہاں آنے اور رہنے سے کترانے لگی تھی۔ اب بھی شاید کئی ماہ بعد چکر لگا تھا اس کا، وہ اس سے بچ کر رہتی تھی۔ بظاہر منہ پھٹ تھی مگر بعض اوقات بہت محتاط ہو جاتی تھی۔

''آگے کا کیا ارادہ ہے؟''

''ایم ایس سی میں ایڈمیشن لوں گی، تم ساتھ ہو گی نا؟'' عمر کو جواب دے کر اس نے ردا کو دیکھا۔

''پتا نہیں بھائی لوگوں کو ہی پتا ہوگا۔'' اس نے پھر عمر کو دیکھا۔

وہ ردا اور رمشاء بچپن سے اکٹھی پڑھتی آ رہی تھیں۔ ایک ہی سبجیکٹس ایک ہی کلاس اور ایک ہی ادارے میں اکٹھی رہی تھیں، چند دن پہلے تک ردا کا بھی پکا ارادہ تھا مگر اب وہ ڈانواں ڈول ہو چکی تھی۔

''فی الحال تو کچھ نہیں کہا جا سکتا، کیا پلاننگ ہے بعد میں ہی دیکھیں گے۔'' وہ اُٹھ گیا تھا، وہ جو اس کی بات سنتے اسے دیکھ رہی تھی، بات مکمل کرتے عمر مسکرایا تو وہ ایک دم گھبرا کر سر جھکا گئی۔ عمر کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔

''چلو اُٹھو میرے کپڑے نکال دو۔ میں باتھ لے لوں۔'' ردا کو کہہ کر وہ باہر نکل گیا تھا، ردا بھی اس کے پیچھے چلی گئی تھی جبکہ سکندر وہیں براجمان پھر شروع ہو گیا تھا اور وہ گہری سانس لیتے اس کی اوٹ پٹانگ باتوں کے اوٹ پٹانگ جواب دینے لگی تھی۔

❖ ❁ ❖

ردا کو دیکھنے والے اسے پسند کر گئے تھے، اِدھر سے بھی چند لوگ امی ابو سمیت جا کر دیکھ آئے تھے، کون سا غیر لوگ تھے جو لمبی چوڑی تفتیش ہوتی۔ ایک دوبار چکر لگانے کے بعد بات فائنل ہوگئی تھی، اب باقاعدہ منگنی ہو رہی تھی۔ لڑکا بہت خوبصورت اور ایجوکیٹڈ تھا۔ مریم تصویر دیکھ کر متاثر ہوئی تھی، بقول امی جی کے کہ وہ اصل میں تصویر سے بھی زیادہ شاندار ہے۔ فیملی بہت

اسٹرونگ اور اچھی خاصی تھی امی آج کل گم سم سی ہوگئی تھیں۔ ردا مریم سے بھی چند ماہ چھوٹی تھی، اس کی منگنی ہو رہی تھی۔ فوزیہ کو ماسٹر کیے بھی دو سال ہو رہے تھے، وہ ہر آئے گئے سے صرف ایک ہی ذکر کر رہی تھیں کہ اس کا رشتہ ڈھونڈیں۔ چند لوگ آئے بھی مگر کہیں بات نہ بنی، تو ان کے دل کا وہم ایک آہ بنتے ان کے لبوں پر جاری رہنے لگا۔

اس وقت ایک رشتہ کرنے والی اُٹھ کر گئی تھی اور امی فوزیہ کے ساتھ دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔ ان کی بات سن کر فوزیہ کے تیور بدلے۔ مریم نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔

''امی! آپ مسلسل حسد جیسی بیماری کا شکار ہو رہی ہیں۔ ہر وقت ردا، ردا کی تکرار کرتے رہنا، آخر کیا مقصد ہے آپ کا؟''

وہ آخر کار پھٹ پڑی تھی، مریم نے گہرا سانس لیا، امی نے خاصی حیرت سے اسے دیکھا۔

''میں بھلا کیوں حسد کروں گی، ماں ہوں فکر ہے تمہاری اور اس کی عمر کا حساب لگا رہی ہوں میں۔''

''حسد ہی تو ہے یہ، کسی چیز پر بھلا آپ کا کیا زور ہے؟ عمر اور مریم کا نام تائی نے لے کر کیا جرم کر لیا ہے، جو آپ ہر وقت ہر کسی کے سامنے دہراتی رہتی ہیں، پلیز ختم کریں یہ سلسلہ کئی لوگوں کی شادیاں نہیں ہوتیں۔ آج کل کے لوگوں کو امیر کبیر لمبے چوڑے جہیز والی بہو چاہیے جو ہم نہیں دے سکتے، پھر اس کی ٹینشن لینے کا فائدہ؟ آپ نے ہر روز کسی نہ کسی کو بلوا رکھا ہوتا ہے۔ عجیب تماشہ بنوا دیا ہے میرا۔''

''ہیں...... ہیں......'' امی حیرت سے فوزیہ کا ری ایکشن دیکھ رہی تھیں۔ فوزیہ ان کی اولاد میں سب سے زیادہ صابر و شاکر اور گم سم رہنے والی ہستی تھی اب اس کا یہ انداز انہیں حیرت زدہ کر گیا تھا۔

''آپ کے دل میں کدورت ہے کہ تائی نے میرے بجائے مریم کا کیوں نام لیا؟ انکار کر رہی ہیں تو غلط کر رہی ہیں۔ آج کل کے دور میں اچھے رشتے مشکل سے ملتے ہیں۔ عمر ایک اچھا نوجوان ہے، اگر قسمت سے تائی نے مریم کے لیے مانگ لیا ہے تو کیوں ناراضی ظاہر کرتی ہیں؟ کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں اس کی شادی کرنی ہے نا تو عمر ہر لحاظ سے قابل قبول اور پرفیکٹ ہے تو پھر حرج کیا ہے، جو کام کل ہونا ہے وہ آج ہی ہو جائے۔'' وہ اب غصے کے بجائے خاصی رسانیت سے امی سے کہہ رہی تھی۔

''بڑی دو کی چھوڑ کر اس کی کردوں، جانتی ہو تمہاری دادی کیا کہہ رہی تھیں اس دن جب ردا کو دیکھنے آئے تھے وہ لوگ تو میں نے تمہارا اور عمر کا ذکر کیا تو تمہاری دادی نے کہا کہ فوزیہ کا کہیں باہر دیکھ لو باقی دونوں کی فکر مت کرو۔ اس دن میرا دل خراب ہوا اور اب تمہاری دادی روز فون کر کے کہہ رہی ہیں کہ ردا کے ساتھ ہی عمر اور مریم کی بھی منگنی کر دوں۔ ردا کے بعد گھر سنبھالنے والی چاہیے، اگر میں ہاں کر دوں تو ٹھیک ورنہ پھر تمہاری تائی باہر کہیں دیکھیں گی۔'' امی نے دل کی بات کہی تو فوزیہ تو خاموش ہوئی تھی، وہ بھی چند پل کو حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

''امی میری فکر مت کریں، پلیز انکار مت کریں، اگر وہ فوراً شادی کا کہتی ہیں تو ہمیں اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ تائی بیمار رہتی ہیں ردا کے بعد واقعی اس گھر کو ایک عورت کی ضرورت ہے۔'' فوزیہ نے سنبھل کر سمجھایا۔

''ہرگز نہیں میں نے ابھی ایم ایس سی کرنا ہے اور اگلے پانچ چھ سال تک تو شادی کا نام تک نہ لیجیے گا میں نہیں اتنی جلدی شادی کرنے والی۔'' وہ جو قدرے فاصلے پر چارپائی پر لیٹی رسالہ ہاتھ میں پکڑے دونوں کے خیال میں بے خبر تھی، اسے یوں منہ

پھاڑ کر انکار کرتے دیکھ کر دونوں ہی چونک گئیں۔

''لو سن لو اور تم کہہ رہی تھیں کہ اس کی شادی کر دوں۔ یہ تم سے کم ہے کیا، جب تمہارے لیے رشتے مل رہے تھے تم نے بھی ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی کہ پہلے پڑھوں گی پھر شادی وادی کیجیے گا اب یہ تمہاری جگہ لے چکی ہے۔ کر لیں شادیاں میں نے تم لوگوں کی۔'' امی تو اس صاف انکار پر بھنا کر ایک دم غصے سے بولی تھیں۔

''تمہیں کیا مسئلہ ہے؟'' فوزیہ نے گھر کا۔

''ایم ایس سی مکمل کرنا ہے اگر کسی نے میری تعلیم کے دوران روڑے اٹکائے تو بہت بُرا کروں گی۔ فوزیہ یا آمنہ کی کر دیں امی، میرا نام نہ لیجیے گا۔ تائی بھلے کہیں اور دیکھ لیں۔'' رسالہ چارپائی پر پٹخ کر وہ غصے سے کہتی اُٹھ گئی اور امی نے بہت غصے سے فوزیہ کو دیکھا۔

''یہ دیکھ لیا اس کا انداز، آ جائیں تمہارے ابا...... صاف جواب دوں گی۔ کل خالہ بتول کسی فیملی کو لے کر آ رہی ہیں، اب جیسی بھی ہوئی میں نے کر دینا ہے تم تینوں کا ہی، بھابی بیگم عمر اور سکندر کے لیے مانگ تو رہی ہیں نا، میں نہیں انکار کروں گی۔'' فوزیہ نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

❖ ✿ ❖

فوزیہ کی ایک جگہ بات چلی چند دن میں دونوں طرف سے لوگ آئے گئے اور پھر عین موقع پر آ کر ان لوگوں نے انکار کر دیا، امی کا صدمہ سے بُرا حال تھا۔ دوسری طرف ردا کی منگنی کی تیاریاں ہو رہی تھیں، دادی کے بار بار کہنے پر امی نے صاف کہہ دیا تھا کہ جب تک فوزیہ کا کہیں نہیں ہو جاتا وہ آمنہ اور مریم کا بھی نہیں کریں گی۔ سب نے سمجھایا مگر ان کی ضد نہ ٹوٹی۔ مریم مطمئن ہو گئی تو آمنہ کو تو پہلے بھی کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ وہ آج کل پیپرز دے رہی تھی، دو تین پیپرز رہ گئے تھے چونکہ سکندر اور اس کے ایگزیمز کے ایک ساتھ مکمل ہوئے تھے سو منگنی ایگزیمز کے بعد تھی۔

ردا کئی بار اسے کال کر چکی تھی خود بھی ایک دو بار آ کر اسے کہہ چکی تھی کہ وہ اس کے ساتھ چل کر منگنی کی تیاری کروا دے مگر امی کے رویے سے سب سے زیادہ وہ متاثر ہو رہی تھی، اس لیے اس نے صاف انکار کر دیا۔ دوسری طرف عمر کی کبھی کبھار گھر کے نمبر پر آنے والی کالز کو بھی وہ مکمل طور پر نظر انداز کر رہی تھی۔

ردا عمر کے ساتھ آئی تو عمر کے سامنے جانے کے بجائے چائے بنا کر ردا کے ہاتھ امی کے کمرے میں بیٹھے عمر کے پاس بھجوا کر وہ اسے لیے چھت پر آ گئی۔ آمنہ اور فوزیہ بھی وقار کے ساتھ امی کے کمرے میں تھیں، سو وہ مطمئن ہو تھی کہ اگر کوئی ضرورت پڑی تو امی اسے آواز نہیں دیں گی۔

''کتنے دن ہو گئے ہیں صبا ننھیال جا کر بیٹھ گئی ہے، لگتا ہے رزلٹ اناؤنس ہونے پر ہی اب لوٹے گی۔'' ساتھ والی چھت کو دیوار میں بنے سوراخوں میں سے دیکھتے ردا نے کہا۔

''ہاں رات ذکر کر تو رہی تھی کہ صبح آ جاؤں گی، کال کی تھی اس نے۔ اب پتا نہیں آئی ہے کہ نہیں اب اگر آئی ہوتی تو ہمارے ہاں چکر تو ضرور لگاتی۔''

''خاور بھائی آئے ہوئے ہیں کیا؟'' ردا کے پوچھنے پر وہ چونکی۔

''نہیں وہ تو نہیں آئے گی۔''

''مگر ہم جب آئے تھے وہ اپنے گیٹ پر کھڑے تھے، بھائی سے سلام دُعا کی تھی، ہمیں بلا رہے تھے۔

''ہوسکتا ہے مگر ہمیں علم نہیں۔'' ساتھ والا گھر ابو کی دور کی پھوپھی کا گھر تھا۔ جہاں ان کی وفات کے بعد اب ان کے بڑے بیٹے اور بہو اپنی اولاد کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ صبا انہی کی بیٹی تھی اور خاور اس کے بڑے بھائی تھے۔ جو آرمی میں تھے کبھی کبھار ہی چکر لگاتے تھے۔

''مریم تمہارا رویہ بدل گیا ہے یا مجھے لگ رہا ہے۔ تم عمر بھائی سے بھی نہیں ملیں جبکہ وہ کتنے دنوں سے تمہارے رویے سے پریشان تھے، آج مجھے لے کر اس لیے آئے تھے کہ تم سے بات کریں گے مگر تم ان کے سامنے تک نہیں گئیں، سلام دُعا تو دور کی بات ہے۔''

مریم نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔ عمر کی سنجیدگی عمر کے علاوہ ردا اور سکندر سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ اس کے اپنے گھر میں سب لوگ کس حد تک باخبر تھے اسے اندازہ تھا مگر اس کے رشتے والی بات جس طرح سب کے علم میں آچکی تھی ایسے میں وہ عمر سے سلام تک بھی کرنے کو تیار نہ تھی۔ امی کے آج کل جو تیور اور مزاج ہو رہا تھا اس میں اسے یہی احتیاط اچھی لگی تھی۔

''دیکھو ردا! تم بہن ہو، تم اپنے بھائی کی ہی فیور کرو گی مگر ایک بات کہوں گی جس طرح امی اور ابو جی فوزیہ کی طرف سے پریشان ہیں، ہر روز نت نئے لوگ آرہے ہیں کچھ کے معیار پر ہم نہیں پورے اُتر رہے اور کچھ لوگ ہمارے معیار پر...... ایسے میں فوزیہ کے احساسات کس حد تک مجروح ہو رہے ہیں تم اندازہ لگا سکتی ہو۔ کیا یہ زیادتی نہیں تھی کہ فوزیہ جیسی ذہین کوالیفائیڈ خوبصورت لڑکی چھوڑ کر تائی بیگم نے میرا نام لیا۔ امی جی کا کہنا غلط نہیں اوپر سے جس طرح تم لوگوں نے شوشا چھوڑا کہ تمہارے ساتھ میری بھی بات پکی کر کے شادی کر دی جائے سوچو ذرا امی یا فوزیہ کے جذبات کو ٹھیس نہ لگی ہو گی۔ میں آخری بیٹی ہوں اپنی فیملی کی اور فوزیہ مجھ سے کئی درجہ بڑی، عمر بھائی کے لیے تم لوگوں نے میرا نام لیا یہ سراسر زیادتی نہیں کیا؟''

''عمر بھائی تمہیں پسند کرتے ہیں اور میرے بعد گھر میں ایک عورت چاہیے تھی اس لیے دادی اور امی نے چچی سے بات کی تھی اس میں بھلا زیادتی والی کیا بات ہوئی۔''

''میں عمر بھائی کو پسند نہیں کرتی، ٹھیک ہے وہ ہر لحاظ سے اچھے ہیں مگر میں اپنی ایجوکیشن ادھوری نہیں چھوڑ سکتی، دوسری بات یہ کہ فوزیہ کی جب تک کہیں بات نہیں فائنل ہوتی ہم لوگ ایسا سوچیں گے بھی نہیں۔'' ردا اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

''تم واقعی عمر بھائی کو پسند نہیں کرتیں۔'' وہ ابھی تک اس کی پہلی بات میں ہی اٹکی ہوئی تھی۔

''جو مرضی سمجھ لو۔'' اس نے لاپروائی سے کندھے اچکا دیئے۔

''اور عمر بھائی کے تمہارے لیے جو احساسات و جذبات ہیں وہ سب......؟''

''یہ سب یکطرفہ ہیں، اس میں میرا قطعی کوئی قصور نہیں۔'' ردا خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔ برسوں کا ساتھ تھا ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھ کر اندر کا حال بتا سکتی تھیں مگر اس پل ردا مریم کے بے تاثر چہرے سے کچھ اخذ نہ کر پائی تھی۔

''عمر بھائی تمہاری ایجوکیشن کے معاملے میں اثر انداز نہیں ہوں گے، ہماری بھی مجبوری ہے۔ امی بیمار ہیں، وہ تمہیں سپورٹ کریں گی، تھوڑی بہت گنجائش تو نکالو یار!'' وہ ملتجی ہوئی تھی، وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اپنی ایجوکیشن کی وجہ سے ایسا کہہ رہی ہے۔

''سوری! تم لوگ فوزیہ کے بارے میں سوچ لو۔ وہ ہر لحاظ سے پرفیکٹ لڑکی ہیں۔ تمہارے بھائی کے ساتھ سوٹ کرتی ہیں، ان کی ہم عمر ہیں۔''

''سوٹ تو تم بھی کرتی ہو۔'' وہ ناراضی سے کہہ رہی تھی۔

''تم لوگ ہماری پرابلم نہیں سمجھتے، کیا فائدہ ایسی رشتہ داری کا؟ ہم نے بھی تو عبید بھائی کے لیے عندلیب بھابی کا پرپوزل لیا تھا۔ اب جبکہ ہم پرابلم میں ہیں تو تم لوگوں نے اپنا معیار اپنا رکھا ہے۔ یہ طے ہے امی نے کبھی فوزیہ سے پہلے آمنہ یا میری بات طے نہیں کرنی اور تمہاری شادی رُک نہیں سکتی۔ تو بہتر ہے تم لوگ باہر کہیں دیکھ لو۔ کہیں نہ کہیں ہم لوگ بھی دیکھ لیں گے فوزیہ کے لیے۔ رہ گئی میں، تو ابھی بہت وقت پڑا ہے، پریکٹیکل لائف کے متعلق میں نے کبھی نہیں سوچا۔ ایجوکیشن کمپلیٹ کرنی ہے پھر جاب کروں گی، بیچلر لائف انجوائے کروں گی یار!'' وہ خاصی مطمئن تھی۔ ردا بڑے دُکھ سے اسے دیکھنے لگی اور اور پھر بغیر کچھ کہے پلٹی تھی۔

''ردا......'' مریم کو ایک دم اندازہ ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی ہے۔

اتنے دنوں کا غبار جو امی کی باتوں سے دل میں جمع تھا، غلط وقت پر اور غلط بندے پر نکلا تھا۔ اسے ایک دم اپنی زیادتی کا احساس ہوا۔

''ردا! پلیز رُکو تو...... میری بات تو سنو......'' وہ اس کے ساتھ سیڑھیاں اُترتے ساتھ چلتے امی کے کمرے تک آئی تھی مگر اندر سے عمر، وقار، آمنہ کے قہقہوں کی آواز سنائی دی تو رُک گئی جبکہ ردا اندر داخل ہو چکی تھی۔

''عمر بھائی گھر چلیں......'' وہ کہہ رہی تھی۔

''چلتے ہیں، ابھی ٹھہرو تو سہی۔''

''نہیں...... ابھی چلیں...... میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی اس کی آواز میں عجیب سا احساس تھا۔ مریم لب بھینچے پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی، اس نے غلط کہا تھا یا درست مگر ردا کے رویئے نے اسے عجیب انداز میں گم سم کر دیا تھا اور پھر سونے تک وہ گم سم ہی رہی۔

❖ ۞ ❖

عمر ردا کے رویے سے پریشان ہو چکا تھا، جس طرح اس نے فوراً گھر واپسی کی ضد پکڑی تھی وہ اُلجھ گیا تھا۔ وہ مریم سے ملے اور بات کیے بغیر نہیں آنا چاہتا تھا مگر مریم ملنا تو ایک طرف سلام دُعا کرنے تک آئی تھی اور وہ مریم کے رویے سے بھی اُلجھ چکا تھا۔ وہ بھی پہلے بھی اس کے جذبات واحساسات کا مثبت جواب نہیں دیتی تھی، اب وہ خاصی بدلی ہوئی تھی اوپر سے ردا کا رویہ...... سارا راستہ وہ خاموش رہی تھی۔

''کیا بات ہے؟ مریم سے کوئی بات ہوئی تھی کیا؟'' گھر آ کر اس نے پوچھا تو جواباً اس نے مریم کی تمام گفتگو کہہ سنائی۔

''اوہ اتنی سی بات ہے میں سمجھا نجانے کیا ہوگیا ہے۔'' وہ کچھ مطمئن سا ہوا۔

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے وہ سراسر ہمیں قصوروار ٹھہرا رہی ہے کہ فوزیہ باجی کا رشتہ نہ لے کر ہم نے زیادتی کی ہے۔ اس کے نزدیک آپ کے جذبات واحساسات کوئی معنی نہیں رکھتے بقول اس کے کہ اس نے آپ کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی، یہ سراسر آپ کی حماقت ہے اس کا ہیڈک نہیں۔'' عمر ہنس دیا۔

''وہ اپنی سوچ اپنے فیصلے، اپنے ہر معاملے میں آزاد ہے یار! وہ ایک اچھی لڑکی ہے اور اس کا ری ایکشن بالکل بجا ہے۔ اپنے والدین اور گھریلو مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی سوچ غلط نہیں ہے۔ فوزیہ کے ہوتے ہوئے ہم نے مریم کا نام لیا۔ یہ واقعی زیادتی ہے۔''

''کیسی زیادتی...... آپ اسے پسند کرتے ہیں، آپ کے دل کا معاملہ ہے پھر زبردستی کیوں۔ چچی جان خوامخواہ اس کو ضد اور انا کا معاملہ بنا رہی ہیں۔'' عمر کے بہت ہی پُرسکون انداز پر وہ خاصی بھنا کر بولی تھی۔

''یہ اس کے دل کا معاملہ نہیں ہے اس لیے اس کا ری ایکشن بالکل درست ہے۔ ڈونٹ وری میں پھر کسی دن چکر لگاؤں گا اس سے بات کروں گا۔ فون پر تو وہ اب ملتی نہیں، کیا کہا جاسکتا ہے۔'' عمر کی بات پر وہ چپ ہوگئی تھی۔

❖ ❁ ❖

اگلے دن عمر آفس سے جلدی اُٹھ گیا تھا، عموماً وہ چچا کے گھر شام کے بعد ردا وغیرہ کے ساتھ ہی چکر لگاتا تھا، مگر آج وہ اکیلا ہی چلا آیا تھا۔ مریم کوئی میگزین لیے فوزیہ کے بستر پر لیٹی ورق گردانی کر رہی تھی جبکہ آمنہ اپنی کتابیں لیے چلی آئی، پرسوں اس کا چوتھا پیپر تھا۔ وہ صحن میں بیٹھی تیاری کر رہی تھی۔

''عمر بھائی آئے ہیں، امی کہہ رہی تھیں کہ چائے بنادو۔'' اس پیغام پر اس نے چونک کر اسے دیکھا، کل سے ردا کی کوئی کال میسج کچھ بھی نہیں آیا تھا اور اب اس شخص کی آمد؟''

''یہ عمر بھائی لگتا ہے بہت فارغ ہیں آج کل۔'' اس بے وقت کی آمد پر اس کو سخت کوفت نے آلیا۔

''مجھے کیا پتا پوچھ لینا، پلیز چائے بناؤ تو مجھے بھی ایک کپ دے دینا، صبح سے پڑھ پڑھ کر اب سر دُکھنے لگا ہے۔'' اس کا جی چاہا کہ صاف انکار کردے مگر پھر کچھ سوچ کر کچن میں آگئی۔

چائے بنا کر اس نے فریج میں جھانکا، نمکو، بسکٹ، کباب ہر چیز موجود تھی۔ اس نے نمکو، بسکٹ نکال کر ٹرے تیار کی، آمنہ کے لیے کپ بھی اس میں رکھ دیا تھا۔

''یہ ٹرے تیار ہے، اندر لے جانا میں صبا کے ہاں جارہی ہوں، امی پوچھیں تو بتا دینا۔'' واپس اپنے کمرے میں آکر ٹرے آمنہ کے سامنے کی۔

''مگر صبا تو ابھی تک واپس نہیں آئی اُدھر کیوں جارہی ہو؟'' وہ اُدھر صرف صبا کے لیے ہی جاتی تھی۔

''پرسوں رات فون پر بات ہوئی تھی، کہہ رہی تھی کہ صبح آجاؤں گی ہوسکتا ہے آگئی ہو۔ میں نے کل چکر لگایا نہ ہی آج...... اب سوچ رہی ہوں کہ دیکھوں تو سہی آئی ہے کہ نہیں۔ تم یہ ٹرے لے جانا۔'' وہ اسے زبردستی ٹرے تھما کر نکل آئی تھی، باہر گیٹ

سے صبا کے ہاں جانے کے بجائے وہ سیڑھیاں چڑھتے چھت پر آ گئی تھی۔ صبا اور ان کے گھر کی چھت ساتھ ساتھ تھی، درمیان میں تقریباً چھ فٹ لمبی دیوار تھی، وہ اور صبا ہمیشہ ایک دوسرے کے گھر آنے جانے کے لیے اسی باؤنڈری وال کو کراس کیا کرتی تھیں۔

دیوار کے سوراخوں میں پاؤں پھنسا کر دیوار پر چڑھ کر وہ دوسری چھت پر کود گئی تھی۔ چھت کراس کر کے وہ سیڑھیاں اُتر رہی تھی جب خاور بھائی نے رستے میں ہی روک لیا۔ وہ سیڑھیاں چڑھتے اوپر آ رہے تھے شاید۔

''خوش آمدید...... خوش آمدید...... یہ سواری باد بہاری ہمارے گھر درشن دینے کیسی آ گئی بھلا؟'' وہ اسے سامنے دیکھ کر حقیقتاً خوش ہوئے تھے۔ وہ ہنس دی۔

''سلام نہ دُعا، ایک دم اعتراض کر ڈالا ہے۔ رات کو مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپ آئے ہوئے ہیں، کہیے کیسے ہیں آپ؟''

''وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں، تم سناؤ؟ آج ادھر کیسے نازل ہوئی ہو۔'' ان کا وہی انداز تھا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں، نازل تو مصیبتیں ہوتی ہیں میں تو رحمت کی دیوی بن کر سیڑھیوں سے اُتری ہوں۔ میں نے سوچا ہمسائیوں نے تو منہ دکھانا بند کر دیا ہے میں خود ہی جا کر بھائی صاحب کا رُخ روشن کا دیدار کر آؤں۔ ویسے کامرے سے کب لوٹے۔'' اس کی خوش دلی پر خاور بھائی ہنس دیئے۔

''کل صبح لوٹا تھا، ایک خاصی ظالم خبر سنی تھی سوچا ظالم خبر کی تصدیق بھی کرتے چلیں۔'' وہ مسکرا دی ان کی بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔

''کیسی ظالم خبر؟''

''جانے دو، سنا ہے بلا سر سے ٹل گئی ہے اب۔'' وہ کچھ نہ سمجھی تھی۔

''آپ کی یہ باتیں میرے سر سے گزر جاتی ہیں۔''

''ابھی تو عقل مکتب ہوسٹر! ذہن پر زور ڈالنے کا فائدہ بھی نہیں۔ تمہارا اوپر والا چیمبر خالی ہے پھر حاصل جستجو کا فائدہ۔'' انہوں نے اپنے دماغ پر انگلی رکھ کر چھیڑا، وہ فوراً مان گئی۔

''لگتا ہے اس دفعہ خاصے پَر لگ گئے ہیں آپ کو۔ ویسے کیپٹن صاحب کوئی اسٹار وغیرہ بھی لگا ہے یا نہیں۔''

''ہاں اسٹار تو لگتے رہتے ہیں، رہ گئے پَر تو جو تھے وہ بھی کٹ گئے۔ اب تو اُڑنے کی سکت تک نہیں۔'' اس نے گھورا۔ بھرپور ایکٹنگ والا انداز تھا۔ لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

''سنا ہے آج کل خالہ جان تمہاری ہمشیر محترمہ کے رشتے کی مہم شروع کیے ہوئے ہیں پھر کوئی ملا معقول سا پرپوزل جو تمہاری ذہین فطین بہن صاحبہ کے شایانِ شان بھی ہو۔'' ان کا انداز اب بھی چھیڑنے والا تھا مگر انہوں نے گویا اس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

''کہاں خاور بھائی! جو چند ایک دیکھے بھی تو وہ بھی اتنے بکواس کہ حد نہیں۔ یہ رشتہ تلاش مہم مجھے لگتا ہے اب مسئلہ کشمیر بنتی جا رہی ہے سچ مچ۔''

''اوہ آئی سی......'' خاور بھائی نے ہونٹ سکیڑے۔

''آپ بتائیں کب شادی کروار ہے ہیں، اب تو منگنی کو بھی ایک سال ہو رہا ہے۔ آنٹی تو روز تیاریاں کر رہی ہوتی ہیں۔ ہر آئے گئے کو بتا رہی ہوتی ہیں کہ اب جب بھی آپ کے گھر کا چکر لگا وہ تاریخ فائنل کر دیں گی۔ لگتا ہے اب اسی ارادے سے چکر لگایا ہے۔'' خاور بھائی عبید بھائی کے ہم عمر تھے، ان کے کلاس فیلو، وہ انجینئرنگ میں چلے گئے تو وہ آرمی میں۔ وہ سعودیہ میں کسی کمپنی میں اچھے عہدے پر جاب کر رہے تھے، شادی ہو چکی تھی جبکہ یہ ابھی تک فارغ البال تھے۔ تاہم ان کی منگنی ان کی خالہ زاد سے ہو چکی تھی۔

''میری شادی کبھی نہیں ہوگی۔'' وہ اچانک قطعیت سے کہتے سیڑھیاں پھلانگتے اوپر چلے گئے تھے اور ان کے اس ری ایکشن پر وہ حیرت سے کھڑی رہ گئی تھی۔ ان کا انداز بڑا عجیب سا تھا وہ چند پل کھڑی رہی پھر سر جھٹکتی نیچے آ گئی۔

''السلام علیکم آنٹی!'' خاور بھائی کی والدہ سامنے ہی براجمان تھیں۔

''وعلیکم السلام!'' انہوں نے اپنے مخصوص پُر غرور انداز میں جواب دیا تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

خاور بھائی کی والدہ بھی اپنی ذات میں ایک کردار تھیں۔ اپنی ذات میں خود پرست، شوہر نے ساری عمر باہر کمانے میں گزار دی۔ ایک بیٹا خاور اور بیٹی صبا تھے، ایک خوش باش پُرسکون زندگی گزاری تھی۔ عیش و عشرت والی، خوبصورت شاندار یہ محل جیسا گھر اور اوپر سے دولت کی ریل پیل۔ انکل اب بزنس کرتے تھے جبکہ خاور بھائی آرمی میں تھے مگر جو کچھ بھی تھا وہ بیٹے اور بیٹی کا ہی تو تھا۔ صبا نے ایک دفعہ ذکر کیا تھا کہ خاور بھائی کسی کو پسند کرتے ہیں مگر آنٹی نے ان کی پسند جاننے کے بجائے ہمیشہ کی طرح اپنی ضد پوری کی تھی۔ وہ ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں ان کا میکہ بہت دولت مند تھا اور ان کا خواب ایک پڑھی لکھی دولت مند بہو لانے کا تھا سو بیٹے کی خواہش جانے بغیر منگنی کر دی تھی، پہلے تو کئی سالوں سے صرف زبانی کلامی بات طے تھی پچھلے سال باقاعدہ منگنی بھی ہو گئی تھی۔ خاور بھائی اپنی ماں سے بُری طرح برگشتہ ہو کر ناراض ہو کر چلے گئے تھے۔ کئی کئی ماہ بعد گھر کا چکر لگاتے تھے۔ جان بوجھ کر ماں کو تنگ کرنے کو، دور دراز کے علاقوں میں اپنی پوسٹنگ کرواتے تھے اب کئی ماہ بعد گھر کا چکر لگا تھا، ان سے بات کر کے مریم کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ آنٹی اور خاور بھائی کے درمیان ہونے والی رسہ کشی ابھی تک برقرار تھی۔

''صبا آئی نہیں ابھی تک۔'' اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔ آنٹی سے گفتگو کرنا بھی گویا اپنی شامت بلانے کے مترادف تھا۔

''اگر آئی ہوتی تو تمہیں نظر نہ آتی۔'' وہی تیکھا، روکھا لہجہ۔

''میں نے سمجھا کہ شاید وہ سلیمانی ٹوپی پہن کر غائب ہو گئی ہو گی۔'' آنٹی نے بے تاثر نظروں سے دیکھا تو اس کے اندر بھی اُبال تھا۔

''فون پر بات ہوئی تھی کہہ رہی تھی کہ کل صبح آ جاؤں گی۔ میں سمجھی کہ محترمہ کل صبح آ گئی ہوں گی۔''

''اگر آئی ہوتی تو اپنے گھر سے پہلے وہ تمہارے ہاں قدم رکھتی۔'' آنٹی کا لہجہ اب کے جھنجلایا ہوا تھا، اسے ہنسی آ گئی۔

''خاور بھائی آئے ہوئے ہیں۔'' اس نے موضوع بدلا۔

''کیوں سیڑھیوں پر ملاقات نہیں ہوئی؟'' انہوں نے سر اُٹھا کر خاصی تیکھی نگاہوں کے تیر چلائے تو وہ سٹپٹا گئی یعنی آنٹی کو سب خبر تھی۔

''وہ تو ہوئی تھی، خاور بھائی آ گئے ہیں تو لگتا ہے اس دفعہ شادی کروا کر ہی جائیں گے۔''اس نے بُرا مانے بغیر ان کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا انہوں نے خاصا تپ کر غصیلی نگاہوں سے اس کا پوسٹ مارٹم کرنا چاہا جب کے وہ مسکرا کر ان کا منہ چڑا گئی۔

''کیوں؟ تمہیں اور کوئی کام نہیں ان کن سوئیوں کے علاوہ۔'' وہ ہنس دی یعنی وہ ٹھیک جا رہی تھی، وہ آنٹی کو ایسے ہی تپاتی تھی۔

''یونہی پوچھ رہی تھی، جنرل نالج کے طور پر۔ خاور بھائی کی عمر کے تمام لڑکوں کی شادی ہو چکی ہے، میں نے سوچا کہ شاید اس دفعہ کی آمد شادی کے سلسلے میں ہی ہوئی ہے۔'' آنٹی نے بغیر جواب دیئے گھورنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ ان کی چپ پر وہ شرمندہ سی ہو گئی، بہرحال وہ بڑی تھیں، ان کی یوں دل آزاری بھی مقصد نہ تھی۔

''اچھا میں چلتی ہوں۔'' ایک منٹ کی خاموشی سے گھبرا کر وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

''بیٹھو......'' انہوں نے مروتاً کہا، وہ نفی میں گردن ہلا گئی۔ وہ عمر سے بھاگ کر ادھر آئی تھی اب ادھر سے بھاگ کر کہاں جاتی۔

''فوزیہ کے رشتے کا کیا بنا؟'' اس کے اُٹھتے قدم رُک گئے۔

''اب تو کوئی خاص پروگریس نہیں ہوئی۔''

''پر جو چند دن پہلے ایک ڈاکٹر کا رشتہ آیا تھا؟'' انہیں ساری رپورٹ تھی وہ مسکرا دی۔

''وہ ہم سے لاکھ درجے اچھی فیملی تھی۔ ہمارا گھر دیکھ کر انہوں نے ناک منہ چڑھایا تھا بعد میں ہم نے بھی کوئی توجہ نہ دی۔'' اسی ہفتے آنے والے تازہ ترین پروپوزل کے متعلق اس نے سہولت سے بتایا۔

''ہاں لوگوں کی ڈیمانڈ بھی تو بہت اونچی ہو گئی ہے۔ ورنہ کیا کمی ہے فوزیہ میں۔''

تبھی سیڑھیاں اُترتے خاور بھائی پر نگاہ پڑی تو وہ کنفیوژ ہو گئیں، فوراً سٹپٹا کر بولیں۔

''ویسے عمر بھی تو خاصی ہو گئی ہے۔ ڈیمانڈز لوگوں کی جو بھی ہوں مگر ہر کوئی اپنے فائدے دیکھتا ہے۔'' خاور بھائی غصے سے ماں کو دیکھتے تیز تیز قدم اُٹھاتے باہر نکل گئے تھے۔ مریم کے لیے ان کا رویہ اُلجھا دینے والا تھا یقیناً وہ اپنی ماں سے ناراض تھے۔

''اب اتنی زیادہ عمر بھی نہیں، لوگوں کی لڑکیاں تو بتیس سے زیادہ کی ہو جاتی ہیں مگر والدین کو ذرا فکر نہیں ہوتی۔ آپ کے میکے میں کئی لڑکیاں ہوں گی، آپ کے بھائی کی بیٹی کی شادی مجھے یاد پڑتا ہے پینتیس سال کی عمر میں ہوئی تھی پچھلے سال۔'' آئینہ دکھانے میں وہ کون سا کم تھی فوراً حساب برابر کیا تھا، ان کے چہرے پر ناگواری ایک دم واضح تھی۔

''امیر لوگوں کی بیٹیوں کی عمر کوئی نہیں دیکھتا، لمبا چوڑا جہیز اور بینک بیلنس دیکھتے ہیں سب۔'' اب کے مریم چپ سی رہ گئی۔ جی تو چاہا کہ ایسا جواب دے کہ آئندہ وہ بات کرنا بھول جائیں مگر وہ لب کھینچ گئی۔ اسے یوں لب بھینچے دیکھ کر آنٹی کو دلی سکون حاصل ہوا۔

''تمہاری ماں بتا رہی تھیں کہ تمہاری تائی نے تمہارا عمر اور آمنہ کا سکندر کے لیے رشتہ مانگا ہے۔'' اس نے خود کو بحال کر کے گہرا سانس لیا۔

''جی بالکل ٹھیک سنا آپ نے۔ مگر امی کا فی الحال کہیں بھی بات طے کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، بھئی ہماری کون سی عمریں نکلتی جا رہی ہیں۔ ابھی تو ہم دونوں کو ڈھیر سارا پڑھنا ہے، رہ گئی فوزیہ تو امی پریشان ہیں ورنہ اس کو رشتوں کی کیا کمی بھلا؟ ہو سکتا ہے ہم عمر بھائی کے ساتھ ہی بات طے کر دیں، ویسے بھی ردا کی منگنی کے بعد شادی کریں گے وہ لوگ انہیں گھر سنبھالنے والی ہستی چاہیے اور میرا اپنی تعلیم کی قربانی دینے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' کچھ دیر پہلے والی تکلیف اب سکون سے ادھر منتقل کر رہی تھی۔ انہوں نے ناگواری سے اسے دیکھا وہ مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔

''چلتی ہوں۔'' وہ پلٹ آئی جس رستے سے آئی تھی اسی پر ہولی۔

دونوں گھروں کی دیوار سے اپنے گھر کی چھت پر کودتے ہوئے وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکی تھی، اس نے دیوار تھامنے کی کوشش کی تھی مگر سیدھی پکی چھت کے فرش پر جا سجدہ ریز ہوئی۔ بہت سنبھلنے کی کوشش میں بھی اس کا پاؤں مڑ گیا تھا، اوپر سے گرنے کا بے ساختہ خوف۔

''یا اللہ......'' اس کی چیخ بے ساختہ تھی۔

''ہائے امی جی......'' وہ زمین پر اپنا پاؤں تھامے دہائیاں دے رہی تھی۔

خاور بھائی جو ابھی ادھر آئے تھے، وقار، آمنہ اور عمر کے ساتھ صحن میں بیٹھے تھے اس کی بے ساختہ چیخ اور دہائیاں سن کر وہ چاروں اوپر کو بھاگے تھے۔

''یا اللہ......'' تکلیف کی شدت سے وہ سخت کراہ رہی تھی۔

''کیا......کیا ہوا؟'' آمنہ نے فوراً بیٹھ کر اس کا کندھا تھاما۔

''نظر نہیں آ رہا گر گئی ہوں......ہائے میرا پیر......ہائے امی جی......'' عمر نے ایک گہرا سانس لیا جبکہ خاور بھائی اسے شدت سے کراہتے دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

''لگتا ہے کافی چوٹ آئی ہے۔'' اس کے بازو اور کہنیاں بُری طرح چھل چکی تھیں۔ خون کی بوندیں سفید ہو قمیص پر فوراً نشان چھوڑ چکی تھیں۔

''بلی کی طرح ادھر سے ادھر کودنے والی تمہاری عادت اسی طرح ہے۔ اسی طرح کسی دن ٹانگ تڑوا کر لولی لنگڑی ہو کر بیٹھو گی۔'' عمر بھی کہے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ پہلے ہی درد سے بے حال ہو رہی تھا اسے خونخوار کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ آنسو بھری نگاہیں، ایک پل کو عمر سٹپٹایا تھا۔

''آپ کو کیا تکلیف ہے، ٹانگ تڑواؤں یا بازو۔ میرے معاملے میں بولنے کی ضرورت نہیں، بڑے آئے کہیں کے۔ ہائے امی جی......'' انتہائی غصے سے روتے اس نے جواب دینا بھی فرض سمجھا تھا۔

''عمر بھائی سے کیوں خفا ہو رہی ہو، اُٹھو نیچے چلو۔ نیچے چل کر دیکھتے ہیں پاؤں میں موچ آ گئی ہے، امی کو کہتی ہوں کچھ باندھ دیں گی۔'' وہ پھسکڑا مارے چھت پر بیٹھی ہوئی تھی، دونوں سلیپر ادھر سے اُدھر گرے ہوئے تھے۔ آمنہ کے سہارے سے اس نے اُٹھنے کی کوشش کی۔

''دھیان سے اتنی اونچائی سے گری ہو، ہوسکتا ہے پاؤں ٹوٹ نہ گیا ہو۔ کمزور سا پاؤں یہ من بھر کا وزن بھلا کیسے سہار پائے گا۔'' عمر نے پھر چھیڑا۔ اس کی بھیگی بھیگی پلکیں عجیب انداز میں اٹریکٹ کر رہی تھیں۔

''آپ میرے معاملے میں مت بولیں۔'' اس نے بدتمیزی سے کہا، وہ ہنس پڑا۔

''بُری بات مریم! ایسے نہیں بولتے۔ عمر بھائی تم سے بڑے ہیں۔'' وقار نے بھی اس کا بازو تھام کر کہا۔

''بڑے ہیں تو بڑے بن کر رہیں۔ کسی دن میری زبان کھل گئی تو بہت پچھتائیں گے۔'' وہ اسی شخص سے بچ کر نکلی تھی اور اب یہ مصیبت مول لے چکی تھی۔ عمر پر جتنا بھی غصہ کرتی کم تھا۔ وہ دونوں کے سہارے چلتی نیچے آئی تو امی اسے دیکھ کر چونکیں۔

''کیا ہوا؟''

''یہ ساتھ والی دیوار سے گری ہے۔ لگتا ہے پاؤں ٹوٹ گیا ہے۔'' عمر ہی بولا تھا۔

''اللہ نہ کرے۔'' اس نے ایک دم دہل کر کینہ توز نظروں سے عمر کو دیکھا۔

آمنہ اور امی اب تسلی سے اس کے پاؤں کا جائزہ لے رہی تھیں، فوزیہ اس وقت گھر کے دوسری طرف بنی اکیڈمی میں ہوتی تھی ابو جی آفس میں۔ خاور بھائی وقار اور عمر ارد گرد کھڑے کوئی نہ کوئی لقمہ دے رہے تھے۔

''ہزار مرتبہ کہا ہے کہ سیدھے رستے سے آیا جایا کرے، مگر میری یہاں سنتا کون ہے؟'' سات آٹھ فٹ اونچی دیوار کودنے پھلانگنے کی بھلا ضرورت ہی کیا ہے؟'' امی اب خفا ہو رہی تھیں اور وہ آنسو بہا رہی تھی۔ پاؤں کی تکلیف ایک دم بڑھ گئی تھی۔

''کیا بہت زیادہ چوٹ لگی ہے؟'' اس کے رونے سے ان کا دل پسیجا تو اس کا پاؤں تھاما جو خاصا سوج گیا تھا۔

''لگتا ہے ہڈی انجرڈ ہوگئی ہے، ڈاکٹر کو دکھانا پڑے گا۔'' خاور بھائی بھی بولے تو اس کے رونے میں مزید اضافہ ہوا۔

''اللہ خیر کرے، اس وقت اس کے ابو بھی گھر پر نہیں، واقعی کوئی ہڈی وڈی ٹوٹ گئی تو؟'' وہ پریشانی سے گویا تھیں اور مریم بی بی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہوگئی تھیں۔ تکلیف سے زیادہ اب ہڈی ٹوٹ جانے کا خوف رُلا رہا تھا۔ عمر کا دل ایک دم پسیجا۔ اس کی آنکھوں کی نمی تو ویسے ہی برداشت نہیں ہو رہی تھی اب تو اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''چچی جان! ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں بائیک ہے میرے پاس۔'' فوراً آفر کی اس نے تڑپ کر سر اُٹھایا۔

''میں نہیں جا رہی کہیں ...... کسی بھی بائیک پر۔''

''تو تمہارے لیے کوہ قاف سے شاہی سواری منگوائیں۔'' امی نے طنز سے گھورا۔

''عمر تم بائیک نکالو، پاؤں بہت سوج گیا ہے آمنہ کوئی کپڑا باندھ دو، اس پر اس لڑکی کی کوئی کل سیدھی نہیں۔ بیٹھے بٹھائے مصیبت کھڑی کر دیتی ہے۔''

''اونٹنی جو ہوئی۔'' عمر کے اس نے لمبے قد پر چوٹ کی۔ اس نے لب بھینچ لیے آمنہ نے بھاگ کر اندر سے لان کا دوپٹہ لا کر اس کے پاؤں پر باندھا۔

''آمنہ! میری چادر اور پرس لا دو۔ وقار سہارا دے کر باہر لاؤ اسے۔'' امی نے گویا حکم جاری کیا تھا۔

''میں نہیں جا رہی کسی بائیک پر۔'' اس نے آنکھیں صاف کرتے انکار کیا تو عمر نے اسے دیکھا، وہ تکلیف کے باوجود خاصی

سنجیدہ تھی۔

''گاڑی گھر پر ہی ہے، میں لے چلتا ہوں، چچی جان!'' خاور بھائی نے اس کے انکار پر فوراً کہا تو اس نے فوراً سر ہلایا۔ عمر کی نسبت گاڑی کا سفر آرام دہ تھا۔

''ٹھیک ہے۔''

''میں گاڑی نکالتا ہوں آپ لے آئیں۔'' خاور بھائی کہہ کر چلے گئے تو اس نے اپنی طرف خاموشی سے تکتے عمر کی جانب سے منہ موڑ لیا۔

''میری چادر لا دو آمنہ!'' امی نے اندر کی طرف منہ کر کے آمنہ کو کہا۔

❖ ❁ ❖

خاور بھائی اسے حافظ آباد کے مشہور ہڈی جوڑ والے کے پاس لے کر آئے تھے۔ وہ جو سب کو ڈر تھا کہ پاؤں کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی اس سے خاصی بچت رہی تھی۔ ہڈی تو نہیں ٹوٹی تھی تاہم پاؤں کی جلد اندر سے خاصی گہری پھٹ گئی تھی۔ ہڈی جو اسپیشلسٹ نے پاؤں کا معائنہ کر کے تین چار جھٹکے دیئے تو اس کی چیخیں نکل گئیں۔ اس کے بعد پاؤں پر لکڑی کی سلائٹر ز (پھٹیاں) جوڑ کر اوپر پٹی باندھ کر دوائی دے کر چند دن بیڈ ریسٹ کی تاکید کے ساتھ رُخصت کر دیا تھا۔

آج کل مریم صاحبہ مکمل طور پر بیڈ ریسٹ پر تھیں۔

صبا اسی شام آ گئی تھی، ایک دو دن عیادت کرنے والے آتے رہے، آج اسے بستر پر دراز چوتھا دن تھا۔

وہ خاصی بیزار اور اُکتائی ہوئی تھی اس سزا سے۔ امی جی نے ٹی وی اس کے کمرے میں رکھوا دیا تھا۔ موبائل فون کے علاوہ اس کے بستر پر رسالوں میگزینز کا ایک ڈھیر لگ چکا تھا مگر آخر کب تک ان چیزوں سے جی بہلاتی۔ وہ بہت زیادہ اُکتا گئی تو صبا کو بلوا لیا۔ وہ اس دن سے کئی بار آ چکی تھی اور جب بھی آتی تھی ضرور چھیڑتی تھی۔ اب بھی اندر داخل ہوتے ہی وہ نان سٹاپ شروع ہو چکی تھی۔

''اور عمر بھائی سے بچ کر بھاگتیں۔ لگتا ہے بڑے دل سے بددُعا دی تھی انہوں نے۔ جو ڈائریکٹ باریاب ٹھہری۔ اب وہ محترم جب بھی آئیں گے تمہارے دیدار کے لیے انتظار کرنا پڑے گا۔ محترمہ سامنے ہی بستر پر دراز ملیں گی۔ پیاری آنکھیں دید سے سیراب ہوں گی۔''

''شٹ اپ!'' اُس نے ہاتھ میں پکڑا رسالہ کھینچ مارا۔

''ہائے ظالم مار ڈالا...... یہ تو وہی بات ہوئی۔''

ہم نے چاہا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد
وہ بھی کم بخت تیرا چاہنے والا نکلا

وہ آنکھوں میں بے پناہ شرارت لیے اس کے پاس ہی بستر پر ٹک گئی۔

''ہم ما بدولت کو کیوں بلوا لیا شہزادی صاحبہ نے۔''

''اگر تم نے یہ ساری بکواس کرنی ہے تو ایک منٹ میں دفع ہو جاؤ۔'' اس نے انگلی اُٹھا کر وارن کیا۔
''خوامخواہ......'' اس نے ہاتھ سے مکھی اُڑائی۔
''اللہ تم جیسی ظالم دوست کسی دشمن کو بھی نہ دے۔ اتنا نہیں کہ میرے زخموں پر مرہم رکھو، اُلٹا نمک پاشی کرنے لگیں۔ میں ہی کم فہم تھی جو تمہیں اصل بات بتا دی۔ ایک وہ ردا صاحبہ ہیں جب بھی فون کرتی ہیں میرے کان کھا جاتی ہیں۔''
''ویسے ان تین چار دنوں میں کتنی دفعہ چکر لگا چکے ہیں تمہارے عزت مآب عمر صاحب!'' وہ کہاں ہارنے والی تھی اس بکواس پر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا سوائے رسالوں اور میگزینز کے کوئی بھاری چیز نظر نہ آئی۔
''اگر تم نے مزید اس شخص کا ذکر کیا تو میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔'' انداز پھاڑ کھانے والا تھا۔
''اللہ رحم کرے مجھ ناتواں پر...... ویسے یہ تم عمر بھائی کے ذکر سے اتنا بدکنے کیوں لگتی ہو۔''
وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی مریم نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ صبا اس کے انداز پر ایک دم سنجیدہ ہوگئی۔
''او کے یار! یہ صرف مذاق تھا، تمہیں تنگ کر رہی تھی یار! سمجھا کرو۔'' اس نے ایک سنجیدہ سی نگاہ اس پر ڈالی۔
''ویسے میرے پاس ایک بڑی فنٹاسٹک سی خبر ہے۔ اگر سنو تو تمہیں بھی ہزار والٹ کا جھٹکا لگے گا۔''
''کیسی خبر......؟''
''مجھے پتا چل گیا ہے کہ خاور بھائی کس لڑکی کو پسند کرتے تھے بلکہ ابھی بھی کرتے ہیں اور وہ کون ہستی ہیں جس کی وجہ سے ان کی مسلسل امی جی سے ناراضی چل رہی ہے۔'' وہ مزے سے بتا رہی تھی اور مریم کے کان کھڑے ہو گئے۔
''کیا......واقعی......؟''
''جی جناب! سو فیصد یقین کے ساتھ......'' اس نے فرضی کالر اکڑائے۔
''کون ہیں وہ......اور تمہیں کیسے علم ہوا؟'' پل میں تمام خفگی ہوا ہوگئی تھی۔
''وہ ہستی کوئی اور نہیں فوزیہ آپی ہیں۔'' اس نے مزے سے انکشاف کیا تھا اور مریم وہ تو حیرت سے ساکت رہ گئی تھی۔
''کیا؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔
''شروع میں تو مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا اور پھر جب غور کیا تو سب واضح ہوتا چلا گیا۔''
''تمہیں کیسے پتا چلا؟ کیا خاور بھائی نے اپنے منہ سے فوزیہ کا نام لیا تھا۔''
''نہیں......بہت گہرے ہیں بھائی۔''
''تو پھر تمہیں کیسے پتا چلا؟''
''یہ بھی ایک قصہ ہے......کہانی کچھ یوں ہے کہ تم فون پر مجھ سے مسلسل رابطہ کیے ہوئے تھیں، آپی فوزیہ کے لیے آنے والے چند ایک پروپوزلز کا جو تم نے مجھے بتایا تھا ایک دن خاور بھائی کی کال آئی تو سرسری سا تم لوگوں کا ذکر کیا تو فوزیہ آپی کا بھی ذکر چل نکلا یونہی باتوں ہی باتوں میں فوزیہ آپی کے سلسلے میں آنے والے پروپوزلز کا بتا دیا۔ وہ ایک دم پریشان ہو گئے یکسر خاصے گھبرا گئے پھر لگے اُلٹے سیدھے سوال کرنے، میں اُلجھ گئی، جو مجھے علم تھا کہہ سنایا......ساتھ یہ بھی کہا، ہوسکتا ہے میرے گھر واپس

جانے تک کہیں بات فائنل ہو چکی ہو۔'' اس نے سناتے ہوئے ذرا توقف کیا۔

''تو پھر......؟'' مریم کا تجسس سے بُرا حال تھا۔

''ٹھٹک تو میں گئی تھی، خاور بھائی جو امی سے ناراض تھے، امی کے بار بار کہنے پر بھی گھر نہیں لوٹ رہے تھے۔ اگلے دن ہی گھر فون کرنے پر مجھے اطلاع ملی کہ وہ گھر آ گئے ہیں تو میں نے بھی فوراً واپس آنے کا پروگرام بنالیا مگر ماموں کی مصروفیت کی وجہ سے ایک دو دن لیٹ ہو گئی اور گھر آتے ہی خاور بھائی نے لائن حاضر کرلیا۔ میں جو پہلے ہی ٹھٹک گئی تھی اب مکمل طور پر متوجہ ہوئی وہ مجھے ڈانٹ رہے تھے کہ میں نے غلط بیانی کیوں کی۔ ان کی کہیں کوئی بات طے نہیں ہوئی۔ بس اس سارے غصے سے میں نے یہی اخذ کیا کہ وہ فوزیہ آپی کو پسند کرتے ہیں مگر امی کی وجہ سے چپ ہیں۔ ہوسکتا ہے امی بھی بھائی کی پسندیدگی سے باخبر ہوں۔''

مریم کو اس دن خاور بھائی کی گفتگو، آنٹی کا رویہ، خاور بھائی کو دیکھ کر فوزیہ کا بطورِ خاص حوالہ دے کر طنزیہ گفتگو کرنا، یاد آیا......تو یہ سلسلہ تھا اس نے گہرا سانس لے کر سرہانے سے کمر ٹکائی۔

''چلو یہ بات مان بھی لیتی ہوں کہ وہ فوزیہ کو پسند کرتے ہیں مگر اب کیا ہوسکتا ہے، تمہاری والدہ صاحبہ کی گردن میں سریا فٹ ہے، دولت نے خاصا مغرور بنا ڈالا ہے۔ دوسرا یہ کہ خاور بھائی کی منگنی ہو چکی ہے اب اس انکشاف کا کیا فائدہ؟''

اپنی ماں کے بارے میں مریم کے منہ سے اتنے نادر خیالات سن کر اس نے مریم کو گھورنا چاہا مگر وہ اس طرح سنجیدہ چہرہ لیے بیٹھی رہی تو اس نے تبھی گہرا سانس لیا۔

''یہی تو رونا ہے امی کے خیالات خاصے اونچے ہیں۔ وہ اونچے گھر کی امیر کبیر حُسن و جمال میں بے مثال بہولانا چاہتی ہیں جبکہ ابو اور بھائی کے خیالات یکسر مختلف ہیں۔'' اس نے ذرا وقفہ کیا۔

''اگر ابو کو بھائی کی پسند کا پتا چل جائے نا تو وہ سب سنبھال لیں گے۔'' اگلے ہی لمحے کچھ پُرجوش ہو کر اس نے کہا۔

''مگر تمہاری والدہ صاحبہ کے خیالات تو نہیں بدلیں گے۔ مجبوراً تمہارے ابو اور بھائی کے کہنے پر وہ فوزیہ کے لیے راضی بھی ہو جائیں تو بھی میری والدہ صاحبہ ان کے غرور کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکیں گی۔ ان میں بھی بلا کی اَنا اور ضد ہے اور تمہاری والدہ صاحبہ گاہے بگاہے جس طرح طنزیہ گفتگو فرماتی رہتی ہیں وہ سب بھی ہمیں بھولا نہیں۔'' اس نے اسے فوراً آئینہ دکھایا۔ صبا کا منہ بن گیا۔

''تو پھر تم ہی کوئی آئیڈیا دونا۔ امی کی بھانجی کرشمہ بی بی مجھے قطعی پسند نہیں۔ شکل و صورت میں بس بیوٹی بکس کا کمال ہے یا دولت کی چکا چوند ہے۔ یار! ہمیں ایک سلجھی، سلیقہ مند اور وفا شعار لڑکی چاہیے نہ کہ ماڈل۔'' اس نے منہ بنا کر اپنا مسئلہ کہا۔ مریم نے کندھے اچکا دیئے۔

''ایم سوری ہمیں اپنی عزت بہت پیاری ہے اور تمہاری والدہ صاحبہ سدا کی ہلاکو خان۔ میں تو خیر منہ پر جواب دے آتی ہوں مگر فوزیہ اور آمنہ میں یہ عادت نہیں ہے۔ ہمیں تو بی بی معاف ہی رکھو، ایک خاور بھائی کی وجہ سے اپنی نازوں پلی پیاری بہن کو کنویں میں نہیں دھکیلنا ہمیں۔''

''دفع ہو جاؤ ایک تو میں تمہاری بہن کے بھلے کے لیے سوچ رہی ہوں، اوپر سے ہمیں ہی لعن طعن کر رہی ہو۔ اب تم آنا اپنا

کوئی دُکھڑا لے کر میرے پاس۔'' وہ فوراً خفا ہو کر کھڑی ہوگئی مریم ہنس دی۔

مدعی لاکھ بُرا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

''تو مائی ڈیئر فرینڈ! پہلے کنفرم کر لو کہ تمہارے بھائی صاحب واقعی ہماری فوزیہ کو پسند کرتے ہیں۔ ڈائریکٹ ہاں کہلواؤ پھر میرے پاس آنا۔ شک کے گھوڑے دوڑانے کا کوئی فائدہ نہیں میری جان! تمہاری والدہ کو بُرا بھلا نہیں کہہ رہی حقیقت بیان کر رہی ہوں اگر خاور بھائی سیریس اور سنجیدہ ہوئے تو ہم کوئی حل بھی سوچیں گے، آگے اللہ کی مرضی۔''

''تم نہ مانو مگر مجھے یقین ہے میرا شک درست ہے، رہی کنفرم کرنے کی بات تو وہ بھی شام تک کر لیتی ہوں پھر بھاگنا نہیں، مل کر پلاننگ کرنی ہوگی، ہمیں کرشمہ کو بدظن کرتے ہوئے امی کو ان کے رشتہ داروں کے خلاف نہیں بلکہ خاور بھائی کی رسائی فوزیہ آپی تک ممکن بنانا ہوگی۔ یہ کیسے کرنا ہے دونوں مل کر طے کریں گے تب تک خاور بھائی کا اقرار بھی لے آتی ہوں۔ اوکے چلتی ہوں پھر ملیں گے ایک چھوٹے سے بریک کے بعد۔'' وہ ہاتھ ہلاتی کمرے سے نکل گئی، تو وہ پُرسوچ نظروں سے اسے جاتا دیکھے گئی۔

❖ ❁ ❖

صبا دوبارہ آئی تو خاور بھائی کی فوزیہ سے متعلق پسندیدگی کی تمام رپورٹ تیار کر رکھی تھی۔

''گھر جاتے ہی میں نے سیدھا خاور بھائی کو جالیا تھا، میں نے ڈائریکٹ بات کی تھی وہ لگے ٹالنے، میں نے بھی سنا ڈالیں تمہیں اور فوزیہ آپی کو بتا دینے کی دھمکی دی تو اقرار کرتے ہی بنی۔ بقول ان کے کہ وہ فوزیہ آپی کو شروع سے ہی پسند کرتے تھے، امی سے کئی بار ذکر بھی کیا مگر اپنے سے کم تر لوگوں میں رشتہ کرنے پر قطعی راضی نہ ہوئیں بھلے وہ ہمارے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ انہوں نے زور دیا تو امی نے دھمکی دی کہ اگر انہوں نے ضد کی تو وہ فوزیہ آپی اور چچی بیگم کے گھر جا کر انہیں سنا دیں گی کہ ویسے تو بڑی نیک پارسا بنتی ہیں مگر بیٹی کو کھلا چھوڑ دیا ہے کہ دوسروں کے لڑکے پھانسے۔ یہ تم لوگوں کی کردار کشی ہی نہ تھا عزتِ نفس پر بھی حملہ تھا۔

خاور بھائی فوزیہ آپی سے حقیقی محبت کرتے ہیں اور فوزیہ آپی تو قطعی بے خبر تھیں، پھر وہ بھلا ان کی بے عزتی کیسے گوارا کر لیتے، ناراض ہو کر ڈیوٹی پر چلے گئے امی نے اپنی ضد منوائی۔ کرشمہ سے منگنی کر ڈالی وہ اب بھی فوزیہ آپی کو دل و جان سے چاہتے ہیں مگر ان کی عزت کا خیال پسندیدگی کے جذبات پر حاوی ہو جاتا ہے تو بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ ہے سارا قصہ مختصر۔''

''ہوں......'' وہ بھی خاور بھائی کے جذبات سے متاثر ہوئی۔

''کیا پلاننگ ہے پھر؟'' وہ دونوں سر جوڑے بیٹھ گئی تھیں۔

کتنی دیر تک دونوں مختلف تجاویز دیتی اور رد کرتی رہیں پھر ایک فیصلے پر دونوں متفق ہو ہی گئیں۔

''آئیڈیا تو اچھا ہے کل سے ہی کام شروع کر دیتی ہوں۔'' صبا خاصی پُرجوش تھی۔

''مگر دھیان سے کہ تمہاری امی کو شک نہ ہو۔ اس طرح کام کرنا ہے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ تمہاری امی کو قطعی پتا نہ چلے کہ کرشمہ سے منگنی توڑنے میں ہمارا ہاتھ ہے۔ انہیں اس طرح بدظن کرنا ہے کہ تمہاری والدہ محترمہ کو اپنے فیصلے پر صرف شرمندگی ہی ہو۔'' اس نے خصوصی ہدایات جاری کی تھیں۔

''او کے باس......'' صبا مسکرا دی۔

''اور یہ فوزیہ آپی کے پروپوزلز والا معاملہ تم سنبھال لوگی نا؟''

''اس کی فکر مت کرو۔'' مریم مطمئن تھی۔

''یہ خاور بھائی اس دفعہ کچھ زیادہ دن نہیں رہ لیے چھٹی پر۔''

''نہیں......آج چھٹی ختم ہو رہی ہے ان کی، شام کو واپس جا رہے ہیں۔''

''اور یہ تمہارے پاؤں کا کیا حال ہے۔ کب تک پٹی اُتر رہی ہے اور بستر کب چھوڑو گی۔''

''ایک دو دن میں اُتر جائے گی۔'' اس نے اپنے پاؤں کو دیکھا۔ بیٹھے بٹھائے یہ مصیبت مول لے لی تھی۔ صبا ہنس دی اس کے چہرے کے زاویوں کو دیکھ کر۔

''یہ تو وہی بات ہوئی کہ

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

آئندہ عمر بھائی کے صبر و ضبط کو مت آزمانا، اس دفعہ تو بچت ہوگئی، اگلی دفعہ سیدھی ٹانگ ٹوٹے گی۔ ویسے دل سے دُعا نکلی ان کے۔'' وہ فوراً شرارت پر اُتر آئی تھی۔

''دفع ہو......'' وہ ہمیشہ کی طرح فوراً چڑ گئی تھی اور اس نے کھینچ کر ایک رسالہ اس کو مارا تھا جو اس کے منہ پر جا لگا اور کچھ زیادہ زور سے لگا تھا۔ وہ سارے کمرے میں ناچتی پھر رہی تھی، ساتھ والے کمرے میں پڑھائی میں مشغول پڑھا کو آمنہ غصہ سے اُٹھ کر دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔

''مسئلہ کیا ہے تم لوگوں کو؟ شور مچا رکھا ہے، ایک لفظ بھی پلے نہیں پڑ رہا اور تمہیں اپنے گھر چین نہیں پڑتا، ہر وقت ادھر دندناتی پھرتی ہو، تمہاری اماں کو ہمارا تمہارے گھر جانا تو بڑا چبھتا ہے، اپنی دختر نیک ذرا نظر نہیں آتی۔'' آمنہ کبھی کبھار اس طرح جرأت دکھاتی تھی اور اس کے الفاظ پر صبا تو صدمے سے کھڑی دیکھ رہی تھی مریم کو بھی ہنسی آنے لگی۔

آمنہ جس طرح تن فن کرتی آئی تھی چلی بھی گئی، صبا کا سکتہ قائم تھا۔

''یہ...... یہ آمنہ تھی......'' وہ بے یقین تھی۔

''نا......نا......رونا نہیں میری بہنا......اس نے ٹھیک تمہاری اماں کا ظلم گنوایا ہے۔ نہ جانے کب کا دُکھا دل تھا عین موقع پر پھٹا تھا۔'' مریم نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

''میں ہی احمق بیوقوف ہوں، جو تم لوگوں کی محبت میں دوڑی چلی آتی ہوں۔''

''دفع ہو......'' اس کا جملہ اب کے دہرا کر تن فن کرتی یہ جا وہ جا۔

جذبہ عشق سلامت ہے تو ان شاء اللہ
کچے دھاگے سے چلے آئیں گے سرکار بندھے

پیچھے سے مریم کے شرارتی شعر نے سیڑھیوں تک صبا کا پیچھا کیا تھا۔

❖ ❁ ❖

اس کے پاؤں کی پٹی اُتر چکی تھی۔ پاؤں کی مالش جاری تھی۔ابھی ڈاکٹر صاحب نے پاؤں پر بوجھ ڈالنے سے منع کیا تھا سو وہ ابھی تک بستر پر تھی۔ وہ کتاب لیے منہمک سی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''آ جاؤ بھئی......''اس کا خیال تھا کہ صبا ہوگی، اسے اپنے گھر میں چین نہیں پڑ رہا تھا، آج کل مگر عمر کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس کا منہ بن گیا۔کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ایک منٹ بھی سامنے نہ ٹھہرتی اس نے خاصی بیچارگی سے اپنے پاؤں کو دیکھا، جسے مالش کر کے امی نے کچھ دیر قبل کپڑے میں لپیٹا تھا۔

''سلام مسنون......مزاج بخیر......'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

''بخیر......بخیر......''منہ بنا کر اس نے کہا تو وہ ہنس دیا۔عیادت کرنے والوں کے لیے رکھی کرسی گھسیٹ کر وہ بیٹھ گیا تھا۔

''حساب چکانے میں تو تمہارا کوئی ثانی نہیں۔ کسی اور معاملے میں بھی یہ روایت برقرار رکھ لیا کرو۔''

''مثلاً......؟''اب وہ نازل ہو چکا تھا تو بھگتے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔کتاب بند کر کے وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

''مثلاً یہ کہ کبھی محبت کا جواب محبت سے بھی دے لیا کرو۔''اس نے غصے سے گھورا۔

''امی اور آمنہ باہر نہیں تھیں کیا؟''دوسرے معنوں میں اس کی موجودگی پر اعتراض کیا تھا۔

''کوئی خاتون آئی بیٹھی ہیں ایک دو رشتے لے کر آمنہ ان کی خاطر تواضع کر رہی ہے جبکہ فوزیہ پاس بیٹھی سن رہی ہے۔''

''اچھا......''رشتے کا سن کر وہ ایک دم پُر جوش ہوئی۔

''کیسے رشتے لے کر آئی ہیں؟''

''ماشاءاللہ! تم لڑکیاں صرف رشتوں کا سن کر ہی خوش ہو جاتی ہو۔کوئی مطلب کی بات کرو تو سر سے ہی گزر جاتی ہے۔''

''مائنڈ یو......یہ صرف ہم لڑکیوں کا ہی خاصہ نہیں جہاں ایک دو لڑکیاں کھڑی دیکھ لیں، آپ مردوں کی بھی رال ٹپکنے لگتی ہے۔کوئی گھاس ڈالے یا نہ ڈالے لسوڑے کی طرح لیس ہو جانا فرض سمجھتے ہیں۔''لڑاکا عورتوں کی طرح اس نے فوراً حساب بے باق کیا تھا۔

''تو پھر مانتی ہونا کہ کچھ نہ کچھ ذہنی مطابقت پائی جاتی ہے ہم دونوں میں۔''وہ چڑانے سے باز نہ آیا تھا۔

''ہونہہ......''اس نے سر جھٹکا۔

''زیادہ نا امید ہونے کی ضرورت نہیں ہے، رشتے والی ایک نہیں پورے دو رشتے لے کر آئی ہے۔کہیں نا کہیں تمہارا بھی کام بن جائے گا۔''

''میں کبھی خود سے نا امید نہیں ہوئی۔ جہاں بھی ہوگا بہت بہتر اور پرفیکٹ ہوگا۔''اس کے تیور ہنوز بگڑے ہوئے تھے۔عمر نے اس کے چہرے کی سرخی دیکھی۔

''تمہارے ان خیالات کو کیا سمجھوں؟''اچانک بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔

''سمجھنے کی کیا ضرورت ہے؟ جونظر آرہا ہے وہ کافی نہیں ہے۔'' وہ مطمئن اور پُراعتماد تھی۔

''تمہیں پتا ہے میں تمہارے معاملے میں بہت سیریس اور سنجیدہ ہوں۔''

''تو پھر......؟'' اس نے عمر کو براہِ راست دیکھا۔

''مریم! سیدھی سادی زندگی چل رہی ہے اس کو کیوں اُلجھا رہی ہو۔''

''میں اس سلسلے میں آپ سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتی، آپ براہِ مہربانی چلے جائیں۔'' دوٹوک انداز تھا، عمر نے بہت غصے سے اسے دیکھا۔

''میں تم سے کوئی فلرٹ یا ٹائم پاس نہیں کر رہا، سیدھا راستہ اختیار کیا تھا۔ اپنے بڑوں کے ذریعے بات پہنچائی تھی، میں تھرو آؤٹ پراپر چینل سے تم تک آنا چاہتا تھا، ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ اور بات ہے مگر میں نے قطعی کبھی تمہارے احساسات کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ دانستہ یا نادانستہ بہر صورت دونوں حالات میں، میں نے پوری کوشش کی کہ تمہارا احترام مجروح نہ ہو۔'' مریم اس کے انداز گفتگو سے ایک دم سٹپٹا سی گئی تھی۔ اس طرح براہِ راست اس نے کبھی اظہار نہیں کیا تھا اور اب بوکھلا گئی تھی کہ کس طرح اس صورتحال سے باہر نکلے۔

''تم نے ردا سے جو ساری بکواس کی وہ ایک طرف میں تم پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں تم سے کوئی اظہار یا اقرار نہیں چاہ رہا، تم چچی جان کی بے جا ضد اور انا کی وجہ سے جو جذباتی فیصلہ کرنا چاہ رہی ہو، اس کی وضاحت کر رہا ہوں کہ احمقوں کی طرح اگر ایک ہی بات پر ڈٹی رہو گی تو نقصان سراسر تمہارا ہی ہوگا۔ سمجھیں......'' وہ غصے سے کہہ کر اس پر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر کمرے سے نکل گیا تھا اور مریم وہ حیرت سے اس کا یہ غصیلا روپ دیکھ رہی تھی۔

❖ ✿ ❖

اس کا پاؤں ٹھیک ہو چکا تھا وہ پہلے کی طرح اب پھر بلی کی طرح اِدھر سے اُدھر گھومنا شروع ہو چکی تھی۔ صبا کی وجہ سے وہ اب دیوار تو نہیں پھلانگ رہی تھی البتہ دن میں ایک چکر اُدھر کا ضرور لگاتی تھی۔

اس وقت بھی دونوں چھت پر بیٹھی اپنا مشن خاص سر انجام دے رہی تھیں۔ صبا کے ہاتھ میں موبائل تھا اور وہ بڑی غمزدہ شکل بنائے مصنوعی آنسو بہاتے مکمل طور پر افسردہ تھی۔

''ہائے کیا بتاؤں آپ کو، کتنی مشکل سے آپ کا نمبر لیا ہے، میری تو زندگی برباد ہو گئی۔ وہ شخص اور اس کی ساری فیملی ہی ایسی ہے، دھوکے باز فریبی لوگ۔ نت نئے لوگوں سے اور خوبصورت امیر لڑکیوں سے رشتہ جوڑنا تو ان کا پُرانا مشغلہ ہے، میرے علاوہ بھی کئی لڑکیاں ہیں جو یہ سب جھیل چکی ہیں۔'' مریم نے وکٹری کا نشان بنا کر اسے سراہا، اس کی اداکاری کمال کی تھی۔ آواز بدل کر وہ بالکل مختلف ٹون میں مخاطب تھی۔

''ارے پوچھیے مت ان کی والدہ کس قسم کی عورت ہیں، دولت کے علاوہ تو کچھ نظر نہیں آتا۔ مجھے دیکھا تو خوش ہو گئیں اور مجھ سے بہتر ملی تو مجھے بے عزت کر کے اسے اپنا لیا۔ جھوٹ کیوں بولوں کئی لڑکیوں اور خاندان والوں کو ریجیکٹ کر کے آپ کو چنا ہے، میں نے سنا ہے آج کل آپ سے بہتر فیملی مل گئی ہے انہیں۔''

''میں کیسے یقین کرلوں کہ آپ جھوٹ نہیں بول رہیں؟ بھلا کیا مقصد ہے آپ کا مجھے یہ معلومات فراہم کرنے کا؟''
''بھئی واقعی میرا بھلا کیا مقصد ہوگا مگر سچی بات تو یہی ہے کہ میں نہیں چاہتی کہ میری طرح اب کوئی اور لڑکی برباد ہو۔ میں اپنا بدلہ لینا چاہتی ہوں اس عورت کو احساس دلا کر وہ کتنی مفاد پرست لالچی اور خودغرض ہے اور اس کا وہ بیٹا وہ ماں سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ اپنے آفیسرز کی بیٹیاں پھنساتا ہے۔ تبھی تو کبھی تم سے یا کسی سے رابطہ نہیں کرتا۔ ماں بہانے بناتی رہتی ہے کہ میرا بیٹا شرمیلا ہے، شریف ہے۔ اصل میں وہ کسی کو پسند کرنے لگا ہے وہ تم سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔ ورنہ جس طرح تم سے منگنی کو ایک سال ہو چکا ہے وہ رابطہ تو کرتا کوئی رسپانس دیتا۔''
''مائی گاڈ......ایسی سچویشن ہے دوسری طرف۔''
''تو اور کیا اس سے بھی خراب ترین حالات ہیں۔ پھر آپ نے اپنی مرضی کرنی ہے۔ میرا فرض تھا حالات سے آگاہ کرنا میں نے بتا دیا۔ اگر میری باتوں کا یقین نہیں آتا تو اپنی خالہ کے گھر آکر چند دن رہ کر دیکھ لیں۔ سب واضح ہو جائے گا۔'' وہ آخر میں اسے سوچنے کا موقع دینے کو جتا کر بولی۔
''اگر ایسی بات ہے تو میں کل ہی چکر لگاتی ہوں کرشمہ عام لڑکی نہیں ہے جسے وہ دھوکا دے لیں۔ اتنا بڑا جھوٹ اتنا بڑا فراڈ میری مام تو بہن کی محبت میں پاگل ہوگئی ہیں انہیں کچھ کہوں گی تو وہ کہیں گی مجھے کسی نے ورغلایا ہے۔'' اسپیکر آن ہونے کی وجہ سے مریم بھی سب سن رہی تھی، مسکرادی۔
''مجھے دھوکا دینا اتنا آسان نہیں۔ میں وہاں پہنچ کر آپ کو اطلاع کردوں گی۔''
''او کے......اللہ حافظ۔''
''اللہ حافظ......'' صبا نے موبائل بند کر کے ایک گہرا سانس لیا۔
آواز بدل کر ٹون چینج کر کے بولنا واقعی بڑا مشکل کام تھا۔ اس نے گہرے گہرے سانس لیے۔
''زبردست! اس کا مطلب ہے ہمارا پلان کامیابی سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اب تم نے یہ کرنا ہے کہ اپنی والدہ ماجدہ کو پمپ کرنا ہے۔ کرشمہ کی وہ خامیاں بھی اُٹھتے بیٹھتے گنوانی ہیں جو اس میں نہیں ہوں گی اور جب کرشمہ ادھر آئے گی تو تم نے بی جمالو کا کردار ادا کر کے اپنی ماں اور اس کو اکٹھا نہیں بیٹھنے دینا بلکہ صورتحال ایسی پیدا کر دینی ہے کہ تمہاری والدہ صاحبہ خود بخود اس کی عادات و اطوار سے بدظن ہو جائیں۔ رہ گئی کرشمہ بی بی اس کی بھی برین واشنگ خاصی ہو چکی ہے یقیناً اب وہ ساری حرکات سرانجام دے گی جو تمہاری والد حضور کو سخت ناپسند ہیں۔ دور کے ڈھول سہانے اب ساری حقیقت دونوں پارٹنر اپنی آنکھوں سے دیکھیں گی تو پھر راوی چین ہی چین لکھے گا۔'' اس نے نقشہ کھینچتے آخر میں ہاتھ جھاڑے۔
''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ ویسے اتنے دنوں سے فرضی ماریہ بن کر یہ جھوٹ بولنا بڑا مشکل کام رہا ہے، اپنے نامہ اعمال میں اتنے گناہ پہلے کبھی نہیں لکھوائے۔'' صبا کی بات پر وہ ہنس دی۔
''کوئی بات نہیں۔ اللہ معاف کردے گا، ویسے تم نے ان چند دنوں میں اپنی والدہ ماجدہ کی جو خوبیاں بیان کی ہیں اسے سن کر دل خوش ہو گیا ہے۔ یار تم اپنی والدہ کو کتنی اچھی طرح سمجھتی ہو۔'' آخر میں شرارت سے چھیڑا تو صبا نے گھور کر اسے تھپڑ کھینچ مارا۔

''بکومت۔''

''چلتی ہوں، امی کو شک ہوگیا کہ میں اس وقت اپنے کمرے میں نہیں تو وہ ہر وقت ادھر آنے کے جرم میں اُلٹا لٹکا دیں گی۔''

وہ جانے کو اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''کل ردا کی منگنی پر چل رہی ہو؟'' مریم نے بھی اُٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ظاہر ہے امی ابو جی جا رہے ہیں تو میں بھی جاؤں گی اور تم؟ ویسے بڑی زیادتی کر رہی ہو تم، ردا بہت ناراض ہو رہی تھی کہ تم اس کی کزن ہی نہیں عزیز از جان دوست بھی تھیں اب اس کی زندگی کے اتنے اہم موقعے پر بالکل غیروں والا رویہ اختیار کر رکھا ہے تم نے۔ آمنہ اور فوزیہ تو جائیں گی نا؟''

''ہوں...... وہ وقار کے ساتھ کل ہی چلی گئی ہیں۔ میں صبح امی جی کے ساتھ ہی جاؤں گی، کل آمنہ کا آخری پیپر تھا، دے کر آتے ہی وہ تایا ابو کے ہاں فوزیہ کو لے کر روانہ ہوگئی تھی۔ نجانے اتنے دن کیسے رُکی ہوئی تھی۔'' اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

صبا نے اسے دیکھا کچھ کہنا چاہا مگر پھر کبھی پر ٹال کر سر جھٹک گئی۔

''اچھی بات ہے پھر صبح میں تمہارے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔ امی جی اور ابو لوگ خود ہی بعد میں آجائیں گے۔'' اس نے فوراً پلان کیا تھا تو مریم نے اس کے فیصلے پر صاد کرتے گردن ہلا دی تھی۔

اگلے دن وہ دونوں صبح ہی آگئی تھیں ردا اس سے بہت سخت خفا تھی۔ اسے منتیں کرنا پڑیں تو تب کہیں جا کر وہ مانی مگر موڈ پھر بھی آف رکھا۔

تایا نے خاصا انتظام کر ڈالا تھا۔ اسلام آباد سے رمشاء باجی اپنی ساس اور نند کے ساتھ کل ہی آگئی تھیں۔ ردا کے ماموں اور خالہ کی فیملی بھی آچکی تھی اُس کے علاوہ ان دونوں کی مشترکہ پھوپھیاں بھی آگئی تھیں۔ تایا کے گھر میں خاصی رونق تھی۔ کھانے پینے کا انتظام ریڈی میڈ تھا۔ تین بجے کے قریب لڑکے والے بھی پہنچ گئے تھے۔ مریم کو وہ فیملی اچھی خاصی لگی۔

ردا دلہن بن کر بہت بچ رہی تھی۔ رسم کے بعد کھانے کا دور چلا تھا، یہ ہنگامہ شام تک جاری رہا تھا۔ چونکہ ردا کے سسرال والے دور سے آئے تھے، سو رات نو بجے کے قریب رخت سفر باندھا تھا، اپنی گاڑیاں تھیں سو تایا لوگوں کے رات رُک جانے کے مشورے کو ٹال گئے تھے اور ان لوگوں کے رُخصت ہوتے ہی باقی رشتہ دار بھی جانا شروع ہوگئے تھے۔

صبا کی والدہ اور والد چلے گئے تھے جبکہ صبا کو ردا نے زبردستی روک لیا تھا ادھر سے یہ تینوں ہی رُک گئی تھیں جبکہ وقار امی اور ابو چلے گئے تھے۔ مریم نے کئی بار جانا چاہا تھا مگر ردا کی دھمکیوں باقی لوگوں کے اصرار کے آگے اس کی ایک نہ چلی تھی۔

اور اس وقت وہ سب ردا کے کمرے میں دھما چوکڑی مچائے ہوئے تھے۔ ہر کوئی ردا کے سسرال والوں پر کمنٹس پاس کر رہا تھا اور ردا شرمائی لجائی سب کی باتیں سن رہی تھی۔

''ویسے سسرال تو بہت اچھی ہے، مجھے بہت پسند آئی ہے تمہاری سسرال۔'' صبا جو اتنا سارا کھانا دیکھ کر کچھ بھی نہ کھا پائی تھی اب پلیٹ تھامے قورمہ اور بریانی تناول فرما رہی تھی۔

''لڑکا تو اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ تصویر تو دیکھی تھی نا۔'' رمشاء باجی نے کہا۔
''ہوں...... کمال کی شخصیت ہے۔'' آمنہ نے فوراً سر ہلایا تھا۔
''کمال کی نہیں اسجد صاحب کی شخصیت کہو۔'' کھاتے ہوئے صبا نے لقمہ دیا۔ آمنہ نے ''ہونہہ'' کہہ کر سر جھٹکا۔
''مجموعی طور پر فنکشن بہت اچھا اور شاندار تھا خصوصاً منگنی کا کھانا۔ یار! قورمہ تو بہت ہی لذیذ ہے اور بریانی کی کیا بات ہے۔'' صبا نے پھر ٹانگ اڑائی تھی۔
''تمہیں کیا ہوا ہے؟ بڑی چپ بیٹھی ہو مریم صاحبہ! تمہاری کسی سے لڑائی ہوگئی ہے کیا؟'' رمشاء باجی کا بالکل خاموش بیٹھی مریم کی طرف دھیان ہوا تو ٹوکا۔
''اس نے آج کل چپ شاہ کا روزہ رکھا ہوا ہے اسے مت چھیڑیں۔ یہ منگنی پر آ گئی ہے یہ بھی بڑا غنیمت سمجھیں۔'' ردا نے ناراضی سے جتایا۔
''ہیں یہ کیا معاملہ ہے؟'' رمشاء باجی نے تعجب سے اسے دیکھا۔
''کوئی معاملہ نہیں۔ بس یونہی موڈی ہو رہی ہے آج کل۔'' فوزیہ جو حریم کے احساسات سے باخبر تھی اس نے ٹالا۔
''پھر بھی کوئی وجہ تو ہو نا؟''
''موڈ نہیں ہے محترمہ کا اور موڈ ایک منٹ میں بناتی ہوں میں آج ڈھولک منگوائیں اگر ہمیں زبردستی روکا ہے تو اب بور مت کریں۔ آج رُت جگا منائیں گے۔'' صبا جو کھانے سے فارغ ہو چکی تھی وہ فوراً قالین پر فوزیہ، آمنہ کے درمیان آ بیٹھی تھی۔
''زبردست...... آئیڈیا اچھا ہے۔ ڈھولکی کا کیا ہے ابھی منگوا لیتے ہیں۔'' رمشاء باجی فوراً تیار ہوگئی تھیں۔
اور پھر تھوڑی دیر بعد سکندر نے کہیں سے ڈھولک لا دی تھی اور اب سب چھوٹے بڑے کمرے میں بیٹھے ڈھولک کے جائز ناجائز استعمال سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ایسے ماحول میں مریم خود کو بہت دیر لاتعلق نہیں رکھ پائی تھی۔ صبا ڈھولک بجا رہی تھی، آمنہ چمچہ اور باقی لوگ تالیاں پیٹ رہے تھے۔ سکندر فارم میں آ کر بھنگڑا ڈال رہا تھا جبکہ باقی سب کے قہقہے چھت پھاڑ تھے۔ دادی دونوں پھوپھیاں ان کے بچے تایا، تائی، عمر سبھی ادھر ہی تھے۔

ڈھولک میں تال ہے پائل میں چھن چھن
گھونگھٹ میں گوری ہے سہرے میں ساجن
جہاں بھی یہ جائیں بہاریں ہی چھائیں
خوشیاں ہی پائیں میرے دل نے دُعا دی
میری دوست کی شادی ہے
ہماری دوست کی شادی ہے

صباح اور مریم کی مشترکہ آواز نے گیت کا حُسن دوبالا کر دیا تھا اور سب نے تالیاں پیٹ پیٹ کر خوب داد دی۔
''اچھا وہ والا گاؤ نا؟'' رمشاء باجی کی نند نے گانا مکمل ہونے پر کہا۔

''کون سا؟'' اس نے صبا کے کان میں کہا تو اس نے ڈھولک کی لے بدلی۔

''تجھ کو ہی دلہن بناؤں گا

ورنہ کنوارہ مر جاؤں گا

دونوں نے مل کر تان اُڑائی تو سکندر مریم کو دھکیل کر درمیان میں آ بیٹھا۔

''کیا ہے؟''

''یہ گانا میں بھی گاؤں گا۔'' مریم کی گھوری پر کہا گیا۔

''یہ منہ اور مسور کی دال۔'' اس نے لتاڑا۔

''جا کے جوگن بن جاؤں گی

سنگ تیرے نہ میں آؤں گی

سب سے میں یہ کہہ جاؤں گی

تجھ کو نہ دولہا بناؤں گی

چاہے کنواری مر جاؤں گی

دوسُریلی آوازوں میں ایک مردانہ آواز سے گیت درمیان میں ہی رہ گیا تھا اور سب ہنس دی تھیں جبکہ عمر مریم کے جھلملاتے چمکتے چہرے کو تکتے گیا۔

''سکندر باز آجاؤ ورنہ مار کھاؤ گے۔'' رمشاء باجی نے ٹوکا۔

''نہ جی میں دلہن کا برابر کا بھائی ہوں۔ ساتھ ساتھ گاؤں گا۔''

''کوئی بات نہیں رمشاء باجی! بیٹھنے دیں ابھی اس کی بھی شامت لے آتے ہیں۔'' مریم جس کا موڈ بہت فریش ہو چکا تھا، رمشاء باجی سے کہہ کر صبا کے کان میں کچھ کہنے لگی اور پھر دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسی تھیں۔

''یہ سازش میرے خلاف ہوئی ہے نا؟'' اس نے پوچھا جبکہ ادھر کون متوجہ تھا۔

''نہیں دلہن کے بھائیوں کے خلاف۔'' صبا نے ڈھولک بجائی تو مریم نے شرارت سے سکندر کو دیکھا۔

''وہ تو عمر بھائی ہیں۔'' اس نے دہائی دی مگر سنتا کون؟

ہم سب منگنی پر آئے شاوا

یہاں پر لڑکے دیکھے شاوا

کچھ تھے کالے کلوٹے شاوا

کچھ تھے لنگڑے لولے شاوا

ہم نے جو غور سے دیکھا شاوا

وہ تو لڑکی کے بھائی نکلے شاوا

شاوا بھئی شاوا، شاوا بھئی شاوا

چاروں طرف سے ہنسی کا ایک فوارہ پھوٹ پڑا تھا، عمر بھی بے اختیار ہنس دیا۔

''عمر بھائی دیکھ رہے ہیں۔'' سکندر نے عمر کو مخاطب کیا۔

''یہ زیادتی ہے، میں اپوزیشن کی طرف سے شدید احتجاج کرتا ہوں۔'' سکندر دہائیاں دے رہا تھا مگر ادھر پرواہ کسے تھی۔

''ہم منگنی پر آئے شاوا
یہاں پر لڑکے دیکھے شاوا
کچھ تھے غنڈے لوفر شاوا
ہم نے غور سے جو دیکھا شاوا
وہ تو اپوزیشن والے نکلے شاوا
شاوا بھئی شاوا ، شاوا بھی شاوا

عمر تو ایک طرف سکندر خود بے اختیار ہنس دیا تھا۔ اس کے بعد رات گئے تک ڈھولک بجتی رہی تھی، عمر نے کئی بار مریم کے ہنستے مسکراتے چہرے کو دیکھا اور پھر مسکرا دیا اور رات بہتی چلی گئی۔

❖ ❁ ❖

ابھی ردا کی منگنی سے فراغت ہی نصیب ہوئی تھی کہ ٹھیک تین دن بعد رشتہ کروانے والی کا فون آ گیا کہ وہ چند لوگوں کو لے کر آنے والی ہے۔ لڑکا نیک تھا، معقول لوگ تھے امی جی کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گھر میں امی نے فوراً ایمرجنسی نافذ کر ڈالی تھی، صفائی ستھرائی کھانے پینے کے انتظامات وقار کی بازار اور بیکری دوڑ فوزیہ سخت اُکتائی ہوئی تھی تو مریم اس نئی افتاد پر بے چین تھی، آج کل صبا کی کزن کرشمہ صا حبہ خالہ کے گھر آئی ہوئی تھی اور اس کی انٹری ادھر منع تھی، بقول صبا کے کھیل وائنڈ اپ ہونے والا تھا، وہ دونوں طرف سے بھرپور انداز میں کھیل رہی تھی۔ کرشمہ بی بی اور صبا کی والدہ کی اپنی اپنی جگہ دونوں کی ایک دوسرے سے ٹھن چکی تھی۔ وہ ایک منہ پھٹ بدتمیز بگڑی ہوئی کرشمہ کو دیکھ کر حیران و پریشان ہو رہی تھیں تو دوسری طرف کرشمہ صا حبہ نا معلوم ماریہ نامی لڑکی کی فون کالز سے ملنے والی ہدایات پر عمل کرتے اپنے امیر کبیر ہونے کا رُعب و دبدبہ جمانے کے چکر میں خالہ کی اصلیت ظاہر کرتے کرتے ان کی نگاہوں سے آؤٹ ہوتی جا رہی تھی۔ بس فائنل راؤنڈ رہ گیا تھا آج کل سیمی فائنل چل رہا تھا اب جبکہ کامیابی کے امکانات روشن تھے ایسے میں رشتہ......مریم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

شام کو وہ مہمان آ گئے تھے فوزیہ بددلی سے امی کی ہدایت پر تیار ہو گئی تھی جبکہ مریم کے دل کی رفتار تیز تر ہو چکی تھی۔

امی نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی آمنہ اور مریم کو مہمانوں کے سامنے آنے پر کرفیو نافذ کر دیا تھا جبکہ اس نے دل ہی دل میں کوئی اور پلان بنا رکھا تھا۔

امی جی مہمانوں کے پاس تھیں آج ابو جی بھی جلدی آ گئے تھے، کچھ دیر بعد وقار، امی کا پیغام لیے چلا آیا کہ فوزیہ چائے لے کر اندر چلی جائے۔

''فوزیہ باجی! لائیں میں لے جاتی ہوں۔'' اس نے کہا تو فوزیہ نے حیرانی سے دیکھا۔

''امی سے جوتیاں کھانی ہیں۔امی کی ہدایت بھول گئی ہو کیا؟''

''جوتیاں کھانی ہیں نہ کچھ بھولی ہوں۔ کچھ نہیں ہوتا، آپ بعد میں آ جائیے گا میں ذرا دیکھ کر آؤں کیسے لوگ ہیں پلیز......'' اس نے مسکین سی صورت بنالی۔

''اگر امی خفا ہوئیں تو مجھے مت کہنا۔''

''نہیں کہوں گی۔'' وہ ٹرالی گھسیٹتے باہر نکل آئی تھی جبکہ فوزیہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

''مریم......مریم......'' اس نے روکنا چاہا مگر اب بے سود تھا۔مریم بی بی اپنے پلان پر عمل درآمد کر چکی تھیں۔

''السلام علیکم!'' وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو امی کا حیرت سے منہ کھلا رہ گیا۔

''تم......؟''

''وعلیکم السلام!'' مہمان خواتین مکمل طور پر متوجہ ہو چکی تھیں اب امی کچھ نہیں کر سکتی تھیں اور اسے پروا بھی نہ تھی، امی سے نظریں چرا کر مسکرا کر مہمانوں کو دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر نہایت سلیقے سے برتن ٹیبل پر سجانے لگی۔ سب اسے ہی دیکھ رہے تھے ابو جی بھی حیران ہوئے تھے مگر ٹال گئے کہ شاید فوزیہ بعد میں آئے۔اس نے باری باری چائے کپوں میں اُنڈیل کر سب کو دیئے لوازمات پیش کرنے کے بعد امی کو دیکھا وہ کینہ توز نظروں سے گھور رہی تھیں، اس نے سوچا اب بھاگ لے اس سے پہلے کہ اپنی سوچ پر عمل درآمد کرتی سامنے بیٹھی خاتون نے روک لیا۔

''کیا نام ہے بیٹا آپ کا؟''

''جی مریم!'' وہ رُک گئی تھی۔

''ماشاءاللہ! کیا ایجوکیشن ہے آپ کی۔'' اگلا سوال تھا خواتین خاصی معقول اور شائستہ اطوار کی مالک لگ رہی تھیں، اس کا اعتماد بحال ہوا۔

''جی میں بی ایس سی کے اگزیمز دے کر ابھی فری ہوں۔ ایم ایس سی کرنے کا ارادہ ہے۔'' دونوں خواتین نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

''معافی چاہتی ہوں مگر ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ لڑکی ایم اے انگلش ہے۔'' پہلی خاتون نے سنبھل کر پوچھا۔

ان خاتون کی یادداشت کمال کی تھی، اس نے ستائشی نظروں سے انہیں دیکھا شاید یہی لڑکے کی والدہ تھیں۔

''جی وہ فوزیہ آپی ہیں میری بڑی بہن۔''

''کیا؟'' وہاں موجود ہر فرد چونکا تھا، امی نے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

وہ ایک ایسی بدشگونی کی مرتکب ہو چکی تھی جو نا قابل معافی تھی۔

''جاؤ مریم! فوزیہ کو بھیجو۔'' معاف کیجیے گا یہ میری چھوٹی بیٹی ہے۔'' امی جی کا ضبط بھی یہیں تک تھا اسے اشارہ کر کے معذرت کی۔

کچھ دیر بعد مہمان رُخصت ہوئے تو لڑکے کی والدہ نے امی جی کے ہاتھ تھام کر کہا۔

''بہن! ماشاء اللہ آپ کی دونوں بچیاں ہی بہت پیاری اور سلجھی ہوئی ہیں۔ ہم جلد ہی فیصلہ کر کے جواب دیں گے۔'' اور امی ''دونوں بچیاں'' سن کر ہی بھول گئی تھیں ان لوگوں کے جانے کے بعد امی اس کے سر ہوگئی تھیں۔

''یہ کیا حرکت تھی، جب میں نے کہہ دیا تھا کہ فوزیہ کے علاوہ کوئی ادھر بھٹکے گا بھی نہیں تو تمہیں ہمت کیسے ہوئی ادھر آنے کی۔'' امی جی کا غصے سے بُرا حال تھا، وہ فوراً ابو کے کندھے سے جا لگی۔

''میں نے کچھ غلط تو نہیں کیا، میں مہمانوں کو دیکھنا چاہتی تھی۔'' ایک دم آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی، امی جی نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

''کیوں خفا ہوئی ہو، بچی ہے۔ ویسے بھی کوئی نامعقول حرکت نہیں کی اس نے کہ تم اتنا شور مچاؤ۔'' ابو جی نے ہمیشہ کی طرح اس کی طرف داری کی۔

''آپ کے اسی لاڈ پیار نے اسے خودسر اور ضدی بنا ڈالا ہے۔'' وہ ابو جی پر بھی گرم ہوئیں۔

''امی جی کیا ہوگیا ہے، کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔'' فوزیہ بھی اس کی حمایت میں بولی تھی۔

''خوامخواہ پریشان نہیں ہو رہی، اس لڑکے کی ماں کی نیت بدل گئی ہے، وہ جس طرح جاتے ہوئے دونوں بچیاں کہہ کر گئی ہے میرا دل ہول رہا ہے...... میں صاف کہہ رہی ہوں کہ اگر ایسا واقعی ہوا نا تو پھر میں صاف انکار کر دوں گی۔ اگر مجھے چھوٹی کا ہی کرنا ہے تو عمر بُرا ہے کیا؟'' امی شروع ہو چکی تھیں۔

❖ ✿ ❖

کرشمہ ادھر آ چکی تھی وہ آزاد خیال کی مالک خاصی منہ پھٹ آؤٹ آف اسپوکن لڑکی تھی۔ آج کل تو ویسے ہی خالہ کے خلاف ثبوت ڈھونڈنے آئی تھی۔ اوپر سے نامعلوم ماریہ نامی لڑکی کی کالز اور خصوصی بریفنگ سونے پر سہاگہ تھا۔

ان چند دنوں میں ہی خالہ پر اس کے جوہر کھلنا شروع ہوگئے تھے۔

ان چند دنوں میں ہی کرشمہ کے طور طریقے دیکھتے انہیں ہول اُٹھنے لگے تھے۔ کہاں وہ بہت ماڈرن بننے کی کوشش کے باوجود شلوار قمیص سے ہٹ کر ساڑھی جیسے لباس تک نہیں آ سکی تھیں اور کہاں محترمہ کرشمہ صاحبہ کا لباس ہی جینز شرٹ، لانگ شرٹ کے علاوہ ٹراؤزر تھا۔

ایک دن انہوں نے ٹوک دیا انہیں ایسا لباس پسند نہیں، خیال تھا کہ بہو پر ابھی اس کے لباس کی طرف سے اپنی پسند ناپسند واضح کر دی جائے، مگر کرشمہ کو ناگوار گزرا۔

''آپ اتنی دقیانوس ہیں آنٹی! آپ جانتی ہیں یہ لباس تو میرا فیورٹ ہے، آپ مجھے شلوار قمیص پہننے کو کہہ رہی ہیں ایسا پینڈو لباس تو میں مر کر بھی نہ پہنوں۔''

امیر کبیر لائق فائق پڑھی لکھی بہو یہ صاف جواب، ان کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے۔ آج تک ان کی اولاد کی مجال نہ ہوئی تھی کہ انہیں پلٹ کر جواب دے دے اور بھانجی صاحبہ اُٹھتے بیٹھتے ان کے پینڈو پن پر طنز فرما رہی تھیں۔

بات یہاں تک رہتی تو ٹھیک تھا کھانے پینے، سونے جاگنے تک کے معمولات تک ان لوگوں سے متضاد تھے خاور ان کا اکلوتا

بیٹا تھا، انہیں اپنا بڑھاپا عذاب اور گھر کا مستقبل تاریک ہوتا لگ رہا تھا۔ محترمہ کو کچن کے کانوں میں چائے تک بنانا نہیں آئی تھی اور گھریلو امور میں اس کی معلومات صرف اس حد تک تھی کہ کام والی کو پیسے دے کر گھر چمکالو بھلے وہ کام والی صفائی کے ساتھ ساتھ گھر کا ہی صفایا کر جائے۔

اس دن تو حد ہو گئی وہ کرشمہ کے کمرے کے دروازے سے کان لگائے اندر کی صورتحال کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

صبا، مریم کے ہاں گئی تھی کرشمہ گھر پر ہی تھی۔ ایسے میں اس کی ٹوہ کرنا اچھا موقع تھا۔

''دیکھنا اس بڑھیا کو کیسے مزا چکھاتی ہوں۔ وہ سمجھتی کیا ہے خود کو، نجانے کس چیز کا غرور ہے۔ میری ڈریسنگ پر تنقید کر لی تھی ماریہ! تو میں نے بھی سیدھا جواب منہ پر مارا۔ نوکروں والے کاموں کی مجھ سے توقع کرتی ہے میں نے بھی مزا نہ چکھایا تو میرا نام بھی کرشمہ نہیں۔ بس میرے ہاتھ پُرانی منگنیوں یا چند لوگوں سے متعلق ثبوت لگ جائیں تو پھر دیکھنا میں ماما، پاپا کے سامنے کیسے سارا کچا چٹھا کھولتی ہوں۔'' کرشمہ خاصے جوش سے کہہ رہی تھی، انہوں نے تھوڑے سے کھلے دروازے سے دیکھا، وہ بستر پر دراز تھی دروازے کی طرف پشت تھی۔ اپنے متعلق نادر خیالات سن کر ان کا جلالی غصہ ایک دم ان کی عقل پر حاوی ہوا۔ جی چاہا کہ ابھی اندر جائیں اور اس کی چوٹی پکڑ لیں۔

''مجھے کون سی رشتوں کی کمی ہے، رشتوں کی لائن ہے جو حاضر ہے۔ ماما کو بھی بس بہن کی محبت کا بخار چڑھا تھا، اب واپس جا کر ان کی اصلیت بتائی تو دیکھنا کیسے صاف انکار کرتی ہیں میری ماما۔'' وہ حیرت سے گنگ تھیں یہ ان کی پسند ان کی بھانجی تھی جس کی دولت و جائیداد کے لالچ میں اپنے انتہائی فرمانبردار ہیرے جیسے بیٹے کے دل کا خون کر کے اپنی من مانی کی تھی، ان کا غرور ان کو منہ چڑا رہا تھا۔

''بس ڈراپ سین باقی ہے یار! بہت اچھا کیا تم نے مجھے گائیڈ کیا اگر میں اپنے اصلی حلیے میں اس عورت کے سامنے آتی تو اس کی اصلیت کب کھلنی تھی؟ تمہاری ہدایت پر عمل کیا تو اس عورت کا اصل روپ بھی سامنے آ گیا۔ میں نے اپنے گھر میں کبھی ہل کر پانی کا گلاس نہیں پیا اور بڑی بی کہہ رہی تھیں کہ شادی کے بعد مجھے نا صرف گھر بار سنبھالنا ہوگا بلکہ کچن بھی دیکھنا ہوگا اور دیکھو ماما نے مجھے یہ لالچ دیا تھا کہ ان کی بہن ان سے مرعوب ہے، انہیں دولت کی لالچ دے کر شادی کر لیتے ہیں اکلوتا بیٹا ہے، نند کی تو شادی ہو جائے گی کون سا وہ میری ذمہ داری ہو گی کبھی کبھار آئے گی، لڑکے کو گھر داماد بنا لیں گے۔ ماں نے زیادہ شور کیا تو مہینے کے مہینے خرچہ دے دیا کریں گے، اب آ کر ماما اپنی ڈکٹیٹر بہن کو دیکھیں تو کانوں کو ہاتھ لگائیں اور کبھی پلٹ کر ادھر کا رُخ نہ کریں۔ میرا حوصلہ ہے جو میں یہ سب برداشت کر رہی ہوں محض اس عورت کی اصلیت ظاہر ہونے تک۔''

ان کا حوصلہ بس یہیں تک تھا ایک دم دھڑام سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھیں۔

''اے لڑکی! کیا ہے اصلیت میری، ذرا بتاؤ مجھے بھی۔ یہ میرا حوصلہ ہے جو اتنے دن تمہیں برداشت کر لیا۔ جس میں حیا نہ شرم۔ میں نے دولت لے کر چاٹنی ہے خالی۔ تم جیسی لڑکی پر میں لاکھ بار لعنت بھیجتی ہوں، میرا ہیرے جیسا بیٹا تمہاری جیسی منہ پھٹ بدلحاظ، بدتمیز، جاہل لڑکی کے بھلا قابل ہی کب ہے۔ یہ تو میری عقل گھاس چرنے چلی گئی تھی، جو تم جیسی لڑکی کے متعلق

سوچا۔ میں سو بار تم پر لعنت بھیجتی ہوں۔'' ان کے الفاظ دوسری طرف صبا اور اسپیکر آن ہونے کی وجہ سے مریم نے بھی سنے تھے۔

''ہاں تو آپ کیا لعنت بھیجیں گی بڑا ادب لحاظ کر لیا میں نے آپ کا۔'' یہ کرشمہ کا زہریلا لہجہ تھا، صبا نے فوراً موبائل آف کیا۔

''باپ رے! لگتا ہے فائنل اوور چل رہا ہے، کون جیتتا ہے آن ایئر چل کر دیکھتے ہیں۔ چلو جلدی کرو۔'' اس وقت وہ دونوں حسب معمول مریم کے گھر کی چھت پر ایک طرف بنے برآمدے میں بیٹھی کرشمہ سے بات کر رہی تھی۔

''پہلے یہ سم تو بدل لو۔'' اسے اس طرح بھاگتے دیکھ کر مریم نے ٹوکا تو اس نے فوراً سم نکالی۔

''مجھے لگتا ہے اب اس سم کی ضرورت نہیں رہی، سنبھالو اپنی سم یا ضائع کر دو اس سے پہلے کہ راز فاش ہو۔ میں چلتی ہوں بلکہ تم بھی ساتھ آؤ۔ میں دونوں کو اکیلے نہیں سنبھال پاؤں گی ایک عدد تمہارے جیسے سپورٹر کی ضرورت بہرحال ہے۔''

''چلو......'' مریم نے بھی سم لے کر اس کے دو ٹکڑے کر کے گھر کے عقب میں خالی احاطے میں اُچھال کر اس کے ساتھ چل دی تھی۔ ان کا منصوبہ مکمل ہو چکا تھا اب بس آخری ضرب باقی تھی جو دونوں روبرو جا کر سرانجام دے سکتی تھیں، ایسے میں اب اس سم کی کوئی ضرورت نہ رہی تھی، یہ سم کئی سال سے اس کے پاس فالتو پڑی ہوئی تھی۔ جو انہوں نے ایک لوکل شاپ سے خریدی تھی، اس سم کو استعمال کرتے ہوئے دونوں مطمئن تھیں کہ یہ سم رجسٹرڈ نہ تھی اور خریدتے وقت شاپ کیپر نے شناختی کارڈ مانگا تھا، مگر اس وقت پاس نہ تھا۔ لڑکیاں سمجھ کر اس نے سم تو دے دی تھی مگر اس تاکید کے ساتھ کہ کل آ کر شناختی کارڈ کی کاپی جمع کروا کر رجسٹرڈ کروالیں پھر نہ کبھی اس دکان پر جانا ہوا اور نہ ہی کاپی دی۔

یہ سم بُرے وقتوں میں کام آنی تھی۔ اب وہ دونوں دیوار پھلانگتے صبا کے ہاں تھیں، نیچے سے دونوں خواتین کی زور زور سے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اب ان بولتی خواتین میں یہ دونوں لڑکیاں بھی شامل ہو گئی تھیں۔

❖ ❁ ❖

ان کا فائنل کامیاب رہا تھا۔ ایک گھمسان کا رن پڑا تھا، دونوں فریقین میں۔ جواباً کرشمہ اسی دن اپنے گھر روانہ ہوئی تو اسی شام اس کی والدہ کے فون نے تمام کسر پوری کر دی۔ انہوں نے وہ باتیں سنائیں کہ......نصرت بیگم بھی ادھر کون سا ٹھنڈے مزاج کی خاتون تھیں، جو آرام وسکون سے سہہ جاتیں۔ بہن کو ایک کے بجائے دس سنائیں اور کرشمہ کے اندر وہ خامیاں نکالیں جو اس میں تھی ہی نہیں جواباً دونوں نے نا صرف رشتہ دینے لینے سے انکار کر دیا بلکہ آئندہ ملنے ملانے کا سلسلہ بھی بند کر دیا۔

وہ اُٹھتے بیٹھتے آہیں بھر رہی تھیں اور صبا جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی۔

''کتنی بار تو آپ کو بوا جی بھائی سب نے کہا تھا کہ ہم اپنے جیسے لوگوں میں سے لڑکی لائیں گے، مگر آپ کو بھی شوق تھا اونچے امیر گھرانے کی بہو لانے کا۔ اب اس کا انجام بھی دیکھ لیا۔ شکر ہے شادی سے پہلے کرشمہ کی اصلیت کھل گئی، شادی کے بعد نجانے کیا ہوتا۔'' وہ اب ہر وقت اسی کی باتیں کرتی رہتی تھی۔ ایسے میں نصرت بیگم اسے گھور کر رہ جاتیں مگر اب کہنے کو کچھ نہ بچا تھا۔

''ہائے کتنی خواہش تھی میری فوزیہ آپی ہماری بھابی بنیں۔ آج کل ان کا رشتہ چل رہا ہے کہیں، مگر ہماری کون سنتا ہے یہاں؟ پتا نہیں خاور بھائی کس کو پسند کرتے تھے کتنا انکار کیا تھا انہوں نے ان کی پسند ہی دیکھ لیتیں۔'' کن انکھیوں سے ماں کو دیکھتے رقت آمیز انداز میں کہا تو انہوں نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا، بات کچھ دل پر لگی تھی۔

''تم چپ ہوگی یا میرے سر پر اسی طرح نازل رہوگی؟'' وہ اس وقت بستر پر دراز اپنی غلطی پر ماتم کناں تھیں۔ صبا کو ان پر ترس آیا۔ مگر اس وقت ذرا سی کمزوری نقصان دہ تھی وہ انہیں مکمل طور پر شرمندہ دیکھنا چاہتی تھی۔

''ہاں مجھے چپ کروالیں، بھائی کو بھی چپ کروالیا۔ ابو نے بھی فوزیہ آپی کے لیے کہا مگر آپ نے کبھی ان کا نام لینا بھی پسند نہ کیا۔ کرشمہ سے تو لاکھ درجے بہتر تھیں فوزیہ آپی۔'' وہ آج کل بار بار فوزیہ کا نام لے رہی تھی، ان کے دل سے ہوک اُٹھی۔

''اب کیا ہوسکتا ہے بھلا، اس کا تو رشتہ طے ہو رہا ہے؟'' غرور ٹوٹا تو نیچے کا منظر بھی نظر آنے لگا، بس گردن جھکا کر نیچے دیکھنے کی دیر تھی۔

''ابھی ہوا تو نہیں نا، دیکھیں امی کتنے فائدے تھے فوزیہ آپی کے، ساری عمر آپ کی خدمت کرتیں، مجھے تو بیاہ ہی دینا تھا نا آپ نے۔ ہمیشہ آپ کی رائے کو اہمیت دیتیں۔ خصوصاً خاور بھائی کو چھین کر کہیں لے جانے کا ڈر تو نہ رہتا۔ کوئی امیر کبیر آتی تو ہمیں دبانے کی کوشش کرتی جبکہ فوزیہ آپی تو سب کو ملا کر رکھنے والی ہستی ہیں۔'' لوہا گرم دیکھ کر اس نے فوراً چوٹ لگائی تھی۔

نصرت بیگم کے اندر ملال گہرا ہوا۔ صبا ان کو نفسیاتی طور پر کمزور کر رہی تھی۔ خاور کتنا ناراض تھا۔ کتنی بار اپنی پسند ظاہر کی، باقاعدہ نام لیا، مگر انہوں نے کیا کہا؟ اس نے ضد سے غصے سے، منت سے منوانے کی کوشش کی مگر انہوں نے اپنی عقل پر لالچ کا پردہ ڈال رکھا تھا بہن کی محبت سے زیادہ امیر کبیر بہو لانے اور سوسائٹی میں گردن اکڑا کر چلنے کے زعم میں مبتلا تھیں اور اب کیا ہوا؟ اس لڑکی نے انہیں دھڑام سے زمین پر گرا ڈالا تھا یوں کہ اپنے لالچ کی بدولت خود ہی سے شرمندہ تھیں۔

''کہاں بات چل رہی ہے فوزیہ کی؟'' پچھلے دنوں سے وہ صرف کرشمہ کے مسئلے میں اُلجھی ہوئی تھیں ارد گرد کی صورتحال سے قطعی بے خبر، اب خود کو سنبھال کر پوچھا۔ صبا فوراً ان کے قریب ہو کر بیٹھی۔

''لڑکا بینک منیجر ہے، چچا جان اور چچی جا کر لڑکا دیکھ آئے تھے لڑکے کی والدہ بھی دیکھ گئی ہیں۔ چچا نے تحقیقات تک کروالی ہیں، فیملی اچھی اور سلجھا ہوا خاندان ہے اگر ان لوگوں کی طرف سے مثبت جواب ملا تو ان کا ارادہ فوراً بات طے کرنے کا ہے۔'' ان کا دل ڈوب گیا۔

''اچھا......'' ایک اچھا رشتہ ان کی دسترس میں تھا اپنی انا، ضد اور لالچی فطرت کی بدولت گنوا ڈالا تھا۔ ان کے اندر ملال کے بادل گہرے ہونے لگے۔ اپنے زعم میں وہ فوزیہ اور اس کی ماں بہنوں کو نجانے کیا کچھ کہتی رہتی تھیں، اپنے سامنے تو وہ کسی کو کچھ گردانتی ہی نہ تھیں، اب واپس پلٹیں تو بھی کیا گارنٹی تھی کہ وہ لوگ اچھا سلوک کریں گے۔ ماضی میں جو رویہ وہ ان لوگوں کے ساتھ روا رکھے ہوئے تھیں اس کے پیش نظر تو انہیں بُرے سے بُرے سلوک کی توقع رکھنی چاہیے تھی۔

''امی پلیز مجھے فوزیہ آپی بہت پسند ہیں۔ آپ چل کر بات کریں تو ابو جی اور بھائی سے بھی کہیں، وہ لوگ انکار نہیں کریں گے۔ ایک دفعہ میری بات مان لیں۔'' بھائی کا نام لیے بغیر وہ کہہ رہی تھی۔

''اور اگر انہوں نے انکار کر دیا تو؟'' انہوں نے دل کا خدشہ بیان کیا، اب تو ساری اکڑ سارا غرور مٹی میں مل چکا تھا بس یہی خواہش تھی کہ ایسی لڑکی کو بہو بنالیں جو نا صرف بڑھاپے میں ان کی خدمت کرے بلکہ ان کا بیٹا کہیں بھی لے کر نہ جائے اور فوزیہ ہر لحاظ سے معقول تھی اس کے لیے۔

''وہ تو بعد کی بات ہے۔ایک دفعہ پروپوزل تو دیں نا۔'' صبا نے ماں کی ہمت بندھائی تو انہوں نے گہرا سانس لیتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

❖❁❖

اس بینک منیجر کے رشتے کی طرف سے مثبت جواب مل گیا تھا۔امی جی ان لوگوں کا جواب سن کر پہلے تو حیران ہوئیں پھر ان لوگوں کو خوب سنائیں اور آخر میں منہ پر کپڑا لپیٹ کر لیٹ گئیں۔

''پتا تو کرو ادھر سے آخر کیا جواب ملا ہے جو امی اتنے صدمے سے لیٹ گئی ہیں۔'' آمنہ فری ہونے کے بعد پُر جوش تھی۔

''انکار ہو گیا ہوگا۔'' اس نے اپنی سابقہ کارکردگی کی روشنی میں اندازہ لگایا۔

''تمہارے منہ میں خاک۔'' فوزیہ خاموش تھی، آمنہ نے دہل کر کہا۔پھر بار بار اس کے اصرار پر وہ امی کے پاس آ بیٹھی۔

''امی کیا ہوا؟'' اس نے بڑی محبت سے پوچھا۔انہوں نے دوپٹہ ہٹا کر خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ سب تیرا کیا دھرا ہے، کتنا منع کرتی رہی کہ کوئی مہمانوں کے سامنے نہیں آئے گی۔تم کو تو ماں کی نصیحت اچھی نہیں لگتی۔جس بات سے منع کیا وہی کام لیا۔'' وہ فوزیہ کے لیے انکار کر کے تمہارے لیے کہہ رہے ہیں۔پیچھے کھڑی فوزیہ اور آمنہ دونوں حیران ہو گئیں۔

''کیا واقعی؟'' فوزیہ کی بات نہ بننے پر ایک دم خوشی ہوئی مگر امی کا زوردار ہاتھ اس کی کمر پر نشان چھوڑ گیا۔

''تجھے اتنی خوشی کس لیے ہو رہی ہے؟ سوچا تھا ایک کا مسئلہ ہے ہو جائے باہر، پھر باقیوں کا بھی کروں گی۔مگر تمہارے جیسی منحوس جس کی ہو وہاں ایسے ہی بنا بنایا کھیل بگڑتا ہے۔'' امی جی کے اب آنسو بہہ رہے تھے، مریم اس صاف الزام پر بگڑ گئی۔

''تو مجھ کو الزام کیوں دے رہی ہیں، ان لوگوں کی ہی نیت خراب تھی اس سے پہلے بھی تو کئی بار میں مہمانوں کے سامنے گئی تھی۔

''تم میرے سامنے سے ہٹ جاؤ، ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔'' اس نے بے بسی سے بہنوں کو دیکھا، آمنہ اور فوزیہ کے اشارے پر وہاں سے ہٹ تو گئی مگر دل سے بہت خوش تھی، صبا کو اپنی کارکردگی کی رپورٹ دی تو وہ بھی حیرت زدہ تھی۔

''ہائے واقعی؟'' وہ خوشی سے بولی۔

''آرام سے سکون سے۔'' اس نے آنکھیں دکھائیں۔

''ہائے مریم مجھے بڑی ٹینشن تھی کہ کہیں امی کے راضی ہونے تک تم لوگ ہاں نہ کہہ دو۔اب سمجھو ایک دو دن میں امی تم لوگوں کے ہاں چکر لگا رہی ہیں۔'' اس نے اپنی بھی کارکردگی سے آگاہ کیا۔

''اگر تمہاری ماں جی کو پتا چل جائے کہ کرشمہ کا رشتہ ختم کرنے کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے تو سمجھو وہ شام سے قبل ہی اوپر پہنچا دیں گی۔'' وہ دونوں اس وقت اپنی میٹنگ پلیس یعنی چھت پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

''ایویں پتا چل جائے گا، ہم نے بھی کوئی نشان تک نہیں چھوڑا اور جب تک منہ سے بھاپ تک نہ نکالیں گی خاک پتا لگے گا۔ویسے چچی جی کا کیا ری ایکشن ہے۔''

''سر منہ لپیٹے لیٹی ہوئی ہیں۔امی کو واقعی گہرا صدمہ پہنچا ہوا ہے۔''

''چلو نیچے چل کر دیکھتے ہیں۔'' وہ دونوں نیچے اُتر آئی تھیں، امی نے دوپٹا ہٹا کر کھا جانے والی نظروں سے خراماں خراماں سیڑھیاں اُترتی دونوں لڑکیوں کو دیکھا۔ دونوں کسی بات پر زور سے ہنس رہی تھیں۔ ان کا جی اور جل کر خاک ہوا۔

''تمہیں اپنے گھر میں چین نہیں پڑتا؟'' برآمدے میں آتے ہی گولہ بارود کی بارش ہوئی تھی، مریم کی ہنسی نکل گئی۔ صبا نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''پڑتا ہے، مگر کیا کروں یہاں دل زیادہ لگتا ہے۔'' وہ بھی ڈھیٹ تھی، دانت نکوسے کہہ رہی تھی۔ امی جی کا ماتھا ٹھنکا۔ لڑکی جوان، خوبصورت اوپر سے چالاک اور ہوشیار بھی تھی۔ کہیں وہ ان کا وقار تو نہیں پھنسا رہی۔ انہوں نے اسے نگاہوں ہی نگاہوں میں یوں تولا گویا قصاب بھینس کو تولتا ہے۔ وقار تو جب یہ آتی تھی گھر میں نہیں ہوتا اس وقت گھر میں تھا۔ انہوں نے کونے میں پڑی چارپائی پر لیٹے بیٹے کو دیکھا۔ جو صبا کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھا تھا اور اسے دیکھ بھی رہا تھا۔

''چلو اندر چلتے ہیں آمنہ اور فوزیہ بھی ادھر ہی ہیں۔'' وہ ماں کے اگلے جواب سے پہلے ہی اس کا بازو گھسیٹ کر اپنے مشترکہ کمرے میں لے آئی تھی۔

فوزیہ الماری درست کر رہی تھی اور آمنہ پیپرز کی فراغت ملنے پر رسالوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''ہیلو ایوری باڈی!'' صبا بستر پر آ بیٹھی۔

''ہیلو......'' دونوں نے مسکرا کر ویلکم کہا۔

''فوزیہ باجی بینک منیجر والے رشتے سے انکار پر دلی صدمہ ہوا۔'' اس نے آغاز کیا فوزیہ مسکرا دی۔ وہی مخصوص دھیمی مسکراہٹ، جو اس کی ذات کا حصہ تھی۔

''کوئی بات نہیں یہ پاکستان ہے۔ یہاں یہ چھوٹے موٹے ہارٹ اٹیک ہفتے میں دو بار ہر لڑکی والے برداشت کرتے ہیں۔ صبر، ہمت، حوصلہ......'' آمنہ نے بڑی دلگیری سے اماں جی والے انداز میں کہا۔ فوزیہ ہنس دی۔

''زبردست......یعنی آپ سے کوئی ہمدردی نہ کی جائے۔''

''بالکل......'' قمیص استری کر کے ہینگر پر لٹکا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''ویری گڈ......'' اس نے سراہا۔

''ویسے مریم سوچنے کی بات ہے تمہارے اس اول جلول حلیے میں لڑکے کی ماں کو آخر نظر کیا آ گیا تھا۔'' رسالہ ایک طرف ہٹا کر آمنہ نے سنجیدگی سے پوچھا جواباً اپنے حلیے پر اس تنقید پر اس نے اسے گھورا۔

''مطلب کیا ہے تمہارا؟''

''مجھے تو لڑکے کی والدہ کا دماغی توازن ہی خراب لگتا ہے۔'' صبا نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا۔

''صبا؟'' مریم نے دانت پیسے تبھی وقار نے بھی کمرے میں انٹری دی۔

''ویسے رشتہ ہر لحاظ سے معقول ہے۔ اگر لڑکے کی والدہ کی خواہش پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے تو......؟'' فوزیہ نے بھی

چھیڑا تو مریم نے منہ بنالیا۔

''کیا خیال ہے مریم! امی کو راضی کریں پھر؟'' وقار بھی کبھی کبھار ان تینوں بہنوں کی محفل میں جب اتوار کو چھٹی والے دن فارغ ہوتا تو شامل ہو جاتا تھا آج بھی چھٹی تھی، وہ ان کے درمیان آ بیٹھا تھا جبکہ کچھ دیر قبل دل میں پیدا ہونے والے خیال سے گھبرا کر امی جی نے ایک دو بار اندر جھانکا جہاں ان سب کے قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''نہیں...... یہ نہیں ہوسکتا؟'' مریم نے اداکاری کرتے ہوئے کانوں پر ہاتھ رکھ کر ایکشن سے کہا۔

''زیادہ ہیروئن بننے کی ضرورت نہیں۔'' صبا نے کشن مار کر اس کی ساری اداکاری نکال دی تھی۔

''ویسے حرج بھی نہیں کافی معقول لوگ ہیں۔'' آمنہ بھی متفق ہو چکی تھی، مریم نے مجبوراً گھورا۔

''میں کیوں بھلا کسی سود خور سے شادی کرنے لگی۔''

''ہیں...... یہ سود خور کون ہے؟'' وقار کو حیرت ہوئی۔

''بینک میں کام کرتا ہے لڑکا! سودی کاروبار میں برابر کا شریک، اللہ معاف کرے۔ ہمیں بچائے۔'' اس نے فوراً دونوں گال پیٹتے کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کی، سب ہنس دیئے۔

''اسے کہتے ہیں دور کی کوڑی لانا، جیتی رہے میری بہن! تم تو خاصی عقلمند ہو۔''

''آپ کی کمزور اطلاع کے لیے ضروری ہے کہ ہم پہلے ہی عقلمند ہیں۔'' اس نے فرضی کالر کھڑے کیے۔

''بیوقوفوں کی عقلمند۔'' وقار کے جملے پر ایک بار پھر بے ساختہ قہقہہ پڑا تھا۔

''بیوقوف سے یاد آیا میں نے سنا ہے آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کے برادر محترم کی منگنی اپنی بھانجی صاحبہ سے ختم کر دی ہے۔'' اچانک وقار نے یاد آنے پر پوچھا، صبا چونکی۔ جبکہ فوزیہ اور آمنہ بھی متوجہ ہوگئی تھیں اور باہر بار بار نظر ڈالنے کے بعد امی جی خود ہی ادھر چلی آئی تھیں اور وقار کے منہ سے انکشاف سن کر ٹھٹک گئی تھیں۔

''تمہیں کس نے بتایا؟'' ابھی تو یہ خبر صرف ابو جی تک ہی پہنچی تھی۔

''معاذ نے......'' اس نے ہمسایوں کے لڑکے کا نام لیا، مریم بھی چپ ہو کر دیکھنے لگی۔

''اسے کیسے پتا چلا؟''

''تمہارے گھر کام کرنے والی ملازمہ ان لوگوں کے ہاں بھی کام کرتی ہے میرے خیال سے۔'' صبا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ہاں میرے پیارے بھائی! اس سانحے کو آج تیسرا دن ہے۔'' صبا نے بتایا۔

''ویسے یہ ہوا کیسے؟'' اس نے از راہِ ہمدردی استفسار کیا۔

''دونوں پارٹیز کو احساس ہو گیا تھا کہ دونوں ہی بے جوڑ تعلق باندھنے کی کوشش میں ہیں۔ دونوں طرف سے دھاگہ کھینچنے کی ضرورت میں ٹوٹنا ہی تو تھا۔''

امی جی کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ مچل گئی۔

وہ بڑے سکون سے بغیر اندر کی رپورٹ لیے واپس پلٹ گئیں اور اندر ان سب کی گفتگو ایک نئے موضوع میں داخل ہوگئی

تھی۔

❖❁❖

نصرت بیگم چند دن سوچنے کے بعد ساتھ والے گھر میں چلی آئی تھیں۔ مریم کی والدہ انہیں اپنے ہاں دیکھ کر ٹھٹکی تھیں۔ دونوں کی بظاہر کبھی لڑائی نہیں ہوئی تھی مگر دونوں ہی ہمیشہ دل ہی دل میں ایک دوسرے سے خائف اور بدظن رہی تھیں اور اس کدورت کا اظہار اپنی اپنی اولادوں کے سامنے برملا کرتی تھیں۔

نصرت بیگم نے جب سے خاور بھائی کی منگنی کرشمہ سے کی تھی ادھر امی جی کا بھی رویہ ان سے بہت بدل گیا تھا۔ پہلے جو کدورت دل میں رہتی تھی وہ اب اکثر طنز کی صورت لبوں پر رہتی تھی۔ اب خاور کا رشتہ ختم ہونے کے بعد ان کی گھر آمد پر وہ حیرت زدہ تھیں۔

امی انہیں لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں اور مریم جوان کی آمد کے مقصد سے باخبر تھی۔ اس کے کان امی کے کمرے کی کھڑکی سے جا لگے تھے۔

''یہ کیا کر رہی ہو؟'' فوزیہ اور آمنہ نے اس کی حرکت کو گھورا۔

''دیکھ نہیں رہیں۔'' اس نے آمنہ کو گھورا۔

''ہر وقت دوسروں کی ٹوہ لینے والوں پر آخرت میں آگ کے گولے مارے جائیں گے۔''

اس نے پلٹ کر اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ ایک تو اندر نجانے کیا مذاکرات چل رہے تھے کہ کان لگانے کے باوجود کچھ پلے نہ پڑ رہا تھا اوپر سے آمنہ کی باتیں۔

چند دنوں میں روزے شروع ہونے والے تھے، آمنہ اور فوزیہ گھر کی صفائیوں میں مگن تھیں۔ اُدھر کھڑے کچھ پلے نہ پڑا تو وہ اندر چلی آئی، امی جی نے اسے دیکھ کر گھورا۔

''کیا ہے؟'' وہ بگڑے تیور سے بولیں۔

''کچھ نہیں یونہی ادھر آ گئی۔'' وہ مسکرا کر کہتے ماں کے تیوروں کو نظر انداز کرتی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ امی جی نے پہلے اسے گھور کر پھر نصرت بیگم کو دیکھا۔

''چلیں جو ہونا تھا ہو گیا، آپ کو کون سی رشتوں کی کمی ہے۔ ماشاء اللہ کھاتے پیتے لوگ ہیں، دولت کی کمی نہیں۔ بھائی صاحب کا اپنا کاروبار ہے۔ خاور میں کون سی کمی ہے۔ کہیں اور دیکھ لیں۔'' امی جی کا وہی طنزیہ انداز تھا جو نصرت بیگم کے لیے ان کا ہو جاتا تھا۔

''ہاں اس لیے تو آج آئی ہوں۔'' انہوں نے کہا تو امی جی کے ماتھے کے بل گہرے ہو گئے جبکہ مریم ماں کے تیور دیکھ رہی تھی۔

''میں سمجھی نہیں۔''

''میں فوزیہ کے لیے آئی ہوں۔ خاور گھر کا بچہ ہے آپ کا دیکھا بھالا ہے، اِدھر اُدھر بھی تو دیکھ رہی ہیں، خاور کے بارے میں

بھی سوچ لیں۔'' مریم نے دیکھا امی کے چہرے کی سرخی بڑھی تھی۔
''فوزیہ کے لیے تو میں پچھلے تین سالوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی ہوں، خاور کی منگنی تو صرف سال کا عرصہ ہوا ہے۔ پہلے خیال نہ آیا؟'' نصرت بیگم ٹھٹکیں، تو مریم کا سانس اٹکا۔
''کیا مطلب؟''
''آپ ہم غریبوں کے گھر کیوں دیکھ رہی ہیں رشتہ، کہیں اور دیکھ لیں۔ ویسے بھی میں تو خود فوزیہ کو کسی چھوٹے موٹے گھر میں نہیں دینے لگی۔ تین سال سے دیکھ رہی ہوں رشتہ ماشاءاللہ سے اب ہمارے خود پہلے والے حالات نہیں رہے۔ پہلے ان کا باپ تنہا کمانے والا اور اتنے لوگ کھانے والے مگر جب سے عبید نے باہر جا کر کمانا شروع کیا ہے، حالات بہت بہتر ہو گئے ہیں۔ میں نے اگر چھوٹے موٹے لوگوں میں رشتہ کرنا ہوتا تو بہت پہلے فوزیہ کے فرض سے نبٹ چکی ہوتی، لوگوں کی خواہش ہوتی ہے دولت مند بہو ہو، تو میری بھی خواہش ہے کہ دولت مند سسرال ہو بیٹی کا۔ نوکر چاکر ہوں، گاڑی ہو، اچھا کاروبار یا ملازمت ہو۔''
امی کہہ رہی تھیں اور مریم حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ ان تین سالوں سے امی جی یہیں کام تو کر رہی تھیں صرف امیر کبیر دولت مند گھر میں ہی رشتہ دیکھنے جاتی تھیں یا بات چلاتی تھیں تو کیا وہ کسی کمپلیکس کا شکار تھیں۔
''تم انکار کر رہی ہو؟'' نصرت بیگم کی گھمنڈی، مغرور فطرت بھرپور انگڑائی لے کر بیدار ہوئی، ایک دم غصے سے کہا۔
''جو مرضی سمجھ لو۔'' امی جی کا انداز بڑا عجیب سا تھا۔ مریم کا حلق تک خشک ہو گیا۔ اس نے اور صبا نے اتنی محنت کی تھی اس سارے مسئلے کے حل کے لیے اور اب۔
''امی جی......'' وہ آہستگی سے بولی مگر وہ متوجہ ہی نہ ہوئیں۔
''دیکھو میں بچوں کی خواہش پر یہاں چلی آئی، تم یہ نہ سمجھو کہ میں مجبور ہوں یا بے بس ہوں۔ میرے بیٹے کو رشتوں کی کمی تو نہیں۔'' نصرت بیگم فوراً اپنے اصل مزاج میں لوٹ گئی تھیں غصہ تو انہیں ویسے بھی بڑا آتا تھا۔
''ہاں میں نے کون سا دعوت دی تھی۔ کہیں بھی جا کر دیکھ لو میری فوزیہ بھی ہیرا ہے۔ ابھی تک میں نے صرف اسی لیے لٹکا رکھا تھا کہ مجھے تم لوگوں سے بہتر کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ یہ جو بینک منیجر کا رشتہ آیا تھا یہ لوگ ہر لحاظ سے بہتر ہیں۔ چند دنوں میں ادھر فائنل کرنے والی ہوں۔'' مریم نے خاصا اُلجھ کر ماں کا چہرہ دیکھا۔
میں نے تو سنا تھا کہ انہوں نے مریم کے لیے کہا تھا اور تم نے انکار کر دیا تھا۔ نصرت بیگم بھی حیران ہوئی تھیں۔
''مگر اب ان لوگوں کا ارادہ بدل گیا ہے۔'' امی جی کا اطمینان قابل دید تھا۔
''مگر امی جی......'' اب بولنا ناگزیر ہو گیا تھا مگر امی جی نے ہاتھ اُٹھا کر روک دیا۔
''تم جاؤ...... کتنی بار منع کیا ہے کہ بڑوں کی باتوں میں مت اُلجھا کرو۔ تمہارے مطلب کی کوئی بات نہیں جاؤ یہاں سے۔'' انہوں نے بڑے غصے سے ٹوک دیا تو اس نے لب بھینچ لیے۔
''تو تم صاف انکار کر رہی ہو؟'' نصرت بیگم اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔
امی جی کا انداز ہنوز وہی تھا۔ انہیں نصرت بیگم کو اس میدان میں شکست دے کر عجیب سی خوشی ہو رہی تھی۔

''ہاں......صاف اور واضح انکار، میں فوزیہ کو کہیں بھی بیاہوں مگر تمہیں بیٹی نہیں ہوں گی۔'' مریم کو لگا انہوں نے نجانے کس ذلت کا بدلہ لیا ہے، مارے ہتک وذلت کے نصرت آنٹی کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔

''بہت پچھتاؤ گی میں نے تو سوچا تھا کہ چلو خیر سے گھر کی بچی ہے، سلجھی اور سمجھدار ہے مگر اندازہ نہیں تھا کہ ماں کے مزاج ہی نہیں مل رہے۔'' وہ غم وغصے سے کہہ کر فوراً کمرے سے نکل گئی تھیں اور مریم بنا بنایا کھیل مکمل طور پر بگڑا دیکھ کر حیرت سے گنگ رہ گئی تھی۔

''امی جی! آپ نے ایسا کیوں کیا؟'' غم وغصے سے پوچھ رہی تھی۔ امی جی کی آنکھوں میں سال پہلے کا ایک منظر پوری آب وتاب سے جگمگا اُٹھا۔

❖✿❖

وہ کسی کام سے نصرت کے ہاں آئی تھیں، خاور عبید کا ہم عمر اُن کو شروع سے ہی بہت پسند تھا، وہ ماں تھیں خاور کی اپنے گھر مسلسل آمد اور فوزیہ میں دلچسپی دیکھ کر چونک گئی تھیں مگر فوزیہ کے نارمل پُرسکون انداز دیکھ کر مطمئن ہوگئی تھیں۔

اچھے اور خوشحال گھرانے میں بیٹی بیاہنا ہر ماں کی خواہش ہے انہیں بھی خاور اس لحاظ سے موزوں لگا مگر ایک دن سنا کہ نصرت اپنی بھانجی لانا چاہتی ہیں۔ اس دن یونہی کسی کام سے ادھر آئی تھیں اور خاور کے کمرے میں اس کی ماں اور باپ کے علاوہ خاور کے بولنے کی بھی آوازیں آرہی تھیں، صاحب عادت ان کے ہاں تھی۔

وہ لوگ کسی بحث میں اُلجھے ہوئے تھے ان کا ارادہ واپس پلٹنے کا تھا مگر نصرت بیگم کی اونچی آواز میں لیا گیا فوزیہ کا نام سن کر وہ ٹھٹک گئی تھیں۔

''فوزیہ کا اب دوبارہ نام مت لینا، ایسا نہیں ہونے والا۔''

''آپ اسے سمجھالیں کرشمہ کے علاوہ میں کسی اور لڑکی کو بہو بنا کر نہیں لانے والی۔ آپ ایک لاحاصل بحث مت کریں۔'' آواز اتنی اونچی ضرور تھی کہ وہ صاف سن سکیں۔

''اور فوزیہ کو بہو بنانا، میں مر کز بھی نہیں سوچ سکتی۔'' یہ ان کا مخصوص مغرور انداز تھا۔

''کیوں آخر کیا حرج ہے؟ کیا کمی ہے فوزیہ میں؟ پڑھی لکھی ہے، خوبصورت اور سلیقہ مند ہے اور سب سے بڑھ کر میرے مزاج سے میچ کرتی ہے۔'' یہ خاور تھا۔

''بحث مت کرو خاور! ایک کم حیثیت لڑکی کو میں اپنے گھر کبھی نہیں لانے والی۔ کرشمہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے، آپا اور بھائی صاحب کی ساری جائیداد دولت کی تنہا وارث جبکہ یہ فوزیہ اپنے ساتھ کیا لائے گی، چند جوڑے کچھ زیور اور وہی مخصوص جہیز میں نے کاٹھ کباڑ سے گھر نہیں بھرنا اور اپنے سے کم تر لوگوں میں سے لڑکی لانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی اور کے متعلق کہتے تو میں شاید سوچتی بھی۔'' امی جی نے اس دن نصرت بیگم کے منہ سے اپنے خاندان، حیثیت کے متعلق سنا تھا، پہلی بار ان کے اندر بیٹیوں کی ماں نہ ہونے کا بوجھ بڑھا اور پھر یہ بوجھ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا۔

''نصرت! حرج تک کوئی نہیں، خاور ایک جائز بات کہہ رہی ہے، ہمیں تو اپنے بیٹے کی خوشی عزیز ہے نا۔'' بھائی صاحب اپنی

بیگم کو سمجھا رہے تھے۔

''آپ بھی اس کی باتوں میں آ گئے، میں صاف کہہ رہی ہوں فوزیہ، آمنہ تو کیا میں نبیلہ کی کسی لڑکے کے لیے ہامی نہیں بھروں گی۔ اگر میری مرضی کے بغیر خود کچھ کرنا چاہتا ہے تو کر لے اور نبیلہ کی لڑکیوں کو بھی میرا گھر ملا تھا آگ لگانے کے لیے۔ میرا جی چاہ رہا ہے کہ ابھی جاؤں اور جا کر نبیلہ اور اس کی بیٹیوں کی اچھی طرح خبر لوں۔'' یہ اگلے الفاظ تھے، جنہوں نے ان کے دل سے خاور کے لیے تمام احساسات ختم کر ڈالے تھے۔

''امی! مجھے دولت و جائیداد سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں رہی کبھی۔ ہمارے گھر میں کیا کمی ہے، ہر چیز میسر ہے۔ اس کے باوجود مزید کی طلب یہ تو سراسر لالچ ہوا۔'' خاور بھی غصے سے کہہ رہا تھا، نجانے نصرت بیگم نے جواب میں کیا کہا تھا وہ سنے بغیر پلٹ آئی تھیں۔

چند دن وہ پریشان رہی تھیں اور پھر ایک دن انہوں نے فوزیہ کو بٹھا کر اس کے دل کی بات جاننا چاہی تھی۔ فوزیہ خاور کے جذبات و احساسات سے قطعی لاعلم تھی ان کے سامنے تو اس نے لاعلمی کا ہی اظہار کیا تھا اور پھر انہیں تو شاید ضد سی ہو گئی تھی لاشعوری طور پر وہ فوزیہ کے لیے صرف وہی رشتہ دیکھنے پر تیار ہوتی تھیں جو نصرت جیسے لوگوں کی مالی حیثیت سے بلند ہو۔ ان کے دل میں یہ خیال ضد پکڑ چکا تھا کہ وہ فوزیہ کو ایک بہت اچھے اور امیر گھرانے میں بیاہیں گی تاکہ نصرت بیگم کے سامنے گردن اکڑا کر چل سکیں مگر وقت نے گویا اُلٹی چال چل دی تھی۔ وہی نصرت بیگم جو فوزیہ سے انکار کے بعد اب اپنی بھانجی کی طرف سے ناامید ہو کر ان کے گھر آئی تھیں تو ان کو انکار کر کے وہ مطمئن تھیں کہ انہوں نے عرصہ پہلے کی جانے والی اپنی تذلیل کا بدلہ لے لیا ہے۔

❖ ✿ ❖

مریم کا غم و غصے سے بُرا حال تھا۔ ابو جی اس کی پہلے ہی کافی سنتے تھے اس نے ان سے جا کر سب کہہ ڈالا۔ دوسری طرف نبیلہ بیگم کے انکار پر نصرت بیگم کی بھی انا بلند ہو چکی تھی وہ اب دوبارہ کسی بھی سلسلے میں اس گھر میں نہیں آنا چاہتی تھیں۔ صبا تمام صورتحال بگڑنے پر از حد پریشان تھی۔ اس نے مریم کے مشورے پر خاور بھائی کو کال کر دی تھی۔ خاور تو اس سارے سلسلے سے ہی بے خبر تھا حتیٰ کہ کرشمہ سے رشتہ ختم ہو جانا ہی ایک شاکنگ نیوز تھی اوپر سے نصرت بیگم کا فوزیہ کا رشتہ لے کر جانا اور نبیلہ چچی کا انکار وہ اسی شام لوٹ آیا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد امی ابو کے کمرے میں وہ چاروں موجود تھے۔ بحث وہی مسئلہ تھا۔

''آپ لوگ مجبور مت کریں اب اس گھر میں دوبارہ نہیں جانے والی۔'' امی اپنی تذلیل نہیں بھول رہی تھیں اور ابو جی کی عدالت میں مقدمہ تھا خاور نے بے چین ہو کر ابو جی کو دیکھا انہوں نے آنکھ کے اشارے سے چپ رہنے کو کہا۔ صبا مطمئن تھی اسے اُمید تھی کہ ابو جی امی کو منا کر ہی اب اُٹھیں گے۔

''چلو تم نہ جانا میں جا کر بات کر لیتا ہوں، بھائی صاحب اور بھابی بیگم سے۔ بھئی ہمیں اپنے بچوں کی خوشی دیکھنی ہے۔ کرشمہ کے لیے تم نے زور دیا اور پھر منگنی کر دی میں نے خاموشی اختیار کی، اب تم نے خود ہی وہ رشتہ ختم کیا ہے تو دو تین بار تمہیں جا کر بات تو واضح کرنا چاہیے تھی نا۔ اس نے انکار کر دیا تو کیا غرض تو ہمیں ہے نا۔'' ابو جی رسانیت سے کہہ رہے تھے۔

''اس نے میری صاف بے عزتی کی ہے۔ میرے بیٹے کو رشتوں کی کمی نہیں ہے۔ ایک سے بڑھ کر ایک مل جائے گی۔ میں نہیں وہاں جا کر دوبارہ ناک رگڑنے والی، ہے کس بات کا غرور ہے اسے۔ میں بھی اب تو زیہ سے بہتر لڑکی ڈھونڈ کر دکھاؤں گی۔'' ان کا وہی ہٹیلا انداز قائم تھا۔ ابو جی کے چہرے کے زاویے بگڑے۔

''یعنی پہلے کی طرح تم اب پھر لوگوں کے گھر جا کر ان کی بچیوں میں خامیاں نکالا کرو گی۔''

''اپنے اکلوتے لائق فائق کے لیے اسی کے جوڑ کی لڑکی ڈھونڈوں گی، جو بھی دیکھے حیران ہو جائے ایسی ہی بہو لاؤں گی۔'' امی جی کی خواہ پھر اُبھر آئی تھی۔

''مجھے یہ لگا تھا کہ شاید کرشمہ کے رشتے سے انکار کے بعد تم سنبھل گئی ہو گی۔ صد افسوس تمہاری ذہنی حالت کو پہلے سے بھی خراب ہے۔ بہت عرصہ میں خاموش رہ لیا۔ تم اکلوتے لائق فائق بیٹے کی ماں ہو اللہ کا شکر ادا کرو کہ کسی بدتمیز جاہل اور اپنی من مانی کرنے والے بیٹے کی ماں نہیں ہو، اس نے پہلی بار جب اپنی خواہش کا اظہار کیا تم نے اپنی خود پسندی میں انکار کر دیا، تمہارا بیٹا خاموش ہو گیا، کوئی ہوتا ایسا ویسا تو اپنی ضد پوری کرتا۔ ماں کے انکار کو ایک طرف کر کے خود شادی کر لیتا، اب بھی وہ صلح صفائی سے دوبارہ جانے کو کہہ رہا ہے، اگر تم چلو گی تو ٹھیک ورنہ میں صبا اور خاور ایک فیصلہ کر چکے ہیں، میں کل صبح جا کر بھائی صاحب سے بات کرنے والا ہوں، تمہاری ضد میں میں اپنے بیٹے کی خوشیاں نہیں قربان نہیں کرنے والا۔''

''اور......اور میری جو نبیلہ نے بے عزتی کی ہے انکار کر کے......؟'' وہ شوہر کے دوٹوک انکار پر صدمے سے بے حال ہو رہی تھیں۔

''اور تم پچھلے کئی سالوں سے بھابی بیگم، ان کے بچوں کے ساتھ جو سلوک کرتی آ رہی ہو، شکر کرو بھابی بیگم نے صرف انکار کیا ہے وہ اگر اپنی ساری پچھلی بے عزتی کا بدلہ لینے لگتیں تو تم اپنے ساتھ ساتھ ہمیں بھی ذلیل کرواتیں۔'' خاور نے حیرانی سے باپ کو دیکھا وہ انہیں جتنا لاعلم سمجھ رہا تھا، وہ اتنے ہی باخبر تھے۔

''میں اب وہاں نہیں جانے والی۔'' انہوں نے اب کے جھنجلا کر انکار کیا تھا۔

''سوچ تو تمہیں اپنے بیٹے کی خوشی سے بڑھ کر اگر اپنی انا عزیز ہے تو بے شک مت جاؤ۔ میں تو کل ہی جاؤں گا۔''

''اور اگر اب پھر انکار ہوا تو؟'' شوہر کا دوٹوک انداز دیکھ کر ان میں بھی ذرا نرمی آئی۔

''تو کیا حرج ہے۔ غرض ہمیں ہے اگر ہاں کروانے ہمیں بار بار جانا پڑے تو جاؤں گا کیونکہ اس میں ہی میرے گھر اور میرے بیٹے کی خوشیوں کا سوال ہے۔'' اب کے امی مکمل لاجواب ہو کر رہ گئی تھیں۔ صبا نے ایک گہرا سانس لے کر بھائی کو دیکھا خاور کے چہرے پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

❖ ❁ ❖

ابو جی نے چچا سے بات کی تو انہوں نے بیگم سے بات کر کے جواب دینے کو کہا اور جب انہوں نے نبیلہ بیگم سے بات کی تو انہوں نے فوراً انکار کر دیا۔

''میں انکار کر چکی ہوں۔ وہ بات ختم، بار بار دہرانے کا فائدہ نہیں......'' مریم ہمیشہ کی طرح اب بھی اس اہم موضوع پر

موجود تھی، اس نے فوراً ابو جی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''دیکھا ابو جی! امی نے پہلے بھی ایسے ہی انکار کیا تھا۔'' امی نے گھور کر بیٹی کو دیکھا۔

''تمہیں کتنی دفعہ کہا ہے کہ بڑوں کے معاملے میں مت دخل اندازی کیا کرو۔ جاؤ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔''

''بُری بات ہے نبیلہ! جوان بیٹیوں کو ایسے نہیں جھڑکتے۔'' ابو نے فوراً ٹوک دیا۔

''شکر کرو ہمارے بچے بڑے سمجھدار ہیں۔ بڑے اگر غلط فیصلہ کر رہے ہوں اور بچے مشورہ دیں تو ان کی بات سننے میں کوئی حرج نہیں۔'' مریم نے ایک دم گردن اکڑائی۔

''تمہیں کس بات پر اعتراض ہے؟'' ابو جی نے بڑے پُرسکون انداز میں پوچھا۔

امی جی نے ایک گہرا سانس لیا اور دل میں تکلیف دیتا راز اُگل ڈالا، ابو جی سکون سے سنتے رہے اور مریم خاموش رہی۔

''ہوں تو یہ بات تھی۔'' ساری بات سن کر وہ بولے۔

''ہاں...... اب نصرت کو جب اس کی بھانجی کی اصلیت واضح ہوئی ہے تو اسے میری فوزیہ نظر آ گئی۔ میں جذباتی ہو کر ہاں کہہ بھی دوں تو کیا گارنٹی ہے کہ وہ فوزیہ کو دل سے مان کر وہی اہمیت دے گی جو بہو کی حیثیت سے وہ حق رکھتی ہے۔ گلے میں پڑا ڈھول تو ہر کوئی بجاتا ہے، اگر وہ دل سے راضی ہوتی تو میرے انکار پر اُٹھ کر کیوں چل دیتی، بار بار آتی بات کرتی۔ میں ماں ہوں اور ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد اپنے سسرال میں خوش اور عزت کی زندگی گزارے۔'' امی جی نے دل کی بات کہی۔

''دیکھو نبیلہ! یہ چھوٹی چھوٹی باتیں دل میں کدورت پیدا کرتی ہیں۔ خاور بہت اچھا اور سلجھا ہوا لڑکا ہے۔ صبا اور مریم میں، میں کوئی فرق نہیں سمجھتا اور سب سے بڑھ کر ہماری بیٹی ہماری آنکھوں کے سامنے ہوگی۔ فوزیہ گھر بنانے کا فن جانتی ہے، رہ گئیں نصرت بہن تو جب دونوں کو اکٹھے رہنے کا موقع ملے گا تو سب اعتراض ہوا ہو جائیں گے۔''

اور نصرت کی وہ لمبے چوڑے جہیز، مال اسباب کی خواہش۔''

''خاور اور اس کے باپ نے کہہ دیا کہ انہیں جہیز کا لالچ نہیں ہے۔ وہ بغیر جہیز کے فوزیہ کو بیاہنا چاہتے ہیں مگر ہم بھی بیٹی والے ہیں کچھ دے دلا کر ہی رُخصت کریں گے۔ میرا خیال ہے اپنی بھانجی کی طرف سے انکار پر نصرت بہن کی سوچ کسی حد تک بدل گئی ہے، رہ گئی فطرت بدلنے کی بات تو وہ تو نہیں بدل سکتے، اب ایک بندے کی وجہ سے تم اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے جانے دو گی؟'' ابو جی اب کے سوالیہ نظروں سے اپنی شریک حیات کو دیکھ رہے تھے اور امی جی کوئی جواب نہ پا کر بے بسی سے مسکرا دی تھیں۔

❖ ❁ ❖

عندلیب بھابی پاکستان آ گئی تھیں فوزیہ اور خاور کی بات طے ہو چکی تھی۔ صبا اور مریم کی وہی حرکتیں تھیں۔ نصرت بیگم دھوم دھام سے منگنی کرنا چاہ رہی تھیں، رمضان شروع ہو چکا تھا۔ بازاروں کے چکر اور اوپر سے روزے کی حالت سے ایسے میں ردا، عمر اور سکندر بھی چکر لگا لیتے۔ تایا ابو نے لگے ہاتھوں آمنہ اور مریم کا بھی رشتہ مانگ لیا تھا۔

امی کے دل میں ایک پھانس اٹکی ہوئی تھی کہ تایا ابو نے فوزیہ کو چھوڑ کر مریم کا نام لیا اگر وہ ان کے حقیقی خیر خواہ ہوتے تو

فوزیہ کے سلسلے میں انہیں باہر کیوں چکر لگانے پڑتے۔ اپنے گھر میں ہی بات طے ہو جاتی اور مریم کا بھی کہیں ہو جاتا۔ اس وقت بھی تایا ابو، تائی امی اور دادی سمیت آئے بیٹھے تھے۔ وہ جو ہر وقت اِدھر اُدھر کی سن گن لیتی رہتی تھی، اب صبا، ردا، آمنہ اور فوزیہ کے نرغے میں گھری کافی حواس باختہ سی ہو رہی تھی۔ اوپر سے خاور بھائی، وقار، سکندر کے علاوہ عمر کی موجودگی۔

''تمہارا بھائی کیوں آیا ہے؟'' وہ ردا کے کان میں منمنائی۔ یہ سب لوگ اس وقت مریم کے گھر کی چھت پر بیٹھے تھے، لڑکے خاور کے گھر کی دیوار پھلانگ کر آئے تھے۔

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میرا صرف ایک بھائی نہیں دونوں یہاں موجود ہیں اور معاملہ صرف ایک کا طے نہیں ہو رہا، دونوں کا زیرِ غور ہے۔''

''زیادہ خوش فہمی کی ضرورت نہیں، میری امی ہامی بھرنے والی نہیں۔'' خاور بھائی کی کسی بات پر ہنستا عمر اسے جی بھر کر زہر لگا۔

''کوئی بات نہیں، میرے بھائی میں لڑکی بھگانے کے گٹس موجود ہیں۔'' ردا کون سا کسی سے کم تھی اور اگر بات ہو اس کے چہیتے بھائی کی تو وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتی تھی۔

''ائے...... ہائے...... بڑی خوش فہمیاں ہیں۔''

''ارے کوئی نیچے تو جائے، خیر خبر لائے۔'' آمنہ نے دہائی دی۔

''تمہیں بڑی جلدی ہے۔'' سکندر نے ٹکڑا لگایا۔

''ظاہر ہے تم جیسے انسان کے ساتھ مستقبل برباد ہو جانے کا خطرہ لاحق ہے موصوفہ کو۔'' فوزیہ نے ہنس کر کہا، سکندر نے آنکھیں دکھائیں۔

''یہ مجھ جیسے سے کیا مراد ہے آپ کی؟''

''وہی جو سمجھ لو۔'' صبا کھلکھلائی۔

''میں پتا کرتی ہوں۔'' صبا کہہ کر نیچے بھاگ گئی تھی۔

نیچے امی کے کمرے میں محفل جمی ہوئی تھی اور نقشہ چینج تھا، صبا کو شدید جھٹکا لگا۔ نبیلہ بیگم کے ساتھ ایک اور نیا چہرہ بلکہ چند نئے چہرے وہاں موجود تھے۔

''دیکھیں میں بار بار سوالی بن کر آ رہی ہوں، مجھے ناامید مت کریں۔ آپ کے گھرانے میں رشتہ جوڑنا میری خوش قسمتی ہو گی۔ آپ کی ماشاءاللہ دونوں بیٹیاں دل کو بھائیں، چھوٹی کا اس لیے کہا کہ میرا بیٹا بہت شرارتی مزاج اور ہنس مکھ طبیعت والا ہے مگر اب آپ بتا رہی ہیں کہ آپ نے بڑی کی بھی بات طے کر دی ہے اور چھوٹی بچی ہے اب......'' صبا حیرت سے کھڑی تھی۔ نجانے یہ کیا ماجرا تھا۔ کہیں یہ بینک منیجر کی والدہ تو نہیں؟ اس نے کھڑکی میں مزید سر گھسایا۔

''آپ کا گھرانہ مجھے خود بڑا پسند آیا تھا مگر بچوں کی قسمت۔''

''ہماری تو شروع سے ہی مرضی تھی بس فوزیہ کی بات طے ہو جانے کا انتظار تھا، ہم آج اپنے دونوں بچوں کا رشتہ مانگنے آئے

ہیں۔'' یہ تائی بیگم کہہ رہی تھیں۔
صبا نے سر تھام لیا۔ یعنی یہاں ایک نہ شد دو شد والی کیفیت تھی۔
''پلیز مجھے انکار مت کریں۔'' بینک منیجر کی والدہ کہہ رہی تھیں۔
''ہم خاندان سے باہر رشتہ نہیں کرتے۔'' یہ دادی جان کا بیٹا تھا۔ اس سفید جھوٹ پر صبا کو لگا اس کا سر گھوم گیا ہے۔
''حرج تو کوئی نہیں، آمنہ کی بھابی رشتہ مانگ رہی ہیں اس کو ادھر کر دیتے ہیں اور مریم کی اُدھر۔'' یہ نبیلہ خاتون کی آواز بھی اور صبا کو لگا کہ اس کا ہارٹ اٹیک ہونے والا ہے۔
''کیا کہہ رہی ہو۔'' دادی جان فوراً بولیں۔
''مریم......'' صبا باہر بھاگی تھی اور اندھا دھند بھاگی تھی اور یہ دیکھے بغیر کہ دروازہ کھول کر ایک لڑکا اور لڑکی اندر داخل ہوئے تھے اور اس کا وجود سوٹڈ بوٹڈ وجود کے ساتھ جا ٹکرایا۔
''اللہ......'' اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی تھی اور دھڑام سے چکنے فرش پر گری تھی۔
''ارے آپ تو ٹھیک ہیں۔'' وہ لڑکا اور لڑکی پریشان ہو کر اس کی طرف بڑھے تھے بلکہ اندر موجود میٹنگ میں مصروف حضرات بھی باہر لپکے تھے اور وہاں صبا کو گرے دیکھ کر سبھی چونکے تھے اور صبا نے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

❖❁❖

''نہیں...... یہ نہیں ہوسکتا۔ بالکل نہیں ہوسکتا۔ میں مر جاؤں گی، زہر کھالوں گی مگر اس سود خور کی ڈولی میں نہیں بیٹھوں گی۔'' مریم کے ڈائیلاگ نقطہ عروج پر تھے مگر کسی پر اثر نہیں ہو رہا تھا۔
بھوک ہڑتال، احتجاج، انکار سب کر دیکھا تھا مگر امی کا فیصلہ پتھر پر لکیر تھا گویا قصہ مختصر یہ تھا کہ اس دن اچانک اس بینک منیجر کی والدہ محترمہ تشریف لے آئی تھیں نبیلہ خاتون کو فوزیہ والے قصے سے ہٹ کر مریم کے لیے یہ رشتہ مناسب لگا تھا چونکہ آمنہ اور سکندر کے لیے راضی تھیں۔ اور خاور کے لیے بھی مان گئی تھیں تو جہاں اتنے لوگ ایک طرف تھے وہ تنہا اس رشتہ پر راضی تھیں اور پھر اس دن نانی، تائی اور باقی سب لوگ بڑے غم زدہ رُخصت ہوئے تھے۔ وہیں بینک منیجر کی والدہ صاحبہ بڑی خوش خوش رُخصت ہوئی تھیں اور امی جی بہت مطمئن تھیں، امی جی کیا باقی سب بھی بہت مطمئن تھے بلکہ اسی شام تایا کے گھر سے مٹھائی آئی تھی۔ پورے محلے میں بانٹی گئی تھی اور رمضان میں ہی افطار کے بعد ایک دن منگنی کا طے تھا۔ مریم کی رمضان میں روزہ کی حالت میں بھوک ہڑتال کسی کام نہ آئی تھی آج کل وہ خاموش تھی پر کسی کو پرواہی نہ تھی۔ اوپر سے ردا اور عمر کی کالز طعنے جذباتی ڈائیلاگز دو دن تو وہ خاموش رہی مگر جوں جوں منگنی کے دن قریب آرہے تھے اس کو اس کو رونا آرہا تھا۔ اوپر سے صبا کی دل جلانے والی باتیں۔
''اور عمر بھائی کا دل دکھاؤ۔ انہوں نے دل سے بددُعا دی ہوگی اب بھگتو۔''
''ہاں ساری بددُعائیں مجھے ہی دینی تھیں موصوف نے اور ہر بار میں ہی بھگتوں۔ میں نے کون سا غلط کیا تھا کی بھی حوصلہ افزائی نہیں کی، اپنی ذات سے مطلب رکھا اور اُلٹا مجھے ہی الزام۔''

''محبت کرنے لگی ہوان سے۔'' وہ یہ سوال پوچھ کراور زچ کرتی۔
''مر بھی جاؤں تو کبھی ان کا نام نہیں لوں گی، مگر اس سود خور سے بھی شادی نہیں کروں گی۔ بے شک زہر کھانا پڑے۔'' فوزیہ دہل کر اسے بازوؤں میں لے کر بہلاتی جبکہ عندلیب بھابی مسکرا دیں۔
اس وقت بھی وہ سب کی چھیڑ چھاڑ سے عاجز ہو کر اوپر گئی تھی۔ نجانے کیوں دل بار بار بھر آتا تھا۔ افطاری میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا، نیچے سبھی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ وہ خاموشی سے زمین پر ٹک گئی گرم زمین تھی مگر اسے پروا نہیں تھی۔
عمر نے گھر میں قدم رکھا تو آمنہ اور عندلیب کچن میں تھیں جبکہ فوزیہ مشین پر کچھ سلائی کر رہی تھی سلام دُعا کے بعد عمر نے اِدھر اُدھر جھانکا۔
''چچی کہاں ہیں؟'' وہ کچن کی ہی طرف آ گیا تھا۔
''صبا کے ہاں گئی ہیں نصرت چچی نے بلوایا تھا۔ چچا کام پر اور وقار اکیڈمی آنے والے ہیں یہ لوگ بھی۔ تم بیٹھو۔'' عندلیب نے بھابی کو جواب دے کر کہا اور ساتھ سٹول بھی کھسکایا۔
''اور وہ باگڑ بلی نظر نہیں آ رہی؟'' آمنہ ہنس دی۔
''توبہ کریں، بہت موڈ خراب ہے آج کل اس کا۔ اس وقت بھی ہم سے لڑ کر چھت پر گئی ہے۔'' عندلیب نے بھی ہنس کر کہا۔
''اس کا مطلب ہے مزاج خراب ہے۔''
''جی ہاں اگر آپ سامنے گئے تو پھر گولہ باری کی بھی توقع رکھیں۔'' آمنہ نے ڈرانا چاہا مگر وہ سنی ان سنی کرتا تیزی سے اوپر کی طرف چلا گیا۔
وہ برآمدے میں زمین پر گھٹنوں پر بازو لپیٹے سر گرائے بیٹھی ہوئی تھی۔
''مریم۔'' کچھ پل سرکنے کے بعد اس نے پکارا تو اس نے سرعت سے سر اُٹھایا۔
بھیگی پلکیں اور سرخ ناک شاید وہ روئی تھی عمر کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔
''آپ...... آپ ادھر کیوں آئے ہیں۔ آپ کو اپنے گھر میں چین نہیں پڑتا۔'' جواب حسب توقع تھا۔ عمر کا خوش فہم دل ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ بھیگی پلکیں بیدردی سے دوپٹے سے رگڑتے کھڑی ہو گئی تھی۔
نجانے اس لڑکی کے دل میں کیا تھا کاش وہ اس کے دل کا حال جانتا تو وہ سب کے سامنے ڈٹ جاتا محض اپنی خواہش کے بل بوتے پر وہ یکطرفہ کارروائی کرتا بھی تو کیسے؟
''رو کیوں رہی تھیں؟'' اس نے دھیمے سے پوچھا۔
''ہنسنے کی بھی کوئی خاص وجہ نہیں بنتی۔''
''خیر یہ تو مت کہو، بینک منیجر سے منگنی کرنے جا رہی ہو، ہنسنے اور خوش ہونے کے لیے یہ تو بہت معقول وجہ ہے۔ سنا ہے خاصی اسٹرونگ فیملی ہے۔'' مریم کا جی چاہا کہ کوئی چیز اس کے سر پر دے مارے اس وقت عمر اسے اتنا ہی زہر لگ رہا تھا۔

''شٹ اپ۔'' وہ پھنکاری تھی جواباً وہ ہنس دیا پھر تھوڑا سا جھک کر مسکرا کر کہنے لگا۔
''وہ کہتے ہیں نا کہ رسی جل گئی پر بل نہیں گیا۔ میں تو مبارکباد دینے آیا تھا پھر سوچا دیکھتا چلوں کہ مستقبل قریب میں سودخور ایم سوری بھئی بینک منیجر کی بیگم بننے جارہی ہو کوئی فرق شرق ہی پڑ گیا ہوگا۔'' مریم نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔
''اگر آپ کی بکواس بند ہوگئی ہے تو اب جا سکتے ہیں۔'' وہ رُخ بدل کر کھڑی ہوگئی تھی۔ آنکھیں ایک دم بھر آئیں ناحق وہ رو رہی تھی اس شخص کو تو کوئی خاصا فرق ہی نہیں پڑا تھا۔ پہلے ہی کی طرح مطمئن اور پُرسکون انداز تھا۔ اس کا دل جل کر خاک ہونے لگا۔ یہ لڑکے ہوتے ہی ایسے ہیں فلرٹی دھوکے باز۔ اس کا دل بھی بھر آیا۔
عمر اسے چند پل دیکھتا رہا۔ وائٹ پاجامے پاؤں کو چھوتی بلیک قمیص اور سر پر جما دوپٹہ جو بہت سلیقے سے گردن کندھوں اور سینے کو ڈھانپے نیچے تک آرہا تھا۔
یہ لڑکی زبان کی جتنی بھی کڑوی تھی مگر جانتا تھا کہ دل کی اتنی ہی اچھی اور کردار کی مضبوط ہے۔ وہ بارہا اس کی طرف آیا تھا بڑے واضح الفاظ میں دل کا راز آشکارا کیا تھا مگر نجانے کیا چیز تھی جو یہ لڑکی ابھی تک چٹان کی طرح اپنی جگہ جامد تھی۔ ورنہ وہ اس قابل تو تھا کہ کوئی بھی لڑکی رد کرنے سے پہلے سوچے گی تو ضرور۔
''سیانے کہتے ہیں کہ وقت پر دل کی بات کہہ دینا فائدہ مند ہوتا ہے ابھی بھی وقت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ صلح کا پرچم لہرا دو ہم محاذ جیتنے کو تیار ہیں جناب! اگر تم ہاں کر دو تو......'' وہ گھوم کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا اور مسکرا کر کہا۔ مریم نے خاموشی سے اسے دیکھا۔
''آپ کو شاید میری کوئی بات سمجھ نہیں آئی۔ یہ ہمارے بڑوں کا فیصلہ ہے وہ جو مرضی کریں میں کیوں انکار کروں۔''
''تو رو کر اس طرح ماتم کیوں کر رہی ہو؟'' عمر نے ایک اہم پوائنٹ کی طرف نشاندہی کی تھی۔
''کم از کم آپ کے لیے تو نہیں رو رہی اس خوش فہمی سے نکل آئیں آپ۔'' خاصا چیخ کر جتانا چاہا تھا، عمر ہنس دیا۔
''تو پھر وہ کون ذات شریف ہے، جس کے لیے بھرپور احتجاج کیا گیا ہے۔'' مریم کو لگا اس کی پیشانی جل اُٹھی تھی احساس توہین سے۔
''آپ مجھ پر الزام تراشی کر رہے ہیں؟''
''نہیں ویسے ہی احساس دلانا چاہ رہا ہوں کہ اگر کوئی وجہ بھی نہیں تو پھر یہ رونا دھونا بھی کیوں؟'' عمر کا انداز سنجیدہ تھا اس نے بہت غصے سے اسے دیکھا۔
''کم از کم آپ کے لیے نہیں رو دھو رہی اور خبردار آئندہ میرے سامنے آکر ان الفاظ میں مجھ سے باز پرس کی تو میں بہت لحاظ کر چکی آپ کا اب کے مجھ سے کچھ کہا تو سیدھا ابو جی کے پاس جا کر بات کروں گی۔'' اس نے ہمیشہ والی دھمکی دہرائی۔
''بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔'' وہ عمر کی اس گنگناہٹ پر پاؤں پٹختے وہاں سے پلٹی اور عمر پر ایک کھا جانے والی غصیلی نگاہ ڈالتے تیز تیز قدم اُٹھاتے سیڑھیاں اُترتی چلی گئی تھی۔
عمر چند ثانیے تک بڑی سنجیدگی سے سینے پر ہاتھ رکھے کچھ سوچتا رہا۔

وہ جو ہر چیز سے حد درجہ بیزار تھی خاموش ہوگئی۔ گھر میں ایک نہیں کل تین منگنیاں تھیں۔ فوزیہ کی خاور کے ساتھ آمنہ کی سکندر کے ساتھ اور اس کی اس بینک منیجر ثوبان احمد کے ساتھ اور حیرت کی بات یہ تھی منگنی کی تمام تیاریاں ثوبان احمد کی والدہ ہر روز آکر صبا اور اس کی والدہ کو ساتھ لے جا کر کر رہی تھیں اور ہر روز شاپنگ سے واپسی پر آکر صبا خریداری کی تفصیل بتاتے مریم کا دل جلاتی رہتی تھی۔

ابو جی، تایا ابو، خاور بھائی کے والد اور ثوبان سب کا مشترکہ فیصلہ تھا کہ منگنی کا فنکشن ایک ہی جگہ اور ایک ہی دن طے پا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا آخری عشرہ چل رہا تھا تیئیسویں روزے کی افطاری کے بعد دن طے ہوا تھا۔ دونوں طرف کے فنکشنز ایک ہی دن تھے۔ گھر کے ساتھ کا خالی پلاٹ خاصا وسیع اور صاف ستھرا تھا، خاور بھائی کے ابو نے کئی سال پہلے خریدا تھا اب وہ لاکھوں مالیت کا تھا۔ کھانے پینے کا خرچہ مل کر کرنا تھا جبکہ باقی کی تیاری خاور بھائی کے والد صاحب نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔

صبح سے گھر میں خاصی افراتفری تھی۔ کچھ روزے کی حالت میں یہ بھاگ دوڑ مریم خاموشی سے سب کی کارروائی دیکھ رہی تھی۔ عندلیب بھائی نے بیوٹیشن کا کورس کر رکھا تھا۔ وہ بہت اچھی بیوٹیشن تھیں۔ فوزیہ اور آمنہ کو تیار کرنے کے بعد جب صبا کو انہوں نے کرسی پر بٹھایا تو مریم چونکی۔ صبا کا لباس اس انداز چہرے کی خصوصی تیاری کچھ نیا پن تھا۔ وہ ابھی نہا کر نکلی تھی۔ عصر کے بعد کا وقت تھا، مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔ باجی باہر امی کے ساتھ لگی ہوئی تھیں اور عندلیب اندر ان کے ساتھ مصروف تھیں۔ فوزیہ اور آمنہ پیاری لگ رہی تھیں۔ رات ہی نصرت آنٹی تائی بیگم اور ثوبان کی والدہ تھیں دلہنوں کے خصوصی لباس لے کر وہ صرف سلام دُعا کر کے کمرے میں گھس گئی تھی اس نے اپنے لیے آنے والا لباس تک دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''اسے کیوں تیار کر رہی ہیں اس کو کس پاگل کے لیے باندھنا ہے؟'' بالوں کو سلجھاتے اس نے غصے سے کہا۔ آج کل جس طرح اپنے بھائی کا کام سیدھا ہو جانے کے بعد صبا نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر رکھی تھیں۔ اسے اس بات کا بھی بہت دُکھ تھا۔

صبا کے چہرے پر بیس بناتے بھابی ہنس دی اور صبا بھی آنکھیں بند کیے مبہم سا مسکرا دی۔

''ہوسکتا ہے کوئی بینک منیجر اسے بھی مل ہی جائے۔'' بھابی کا انداز ذو معنی تھا۔

''ہاں مفت جو بٹ رہے ہیں۔'' برش ٹیبل پر پھینک کر وہ الماری میں سر دے کر کھڑی ہوگئی۔ آمنہ اور فوزیہ بے ساختہ ہنس دیں۔

صبا کے تیار ہونے کے بعد اس کی باری تھی۔ عندلیب کے دیئے ہوئے لباس کو لے کر وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی۔

صبا بھی تیار ہو کر آمنہ اور فوزیہ کے ساتھ ہی بیٹھی تھی اور اس کی یوں سج دھج خصوصاً دلہنوں والا روپ دیکھ کر مریم کو پریشانی ہو رہی تھی۔

ان تینوں بہنوں کی تیاری تو موقع محل کے مطابق تھی مگر صبا کا اس قدر اہتمام اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ عندلیب اسے تیار کرنے لگی تو اس کی نظریں صبا پر ٹھہر گئیں۔

''تم اس قدر کیوں تیار ہوئی ہو اور تمہیں یہ کپڑے آج ہی پہننے تھے کیا؟'' اس کے سوال پر صبا ہنس دی۔

''کیا پتا تم لوگوں کے ساتھ میری بھی کہیں بات بن جائے۔'' اب کے مریم واقعی چونکی۔ صبا کے لہجے میں واقعی کچھ تھا۔

''مطلب؟'' اس نے بھابی اور اپنی بہنوں کو دیکھا۔

''آج کے فنکشن میں صبا کی بھی منگنی ہے۔'' بھابی نے ہنس کر بتایا بلکہ انکشاف کیا۔

''کیا......؟ مگر کس سے؟'' وہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

''سرپرائز ہے خصوصاً تمہارے لیے۔ کچھ دیر اور انتظار کرلو۔'' وہ سب کی ہنسی اور بھابی کے الفاظ پر دیکھتی رہ گئی۔

بھابی نے اسے تیار کر کے جیولری پہنائی۔ آخر میں دوپٹہ سیٹ کر کے بغور اسے دیکھا۔

''ماشاءاللہ! بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' بھابی نے اس کی پیشانی چوم لی تبھی ان کا موبائل بجنے لگا۔

''ایک تو اس لڑکے کو بھی چین نہیں۔'' موبائل دیکھتے ہی بھابی ہنسیں۔

''کون عمر بھائی ہیں؟'' وہ صبا کے الفاظ پر سر جھکا گئی۔

''ہاں......عمر ہے۔''

بھابی کال اٹینڈ کر چکی تھیں ایک دو باتوں کے بعد بھابی نے موبائل مریم کی طرف بڑھایا۔

''عمر تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

''مجھ سے؟'' اس وقت عمر کی کال آنے پر وہ خاصی ڈسٹرب ہوگئی تھی۔ صبا نے معنی خیز نظروں سے گھورا جبکہ فوزیہ اور آمنہ مسکرادی تھیں۔

''وہ کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔'' بھابی اسے موبائل تھما کر بکھرا سامان سمیٹنے لگی تھیں ابھی تو انہوں نے خود بھی تیار ہونا تھا۔

''ہیلو......'' صبا اور بہنوں کو نظرانداز کرتے اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''مبارک ہو سنا ہے سارے اعتراضات بھلائے بڑی نیک بی بی بلکہ خاموش بی بی بن گئی ہو۔ عام حالت میں تو محترمہ کے یوں بھی مزاج نہیں ملتے مگر آج تمہارا خصوصی دن ہے یقیناً بہت خوبصورت لگ رہی ہوگی۔'' وہ آج بھی دل جلانے سے باز نہیں آیا تھا اور مریم کا دل واقعی جل کر خاک ہوگیا۔

''شٹ اپ۔'' آواز آہستہ ہی رکھی تھی کمرے میں وہ تنہا نہیں تھی۔

''شاباش! تمہارا یہی انداز تو سننا چاہ رہا تھا اب جناب کی پل پل کی رپورٹ مل تو رہی تھی مجھے اُمید تھی منگنی کا جوڑا پہنے خوب واویلا مچاؤ گی مگر اس قدر شرافت ہضم نہیں ہورہی۔ میں نے سوچا طبیعت ٹھیک ہو۔ مزاج دشمناں بہتر ہو۔ بس تمہارا حال چال پوچھنے کو دل چاہ رہا تھا۔''

''کیا بکواس ہے۔'' وہ اب اپنے لہجے پر واقعی قابو نہیں رکھ پائی تھی۔

دوسری طرف وہ کھل کر ہنسا۔

''بکواس نہیں بلکہ نیک فرمودات کہو۔ ویسے میں منگنی میں آتو رہا ہوں باقی باتیں آمنے سامنے ہوں گی۔ بہت سے حساب

باقی ہیں جو بے باق کرنے ہیں اور ساتھ یہ بھی دیکھنا ہے کہ سود خور سودی میرا مطلب ہے کہ بینک منیجر کے نام کی انگوٹھی پن کر کیسی لگتی ہو تم؟''

عمر کے الفاظ ایسے تھے کہ اس کا دل ایک دم بھر آیا۔ غصے سے موبائل آف کر کے بستر پر پھینکا اور خود دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر ایک دم رو دی۔

''ارے......ارے یہ کیا کر رہی ہو؟ کیا کہہ دیا عمر نے؟'' بھابی اور باقی تینوں فوراً پریشان ہو کر اس کی طرف لپکی تھیں۔

❖ ❁ ❖

افطاری اور کھانے کے بعد رسم کا شور اُٹھا تھا۔ اچھے خاصے مہمان تھے۔ کبھی بھی کسی بھی حال میں نہ گھبرانے والی مریم اس وقت اچھی خاصی کنفیوژ ہو چکی تھی۔ وہ مسلسل سر جھکائے ہوئے تھی۔ باہر مخصوص پلاٹ میں بہت اچھا انتظام کیا گیا تھا لائٹنگ کھانے کا بھرپور انتظام کے علاوہ اسٹیج بڑی خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔

بڑوں کے کہنے پر رمشا اور عندلیب ان سجی سنوری دلہنوں کو لے کر اسٹیج پر چلی آئی تھیں۔ کمبائن فنکشن تھا۔ ویسے یہ خاندان کا یادگار فنکشن تھا جس میں بڑے بڑے خیالات بدلتے لڑکا لڑکی کی ایک ہی جگہ منگنی کر رہے تھے۔

''میرا دل بڑا گھبرا رہا ہے۔'' عندلیب نے جب لا کر اسے بٹھایا تو اس نے روہانسے لہجے میں کہا۔ عندلیب نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟ جوس منگوا دوں۔ افطاری کے بعد تو تم نے کچھ کھایا بھی نہیں۔ کمزوری ہو رہی ہوگی۔'' اس کے سرد ہاتھ کی کپکپاہٹ بڑی واضح تھی مریم کی آنکھوں کی نمی گہری ہوئی۔

''میری طبیعت خراب ہو رہی ہے، بس جلدی سے کمرے میں لے جائیں۔'' عندلیب نے گھبرا کر دیکھا تو اپنی اپنی ماؤں کے پہلو میں چاروں دولہا اسٹیج پر آ رہے تھے۔

''تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ، رسم ہوتے ہی میں لے جاتی ہوں۔'' عندلیب تسلی دے کر نیچے اُتر گئی تھی۔ مریم نے سر مزید جھکا لیا۔ آنکھوں میں آئی نمی سے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

پہلے خاور نے فوزیہ کو انگوٹھی پہنائی تھی پھر سکندر نے آمنہ کو اب اس کی باری تھی۔ اس کے سرد ہاتھ مزید سرد ہوئے۔

''مریم ہاتھ آگے کرو۔'' ثوبان انگوٹھی تھامے اس کی طرف ہاتھ بڑھائے بیٹھا تھا مگر اس کے وجود میں ذرا بھی ہلچل نہ ہوئی تو کہیں سے آواز آئی تھی مگر اس کی کنڈیشن اتنی خراب ہو رہی تھی کہ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے ہاتھ میں پکڑے کلچ (پرس) پر اس کی گرفت مزید سخت ہوئی تھی۔

''دلہن شرما رہی ہے۔'' کہیں سے شوخ آواز گونجی اور پھر قہقہے، اس کا وجود مزید سرد ہوا۔

''محترمہ ہاتھ آگے کر دیں انگوٹھی پہنانی ہے، آپ کے بعد ابھی کسی اور کی بھی باری ہے۔'' شوخ آواز پر وہ چونکی مگر یہی کہ آواز کہیں اور سے آئی ہے۔

یقیناً وہ ارد گرد ہی تھا۔ اب اس نے اب بھینچ لیے اور سر مزید جھکا لیا اب صرف سجدہ کرنے کی کسر رہ گئی تھی۔

''دلہن سجدے میں چلی گئی ہے۔'' پھر وہی شوخ آواز۔
''ہوسکتا ہے دلہن کو دلہا پسند نہ آیا ہو۔'' یہ سکندر کی شوخ آواز تھی اس کے آنسو بہہ نکلے۔
''ہوسکتا ہے بینک منیجر کا ڈر سر پر سوار ہو۔ محترمہ ہاتھ دیں انگوٹھی پہنانی ہے ورنہ ہمارے بڑے ابھی پہنچ جائیں گے کہ میں خوامخواہ لیٹ کروا رہا ہوں۔''

اب کے وہ الفاظ، لہجے اور آواز پر چونکی تھی۔ یہ تو عمر کی آواز تھی اور کہیں دور سے نہیں بلکہ اس کے انتہائی قریب سے اُبھری تھی۔ اس نے یکدم سر اُٹھا کر دیکھا۔

وہ واقعی عمر تھا۔ اپنی مسکراتی آنکھوں میں ڈھیر ساری چمک لیے وہ انگوٹھی تھامے منتظر تھا۔
''تم......'' جھلملاتی آنکھوں سے وہ کچھ بھی نہ سمجھ پائی تھی کہ یہ کیا قصہ ہے۔ عمر کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔
''جی جناب میں عمر! بذاتِ خود بنفس نفیس آپ کے سامنے حاضر ہوں۔ کیا اب انگوٹھی پہنا سکتا ہوں۔'' خاصا شریر مسکراتا لہجہ تھا۔ مریم کو لگا اس کے حواس ساتھ چھوڑنے والے ہیں۔''

''مریم جلدی کرو ہاتھ دو۔'' رمشاء نے عقب سے جھک کر اس کا ہاتھ تھام کر اپنے بھائی کے آگے کر دیا تھا۔ وہ بت بنی ساکت سی عمر کو دیکھ رہی تھی۔ عمر نے انگوٹھی پہنا دی تھی۔ مبارک سلامت کی آواز بلند ہوئی تو مریم کو لگا کہ بس وہ کسی بھی لمحے گرنے والی ہے۔ اس نے اپنا چکراتا سر تھام لیا۔

''امی......'' آنکھوں کی تاریکی گہری ہوئی تو اس کے لب پھڑپھڑا کر رہ گئے۔
اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھتا وہ بے دم سی ہو کر ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

❖ ❁ ❖

اس کی آنکھیں کھلیں تو خود کو آرام دہ بستر پر لیٹے پایا۔ اردگرد سبھی چہرے تھے متفکر پریشان وہ خالی الذہنی سے سبھی کو دیکھے گئی۔ آمنہ، فوزیہ، صبا، سادہ لباس میں ملبوس تھیں۔ خاور بھائی، عمر، سکندر، وقار، عندلیب بھابی، رمشاء اور بھی چند چہرے تھے۔ امی ابو، تائی بیگم اور تایا ابو کے علاوہ خاور بھائی کے والدین تھے۔ اس کی نگاہیں ثبان کے چہرے پر پڑیں تو وہ چونکی۔ ذہن نے ایک دم کام کرنا شروع کر دیا۔

''مریم! کیسی طبیعت ہے اب؟'' اسے ہوش میں آتے دیکھ کر امی جی نے فوراً پوچھا وہ اس کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش کی۔

''لیٹی رہو طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہاری۔ اتنا تیز بخار ہے اوپر سے یہ مسلسل بیہوشی پورے تین گھنٹے بیہوش رہی ہو تم۔'' فوزیہ بھی قریب آ گئی تھی۔ تو رونے لگی۔

''رونا نہیں اب بالکل ٹھیک ہو تم۔'' یہ تائی بیگم کی شفیق آواز تھی۔ امی نے اس کے آنسو صاف کیے مگر رونا کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ مسکارا اور لائنر بہہ نکلا تھا۔ فوزیہ نے ٹشو سے اس کا چہرہ صاف کیا۔ کچھ دیر رونے کے بعد جی ہلکا ہوا تو بغیر کسی کی طرف دیکھے اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیے۔

''شکر ہے اللہ کا ہوش آ گیا، اب یہ ٹھیک ہے تم لوگ بھی اب ادھر سے ہٹو باہر کئی کام ہیں وہ دیکھو، مہمان تو رُخصت ہو ہی گئے ہیں۔ ہوٹل سروس والے بیٹھے ہیں ان کو بھی فارغ کرنا ہے۔'' ابو جی، تایا ابو کا ہاتھ تھام کر چل دیئے تو باقی لوگ بھی مطمئن ہو کر باہر نکلتے چلے گئے تھے جبکہ ینگ جنریشن ابھی بھی ادھر موجود تھی۔

''مریم۔'' یہ صبا کی آواز تھی۔ ساتھ ہی اس نے اس کا بازو بھی آنکھوں سے ہٹا دیا۔

''ایم سوری یار! یہ سب ڈرامہ تھا۔ محض تمہیں سرپرائز دینا تھا۔ دیکھو اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں، یہ عمر بھائی کا ڈرامہ ہے، ان سے پوچھو۔'' صبا کہہ رہی تھی اس نے خاموشی سے سب کو دیکھا اور پھر عمر کو اس کے ساتھ کھڑے ثوبان کو، عمر اس کے دیکھنے پر مسکرا کر آگے بڑھا۔

''ناراض ہو۔'' اس نے لب بھینچ کر آنکھیں میچ لیں۔ وہ اس شخص سے بات تک نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے کس قدر اذیت میں رہی تھی کاش کوئی اندازہ لگا سکتا اور خصوصاً یہ صبا اور عمر تو ہر وقت اسے اذیت دیتے طعنے بازی کرنے کو تیار رہتے تھے۔

''مریم۔'' یہ خاور بھائی کی پُر شفقت آواز تھی۔ ''گڑیا آنکھیں کھولو پلیز۔'' اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''ایم سوری یار! ڈرامہ سارا یہ ہے کہ تم نے جس طرح پُرخلوص ہو کر میرے اور فوزیہ والے معاملے میں صبا کی مدد کی تھی اس نے تمہاری امی کے انکار کے بعد مجھے فون پر سب بتا دیا اور پھر میں گھر چلا آیا۔ ادھر امی مانیں تو ادھر تمہاری والدہ صاحبہ ہماری اور فوزیہ کی بات طے ہوئی تو صبا نے بتایا کہ عمر کا پرپوزل تمہارے لیے آیا ہے۔ مگر تم انکاری ہو۔ وجہ کوئی خاص نہ تھی مگر جس طرح ثوبان کی امی تمہارے لیے چکر لگا رہی تھیں عین ممکن تھا کہ چچی جان ثوبان کے لیے ہاں کر دیتیں مگر اسی دن جب عمر کی امی اور دادی آئے ہوئے تھے تو تمہیں یاد ہوگا کہ اسی دن ثوبان کی والدہ بھی آ گئی تھیں۔'' خاور بھائی بتاتے بتاتے رُکے تو وہ آہستگی سے اُٹھ بیٹھی۔ وہ ابھی تک منگنی والے لباس میں ملبوس تھی۔ میک اپ بہہ چکا تھا مگر مٹے مٹے نشان تھے۔

''اور آنٹی سے رشتہ مانگ رہی تھیں۔ تائی بیگم اپنا حق جتا رہی تھیں اور چچی جان انا کی وجہ سے انکاری تھیں۔'' اب صبا بول رہی تھی۔

''انہوں نے تائی بیگم کے حق جتانے پر خاصے غصے سے کہا۔ ہم فوزیہ کے لیے اتنا عرصہ پریشان رہے۔ آپ کے سامنے ہی تھا آپ نے تب بھی مریم کا ہی نام لیا۔ جب فوزیہ کا کر دیا ہے تو آپ کو بھی ہمارے گھر چکر لگانا یاد آ گیا ہے۔ اب میری مرضی ہے کہ میں اپنی بیٹی کو کہاں بیاہتی ہوں۔'' چچی خاصے غصہ سے کہہ رہی تھیں اور تبھی تائی بیگم نے کہا مجھے تو کوئی اعتراض نہیں میرے لیے تینوں لڑکیاں ایک جیسی ہیں۔ ہم بار بار مریم کے لیے اس لیے کہہ رہے تھے کہ میرا بیٹا عمر اسے چاہتا ہے۔ وہ مریم کو پسند کرتا ہے اور اس کی خواہش پر بار بار مریم کا نام لیا۔ تمہیں پہلے کبھی اس لیے نہ کہا کہ لڑکیوں کی ماں ہو کہیں کچھ غلط نہ سمجھ بیٹھو۔'' صبا کہہ کر خاموش ہوئی۔

''چچی کی کنڈیشن خاصی پریشان کن تھی یہ انکشاف سن کر عمر اور مریم وہ بار بار پوچھ رہی تھیں میٹنگ روم میں یکدم خاموشی چھا گئی تھی۔ نتیجہ نجانے کیا نکلنے والا تھا اور میں خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگی کہ تم سب لوگوں کو آنے والے خطرے سے آگاہ کرتی

ہوں۔'' صبا چپ ہوگئی تو ثوبان مسکرا کر آگے بولا۔
''تبھی انٹری ہوئی ہماری یعنی بینک منیجر صاحب کی۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ مریم نے محض اس شخص کی تصویر دیکھ رکھی تھی اب روبرو پہلی ملاقات تھی۔
''اور صبا جس طرح کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح بھاگتی ہم سے ٹکرائی ہم تو وہیں گم سم ہو گئے۔ ہماری والدہ کو کون سی لڑکی پسند ہے ہم بھول گئے اور یہ بھی بھول گئے کہ ہم یہاں کیوں بلوائے گئے ہیں۔ بس اپنی بہن صاحبہ کو دل کی بات بتائی اور اسی شام امی اور باقی گھر والوں کے ہمراہ ہم خاور کے گھر پر موجود تھے۔''
''کیا؟'' وہ اب تک بالکل خاموش تھی اب حقیقتاً چونکی۔
''صبا، ثوبان کی امی کو بھی بہت پسند آئی اور یوں آناً فاناً رشتہ طے پا گیا۔'' یہ فوزیہ تھی۔ مریم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔
''اور اسی شام امی جی نے ہتھیار ڈال دیئے سکندر اور آمنہ کے ساتھ ساتھ تمہارے اور عمر کے پروپوزل کو بھی قبول کرلیا۔'' فوزیہ مزید مسکرا کر انکشاف کر رہی تھی۔
''تبھی عمر بھائی نے ہم سب کو اپنا پروگرام بتایا۔ پہلے تو ہم میں سے کوئی بھی نہ مانا اگر بڑوں تک بات پہنچ جاتی تو خاصی کھنچائی ہوجانی تھی مگر عمر کے بار بار اصرار پر ہم لوگ راضی ہو گئے۔'' صبا ہنس کر کہہ رہی تھی۔
''عمر بھائی تمہیں سرپرائز دینا چاہتے تھے نا۔'' آمنہ بھی ہنس کر بولی۔
''اور ساتھ یہ بھی چیک کرنا چاہتا تھا کہ عمر بھائی کی طرف سے برتی جانے والی بے پروائی اور نوکیئر والا انداز محض اوپر سے ہے یا حقیقتاً تمہیں ان سے کوئی لگاؤ نہیں۔'' یہ سکندر تھا اس نے کھا جانے والی نظروں سے عمر کو دیکھا جو اس سارے وقت میں سینے پر ہاتھ باندھے سب کو بولتے دیکھ کر محض مسکرا رہا تھا۔
''اور نتیجہ میری توقع کے مطابق نکلا۔ اب کوئن میرے کورٹ میں تھی۔'' وہ پہلی بار بولا تھا۔ مریم نے ایک دم غصے سے ہاتھوں میں پڑا گجرا نوچ کر اسے دے مارا تھا جسے اس نے کیچ تو کرلیا تھا مگر باقی سبھی ہنس دیئے تھے۔
''تم سب لوگ انتہائی جھوٹے، ڈرامہ باز اور فسادی ہو۔'' وہ سخت غصے میں تھی۔ واقعی سب نے کس طرح مل بھگت کر کے اسے ہینڈل کیا تھا اس کے احتجاج بھوک ہڑتال، غم وغصہ کی ہوا بھی امی یا ابو کو لگنے نہ دی تھی۔ اس نے جب بھی امی سے انکار کرنا چاہا تو یہ سب اسے آ پکڑتی تھیں اور امی ابو تو اب بھی بے خبر تھے کہ وہ بیہوش کیوں ہوئی ہے۔
عندلیب نے یہی کہہ کر سب کو ہینڈل کیا تھا کہ ''منگنی کی تیاریوں کی بھاگ دوڑ میں اور روزے کی حالت میں کمزوری ہوگئی ہے۔ اسی لیے بیہوش ہوگئی ہے۔'' اور امی نے بھی فوراً یقین کرلیا تھا کہ بہرحال دو دن سے ہلکی سی حرارت اسے پہلے بھی محسوس ہو رہی تھی صبح بھی بخار تھا۔
''دیکھو تمہیں ہمارا شکر گزار ہونا چاہیے کہ تمہیں تمہاری محض جھوٹی انا کا شکار ہونے سے بچا لیا۔ میرے بھائی سے بڑھ کر تمہیں کوئی نہیں چاہنے والا اور یہ ثوبان بھائی تو پہلے ہی صبا کی پہلی نگاہ بلکہ ٹکر کا شکار ہو چکے ہیں۔ تمہاری بیہوشی کے دوران محترمہ کو انگوٹھی پہنا کر بات پکی کر چکے ہیں۔ بے شک دیکھ لو۔'' ردا نے صبا کا ہاتھ پکڑ کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تو وہ بے دم سی ہو کر

واپس بستر پر سیدھی ہوگئی۔

اس کے دل و دماغ ایک دم خاصے پُرسکون اور مطمئن ہو گئے تھے۔ سب ہنس رہے تھے۔ باتیں کر رہے تھے۔ اس کے گزشتہ دنوں کی حالت مرچ مسالا لگا کر بیان کر رہے تھے۔ قہقہے تھے، شوخیاں تھیں، اس نے ایک گہرا سانس لیتے عمر کی طرف دیکھا۔

وہ مسکرا رہا تھا گہری روشن مسکراہٹ تھی اس کے لبوں پر۔ اس کے دیکھنے پر وکٹری کا نشان بنایا تو گھبرا کر اس نے خاور بھائی کی طرف چہرہ پھیر لیا اس کا اور صبا کا کارنامہ حاضرین محفل کو سنا رہے تھے اور عمر مزے سے گنگنا رہا تھا۔

زندگی کی حسین رہ گزر
ڈھونڈتی ہے کوئی ہم سفر
جس کو پانے کی ہے آرزو
آ ملے گا کسی موڑ پر
زندگی کی حسین رہ گزر

مریم کو اپنا چہرہ بلش ہوتا محسوس ہوا۔ عمر کا دھیما سلجھا لہجہ بڑا دل نشین تھا۔

ہم سفر کا اگر ساتھ ہو
راہ آسان ہو جائے گی
مل کے دھڑکیں گے جس گھڑی
جگمگانے لگے گی ڈگر
زندگی کی حسیں رہ گزر
ڈھونڈتی ہے کوئی ہم سفر
جس کو پانے کی ہے آرزو
آ ملے گا کسی موڑ پر

مریم نے مسکراتے ہوئے تکیے سے سر ٹکا کر پوری توجہ خاور بھائی کی طرف مبذول کر لی تھی۔

❖ ❁ ❖

اگلے صفحے پر ملاحظہ کیجیے

میری دُعا ہے تو سدا مسکراتی رہے
تیری مسکراہٹ چمن میں گل کھلاتی رہے
تیری آنکھوں میں آنسو کبھی نہ آنے پائیں
تاریکی شب تیرا کاجل چراتی رہے

رمضان پہلے عشرے کا آخری دن تھا، صبح کڑکتی دھوپ تھی مگر اب موسم بدل گیا تھا۔
موسلا دھار بارش سب کو ہی خوفزدہ کیے دے رہی تھی۔ جویریہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے آئی ماہم کا بھی تشویش وخوف سے بُرا حال تھا اسے ایسے موسم شروع سے ہی بُرے لگتے تھے۔ جان تک لرزاں ہوجاتی تھی۔ ایسے موسم میں وہ ہمیشہ اپنے کمرے میں گھسی کوئی نہ کوئی کتاب پکڑے ورق گردانی میں مصروف رہتی تھی مگر اب بدقسمتی سے وہ یوں جویریہ کی خواہش پر اس خوفناک موسم کے تیور سہتی خود پر بمشکل جبر کرتی اندر ہی اندر سخت ہراساں تھی۔

''آئے موسم رنگیلے سہانے ، جیا نہیں مانے ...... تو چھٹی لے کر آجا بالما......'' اس کے سخت خوفزدہ اور پریشان چہرے کو دیکھتے ہوئے جویریہ کو شرارت سوجھ رہی تھی اس نے سخت خشمگیں نظروں سے اسے گھورا۔
اک تو موسم نے موڈ سخت خراب کیا تھا دوسرا جہاں وہ کھڑی تھی وہ مین روڈ تھا۔ چاروں طرف سے گاڑیوں کے ہارن سنائی دے رہے تھے وہ دونوں بارش سے بچنے کے لیے ایک دکان کے شیڈ کے نیچے کھڑی تھیں۔
''اگر تمہارے اس رنگیلے سہانے موسم کے تیور ایسے ہی جان لیوا رہے تو قوی گمان ہے کہ آج کی تاریخ میں ہم لوگ گھر پہنچنے سے رہے۔'' اگرچہ وہ شیڈ میں کھڑی تھیں مگر تیز بارش نے دونوں کو ہی اچھا خاصا گیلا کرڈالا تھا۔ اپنی پیشانی سے بارش کے قطرے صاف کرتی وہ سخت نالاں ہورہی تھی۔
''واقعی ...... پتا نہیں لوگ اس موسم میں کیسے انجوائے کرلیتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی موسم ہے۔ خوامخواہ رنگیلے سہانے نام رکھ کر بیچارے کو بدنام کیا گیا ہے۔ جویریہ کے ہونٹوں پر ابھی تک شرارت مچل رہی تھی اور شرارت کا پس منظر کیا تھا وہ بھی ماہم اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔
''ہاں یہ سچ ہے کہ یہ سہانے موسم ہمارے شہر کی خستہ حال سڑکوں کو مزید سہانا کررہے ہیں......'' ماہم اسے گھور کر رہ گئی۔
''ساون آئے ...... ساون جائے......'' قریب سے ہی تین چار شوخ وشریر، لاپرواہ موسم کی سرمستیوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے لڑکوں کا ایک گروپ گزرا تھا۔ شریر چلبلی اور لااُبالی آوازیں ''ساون'' کے موسم کی ترجمانی کرتی ان کے کانوں سے ٹکرا کر سخت غصہ دلا کر چلی گئی تھیں۔

''ہو......ہاؤ......'' کی آوازیں چلتے چلتے گہری نظروں سے دیکھتے ان دونوں پر بھی اچھالی گئی تھیں۔

ماہم نے قدرے ناگواری سے اپنے گرد بڑا سا گیلا دوپٹہ اچھی طرح لپیٹتے ہوئے کوفت کا اظہار کیا تھا اور ایک نظر رسٹ واچ پر ڈالی تھی۔ جواباً جویریہ اس کی شکل دیکھ کر ایک دم کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ وہ مزید تپ گئی۔ سخت گراں گزری اس سے اس کی ہنسی۔

''قسم سے جویریہ! اگر اسی طرح اس غیر محفوظ شیڈ کے نیچے کچھ پل میں مزید کھڑی رہی تو گھر تم میری لاش لے کر ہی جانا۔ توبہ میرے اللہ...... حد ہوتی ہے۔ انتظار اور برداشت کی بھی ایک تو روزہ ہے اوپر سے صبح کی بازار کی خواری اور اب یہ آفت ناگہانی بارش۔'' وہ کوس رہی تھی جویریہ مسکراتے ہوئے اردگرد دو دو فٹ پانی دیکھ کر اپنی ہتھیلی پر بارش کا پانی جمع کرتے ہوئے اس کی دہائی سنی اَن سنی کر رہی تھی۔

''بھئی اب میں کیا کر سکتی ہوں۔ تم دیکھ تو رہی ہو کہ کوئی سواری وغیرہ تو مل نہیں رہی۔ تمہارے سامنے ہی تو گھر فون کیا تھا۔ ابو بھی گھر پر نہیں تھے۔ امی تھیں میں نے کہہ دیا کہ سکندر بھائی کے آفس فون کر کے انہیں بھیجیں۔ میرے پاس تو ان کا نمبر بھی نہیں ہے۔ آج تو انہوں نے اپنا سیل بھی آف کیا ہوا ہے۔ اب بھلا میں کیا کر سکتی ہوں۔ کچھ دیر اور انتظار کرتے ہیں اگر سکندر بھائی آ گئے تو ٹھیک ہے ورنہ اسی حلیے میں سٹاپ تک چلتے ہیں وہاں سے اللہ کرے کوئی ٹیکسی وغیرہ مل جائے۔'' شیڈ کے نیچے بنی سیمنٹ کی سل پر اپنا سامان رکھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا تو ماہم کا سکندر کا نام سن کر بے چینی سے اور بھی بُرا حال ہو گیا۔

اسے تو شروع سے ایسے موسم سے سخت الرجک رہی تھی ادھر موسم کے تیور بدلے نہیں ادھر وہ کمرے میں گھسی نہیں وہ اس وقت کو کوسنے لگی جب جویریہ کے اصرار پر شاپنگ کے لیے آنے پر راضی ہو گئی تھی۔ اپنے بھیگے لباس پر سخت کوفت کے ساتھ ساتھ شرمندگی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اندر ہی اندر سکندر کی اس غیر ذمہ داری پر اُبال بھی اُٹھ رہے تھے۔ آدھا گھنٹہ ہونے کو تھا گھر فون کیے ہوئے۔

وہ حد سے زیادہ حساس اپنے آپ کو سینت سینت کر رکھنے والی عورت تھی مگر بدقسمتی سے اب یہ صورتحال درپیش تھی۔ آتے جاتے مردوں کی بے باک چھیدتی نظریں اپنے وجود پر محسوس کر رہی تھی۔

''اب تو میرا یہ جی چاہ رہا ہے کہ میں بھی یہ گانا گانا شروع کر دوں وہ بھی رو رو کر۔'' اپنے اندر کے سارے غصے کو ہاتھ میں لے کر پکڑے شاپنگ بیگ کو جویریہ کی جھولی میں پٹخ کر خونخوار انداز سے گھورتے ہوئے اُتارا تھا۔ وہ قدرے چونکی پھر اس کی دھواں دھواں ہوتی بارش کے قطروں سے جھلملاتی من موہنی سی صاف شفاف صورت دیکھ کر بت اختیار چھلک آنے والی ہنسی اپنے ہونٹوں پر ضبط کرنے لگی۔

''کیا......کون سا گانا......'' وہ خونخواری سے اسے گھورتے ہوئے دھکیل کر اپنے لیے جگہ بنا کر ساتھ ہی سل پر بیٹھ گئی۔

''بڑے غیر ذمہ دار ہیں تمہارے سکندر بھائی! میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ میں پھوٹ پھوٹ کر رو دوں۔ اور اپنا تماشہ بن جانے پر یہ گانا گاؤں کہ ہائے موسم مصیبت مارے...... میرا دل بڑا گھبرائے۔ کب آئے گا تو چھٹی لے کر ظالما......'' عجب روٹھا خفگی سے

بھرا سا انداز تھا جویریہ کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ ماہم اسے مزید گھورنے لگی تھی۔ پاس سے گزرتا لڑکا ٹھٹکا پھر دونوں کو دیکھ کر رُکا۔ گیلے بال سنوارے اور گلا کھنکھار کر متوجہ ہوا۔

''اوہ...... لگتا ہے سخت پریشان ہیں...... دیکھیے گھبرانے کی ضرورت نہیں...... میں شریف سا بے ضرر بندہ ہوں...... دل و جان سے خدمت کو حاضر ہوں...... کہیے کیا خدمت کروں۔'' باچھیں کانوں تک پھیلائے لوفرانہ اسٹائل میں سگا بنا پوچھ رہا تھا۔ دونوں کے چہرے ایک دم سپاٹ ہوگئے۔ وہ کس قدر شریف تھا اس کی آنکھیں صاف بتا رہی تھیں ماہم نے دوپٹہ درست کیا۔

''کیوں پاگل ہیں آپ...... گھر میں اماں اور بیوی کی خدمت سے تنگ آ گئے ہیں کیا جویریہ نیک فریضہ سنبھالتے ہیں آ موجودہ ہیں۔'' جویریہ نے استہزائیہ نظروں سے اسے سرتاپا گھورتے مسخرے پن سے کہا تو وہ لڑکا مزید پھیلا۔

''اجی...... کہاں بیوی...... ابھی تو میں کنوارا ہوں۔'' اس لڑکے نے بھی لوفر پن کی حد کر دی تھی۔ کیا خوب تھا شرمانے کا انداز۔''

''چپ کرو...... کیوں ایسے پاگلوں کے منہ لگ رہی ہو۔'' حد سے زیادہ محتاط پھونک پھونک کر قدم رکھنے والی ماہم اس کے کان میں منمنائی۔

''ارے آپ نے پاگل کیا...... ذرہ نوازی ہے آپ کی...... پاگل ہوں تو نہیں مگر لگتا ہے آپ کے حُسن کو دیکھ کر ضرور پاگل ہو جاؤں گا......'' ماہم پر ایک اندر تک اُترتی ہوئی نظر ڈال کر وہ گویا ہوا تھا ماہم کے گویا رگوں میں خون تک جمنے لگا، کھانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

''ہائے...... ان ہرنی جیسی بیچاری آنکھوں پر اتنا ظلم......'' وہ مصنوعی کراہا۔ جویریہ نے بھنا کر سینڈل اُتارا۔

''سنو دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ سینڈل تمہارا بُرا حشر کر دے گی۔'' جویریہ ایک دم آؤٹ کر رہ اپنی جگہ سے اُٹھی تھی۔ خونخوار انداز میں آگے بڑھنے کو تھی کہ ماہم نے لپک کر اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔ وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔ وہ لڑکا بدکا تھا۔ تھوڑا سا خائف بھی ہوا تھا مگر خوفزدہ ماہم کو دیکھ کر شیر بھی ہوگیا۔

''ارے جاؤ...... جاؤ دیکھی ہیں تم جیسی بڑی بڑی لڑکیاں۔ بڑی پُرانی دھمکی ہے یہ...... ہم بھلا کب ڈرتے ہیں ایسے حربوں سے۔'' وہ کچھ مزید قریب ہوتے ہوئے خاصے بڑے تیور لیے کہہ رہا تھا۔ ماہم کے لیے اب خود پر جبر کرنا مشکل ہوگیا تھا۔

''شٹ اپ...... منٹوں میں یہاں سے اب نو دو گیارہ ہو جاؤ ورنہ اپنی دھمکی پر عمل کرنے میں میں ایک منٹ بھی نہیں لگاؤں گی۔'' وہ طیش میں ایک دم چنگھاڑی۔ اس سمے اسے سب سے زیادہ سکندر پر غصہ آیا تھا جو نہ جانے کہاں تھا ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ اردگرد شاہراہ پر رش بہت کم تھا صرف دور دور سے ہی لوگ دکھائی دے رہے تھے ایسے میں وہ لڑکا دونوں کو تنہا مصیبت اور خوفزدہ تصور کر کے ہراساں کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ ماہم کے جواب میں وہ مزید بکواس کرتا زن سے ایک گاڑی ان کے قریب آ کر رُکی۔ ان کی توجہ ہٹی تھی اور وہ لڑکا رفو چکر ہوگیا تھا۔ گاڑی روک کر سکندر تیزی سے باہر نکلا تھا۔ اتنی دیر سے خود پر جبر کرتی ماہم کی آنکھوں میں نمی آ ٹھہری تھی۔ اتنی دیر لگائی تھی اس نے آنے میں۔

''اتنی دیر لگا دی آنے میں......'' جویریہ فوراً اس کی طرف لپکی تھی۔ سکندر دھیرے سے مسکرا دیا۔ پھر ایک نظر تیکھے انداز لیے

چپ چاپ جامدی سردمہری چہرے پر سجائے ماہم کو دیکھا۔کندن سا سراپا پرپل کلر میں اور غضب ڈھا رہا تھا۔سوٹ کے ہم رنگ بڑا سا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا اس کے باوجود بارش نے اس کے وجود کو بھگو دیا تھا۔ چہرے پر ناراضگی بھرے تاثرات تھے ایک سخت ناراضگی کا تاثر دیتی نظر ڈال کر وہ دائیں طرف دیکھنے لگی تھی۔سکندر نے ایک گہری سانس لے کر دیکھا جویریہ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول رہی تھی اس نے بھی ماہم کے ہاتھ سے سامان لینے کو ہاتھ بڑھایا تو اس نے ہاتھ پیچھے ہٹالیا۔

''نو...... تھینکس...... شکریہ......'' جویریہ نے پلٹ کر دونوں کو دیکھا تھا۔ ماہم کے چہرے پر خفگی بھرے تاثرات پڑھے جا سکتے تھے۔پچھلے لمحوں وہ دونوں کس قدر روڈ پر لیس رہی تھی وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ وہ اس وقت سکندر سے اس طرح کا بی ہیو کیوں کر رہی تھی۔ دونوں کو قصداً نظر انداز کر کے اندر بیٹھ گئی ماہم نے بھی سیٹ کی طرف قدم بڑھانے چاہے تھے جب سکندر ایک دم اس کی راہ میں حائل ہوا تھا۔ پچھلا دروازہ بند کر کے اس ہاتھ سے چھیننے والے انداز میں سامان لے کر کھڑکی سے اندر ڈال کر اس کا بازو پکڑ کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر دھکیلنا چاہا تھا۔

''یہ...... یہ...... کیا بدتمیزی ہے؟''اس قدر جرأت پر ماہم کی تو جان ہی سلگ اُٹھی۔ پھاڑ کھانے والا انداز تھا۔ دونوں تیز بارش میں بھیگ رہے تھے۔ وہ اندر بیٹھنے کے بجائے اس طرح ایستادہ تھی، خونخوار، خفگی بھرے ناراض تیور لیے سکندر دانستہ مسکرا دیا۔

''بارش ہو رہی ہے اور بہت تیز ہے۔اسی طرح بھیگتی رہیں تو بیمار پڑ جاؤ گی۔شاباش اندر بیٹھو......''اس کا بازو پکڑ کر اسے بٹھانا چاہا تو اس نے سختی سے ہاتھ جھٹک دیا۔

''آپ کو پروا نہیں ہونی چاہیے۔ میں بیمار پڑوں یا مروں...... آپ اپنے آفس کو سنبھالیے، کیا ضرورت تھی اس خواری کی......'' آنسو چھلک آئے تھے۔ جو بارش کے پانی میں تحلیل ہو گئے تھے مگر آواز حد سے زیادہ خفگی کا اظہار کر رہی تھی۔

''سوری بہت ضروری کام تھا...... بس تھوڑی دیر ہو گئی۔ مگر آ تو گیا ہوں۔'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہہ رہا تھا ماہم نے مطلق دھیان نہ دیا۔

''ماہی...... یہ کیا بچپنا ہے۔ آرام سے اندر بیٹھو ورنہ میں اُٹھا کر اندر پھینک دوں گا۔''اس کو اسی طرح اڑیل ٹٹو کی طرح منہ بسورتے کھڑے دیکھ کر اس نے سختی سے کہا تو ایک کاٹ دار نظر ڈال کر وہ گاڑی کے اندر گھس گئی۔ دروازہ اس قدر زور سے بند کیا کہ چھوٹی موٹی گاڑی ہوتی تو ہل کر رہ جاتی۔ سکندر نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے چور نظروں سے جویریہ کو دیکھا وہ مسکرا رہی تھی۔

''ہونہہ...... دیر ہو گئی تھی...... صاف کہتے آنا ہی نہیں چاہتے تھے۔'' آواز میں بڑبڑاتے دل ہی دل میں کلس رہی تھی۔ بڑے آئے رُعب جھاڑنے والے۔ بیمار پڑ جاؤں گی۔ جانتی ہوں ساری ہمدردی۔ اتنا ہی خیال ہوتا تو اتنی زیادہ تاخیر ہی کیوں کرتے۔''اس کی بڑبڑاہٹ پر جویریہ نے بمشکل اپنا چھلک آنے والا قہقہہ روکا تھا۔ وہ بھی ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

''تم دونوں کو آج اس موسم میں اس طرح شاپنگ کرنے کی کیا سوجھی تھی۔''سائیڈ مرر ماہم کے خفا ''نو لفٹ'' کا بورڈ شو کیے چہرے پر سیٹ کر کے اس نے گاڑی سٹارٹ کر کے راستے پر ڈال دی۔

''مجھے بھلا کیا سوجھنی ہے؟ صبح جب گھر سے نکلے تھے تو کتنی خوبصورت گرم دھوپ تھی۔ کیا پتہ تھا بارش ہو جائے گی۔'' جویریہ نے کہا تھا۔ ماہم اندر کے ماحول سے بالکل کٹی چہرے کا رُخ موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔ پانی کے قطرے ابھی بھی چہرے پر موجود تھے۔ سردی کی وجہ سے وجود کپکپا رہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو آپس میں جکڑ لیا۔

''امی نے اطلاع دی تھی آپ کو اور آپ نے موبائل کیوں بند کیا ہوا تھا۔'' جویریہ پوچھ رہی تھی اس نے سر ہلا دیا۔

''بیٹری ڈاؤن تھی۔ اس لیے سگنل نہیں مل رہے تھے۔'' ایک نظر ماہم پر ڈالی۔ گیلی وہ تھی کپکپی اس کو اپنے اندر محسوس ہو رہی تھی۔

''میں آفس کا نمبر بھول گئی تھی اس لیے امی کو کہا تھا کہ وہ آپ کو اطلاع کر دیں۔''

''اچھا...... مگر ماہم کے پاس تو نمبر ہے نا...... اچھی طرح ازبر ہے۔ کیوں ماہم......'' اس نے قطعی لاتعلقی کا اظہار کرتی ماہم کو چھیڑا تھا۔ اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں چہرہ موڑ کر اسے دیکھا وہ ادھر متوجہ تھا۔ نظروں کا تصادم ہوا تھا۔ کچھ تھا سکندر کی آنکھوں میں۔ ماہم کو اپنے اندر ایک کوندا سا لپکتا محسوس ہوا وہ سرعت سے نظریں پھیر گئی۔ اس سمے دل کی حالت کچھ عجیب سی ہوئی تھی۔ سارا اختیار بے اختیاری میں بدلتا چلا گیا تھا۔

''آج دسواں روزہ ہے۔ سوچا تھا کہ شاپنگ کر لی جائے پھر تو مصروفیت میں نکلنا بھی نہیں ہوتا۔ ماہم تو آج آنے پر راضی ہی نہیں تھی وہ بھی روزے کی حالت میں گھر سے نکلنے میں ہی زبردستی گھسیٹ لائی تھی اور اب اس بارش نے سارے پروگرام کا ستیاناس کر دیا ہے۔''

سکندر نے ایک نظر اپنی شہادت کی اُنگلی سے اپنا تر چہرہ صاف کرتی ماہم کو دیکھا پھر آہستگی سے ٹشو باکس سے چار پانچ ٹشو کھینچ کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ ماہم جو اپنے اوپر کچھ کنٹرول کر چکی تھی اس عنایت پر چونکی۔ کچھ حیرت اور بے یقینی سے دیکھا وہ متوجہ کب تھا سامنے دیکھ کر صرف دائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالے ڈرائیو کر رہا تھا۔ دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھائے ٹشو تھام لیے جانے کا منتظر تھا۔ اس نے آہستگی سے ٹشو تھام لیے۔ وہ اس سے زیادہ دیر خفا بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ یہ اس کی مجبوری تھی۔ گیلا چہرہ صاف کر کے ماہم نے ٹشو ڈیش بورڈ پر پھینکنے چاہے تھے جب سکندر نے ایک مسکراہٹ اس کی طرف اُچھالتے اس سے وہ استعمال شدہ ٹشوز تھام لیے وہ سمجھ بھی نہ سکی تھی کہ وہ ان سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگا تھا۔ ماہم ایک دم پزل سی ہو گئی۔

نہ جانے اس شخص کے تیور کیا تھے؟ کیوں تھے؟ کہاں وہ کبھی ایک نظر ڈالنے کا بھی روادار نہیں تھا اور کہاں اب اس قدر التفات پر آمادہ تھا۔ اس قدر دھیان کب رکھتا تھا وہ اس کا۔ وہ کنفیوژ سی ہو گئی تھی بے حد گھبرا کر گردن موڑ کر جویریہ کو دیکھا وہ اپنی بے ساختہ دھیمی مسکراہٹ کو اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر چھپانے کی کوشش میں چہرہ پھیر کر قطعی لاعلم ہونے کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ ماہم پر گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ کچھ خفگی سے چہرہ باہر پھیر لیا۔

''حد ہے کتنا ان رومینٹک کپل ہے آپ دونوں کا...... میں آپ دونوں کو فل موقع دے رہی ہوں اور آپ ہیں کہ......'' جویریہ نے ماہم کے یوں خفگی سے چہرہ پھیر لینے پر کہا تھا۔ سکندر کا جاندار قہقہہ بے ساختہ تھا۔ ماہم مزید سرخ پڑ گئی۔

''مثلاً کیا؟ کیا موقع؟ ڈیئر سسٹر اپنے اس جملے کی ذرا وضاحت بھی کر دیں۔'' ایک نظر ماہم کے سرخ ٹمٹماتے چہرے پر

ڈال کر ہنسی ہونٹوں پر دبا کر پوچھا تھا۔

''میں لاکھ وضاحت کروں۔ آپ دونوں پر کون سا اثر ہو جانا ہے۔ آپ کیا ماہم بھی گنوں کی پوری ہے۔ ایک مشرق ہے تو دوسرا مغرب۔ مجال ہے جو اس درمیانی فرق کو ختم کیا ہو کبھی۔'' ماہم اسے اندر ہی اندر کوس رہی تھی مگر جویریہ اس کے تیوروں سے بے خبر باآواز بلند چڑا کر کہہ رہی تھی۔

''اوہ...... تو مائنڈ یو پیاری سسٹر! جو گنوں کے پورے ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ موضوع گفتگو بننے سے پرہیز کرتے ہیں۔ جب اپنے جملہ حقوق محفوظ ہیں تو ہم سرِ عام مظاہرہ کیوں کریں۔ کیا سمجھیں......'' وہ بظاہر اسے چھیڑ رہا تھا مگر نظریں سائیڈ مرر سے نظر آتے لمحہ بہ لمحہ سرخ ہوتے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

''سب سمجھتی ہوں...... پتا ہے مجھے......'' جل کر جویریہ نے کہا وہ کھل کر ہنسا تھا۔ اس کی ہنسی کے جلترنگ ماہم کے اندر انتشار سا پیدا کر گئے تھے۔

''چلو بھئی فرض کرو میں تمہیں خوش کرنے کو ڈائیلاگ جھاڑ دیتا ہوں مگر یار کیا گارنٹی ہے کہ میرے لفظوں کو بھی شرف قبولیت بخشا جائے گا۔'' وہ کن اکھیوں سے اسے دیکھتے کہہ رہا تھا۔ ایک دم اس کا لہجہ لو دینے لگا تھا۔ ماہم کے اندر کپکپی سرائیت کرتی گئی تھی۔ کتنے واضح الفاظ تھے۔ کتنا صاف مفہوم تھا۔ نکلنے کو سو معنی تھے۔ مگر وہ چاہنے کے باوجود سر اُٹھا کر مقابل کو نہ دیکھ سکی تھی اس کی نظریں صرف اپنے ہاتھوں کو گھورتی رہ گئی تھیں۔

''یہ تو بعد پر منحصر ہے کہ شرف قبولیت بخشا جائے گا یا نہیں۔ اصل بات تو ہمت کرنے کی ہے جو میں شرطیہ کہہ سکتی ہوں آپ سرعام کبھی نہیں کر سکتے۔'' جویریہ اب سکندر کو اُکسا رہی تھی ماہم اندر ہی اندر تلملا کر رہ گئی۔

''اوہ...... ہوں...... ہمت ہے یا نہیں...... مگر اصل بات جذبات کی ہوتی ہے۔ کھوکھلے لفظ یا جھوٹے مظاہرے قوتی خوشی مہیا ضرور کر سکتے ہیں۔ دائمی خوشی نہیں دیتے۔ میں دائمی خوشیوں کا قائل ہوں۔ قبل از وقت جھوٹے کھوکھلے الفاظ ضائع کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ جب حقوق محفوظ ہیں تو پھر چھوٹی موٹی بے ایمانیاں کیوں کروں۔ پیاری بہنا! حقیقت پسند آدمی ہوں۔ دوسرے معنی میں پریکٹیکل بندہ ہوں۔ اب اُلٹی سیدھی بکواس کرنے سے تو رہا۔''

ماہم کے اعصاب تک جھنجھنا اُٹھے۔ کیا کہہ گیا تھا وہ۔ اس کے نزدیک یہ سب بکواس تھا۔ اس کے چہرے کے زاویے بگڑنے لگے۔ اس نے حد درجہ سنجیدگی سے کہا تھا جویریہ بھی چپ سی ہو گئی تھی۔ ماہم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کوئی چیز اُٹھا کر جویریہ کے سر پر دے مارے جس نے اس کا رہا سہا بھرم بھی توڑ دیا تھا۔ اس نے یہ سب کیوں کیا تھا۔ وہ سب سمجھ رہی تھی۔ ماہم کے اندر ایک عجیب سی لہر اُٹھی تھی۔ اس نے اسے غم سے بوجھل کر دیا تھا۔ وہ لہر بوچھاڑ بن کر اس کے اندر کن من کا سبب بننے لگی تھی۔ نمکین پانی کا گولہ حلق میں اٹک گیا تھا۔ اپنا آپ سنبھالنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

''ہاں...... جانتی ہوں میں کتنے پریکٹیکل ہیں آپ؟ جدھر آپ کی امی نے باندھ دیا بندھ گئے۔ اتنے ہی شریف ہیں نہ آپ......'' تھوڑی دیر بعد جویریہ نے پھر جل کر کہا تھا سکندر مسکرا دیا تھا۔ گاڑی گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی۔ سکندر کی نظریں ماہم کے چہرے پر پڑیں تو ٹھٹک گئیں۔ وہ سر جھکائے آنسو بہانے میں مصروف تھی۔ اس کے مسکراتے لب ایک دم

ساکت ہو گئے۔ جویریہ اور اس کے الفاظ کس قدر اس کو دُکھی کر سکتے ہیں وہ قطعی بے خبر تھا۔ لب بھینچے ایک نظر پھر ڈالی وہ چہرہ موڑ گئی تھی۔ سوائے دہکتی سرخ ناک کے کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

اس سمے جویریہ کی یہ قینچی کی طرح بلا سوچے سمجھے چلتی زبان سخت گراں گزر رہی تھی۔ اعصاب سکڑ سے گئے تھے۔ گاڑی پورچ میں جا کر جیسے ہی رُکی۔ ماہم اندر بڑھ گئی تھی۔ لاؤنج میں امی بیٹھی ہوئی تھیں۔ سلام کر کے کمرے میں گھس گئی۔ اس وقت چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ بس ضبط چھلک آنے کو بے تاب تھا۔ بیدردی سے اپنے رُخسار رگڑ کر چادر نوچ کر صوفے پر پھینکی تھی۔ سردی سے وجود کپکپا رہا تھا۔ الماری سے گرم سوٹ نکال کر فوراً باتھ روم میں گھس گئی۔ آنکھیں مسلسل جل رہی تھیں پانی کی روانی میں کتنے ہی آنسو بہہ گئے۔ نہا کر دل کا غبار نکال کر لباس پہن کر باہر نکلی تو اپنے کمرے میں صوفے پر سکندر کو براجمان دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ سکندر نے اس پر ایک بھرپور نظر ڈالی تھی۔ دھلا دھلایا نکھرا نکھرا معطر وجود ساری کثافت بہا لے گیا تھا۔ گرے کلر کا گیلا لباس بدن پر جا بجا چپکا ہوا تھا۔ لمبی اُلجھی زلفوں کا آبشار پشت پر بکھرا قطرہ قطرہ پانی ٹپکا رہا تھا۔ وہ چند لمحوں تک اس کے وجود سے نظریں نہیں ہٹا پایا تھا۔ وہ خجل ہوتی ایک الماری کی طرف بڑھی تھی۔ وہاں دوپٹہ نکال کر کندھوں پر پھیلا لیا تھا۔ ''آپ...... اپنے کمرے میں اس کی موجودگی اس کے ہاتھ پاؤں پھیلا دینے کو کافی تھی۔ صرف یہی کہہ سکی تھی۔

''یہ سامان رکھنے آیا تھا۔'' اس نے صوفے کے قریب رکھے شاپنگ بیگز کی طرف اشارہ کیا وہ چپ ہو گئی۔ وہ چند منٹ تو اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر صوفے سے اُٹھ کر دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتا اس کے قریب آ رُکا تھا۔ ماہم کی پلکیں ان دیکھے بوجھ سے جھک گئی تھیں۔ اندر ہی اندر گھبراہٹ ہونے لگی۔ آنکھوں کو جھکا کر چہرہ پھیر لیا مبادا اس کے آنسوؤں کا راز نہ کھل جائے۔

''ماہی......'' اس کی نازک سی لانبی انگلیوں والے کپکپاتے شفاف ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اس نے پکارا تھا۔ وہ ذرا دیر کو پلکیں اُٹھا پائی تھی پھر نہ صرف چہرہ جھکا لیا تھا بلکہ اپنے ہاتھ چھڑا کر رُخ بھی موڑ گئی تھی۔ وہ اس کے اس قدر قریب کھڑا تھا اس کے یوں سرعت سے رُخ موڑنے پر گیلی زلفوں کے کئی موتی اس کے سینے پر گرے تھے۔ روح تلک میں ایک ٹھنڈی لہر اُتر گئی تھی۔ جس کی ٹھنڈک کو اس نے پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔

''جی کہیے...... کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟ میں سن رہی ہوں۔'' اسے کچھ پل لگے تھے خود کو مضبوط کرنے میں وہ پھر پہلے جیسی اکھڑ مزاج، تند خو لڑکی بن گئی تھی ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کے کہے لفظ اسے اچھی طرح از بر تھے۔ کتنی ہتک محسوس ہوتی تھی۔ کتنا خود کو گھٹیا محسوس کیا تھا کچھ دیر پہلے ماہم نے۔ اب تو وہ صرف پھر اپنی انا کے مضبوط قلعے میں بند ماہم افتخار تھی۔ وہ دل سے زیادہ دماغ کی مانتی تھی۔ ''سنو...... رئیلی میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ مجھے اندازہ ہے تمہیں دُکھ ہوا ہو گا۔ مگر بلیومی۔ وہ تو خود بخود گفتگو جویریہ کی باتیں سن کر اس رُخ پر چلی گئی تھی۔ اگر تمہیں بُرا لگا......'' وہ مزید کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔ جب وہ ایک دم پلٹی تھی۔

''پلیز مجھے نماز ادا کرنی ہے۔ دیر ہو رہی ہے...... ایکسکیوزمی......'' اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتا وہ ایک دم اُس کے سامنے سے ہٹی پھر وضو کی نیت سے دوبارہ باتھ روم میں جا بند ہوئی وہ ایک گہری سانس خارج کرتا بند دروازے کو گھورتا رہا اور گہری سانس بھرتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

نماز تراویح ادا کر کے وہ کچن میں چلی آئی۔ افطاری کے بعد کے تمام برتن سنک میں دھونے والے پڑے ہوئے تھے وہ جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی برتن خالی کر کے چھوٹی موٹی تمام بے ترتیب چیزیں بکھرے ڈبے سب کچھ ان کی جگہ پر ترتیب سے رکھا۔ ٹیبل پر کپڑا لگا کر برتنوں سے طبع آزمائی کرنے لگی سامنے اسے مصروف دیکھ کر دروازے پر ہی رُک گیا۔ پردۂ ذہن میں کچھ الفاظ سے گردش کرنے لگے۔

اک دن اک پاگل لڑکی نے
اپنے گھر کی اونچی چھت سے
اپنے سارے خواب اُتارے
خواہشوں کے ٹکڑوں کو جوڑا
گیلے کپڑے تیز ہوا کے ہاتھ سے چھینے

ماہم اسے یوں رُکتے پھر غور سے دیکھتے محسوس کر کے پلٹی۔

''کیا بات ہے کچھ چاہیے آپ کو......'' وہ پوچھ رہی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔ پھر سر جھٹکا اور اندر داخل ہوا۔ وہ برتن دھو کر ٹوکری میں رکھ رہی تھی۔ وہاں سے ایک گلاس اُٹھایا اور اس کے قریب ہی جا رُکا۔

''ایک گلاس پانی تو دو ذرا......سارا دن روزہ ہوتا ہے اور افطاری کے بعد پیاس بھی اسی حساب سے لگتی ہے۔'' ہلکے سے اپنے سر کو جھٹکتے گلاس اس کی طرف بڑھائے کہہ رہا تھا وہ جو اس کے لفظوں کے زیر اثر تھی۔ اس عمل کو نہ سمجھ سکی تھی۔ حیرانگی سے بدستور دیکھ رہی تھی وہ مزید مسکرا رہا تھا پھر تھوڑا سا اس کی طرف جھکا تھا۔

''قسم سے ماہم! بہت پیاس ہے اندر تلک......کیا پیاس نہیں بجھاؤ گی؟'' خمار آلودہ لہجہ آنکھوں میں عجب رنگ لیے مسکرا رہا تھا۔ ماہم چونک گئی تھی۔ ایک دم پزل ہو کر پیچھے سرکی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے گلاس تھام لیا تھا۔ نل سے پانی بھر کر اسے پکڑا دیا تھا۔ اس کی طرف دیکھنے سے قصداً گریز کیا۔ وہ گلاس لے کر اسٹول پر جا بیٹھا تھا۔ رُخ موڑ کر سنک کو دھو کر نل بند کیا۔ سکندر پانی پی کر اسے ہی بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ گلاس لینے اس کے قریب آئی تھی۔ گلاس لینے کو ہاتھ بڑھایا تھا جب اس نے اس کا نرم ہاتھ تھام لیا تھا۔ ہاتھ یخ ہو رہا تھا۔ ماہم اسے دیکھتی رہی۔

''تم نے پوچھا نہیں میری اس نظم سنانے کا کیا مقصد ہے؟'' وہ دلکشی سے اس کے چہرے کے رنگوں پر نظریں جمائے پوچھ رہا تھا۔ ماہم نے ایک گہری سانس کھینچی۔

''مجھے کیا علم......نظم تو آپ نے سنائی ہے۔ مقصد بھی آپ کے ذہن میں ہوگا۔'' دھڑ دھڑ کر کے ساری خواہشوں کی تتلیاں اس کے ہاتھوں سے نکل گئی تھیں۔ بہت تلخی سے جواب دیا تھا۔ سکندر دیکھ کر رہ گیا۔ اس دن کے لفظوں کا اثر ابھی بھی اس کے چہرے پر تھا۔ ناراضگی ابھی بھی برقرار تھی۔

''اُس دن کی باتوں پر ابھی تک ناراض ہو۔'' اسی طرح ہاتھ تھامے بڑی لگاوٹ سے وہ پوچھ رہا تھا وہ تلخی سے مسکرا دی۔

''کیوں میری بھلا آپ سے کیا ناراضگی؟ آپ نے ایسی کون سی غلط بات کہہ دی تھی۔ آپ تو بہت حقیقت پسند آدمی

ہیں...... پھر یہ استفسار کیوں؟'' تلخی سے وہ اسے اسی کے لفظوں کی مار مار رہی تھی۔ وہ کھل کر ہنس رہا تھا۔

''ہاں یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ...... یہ موڈ ابھی تک بہتر کیوں نہیں ہوا۔ یہ جو میں نے سنا ہے تھوڑی تم پر آفت آتی ہے۔ کیوں آئی ایم رائٹ......'' نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔ ماہم کے اندر ایک آگ بھڑک اُٹھی تھی۔ اتنی دیر کی اس کی لن ترانیوں کا محرک یہ تھا۔

''میں واقعی ہی حقیقت پسند رہنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ تم بھی بن جاؤ۔ حقیقت پسندی سے انسان بڑے بڑے نقصانات سے بچ جاتا ہے...... بلیومی...... تمہاری ناگواری اور اس طرح ری ایکٹ کرنے سے مجھے اُلجھن ہونے لگتی ہے۔ کیا یہ نیا تعلق پُرانے رشتوں کو ختم کر گیا ہے۔ یا سرے سے تم کو یہ تعلق گوارا ہی نہیں؟'' ماہم کے بھینچے بھینچے اعصاب کشیدہ چہرے پر ایک گہری مسلسل نظر ڈال کر وہ پوچھ رہا تھا تو ماہم نے ایک دم جھٹکے سے اس کی گرفت سے اپنی کلائی کو آزاد کرا لیا تھا۔ جو بولی تو آواز اس کے اندر کے موسموں کا بخوبی پتا دے رہی تھی۔

''غلط فہمی ہے آپ کی۔ میری بھلا آپ سے ایسی کیا خفگی۔ اچھا ہوا نا کہ آپ کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دی ہیں اور پھر یہ کہ ہمارے درمیان پہلے کون سا بڑے خوشگوار تعلق تھے۔ استوار تھے جواب کشیدہ ہو جانے پر باعث ملال ہو جائیں گے۔ میں ایسی ہوں۔ البتہ آپ کو فکر ہونی چاہیے میں خوامخواہ آپ کی امی کی بدولت آپ کے سر منڈھ دی گئی ہوں۔'' تلخی ابھی بھی اس کی سپاٹ آواز میں رچی بسی تھی۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا تھا۔ کس قدر غلط فہمی کا شکار تھی وہ۔ وہ گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر اسے کھنگال کر اس کی جگہ پر رکھ کر فریج سے دودھ کا پیکٹ نکال کر اپنے لیے چائے بنانے لگی۔ وہ ابھی بھی بیٹھا ہوا تھا چپ چاپ خاموش۔ ہاں صرف اس کی آنکھیں باتیں کر رہی تھیں اور ماہم کو اس کی آنکھوں کی زبان سے ہمیشہ خوف آیا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کی آنکھوں سے ہار جاتی تھی۔ ہمیشہ اس کا بے پناہ اعتماد یقین بھروسہ خود اعتمادی، غرور، انا، پل ہی پل میں اس کی آنکھوں کو ایک نظر دیکھ لینے سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتے تھے۔ اس وقت بھی اس کی اسے ڈسٹرب کر رہی تھیں۔

''چائے پئیں گے......'' اس کی مسلسل چپ اور آنکھوں سے گھبرا کر اس نے پوچھا تھا۔ وہ ہنس دیا پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہاں ضرور پیئوں گا۔ اگر تم چاہ سے پلاؤ گی۔'' لفظ ''چاہ'' پر زور دیتے وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں اپنے کمرے میں ہوں۔ چائے بنے تو ادھر ہی دے جانا۔'' دروازے کے قریب رُک کر اس نے کہا تھا وہ پلٹی تو وہ جا چکا تھا وہ لب بھینچ کر کھڑی رہی۔ چائے بنی تو پہلے امی ابو اور جویریہ کو پہنچائی پھر ٹرے میں دو کپ لیے سکندر کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ خیال تھا کہ اسے کپ تھما کر فوراً اپنے کمرے میں چلی جائے گی۔ ادھ کھلے دروازے سے وہ اندر داخل ہوئی تو وہ الماری کھولے کھڑا تھا۔ جسم پر صرف ٹراؤزر تھا شاید سونے کا ارادہ تھا اسی لیے لباس بدل رہا تھا۔ ماہم کو بے پناہ شرمندگی شرم و خجالت کے احساس نے آ لیا۔ اسے کمرے میں دستک دے کر اجازت لے کر آنا چاہیے تھا اپنی حماقت و سنگین غلطی کا فوراً احساس ہوا۔

''سوری...... وہ...... میں'' اس کا سر جھک گیا تھا۔ اب وہ پلٹ کر واپس بھی نہیں جا سکتی تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ ٹرے یہیں پھینک کر سر پاؤں پر رکھ کر بھاگ جائے۔ شرمندگی سے چہرہ علیحدہ سرخ رنگ ہو گیا تھا۔

''اِٹس او کے...... بیٹھو تم......'' اسکائی بلیو شرٹ نکال کر کھڑے کھڑے عجلت میں پہنتے اس نے کہا وہ نفی میں سر ہلا گئی۔ پھر

نظریں اُٹھا کر مقابل کو دیکھنے کا یارہ کب تھا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک منٹ کی تاخیر کیے فوراً کمرے سے نکل جائے۔

''یہ چائے لے لیں۔'' کف اُلٹا کر شرٹ کے نچلے تین تین بٹن بند کر کے وہ عجلت میں اس کے قریب آ گیا تھا۔ ٹرے سے کپ اُٹھانے کے بجائے ٹرے ہی اس کے ہاتھوں سے تھام لی تھی۔

ماہم نے اس کے اس اقدام پر کچھ حیرت سے اُسے دیکھا تھا۔ وہ ٹرے بستر کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔

''بیٹھو......'' سکندر نے بستر کی طرف اشارہ کیا وہ نفی میں گردن ہلا گئی۔

''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' نظریں چراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دیا۔ وہ تو مجھے بھی آ رہی ہے مگر......'' ایک بھرپور نظر اس کے چہرے کے رنگوں کا طواف کرنے لگی۔ وہ حواس باختہ ہو گئی تھی۔ چہرے پر بے پناہ رنگ اُتر آئے تھے۔

''وہ میں جاؤں......'' وہ بھاگ جانے کو تھی۔ سکندر کے ہونٹوں پر بے پناہ رنگ اُتر آئے تھے۔

''ہاں ضرور...... پہلے میرے ساتھ چائے پیئو گی پھر......'' اک استحقاق بھرے انداز میں اس کا ٹھنڈا یخ ہاتھ تھام کر بستر پر لا بٹھایا۔ وہ خوفزدہ سی کوئی مزاحمت بھی نہ کر سکی۔

''ہاں بتاؤ اب...... کیا پریشانی ہے تمہیں؟ وہ کون سا مسئلہ ہے جس نے تمہیں یوں اُلجھا دیا ہے۔ کیوں ہر دم ہر پل مجھ سے کھنچی رہتی ہو۔ یہ ہر وقت کی بیزاری، لاتعلقی، اجنبیت، خودسری آخر کیوں؟'' ایک کپ اُسے تھما کر دوسرا خود لے کر چسکیاں بھرتے پوچھ رہا تھا۔ ماہم پر یہ لمحات بہت بھاری تھے۔ اس کے لب خود بخود بھینچ گئے تھے۔

وہ اسے کیسے بتاتی اسے کیا دُکھ ہے۔ کیا کیا غم اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا۔ کون سی انہونی خواہش اس کی ذات کے حصار کو چھیڑ رہی تھی وہ کچھ بھی تو اسے نہیں کہہ سکتی تھی۔ بہت چاہنے کے باوجود شکوہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ایک تھکی تھکی اُلجھی نظر سے اسے دیکھ کر وہ سراپا سوال بنا ہوا تھا۔ نظریں اس کے چہرے سے بھٹکتی ہوئی اس کے کھلے گریبان میں اُلجھ گئی تھی مگر اگلے پل ہی وہ نظریں چرا گئی تھی۔

''ماہی! بتاؤ۔ میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔'' اس نے اس کی چپ کو توڑنے کو پھر پوچھا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کرتے اسے دیکھا۔

''ایم سوری...... مجھے نہیں علم آپ کیا جاننا چاہتے ہیں۔ میرے پاس آپ کے ان لایعنی سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔'' تلخی سے کہہ کر وہ ایک کپ تھام کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ سکندر نے اسے دیکھا وہ دروازے کے پاس جا کر ایک پل رُک گئی۔ چہرے پر ایک استہزائیہ سی مسکراہٹ تھی۔ ''آپ تو بہت حقیقت پسند ہیں نا...... مجھے نہیں اندازہ آپ نے کس خیال سے مجھ پر یہ بات باور کروائی ہے مگر اتنا مشورہ ضرور دوں گی کہ یہ سوال مجھ سے بار بار کرنے کے بجائے آپ اپنے آپ سے کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ مجبوری آپ کے ساتھ ہے میرے ساتھ نہیں اور لڑکیوں سے کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ وہ کیا چاہتی ہیں؟ ان کی کیا خواہش ہے۔ انہیں تو صرف فیصلہ سنایا جاتا ہے اور سر جھکا دیتی ہیں۔ پھر ان سوالوں کا مقصد کیا۔ بہتر ہے سکندر صاحب آپ یہ سوال اپنے آپ سے کر لیں تو بہت جلد جواب بھی مل جائے گا۔''

یہ سب کہتے ہوئے دُنیا بھر کی ناگواری و بیزاری اس کے لہجے میں تھی وہ اپنی بات کہہ کر دروازے کی دہلیز پر پار کر گئی تھی۔

سکندر چائے کا ایک گہرا گھونٹ بھر کر وہیں کھڑا دیکھتا رہا جہاں وہ بادِ صبا کی طرح گزر گئی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ کبھی کوئی پرفیوم استعمال نہیں کرتی لیکن پھر بھی ایک مانوس سی خوشبو سکندر کو کمرے میں محسوس ہو رہی تھی۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے اس خوشبو کو اپنے اندر جذب کرنا چاہا تھا۔

''پاگل...... احمق لڑکی ......'' باقی ماندہ چائے اس نے ایک ہی گھونٹ میں حلق میں اُنڈیل کر کپ خالی کیا تھا۔

❖ ❁ ❖

ساری رات بیت گئی تھی۔ دور کہیں تہجد کی اذانیں ہو رہی تھیں ماہم نے بیدردی سے اپنا تر چہرہ صاف کیا۔ وہ سکندر کو کیا بتاتی اس کے دل کے اندر کتنی بدگمانیاں ہیں اس کے خلاف...... کس قدر منفی انداز میں وہ سوچتی ہے اس کے بارے میں مگر یہ سچ تھا وہ اپنے دل کی پوری گہرائیوں سے اسے چاہتی تھی۔ بہت شدت سے اس سے محبت کرتی تھی۔ ٹوٹ کر چاہتی تھی مگر اسی شدت سے اس سے متنفر بھی تھی۔ اس سے نالاں بھی تھی اس سے ہزاروں شکوے بھی تھے۔ دو ماہ پہلے ان دونوں کا نکاح ہوا تھا۔ مرینہ کی شادی پر۔ مرینہ سکندر کی چھوٹی بہن تھی۔ سکندر اس کا خالہ زاد تھا۔ شروع میں ابو امی کے ہاں جب کوئی اولاد نہ ہوئی تو نسرین خالہ نے سکندر کو ان کی جھولی میں ڈال دیا تھا اس وقت مرینہ اور سکندر دو ہی بہن بھائی تھے۔ امی ابو سکندر کو پا کر بہت خوش رہنے لگے تھے۔ شاید سکندر کے وجود کی بدولت ہی صرف دو سال بعد وہ خود پیدا ہوئی تھی جہاں اس کا وجود امی ابو کو نئی خوشیوں سے ہمکنار کر گیا مگر وہیں سکندر کی اہمیت اس کا مقام جوں کا توں برقرار تھا۔ نسرین آنٹی اور جبار انکل نے اسے واپس لے جانا چاہا مگر امی ابو نہیں مانے تھے وہ وہیں رہ گیا تھا۔ پھر جب امی ابو کے ہاں جویریہ پیدا ہوئی نسرین آنٹی کے ہاں مرینہ پیدا ہوئی تھی جویریہ کے بعد امی ابو کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تھی جبکہ نسرین آنٹی کے ہاں سبحان اور شاید اوپر تلے پیدا ہوئے تھے اس طرح سکندر ہمیشہ کے لیے ان کے پاس رہ گیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سکندر سے ان کی محبت مزید بڑھی تھی۔

''سنیہا جاوید'' وہ نام تھا جو ماہم کی شفاف محبت بھری زندگی میں پتھر کی طرح آیا تھا اور اس کی محبت بھرے دل کی جھیل میں ایک ہلچل مچا گیا تھا۔ سنیہا سکندر کے باس کی بیٹی تھی۔ وہ اسے پسند کرتا تھا شادی کرنے کا خواہاں تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا صرف تین ماہ پہلے کی ہی تو بات تھی جب سکندر نے اسے خود سنیہا کے متعلق بتایا تھا اور ساتھ یہ خواہش بھی ظاہر کی تھی کہ وہ سنیہا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور وہ اس سلسلے میں اس کی مدد کرے۔ وہ جو نہ جانے کب اسے چاہنے کی غلطی کر بیٹھی تھی۔ اس بات پر ہکا بکا رہ گئی تھی۔ ساتھ رہتے ایک ساتھ جوان ہوتے ایک دوسرے کے دُکھ سکھ، راز، غم، خوشیاں شیئر کرتے وہ اس سے محبت کر بیٹھی تھی مگر وہ کسی اور میں انوالو تھا یہ وہ کانٹا تھا جو اس کا دل لہولہو کر گیا تھا۔ پھر اس نے نسرین آنٹی تک سکندر کی خواہش پہنچا دی تھی۔ نسرین بھی ہکا بکا تھیں۔ انہیں بھی شاید یقین نہیں آیا تھا۔ اسے نہیں علم پھر کیا ہوا تھا سکندر اور آنٹی کے درمیان کیا بات ہوئی تھی۔ بس اسے جویریہ اور میرینہ کے ذریعے بس یہی علم ہو سکا تھا کہ نسرین آنٹی اسے اپنی بہو بنانے کی خواہش رکھتی ہیں وہ جو سکندر کے گھاؤ سے بھی نہیں سنبھل سکی تھی آنٹی کی اس خواہش پر حیران ششدر رہ گئی۔ اپنی طرف سے تو وہ اپنی قسمت کو رو کر چپ رہ گئی تھی مگر اب یہ ایک نیا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ وہ منتظر تھی کہ سکندر امی یا نسرین وغیرہ میں سے کسی نے اس کی سکندر سے شادی کی بات کی تو وہ صاف انکار کر دے گی۔ وہ ساری عمر اسے نبھانے کی آگ میں جل سکتی تھی مگر یہ گوارہ نہیں تھا کہ سکندر کی زندگی میں زبردستی

مسلط کر دی جائے۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ سکندر سے کبھی شادی نہیں کرے گی مگر ہوا کیا کسی کو اس سے پوچھنا کیا، بتانا بھی گوارہ نہیں کیا تھا بلکہ سکندر تک لاعلم تھا مرینہ کی شادی پر جب اس کی مایوں تھی دونوں کے نکاح کی تقریب منعقد ہوئی تھی وہ جونسرین آنٹی کے ہاں مرینہ کی مایوں میں شرکت کے لیے گئی تھی وہ سکندر کی بیوی بن کر اگلے کئی دنوں تک حیران وششدر رہ گئی تھی۔ ایک طرح اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا تھا مگر یہ سکتہ اس دن ٹوٹ گیا جب دونوں کے نکاح کے ٹھیک پندرہ دن بعد سنیہا جاوید کا فون آیا تھا۔ اس دن اسے اپنے نقصان کا شدت سے اندازہ ہوا تھا۔ سکندر سے اس کا رویہ خود بخود بُرا ہوتا چلا گیا۔ اس کا رویہ انداز واطوار پہلے جیسے ہی تھا بلکہ پہلے سے ہٹ کر وہ اس سے نئے تعلق کے خیال سے بھی بہت اچھے انداز میں پیش آنے لگا تھا مگر اسے یہ سب سکندر کا دوغلا پن اور فراڈ لگتا تھا۔

''محبت کسی سے اور نکاح کسی سے۔'' یہی گرہ اس کے دل پر بندھ گئی تھی جو اسے سکندر کی جانب سے دن بدن بدظن کرتی جا رہی تھی۔

وہ شاید اس سے کبھی نکاح نہ پڑھواتی اگر نسرین آنٹی کی عین نکاح کے وقت طبیعت خراب نہ ہو جاتی۔ انہیں اکثر دل کی تکلیف رہتی تھی اس دن زیادہ ہونے لگی تھی۔ ایسے حال میں وہ انکار کر کے کوئی رسک نہیں لے سکتی تھی سوچپ چاپ قربان ہو گئی تھی مگر ہر گزرتا پل اسے اپنے نقصان کا احساس دلا رہا تھا اب تو سکندر بھی اس کی تلخی اور ناگواری کو محسوس کرنے لگا تھا اکثر اس سے پوچھنے لگا تھا۔ اس کے رویے کا محرک جاننے کا مقصد کیے ہوئے تھا مگر وہ اس سے کیا کہتی وہ خود سمجھنے سے قاصر تھی۔ اب تو دل کی بھی نہیں سنتی تھی ہر وقت اُلٹا سیدھا سوچتی رہتی تھی۔ سکندر کو اپنانا مشکل تھا تو چھوڑنا اس سے زیادہ تکلیف دہ تھا مگر وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی جبکہ دوسری طرف نسرین آنٹی امی ابو سے عید کے بعد رُخصتی کا کہہ چکی تھیں۔ نہ جانے اس کے لیے وقت کے ہاتھ میں کیا تھا مگر وہ خوش نہیں تھی اور نہ ہی رُخصتی چاہتی تھی۔ بس خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرف وقت رُک جائے یا کوئی معجزہ ہو جائے۔

یونہی لیٹے لیٹے نہ جانے کتنے پل گزر گئے تھے اچانک ٹائم پیس پر الارم بجا تو وہ چونک گئی۔ ساری رات بیت چکی تھی۔ اپنے بولوں کو سمیٹتے کمبل ہٹا کر وہ اُٹھ بیٹھی۔ منہ ہاتھ دھو کر آئینے کے سامنے آ رُکی ڈریسنگ ٹیبل سے اپنا ہیئر کیچر اُٹھا کر اپنے لمبے بالوں کو اُن میں جکڑ کر باہر نکل آئی۔ جویریہ ابھی تک نہیں اُٹھی تھی۔ پہلے امی ابو کو جا کر اُٹھایا پھر جویریہ کو، وہ کسمسا کر دوبارہ سو گئی تو وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر کچن میں آ گئی۔ وقت کم تھا اور اسے اکیلے ہی ساری سحری تیار کرنی تھی۔ سب کچھ تیار کر کے سب لوازمات ٹیبل پر سجا کر امی ابو کو اطلاع دے کر جویریہ کے کمرے میں آ گئی۔ سحری میں صرف پچاس منٹ باقی تھے مگر وہ ابھی خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔ ماہم کو بہت غصہ آیا۔ جھنجھوڑ کر اسے اُٹھایا۔ سوندھی سوندھی آنکھوں سے وہ اسے دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہے؟''

''روزہ رکھ لو...... وقت بہت کم ہے...... پانچ منٹ میں منہ دھو کر ٹیبل پر آ جاؤ...... ورنہ......'' اس نے اس کے اوپر سے کمبل کھینچ لیا۔

''اُٹھ رہی تھی۔ ایک تو تم بھی نا۔ سچی ماہی! اتنا مزے کا خواب آ رہا تھا۔ سارا مزہ ہی کرکرا کر دیا۔ عین کلائمکس پر تم نے جھنجھوڑ ڈالا ہے۔ کیا سین تھا تمہاری شادی ہو رہی تھی۔ رُخصتی ہو رہی تھی۔ تم رو رہی تھی اور تم تم......''

''بس...... بی بی...... بس ان خوابوں سے باہر نکل آؤ تمہیں تو جاگتے میں خواب دیکھنے کی عادت ہے اب تو تم ویسے بھی نیند میں تھیں۔'' اس نے جلدی سے اس کی زبان کو بریک لگا دیئے تھے۔ وہ بُرے بُرے منہ بنانے لگی۔ ''جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر باہر آ جاؤ اور ہاں اپنے سکندر بھائی کو بھی اُٹھا دو تمہاری طرح انہیں بھی عین وقت پر اُٹھنے کی عادت ہے جب سحری کا وقت ختم ہونے میں صرف پندرہ منٹ رہ جاتے ہیں۔''

''میں نہیں جا رہی انہیں اُٹھانے......'' وہ ایک دم انکار کر کے بستر سے اُتری

''کیوں؟'' وہ حیران ہو کر بولی۔

''سو سو نخرے کرتے ہیں اُٹھنے میں...... تمہارے ہی مجازی خدا ہیں تم ہی نمٹو ان سے مجھے تو معاف ہی رکھو۔ سو بار جھنجھوڑنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر ان کی آنکھ کھلتی ہے۔'' وہ صاف ہری جھنڈی دکھا کر باتھ روم میں گھس گئی تھی۔

''جویریہ کی بچی بڑی بکواس کرنی آتی ہے تمہیں۔ سیدھی طرح جا کر اُٹھاؤ انہیں۔'' وہ دانتوں پر برش کر رہی تھی جب اس نے اس کے سر پر جا کر کہا تھا وہ سر انکار میں ہلاتی اسی طرح اپنے کام میں مصروف رہی۔ وہ ایک دو پل کھڑی رہی جب سمجھ گئی کہ وہ بالکل نہیں جائے گی تو وہ اسے گھورتی باہر نکلی۔

''مرو تم......'' منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے کچن میں آ گئی امی ابو ٹیبل پر موجود تھے۔

''جویریہ سکندر نہیں اُٹھے ابھی تک......'' امی نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''جویریہ اُٹھ گئی ہے۔ بس آ رہی ہے مگر سکندر......'' وہ چپ ہو گئی۔

''تو جاؤ اسے کہو ابھی اُٹھ جائے...... وقت بہت کم ہے۔'' امی نے کہا تو اسے مجبوراً کچن سے نکلنا پڑا۔ اب بادل نخواستہ اسے اُٹھانا ہی تھا۔

دروازے پر دستک دے کر کمرے میں داخل ہو گئی۔ انداز بہت محتاط تھا پہلے گردن اندر کر کے کمرے کا جائزہ لیا تھا۔ وہ ابھی تک بستر پر دراز تھا وہ اندر آ گئی۔ اب آ تو گئی تھی مگر سمجھ نہ پائی کہ کس طرح اُٹھائے ارد گرد دیکھا بائیں طرف ریک میں پڑا ٹائم پیس مل گیا۔ الارم سیٹ کر کے اس کے سرہانے کان کے قریب رکھ کر ابھی اس نے سیدھا ہونا چاہا تھا جب آہنی گرفت نے اس کا ہاتھ دبوچا تھا۔

''ماہی......'' آنکھیں پوری طرح وا کر کے وہ مسکرایا تھا۔ وہ حیران ہوئی وہ تو سمجھ رہی تھی کہ وہ سویا ہوا ہے

''آپ...... آپ جاگ رہے تھے۔'' وہ حیران ششدر کہہ رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر اس کے ہاتھ کو جھٹکا تھا وہ جو پہلے ہی بے توازن کھڑی تھی منہ کے بل بستر پر جا گری تھی۔

''نہیں...... میں سو رہا تھا مگر ابھی تمہاری خوشبو نے تمہاری خبر دی تو اُٹھ گیا۔''

''آپ......'' بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اپنی بازو کا حصار اس کے وجود پر کھینچ گیا تھا۔ اس نے اپنی ڈبڈباتی آنکھوں سے اسے دیکھنا چاہا مگر وہ آنکھیں بند کیے گہری گہری سانسیں لے رہا تھا یوں جیسے اس کے وجود کی خوشبو اپنے اندر اُتار رہا ہو۔

''روز جویریہ مجھے اُٹھاتے ہوئے ضرور جتاتی تھی کہ مجھے نیند سے جگانے کا فریضہ تمہارے ذمے ہے کل تو دھمکی بھی دے دی تھی اس لیے میں خود سے نہ اُٹھا تو وہ تمہیں بھیجے گی۔ مجھے یقین نہیں آرہا کہ وہ اتنی جلدی اپنی دھمکی پر عمل کر دکھائے گی۔'' بے خود سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ماہم کو یونہی لگا جیسے وہ آج حواسوں میں نہیں ہے۔ کتنے برسوں کا فاصلہ لمحوں میں ختم کر دیا گیا تھا۔ ماہم کواس کے بازوؤں کی گرفت میں اپنا سانس رُکتا محسوس ہوا۔

''سکندر کیا ہوگیا ہے آپ کو پلیز چھوڑیں مجھے......'' ناگواری تلخی ناپسندیدگی نہ جانے کیا کچھ تھا ماہم کے لہجے میں سکندر نے جھٹ آنکھیں کھول دیں ابھی وہ کچھ کہنا چاہتا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ پھر دروازے سے جویریہ کی آواز آئی تھی۔

''اگر سکندر بھائی آپ اُٹھ گئے ہیں تو اپنی زوجہ محترمہ کے ہمراہ تشریف لے آئیں کیونکہ امی ابو ایک منٹ کی تاخیر کیے بغیر خود آنے کی زحمت کر سکتے ہیں۔'' سکندر نے کچھ خفیف سا ہو کر بازو ہٹا لیے تھے۔ ماہم یوں بھاگی تھی جیسے قید سے رہائی ملی ہو۔

❖ ❁ ❖

دن اپنی رفتار سے گزر رہے تھے سارا دن روزے کی حالت میں دن بھر کام کاج کرتے اور عبادت کرتے گزرتے تھے۔ اس نے ماسٹر آف کامرس کے ایگزامز دیئے تھے فی الحال فارغ تھی۔ جویریہ نے صرف گریجویشن کیا تھا۔ آج کل وہ ایک ڈیزائننگ انسٹیٹیوٹ سے ڈپلومہ کر رہی تھی۔ وہ کام کاج سے فارغ ہوئی تو لاؤنج میں آبیٹھی۔ ارادہ تھوڑا بہت ستانے کا تھا مگر فون کی بیل ہوئی تو فوراً اُٹھ بیٹھی۔

''ہیلو......السلام وعلیکم۔''

''وعلیکم السلام! جی سکندر گھر پر ہیں۔'' جانی پہچانی آواز تھی وہ ایک دم چونک گئی۔ اندر تک ایک سرد سی لہر سرائیت کرتی گئی۔

''سنیہا جاوید......'' وہ آج کل سکندر کے تیور دیکھ کر کچھ خوش گمان سی ہوگئی تھی ایک دم ہراساں سی ہوگئی۔ ''تو سکندر ایک ساتھ دو دو کو چکر دے رہا ہے۔'' ایک دم دُکھ نے آلیا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ سکندر اس کو چاہنے لگا ہے اسی لیے......مگر اب۔''

''جی نہیں......وہ گھر پر نہیں ہیں۔'' اس کی آواز یکدم سپاٹ سی ہوگئی تھی۔

''آپ کون ہیں؟'' اس کا جواب سن کر سنیہا نے پوچھا اور استہزائیہ ہنس پڑی۔

''مجھ سے آپ کو غرض نہیں ہونی چاہیے۔ میں کوئی بھی ہوسکتی ہوں۔''

''ایم سوری......'' سنیہا اس کے لہجے کی تلخی پر فوراً شرمندہ ہوگئی تھی۔ ''آپ بتا سکتی ہیں اس وقت سکندر کہاں مل سکتا ہے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''جی مجھے علم نہیں۔ شاید اپنے آفس میں ہوں......''

''نہیں وہ اپنے آفس میں نہیں ہے۔'' سنیہا کہہ رہی تھی ماہم نے تلخی سے ریسیور کو گھورا۔

''تو پھر ایم سوری مجھے مزید کچھ علم نہیں۔ میرے حساب سے تو وہ اپنے آفس میں ہی تھے۔'' اس نے کچھ تلخی سے کہہ کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

''اچھا نہیں کر رہے ہیں آپ سکندر! اس طرح سنیہا کو بیچ میں لٹکانے کا اصل مقصد کیا ہے۔ اگر آپ میں انکار کی ہمت نہیں

تو میں کرلوں گی مگر کوئی فیصلہ تو ہو۔ میں ساری عمر اس طرح اذیت میں نہیں گزار سکتی۔'' وہ ایک دفعہ پھر بہت منفی انداز میں سوچنے لگی تھی۔

''سنیہا جاوید......'' اس کے تصور سے ہی اسے اپنے سارے جذبات راکھ کے ڈھیر بنتے محسوس ہوئے۔ ''کروڑوں کی جائیداد کی تنہا وارث سکندر کی فرسٹ چوائس، اس کی پسند، وہ جوں جوں سوچتی جا رہی تھی اندر ہی اندر رقابت کی آگ مزید بھڑکتی جا رہی تھی جو حُسن من کو سلگائے دے رہی تھی۔ اسی احساس سے سانس رُکنے لگتی تھی کہ سکندر نے سنیہا جاوید کی طلب کی تھی۔ اس سے شادی کرنے کی خواہش کی تھی مگر اپنی ماں کی وجہ سے وہ ماہم افتخار کو اپنانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس کے اندر خوش گمانیوں کی جو کونپلیں سکندر کی ایک دم نظر کرم سے پھوٹنے لگی تھیں وہ وہی اپنی موت آپ مر گئی تھیں۔ سب جذبات مرجھا گئے تھے ان پھولوں کی طرح جو ابھی صرف کھلنے کے منتظر تھے۔ اپنے کمرے میں آئی تو بھی دل اس قدر شدید نقصان پر مچل رہا تھا سسک رہا تھا۔ وہ الماری سے اپنے نکاح کی تصاویر والا البم نکال کر بستر پر بیٹھ گئی شاید خود آزادی کی شدید ترین اذیت میں مبتلا اپنے ضبط کی حد دیکھنا چاہتی تھی۔

''نہیں سکندر میں ان چاہا سودا نہیں بنوں گی۔ مجھے یقین ہے تم مجھے پسند نہیں کرتے صرف آنٹی کی وجہ سے مجھے برداشت کر رہے ہو۔ میں تمہارے لیے صرف اور صرف مجبور ہوں۔ تمہاری آنکھوں کی چمک ہونٹوں کی مسکراہٹ یہ لگاوٹ یہ محبت سب دکھاوا ہے۔ صرف سمجھوتہ۔ تم اپنے آپ کو حقیقت پسند کہتے ہو نا۔ بس تم جو سامنے ہے اسے دیکھ رہے ہو اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی فریب میں مبتلا کر رہے ہو۔ ہمارے درمیان کچھ بھی تو نہیں ہے اور میں کتنا سمجھاتی ہوں خود کو۔ تمہاری طرف دیکھنے سے لاکھ اجتناب برتتی ہوں مگر اس دل کا کیا کروں جو تم دور ہوتے ہو تو تڑپنے لگتا ہے اور سامنے آتے ہو تو بھاگ جانے پر اُکساتا ہے۔ بتاؤ کیا کروں کیسے سمجھاؤں خود کو۔ کس طرح اس خود فریبی کے جال سے نکلوں۔ تمہاری اصلیت کیسے قبول کروں جو انتہائی تلخ ہے۔'' وہ اپنی اور سکندر کی مشترکہ تصویر پر انگلیاں پھیرتے خود سے بھی اُلجھ رہی تھی۔ پھر نہ جانے کیا ہوا تھا تصویر پکڑ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔

شام تک وہ بھٹکی ہوئی روح کی مانند نہ جانے کن کن سرابوں میں اُلجھی رہی تھی۔ افطاری کی تیاری جویریہ کر رہی تھی وہ اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی مگر توجہ بالکل بھی نہ تھی۔ ایک دو کام کر کے سارا کام جویریہ کو سونپ کر وہ باہر آ گئی۔ چھوٹے سے لان کے چکر لگانے لگی۔ تبھی سکندر کی گاڑی اندر داخل ہوئی تھی وہ وہیں رُک گئی۔ گاڑی سے نکل کر سکندر نے اسے ہاتھ ہلا کر مسکرا کر سلام کیا تھا۔ یہ تو سکندر کی شروع ہی کی عادت تھی مگر آج وہ بجائے خوش ہونے کے دُکھ کی لپیٹ میں آ گئی۔

''حیرت ہے......افطاری کا وقت قریب ہے اور تم یہاں ٹہل رہی ہو۔'' اس کی حیرت بجا تھی ورنہ روزانہ اس کی کچن میں اس وقت ادھر سے اُدھر پریڈ لگ رہی تھی جبکہ آج......''

''جی......جویریہ کچن میں ہی ہے۔''

''اوہ......اسی لیے نظر آ رہی ہو ورنہ میں سمجھا کہ......'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر مسکراہٹ دبا کر اس کے ہمراہ چلنے لگا تھا۔

''آج آپ کچھ لیٹ آئے ہیں۔'' سر جھکائے اس نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

''ہاں ایک دوست مل گیا تھا۔ کافی سارا وقت اسی کے ساتھ نکل گیا۔'' ماہم کے قدم ایک دم ٹھٹک گئے۔ رُک کر اسے دیکھا۔

''دوست مل گیا تھا یا مل گئی تھی۔'' وہ دل ہی دل میں کلس رہی تھی۔ ''آپ کے باس کی بیٹی سنیہا کا فون آیا تھا۔ آپ کا پوچھ رہی تھی۔ بہت پریشان لگ رہی تھی۔'' سکندر کے چہرے کو کھوجتے اس نے سپاٹ سی آواز میں کہا تو سکندر نے کچھ ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے چھلکتی استہزائیہ مسکراہٹ اور لبوں کی تراش میں ایک ایسا احساس ضرور تھا کہ وہ بغور دیکھنے لگا۔ وہ پل میں چہرہ چھپا گئی۔

''آ......اچھا......'' اس نے ایک گہری سانس لی...... ''کب؟''

''دوپہر کو......''

''اور تم نے کیا کہا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ ماہم نے اپنا سر جھکا کر اُٹھا کر شکایتی نظروں سے اسے دیکھا وہ ادھر ہی نظر جمائے دیکھ رہا تھا وہ پھر چہرہ جھکا گئی تھی۔

''کچھ بھی تو نہیں...... میرے پاس ہے کیا جو کچھ کہوں گی۔'' وہ تلخی سے ہنس دی سکندر کچھ نہ سمجھ سکا۔

''ایک بات کہوں؟'' جھجکتے ہوئے اجازت چاہ رہی تھی۔

''ہوں......؟''

''سنیہا واقعی بہت اچھی لڑکی ہے۔ آپ کی پسند بہت لاجواب ہے میں بہت شرمندہ ہوں کہ نہ چاہنے کے باوجود میں آپ کے درمیان آ گئی۔ ساری زندگی صرف سمجھوتے کی بنیاد پر نہیں گزاری جا سکتی۔ آپ کے لیے اسے پانا اس سے شادی کرنا کچھ مشکل امر تو نہیں تھا مجھ سے پھر یہ رشتہ کیوں جوڑا۔'' وہ سراپا سوال بنی منتظر تھی سکندر نے بے انتہا حیرت سے اسے دیکھا تو وہ ہنس دی۔

''میں نہ پہلے آپ کے رستے کی رکاوٹ بننا چاہتا تھا اور نہ اب میری خواہش ہے۔ مجھے سب علم ہے مرینہ نے مجھے سب بتا دیا تھا کہ صرف اور صرف آنٹی نسرین کی بیماری کی وجہ سے مجھ سے نکاح پر راضی ہوئے تھے۔ کاش سکندر آپ ایسا نہ کرتے۔ کاش آپ اسی پہلو پر سوچ لیتے کہ مجبوری کا تعلق کبھی پائیدار نہیں ہوتا۔ کچے دھاگے کی طرح ہوتا ہے جن کا ہر لمحہ ٹوٹ جانے کا خدشہ رہتا ہے۔ سنیہا آپ کی خواہش تھی تو پھر سے یہ تعلق جوڑنا کیوں گوارا کر لیا۔ آپ تو شاید آنٹی کی وجہ سے مجبور ہو گئے ہیں مگر میں مجبور نہیں ہوئی، میں کبھی آپ سے رُخصتی نہیں کروں گی میں آنٹی کو انکار کر دوں گی۔ آپ کو اگر آنٹی کی خفگی یا امی ابو کی ناراضگی کا خدشہ ہے تو بلیومی میں آپ پر کوئی الزام نہیں آنے دوں گی۔ ٹھنڈے دل سے سوچئے گا۔ میں ساری عمر مروت و احسان کے تلے زندگی نہیں گزاروں گی۔'' وہ اس کے سامنے کھڑی ٹھہرے ٹھہرے ٹھوس لہجے میں کہہ رہی تھی۔ سکندر لب بھینچے اسے بغور دیکھتا صرف سن رہا تھا۔

''ماہم...... تم......'' وہ رُکی تو اس نے کچھ کہنا چاہا پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لیے اس کی ساری باتیں سننے کے بعد دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔

”پلیز سکندر......“ ابھی فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میرے دل و دماغ میں کیا تھا میں نے آپ پر ظاہر کر دیا ہے۔ آپ تو بہت حقیقت پسند ہیں تو پھر حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیجیے۔ میں امی ابو کو بتا دوں گی اور میرا خیال ہے آپ بھی بات کر لیں اور مجھے یقین ہے وہ میری اور آپ کی مرضی کے بغیر کبھی رخصتی نہیں کریں گے۔“ ساری بات عیاں کر کے اپنے اندر کی ساری بھڑاس اس پر نکال کر وہ بغیر اس کی طرف دیکھے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ وہ وہیں رُکا ہوا تھا تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے۔

انہی تھکن زدہ اُلجھے اُلجھے فکرمندانہ دنوں میں رمضان کا دوسرا عشرہ بھی گزر گیا تھا جویریہ کی تیاری مکمل ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھی آج بھی وہ اسے گھسیٹ گھساٹ کر بازار لے آئی تھی۔ کتنی دیر تک دونوں اِدھر اُدھر خوار ہو رہی تھیں امی نے آتے ہوئے انہیں رسید تھما دی تھی کہ وہ واپسی پر جیولر کی دکان سے گولڈ کا سیٹ لے آئیں جو انہوں نے رمضان سے پہلے بننے کے لیے آرڈر دیا ہوا تھا۔ جویریہ نے ہامی بھر لی تھی۔ پہلے تو ماہم آنے پر تیار ہی نہیں تھی مگر دوسری طرف سکندر کے موبائل پر رابطہ کرنے سے جب جویریہ کو انکار سننے کو ملا تو اسے زبردستی کھینچ لائی تھی اب وہ اس کے ساتھ بُری طرح خوار ہو رہی تھی۔ جب جویریہ کا جی بھر گیا تو اسے لیے جیولر کی دکان پر آ گئی۔ فوراً مطلوبہ سیٹ لینے کے بجائے وہ پوری دکان میں موجود زیورات کو دیکھنے لگی تھی۔ ماہم کو اس کی اس عادت سے شروع سے ہی الرجک تھی اب بھی منہ پھلائے ایک طرف کھڑی رہی۔ دل ہی دل میں کوفت کا شکار ہوتے اُلجھتے ہوئے وہ باہر دیکھنے لگی یونہی اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑاتے اس کی نظر بالکل شاپ کے سامنے آ کر کھڑی ہونے والی گاڑی پر ٹھہر گئی۔ وجہ حیرت اس سے نکلنے والا کپل تھا۔ ماہم کا دل دھک دھک کرنے لگا چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت در آئی تھی فوراً لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔

”سکندر......“ اس کے ساتھ موجود لڑکی کون تھی وہ آرام سے پہچان گئی تھی۔ سکندر کے البم میں ”سنیہا جاوید“ کی ان گنت تصاویر وہ دیکھ چکی تھی ریڈ سلک کی شرٹ بلیک کھلے پائنچوں والا ٹراؤزر، اونچی ہیل، شولڈر کٹ بالوں سمیت وہ بہت خاص منفرد اور چھا جانے والی لگ رہی تھی۔ ایک ادا سے چلتے نہ جانے وہ کتنے دلوں پر بجلی بن کر گری تھی۔

”تو یہ ہے آج کی تمہاری مصروفیت سکندر جبار......“ ماہم کا دل ایک دفعہ پھر سخت گمانیوں کی زد میں آ چکا تھا۔ شاپنگ پر آنے سے پہلے جویریہ نے فون کر کے اس کی شاپنگ کے لیے لے جانے کی کتنی منتیں کی تھیں مگر اس نے صاف لفظوں میں مصروفیت کا کہہ کر انکار کر دیا تھا اور اب...... وہ دونوں دروازہ کھول کر اندر آ رہے تھے۔ ماہم نے رُخ موڑ لیا۔ اس کا پورا وجود سماعت کی آہٹ کو سن رہا تھا۔ اس نے انگلی سے اپنی آنکھوں میں چھا جانے والی نمی کو صاف کیا تھا۔

سنیہا جاوید کاؤنٹر پر کھڑی دکاندار سے نہ جانے کیا دکھانے کو کہہ رہی تھی ساتھ ساتھ اس کی نظریں اردگرد کسی کی متلاشی تھیں۔ سکندر کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ شاید دونوں کا کوئی جیولری خریدنے کا ارادہ تھا۔ درمیان میں صرف چند قدموں کا فاصلہ ہی تو تھا اگر وہ پلٹتی تو شاید یہ فاصلہ بھی مٹ جاتا۔ اسی طرح رُخ موڑے موڑے اس نے چند قدم آگے بڑھائے تھے سامنے سے سیٹ دیکھتی جویریہ اس کے قریب آ گئی تھی ماہم کے لیے اپنے آپ کو سنبھالنا بہت مشکل تھا۔

”ارے سکندر بھائی! آپ...... یہاں......“ وہی ہوا تھا جس کا ماہم کو ڈر تھا۔ جویریہ کی نظر سکندر پر پڑ چکی تھی۔ وہ حیرت سے چیخی تھی۔ یکبارگی ماہم کا دل دھڑکا تھا۔ سکندر نے بھی اس کی پکار پر پلٹ کر دیکھا تھا جویریہ اور ماہم کو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔

جویریہ نے بتایا تو تھا انہیں جیولری کی دکان پر آنا ہے مگر یوں مڈبھیڑ ہو جائے گی اندازہ نہ تھا۔ سنیہا بھی متوجہ ہو چکی تھی۔ ماہم ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

''آپ تو شاید مصروف تھے نا...... بہت ضروری کام تھا نا پھر یہاں......'' وہ سنیہا پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر طنز کر رہی تھی۔ ماہم اسی دن سے تو ڈرتی تھی ایک نظر سکندر پر ڈالی۔

''ہاں واقعی میں بہت مصروف تھا...... بہت۔'' وہ سنیہا اور پھر ماہم کو دیکھ کر رہ گیا۔

''یہ کون ہے؟'' بھلا اب سنیہا کو سکندر کے ساتھ وہ کیسے برداشت کر سکتی تھی۔

''یہ سنیہا...... میرے دوست...... اور ہمارے ایم ڈی کی بیٹی۔'' اس نے مسکرا کر تعارف کروایا تھا۔ ماہم سپاٹ چہرہ لیے کھڑی رہی جبکہ سنیہا نے مسکرا کر سر ہلایا تھا۔

''اور سنیہا جویریہ ہے اور یہ ماہم...... تم سے میں نے اکثر ذکر کیا ہے نا۔'' وہ اب ان دونوں کا تعارف کروا رہا تھا۔ سنیہا نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا تھا پھر دونوں سے ہاتھ ملائے تھے خاص طور پر ماہم سے گرم جوشی کا مظاہرہ کر کے گلے بھی ملی تھی۔ وہ اندر ہی اندر خائف سی ہو گئی اس کی اس گرمجوشی پر۔

''سچی...... مجھے بڑا اشتیاق تھا۔ آپ دونوں سے ملنے کا میں سکندر کو کتنی مرتبہ کہہ چکی ہوں مگر یہ بھی بڑا ڈھیٹ ہے۔ آج بھی اتفاقیہ ملاقات ہو گئی لیکن یہ تو ہوا بھی نہ لگنے دیتا۔'' وہ سکندر کو خفگی سے دیکھتے ماہم کا ہاتھ پکڑ کر بہت اپنائیت سے گویا تھی ماہم کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس قسم کے ردعمل کا اظہار کرے۔

''مجھے اپنے لیے جیولری لینی تھی اسی لیے یہاں آئی ہوں یقیناً آپ دونوں بھی اسی لیے آئی ہوں گی۔'' ایک اور اپنائیت بھرا مظاہرہ ہوا تھا۔

''جی...... امی نے سیٹ کے لیے آرڈر دیا ہوا تھا بس وہی لینا تھا......'' جویریہ نے کہا تھا۔

''اوہ......'' سنیہا نے اپنے خوبصورت گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ سکیڑے تھے۔

''چلیں جویریہ! میرا خیال ہے اب تمہیں مزید کوئی چیز تو نہیں خریدنی...... گھر چلیں۔'' ان دونوں کو یکسر نظر انداز کیے اس نے جویریہ کو دیکھا۔

''ارے اتنی جلدی...... ٹھہرو بھئی...... اچھا ہوا تم مل گئی دیکھیں پلیز مجھے جیولری لینی ہے۔ اگر...... اگر میرے ساتھ سلیکشن میں میری مدد کروا دیں تو......'' بہت محبت اور لگاوٹ سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ تھامے وہ اس کی چپ اور چہرے کی ناگواری کو بغیر سمجھے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی تھی جہاں شوکیس میں کئی قسم کے زیورات سجے پڑے تھے۔

''پلیز سنیہا! میری سلیکشن بہت بُری ہوتی ہے۔ آپ کو خوامخواہ زحمت ہو گی۔'' بہت چاہنے کے باوجود وہ اپنے پتھر لیے تاثرات کو نارمل کر پا رہی تھی۔ جان چھڑانے والا انداز تھا۔

''ارے...... تم تو اس قدر کسر نفسی سے کام لے رہی ہو۔ سکندر کو دیکھ کر تمہاری سلیکشن اپنے آپ عیاں ہو جاتی ہے۔ اور تم ہو کہ......'' پتا نہیں تعریف تھی طنز تھا کیا تھا۔ وہ بڑے خلوص سے کہتے اسے چھیڑ رہی تھی مگر ماہم اپنے دماغ میں سائیں سائیں ہوتا

محسوس ہوا۔

جویریہ بھی اپنا سامان لے کر فارغ تھی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی سکندر اس کے عقب میں آ ٹھہرا تھا۔ اس کے لباس کی خوشبو اسے پریشان کرنے لگی۔ اس کے لیے بہت مشکل مرحلہ آ ٹھہرا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے اسے سنیہا کی مدد کرنا پڑ رہی تھی۔ مختلف جیولری کے سیٹوں میں سے ایک ڈائمنڈ کے موتیوں سے سجا نفیس سا خوبصورت لاکٹ سیٹ منتخب کیا تھا جو دیکھنے میں ہی بہت قیمتی محسوس ہو رہا تھا۔

''زبردست...... بھئی بہت پیارا ہے۔ تمہاری چوائس تو بڑی لاجواب ہے۔ کیوں سکندر؟'' سنیہا سیٹ سکندر کو دکھاتے اس کی تعریف میں رطب اللسان تھی۔

''ہوں...... پسند تو واقعی لاجواب ہے مگر......'' وہ رُک گیا تھا پھر کچھ جھکا تھا اس کے کان کے قریب سرگوشی کی تھی۔

''کہتے ہیں جذباتی اور آنکھیں بند کر کے فیصلے کرنے والی خواتین کی پسند بھی بڑی جذباتی اور سطحی سی ہوتی ہے۔ مکمل ان کے اندر کی عکاسی کرتی ہوئی۔ کہنے کو بہت قیمتی سیٹ ہے مگر ہیرا تو صرف ہیرا ہی ہے نا...... جب گرتا ہے تو ٹوٹ کر چکنا چور ہو جاتا ہے۔'' مدھم سے لہجے میں کہتا وہ اس کی جان جلا گیا تھا۔ کس قدر طنز جتاتا لب ولہجہ تھا۔ جویریہ اور سنیہا نے بالکل نہیں سنا تھا۔ مگر وہ پلٹ کر سکندر کو خونخوار نظروں سے ضرور دیکھنے لگی تھی۔ اس کا دل اس کی کن پٹیوں میں سلگنے لگا تھا۔ اس شام کے بعد دونوں کا سامنا بہت کم ہوتا تھا گفتگو تو ایک بار بھی نہیں ہوتی تھی بہت لاتعلقی والی فضا قائم ہو چکی تھی ان کے درمیان۔ سکندر اسے دیکھتے ہی رُخ موڑ لیا کرتا تھا اور آج اتنے دنوں بعد ٹوٹی بھی تو زبان پھر بھی نشتر چبھو رہی تھی۔ ماہم کے اندر احساس توہین چٹکیاں لینے لگا اس توہین پر وہ ناگن کی طرح بل کھا کر رہ گئی۔

''چلیں جویریہ......'' اب وہ ایک پل بھی رُکنے کو تیار نہیں تھی۔ سنیہا نے دکاندار سے سیٹ پیک کرنے کو کہا تھا وہ صرف جویریہ کو دیکھنے لگی۔

''ٹھہرو تم دونوں۔ میں چھوڑ آتا ہوں۔ ویسے گھر ہی جانا ہے مزید کچھ خریدنے کا ارادہ تو نہیں......'' دیکھ تو وہ اسے رہا تھا مگر بات جویریہ سے کر رہا تھا اس کی جان سلگ گئی۔

''جی نہیں شکریہ...... ہم چلے جائیں گے...... آپ کو تکلف کرنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ آپ تو بہت مصروف تھے۔ اپنی مصروفیت نبھایئے جو آ سکتے ہیں انہیں جانا بھی آتا ہے۔ چلو جویریہ......'' ایک دم تلخی سے چبھتے ہوئے میں کہہ کر وہ بغیر رُکے بغیر دیکھے جویریہ کا ہاتھ پکڑ کر دکان سے باہر نکل گئی۔

''ہیں...... یہ ماہم کو کیا ہوا؟'' سنیہا اپنی جگہ حیران تھی۔ ماہم کے اس قدر ترش رویے پر وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ سکندر نے طنزیہ مسکراتے ملامتی سے سر ہلا دیا۔

''سنو...... کیا مقصد تھا تمہارا مجھے یہاں لانے کا۔ کہیں سکندر تم......'' وہ اچانک پوچھتے پوچھتے رُک گئی پھر سکندر کی طرف بغور دیکھا اس کے چہرے پر ابھی بھی طنزیہ مسکراہٹ کا عکس باقی تھا۔ یہ سیٹ تم نے سکندر...... سکندر تم'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر صرف دیکھنے لگی وہ کھل کر مسکرا دیا۔

''کچھ نہیں ہوا۔ پتا ہے محترمہ پاگل ہوگئی ہیں۔ دماغ گھوم گیا ہے۔ چاہتی ہیں جس عظیم الشان عقل کا مظاہرہ کر کے اور احمق بن رہی ہے ویسا میں بھی بن جاؤں۔'' عجیب طنزیہ لب و لہجے میں کہتے وہ سنیہا کو بھی حیرت زدہ کر گیا تھا۔

''پتا نہیں کیا کہہ رہے ہو تم...... ویسے فرینڈلی کہوں...... ماہم بہت پیاری ہے تم نے مجھے بھنک تک نہیں پڑنے دی...... سب کچھ چپ چپیتے کرلیا۔ ایک دفعہ بھی گھر لے کر نہیں گئے نہ ملوایا اور اب...... بڑے عجیب ہو تم......'' وہ ایک دم مسکرا کر کہہ رہی تھی سکندر بھی ہنس دیا۔

''ہاں...... ہاں جانتی ہوں کتنا آگاہ کیا تھا۔ میرے پرپوزل کو درمیان میں لٹکائے مجھے اور پاپا کو انگلینڈ میں فون پر اطلاع دے رہے تھے کہ محترم کا نکاح ہو چکا ہے۔'' وہ آنکھیں دکھا رہی تھی۔ سکندر ایک دم ہنس دیا۔

''بھئی کیا کرتا پھر...... مجبوری اور ایمرجنسی میں تمہیں تو صرف فون پر اطلاع دے سکتا تھا۔'' اب وہ باقاعدہ اسے چڑا رہا تھا۔ سنیہا نے اسے آنکھیں دکھاتے وہ شاپر اس کے کندھے پر دے مارا جس میں لاکٹ سیٹ تھا۔

''اب اس کی پے منٹ کرو...... اور چلو...... ابھی میٹنگ کے لیے بھی نکلنا ہے اپنے بالوں کو لاپروائی سے جھٹکتے وہ اسے حکم دے کر باہر نکل گئی تھی۔ پیچھے وہ ہونٹوں پر دل آویز، خوبصورت مسکراہٹ لیے بل پے کرنے لگا تھا۔

❖ ❁ ❖

رمضان کا تیسرا عشرہ اپنے ساتھ بے پناہ مصروفیات لے کر آیا تھا۔ سارے گھر کی صفائی دھلائی پھر نئے سرے سے سیٹنگ اور ساتھ ساتھ عید کی تیاریاں بھی۔ ماہم نے اپنے آپ کو بُری طرح گھر کے کاموں میں اُلجھا رکھا تھا شاید یہ بہت سی لایعنی تکلیف دہ سوچوں اور اُلجھنوں سے بچنے کا نسخہ تھا۔ بہرحال اس نے اپنے آپ کو بہت زیادہ مصروف کرلیا تھا۔

سکندر سے اس کی لاتعلقی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی اور سکندر بھی یہی روش اختیار کیے ہوئے تھا۔ جویریہ سے ہزار باتیں کرتا تھا مگر نظر جیسے ہی اس پر پڑتی ایک دم سپاٹ ہو جاتی تھی۔ وہ اس سے سخت بدگمان و نالاں ہوگئی تھی۔ دونوں ہی اپنے اپنے مدار میں مقید ایک دوسرے سے سخت کبیدہ خاطر تھے۔ ماہم کو یہی اذیت ہر پل ڈستی رہتی تھی کہ جب وہ خود اپنے اور اس کے تعلق کو ختم کرنے پر تیار ہے تو پھر وہ کیوں اس قدر لاتعلقی پر اُتر آیا ہے جب وہ خود راستے سے ہٹ رہی ہے تو پھر وہ یہ سب کچھ سرعام کیوں نہیں کر رہا۔ سنیہا اسے اپنے تعلقات کی بھنک اور کیوں نہیں پڑنے دے رہا۔ ایک دو دفعہ اس نے اس خود بات کرنا چاہی تھی مگر وہ کچھ سننے پر بھی آمادہ نہیں ہوا تھا۔ اول تو گھر پر ٹکتا ہی نہیں تھا۔ اگر ہوتا بھی تھا تو ایسا انداز اپنائے رکھتا تھا کہ بہت ہمت کرنے کے باوجود اس سے دوٹوک بات نہیں کر پا رہی تھی یونہی چڑتے کڑھتے دن گزر رہے تھے۔ مگر اس کا کوئی حل سامنے نہیں آ رہا تھا۔

وہ رات ساڑھے گیارہ بجے کے قریب بیٹھی سکندر کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے نکلا تھا ابھی تک واپسی کے آثار نہیں تھے۔ سب ہی سو چکے تھے۔ نیند تو بہرحال ماہم کو بھی آ رہی تھی مگر آج وہ سکندر سے بات کیے بغیر سونا نہیں چاہتی تھی وجہ دو گھنٹے پہلے آنے والا سنیہا کا فون تھا۔ بظاہر سنیہا اس سے بہت محبت اور لگاوٹ سے کتنی دیر تک باتیں کرتی رہی تھی مگر وہ اس دوران کس قدر اذیت میں مبتلا رہی تھی یہ صرف وہ ہی جانتی تھی۔ کال بیل ہوئی تھی تو وہ میگزین ایک طرف رکھ کر باہر نکل آئی اپنے گرد شال اچھی طرح لپیٹ کر گیٹ تک آئی تھی۔

''کون؟'' حفظ ماتقدم کے طور پر پوچھا تھا۔

''میں......سکندر......'' اس نے گیٹ کھول دیا وہ اندر آ گیا۔

''کہاں تھے؟'' اندر آ کر لاؤنج کے صوفے پر بیٹھا تو وہ بھی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ سکندر جواب دینے کے بجائے اسے دیکھنے لگا۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے؟'' اس کے یوں گھورنے پر جھنجھلا کر ٹوکا تو وہ کالر کے بٹن کھولتا کف اُلٹا کر آنکھیں بند کر گیا۔

''کہاں ہونا چاہیے تھا مجھے؟'' اُلٹا سوال کیا گیا تھا۔ وہ لب بھینچ گئی۔

''میں کیا جانوں آپ کی پرسنل سیکرٹری تو نہیں جو آپ کے اوقات کار سے آگاہ ہوں گی۔ یہ تو آپ ہی بہتر جانتے ہیں کہ آپ کہاں ہوتے ہیں؟'' اس کے سامنے ہی صوفے پر بیٹھے کڑوے لہجے میں کہا تو سکندر نے آنکھیں وا کر کے اسے تاسف بھری ملامتی نظروں سے گھورا تھا۔

''بہت سطحی سوچ ہے تمہاری......'' وہ جواباً صرف یہی کہہ سکا تھا۔

''چلیں...... سطحی سوچ ہی سہی......کم از کم جو دل میں ہوتا ہے سامنے تو لاتی ہوں منافقت تو نہیں کرتی...... چوری چھپے کچھ نہیں کرتی اور نہ ہی کسی کی لگی لپٹی رکھتی ہوں۔'' اس نے بہت تلخی سے جواب دیا تھا۔ وہ ایک دم آؤٹ ہو گیا تھا۔

''شٹ اپ......'' وہ اگلے ہی لمحے لب بھینچ گیا۔ پھر بہت کڑی نظروں سے اسے گھورا۔ ''مائنڈ یور لینگویج ماہم! حد ہوتی ہے تنگ نظری کی بھی......'' وہ صرف اسے فہمائشی نظروں سے گھور رہا تھا۔ کچھ دیر بعد رُک گیا۔ اپنے اوپر ضبط کرتا رہا۔

''ہوں......آج لڑنے کا ارادہ ہے کیا؟''

اپنے اوپر مکمل کنٹرول کر کے براہِ راست اس کی کھلی آنکھوں میں جھانکا تو وہ پل کو نظریں پھیر گئی تھی۔

''نہیں جی میرا فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ آج آپ کی امی آئی تھیں ابو اور امی سے رُخصتی کی ڈیٹ فکس کرنے کی بات کی ہے انہوں نے۔''

''تو پھر کرنے دو نہ انہیں......ظاہر ہے یہ تو ہونا ہی ہے۔'' اپنی طرف سے ماہم نے بہت بڑی خبر اسے دے دی تھی مگر ادھر سے مکمل سنجیدگی سے جواب موصول ہوا تھا وہ ہکا بکا دیکھتی رہی پھر ایک دم مشتعل ہو گئی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا...... کرنے دو...... حد ہوتی ہے برداشت کی بھی۔ آپ سب کو دھوکہ دے سکتے ہیں کم از کم مجھے نہیں......میں ایسا بالکل نہیں چاہتی بس میری صرف یہی خواہش ہے کہ آپ اس سلسلے میں چپ رہنے کی بجائے کوئی فیصلہ کن قدم اُٹھائیں۔'' غصے سے وہ کہہ رہی تھی۔ سکندر نے ایک گہری سانس لی۔

''مثلاً کیسا قدم......'' سکندر کے ٹھنڈے دھیمے انداز میں مطلق فرق نہیں آیا تھا۔

''آپ سنیہا سے محبت کرتے ہیں اور وہ آپ سے......تو پھر اپنے گھر والوں سے صاف صاف بات کیوں نہیں کرتے۔ اس معاملے کو لٹکا کیوں رہے ہیں۔ جبکہ مزید آپ مجھے بھی اُلو بنا رہے ہیں۔ آخر ان سب کا کیا مقصد ہے؟'' وہ اس وقت خود کو بہت بے بس سا محسوس کر رہی تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا ورنہ سکندر کا نہ جانے کیا حشر کر ڈالتی۔

''تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں سنیہا سے محبت کرتا ہوں یا وہ مجھ سے کرتی ہے۔'' اسی دھیمے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس نے پوچھا تھا ماہم اسے دیکھنے لگی۔

''تو کیا آپ اسے پسند نہیں کرتے؟ کیا یہ جھوٹ ہے؟ کیا آپ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے؟ آپ نے خود مجھ سے سنیہا کے متعلق آنٹی اور امی سے بات کرنے کی خواہش ظاہر نہیں کی تھی؟ کیا یہ بھی جھوٹ ہے کہ آپ سرے سے اس نکاح پر راضی ہی نہ تھے وہ بھی عین نکاح کے وقت اچانک آنٹی کی طبیعت خراب ہوتی تو شاید......'' وہ ایک دم اپنی ڈبڈباتی آنکھیں لیے اپنے ضبط کو مزید چھلکنے سے بمشکل روک پائی تھی۔ بڑی شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ جو بہت مطمئن اس پر نظریں گاڑھے ہوئے تھا۔

''میں سنیہا کو پسند کرتا ہوں یہ واقعی ہی جھوٹ نہیں ہے میں نے اس شادی کی خواہش ظاہر کی تھی اس میں بھی جھوٹ نہیں ہے۔ میں نے تم پر زور دیا کہ تم امی اور آنٹی وغیرہ سے سنیہا کے سلسلے میں بات کرو تو یہ بھی سچ ہے مگر یہ بالکل سچ نہیں ہے کہ تم سے نکاح کے سلسلے میں مجھ پر کوئی جبر زور زبردستی کی گئی تھی۔ میرے ساتھ کوئی مجبوری نہیں ہوئی۔ تم میرے اور سنیہا کے متعلق کیا جانتی ہو۔ کچھ بھی تو نہیں...... ہمارا ریلیشن کس سطح کا ہے تم بالکل لاعلم ہو...... تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میرے ساتھ کوئی مجبوری نہیں میں کبھی بھی آئیڈیل پسند نہیں رہا۔ ہاں اپنی شریک سفر کے لیے کچھ اچھی خواہشات وجذبات ضرور دل میں رکھتا ہوں مگر وہ قبل از وقت ظاہر کرنا میرے لیے بہت ناپسندیدہ امر ہے مگر خیر تم......'' وہ رُک گیا تھا ایک اچٹتی نظر بالکل خاموش کچھ حیرت زدہ بیٹھی ماہم پر ڈالی اور پھر سر جھٹکا۔

''تم نے امی کو سنیہا کے متعلق بتا دیا اور امی نے مجھ سے پوچھا انہوں نے کیا پوچھا یہ ایک علیحدہ ٹاپک ہے۔ بس امی نے مجھے اپنی خواہش کا بتایا تھا میرے سامنے سنیہا یا تمہارا نام رکھا تھا چونکہ میرے خواہش کا احترام کیا تھا۔'' وہ رُک گیا ایک نظر اسے دیکھا وہ سر جھکا گئی۔

''ماہم والدین کی خواہش کا احترام کرنا کیا جرم ہے؟ اگر واقعی یہ جرم ہے تو اس معاشرے میں پچانوے فیصد شادیاں ارینج ہوتی ہیں اور سب لوگ تو نہیں مگر بہت سے لوگ ایک اچھی خوشگوار زندگی گزارتے ہیں۔ ان بیچاریوں پر مجبوری کا جرم کیوں نہیں عائد کرتی تم...... مجھ ناتواں کی جاں ہی کیوں مشکل میں ڈالی ہوئی ہے تم نے، صرف اس لیے تم میرے یا سنیہا کے متعلق جانتی ہو لیکن کس حد تک؟ کبھی غور کیا ہمارے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ اس کی وضاحت کردو۔ ذہن میں کچھ تو خاکہ بنایا ہوگا تم نے پھر ہوسکتا ہے میں تمہارے کہنے پر سنیہا سے شادی کرلوں۔'' وہ طنز پر طنز کرتا ناراضگی، خفگی بھرے تاثرات لیے اس کی ہر سوچ کی تردید کررہا تھا وہ اپنی جگہ چورسی بنتی جارہی تھی۔ اس کے ہر خیال کی تردید ہورہی تھی۔

''تمہارا مسئلہ پتا ہے کیا ہے ماہم! تمہارے نزدیک اپنی ذات، اپنے احساسات اور اپنی خودداری وانا کے سوا کوئی چیز اہم نہیں ہے۔ انتہائی احمق اور بداعتماد لڑکی ہو تم...... ٹھیک ہے مجھے تم سے نہ ہی کوئی افلاطونی قسم کا عشق ہوا ہے اور نہ محبت مگر کمٹ منٹ بھی بہت بڑی چیز ہوتی ہے۔ میرا تم سے نکاح ہوا ہے تم نے میرے نام منسلک ہو کر میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہو۔ مگر اس اہمیت کو جتانے کے لیے میں تم سے ہزاروں فلرٹ لوگوں کی طرح بیہودہ ڈائیلاگ بازی کروں کیا یہ ضروری ہے۔ کیوں جذبے

رشتے ان الفاظ کا سہارا لیے بغیر اپنی حیثیت نہیں منوا سکتے؟'' وہ بہت نروٹھے پن سے کہتا پوچھتا تھا۔ ماہم نے کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ ساتھ چھوڑ گئے۔ ایسا تو اس نے کبھی بھی نہیں چاہا تھا اور سکندر نے اس کی سوچوں کو کس قدر غلط معنی پہنائے تھے۔ ہاں یہ سچ تھا کہ اسے اپنے جذبوں کے علاوہ کچھ اور سوجھتا ہی نہ تھا مگر وہ جذبات کی ماری لفظوں کی متلاشی لڑکی تو کبھی بھی نہیں تھی اور سکندر کا تجزیہ...... وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ لفظ ہونٹوں پر آ کر پلٹ گئے۔

''تمہیں جو بھی خدشات لاحق ہیں وہ صرف اور صرف تمہاری اپنی ذہنی اختراع کا نتیجہ ہیں، سنیہا جاوید سے میری کمٹمنٹ کبھی نہیں رہی۔ ہم دونوں یونیورسٹی فیلو تھے اور بائے چانس مجھے اس کے فادر کی کمپنی میں جاب مل گئی اور پھر یہاں سے ہی ہماری دوستی کی ابتدا ہوئی تھی۔ وہ ایک ملنسار، سلجھی ہوئی پُرخلوص اور مخلص سی لڑکی ہے۔ ہمارے درمیان پسندیدگی بھی صرف دوستی کی حد تک ہے اور کچھ بھی نہیں۔ چونکہ میری بطور خاص سنیہا سے دوستی تھی اسی لیے سنیہا کے فادر جاوید صاحب مجھے خاص اہمیت دینے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ ہم دونوں دوستی سے ہٹ کر ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ اگر انہیں اپنے اسٹیٹس اور مرتبے کا خیال ہوتا تو وہ میرے بارے میں کبھی نہ سوچتے مگر اُلٹا ہوا، سنیہا کو تو نہیں البتہ جاوید صاحب کو میں ان کی چہیتی لاڈلی بیٹی کے لیے پسند آ گیا۔ انہوں نے مجھے خود پرپوزل پیش کر دیا اور میں تو حیران تھا ابھی میرے ذہن میں اپنی آئندہ زندگی کے لیے کوئی پلاننگ نہ تھی سنیہا اچھی لڑکی تھی۔ کسی بھی لڑکے کی آرزو ہو سکتی تھی اسی لیے میں نے تم سے بات کی تھی کہ تم امی اور آنٹی سے بات کر لینا مگر اس کا اُلٹا اثر ہوا۔ اور شاید یہی میری غلطی ہے کہ ایک ساتھ رہنے، ایک گھر میں زندگی گزارنے زندگی کے سارے مدارج اکٹھے طے کرنے کے باوجود میں نے تمہیں غلط جج کیا تھا۔ بعد میں جو بھی ہوا اس سے تم لاعلم نہیں ہو مجھے افسوس ہے تو صرف اس بات پر کہ تم نے مجھے غلط جج کیا ہے۔ بعض اوقات جو نظر آتا ہے وہ حقیقت نہیں ہوتا۔''

وہ شاک زدہ سی بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔

''ماہم مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں نے امی کی خواہش پر سنیہا کی بجائے تمہیں منتخب کیوں کیا...... اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ تم اس قدر شقی القلب، تنگ نظر سی لڑکی ہو تو شاید......'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا ماہم نے صرف اسے دیکھا۔

''بہرحال...... اس سارے قصے میں یہ تو ہوا کہ مجھ پر تمہاری ناپسندیدگی کھل کر واضح ہو گئی ہے۔ چلو کچھ نہ کچھ تو ازالہ ہو ہی جائے گا۔ اگر تم رُخصتی پر آمادہ نہیں تو کوئی زبردستی نہیں...... میں امی کو منع کر دوں گا...... مگر اب مجھ سے کسی بھی قسم کی اُمید مت رکھنا اور نہ ہی میرے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانا۔ تمہارے والدین مجھ پر ہر بہت بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں۔ چاہے کسی بھی ناطے سے ہی میں انہیں اپنی طرف سے کبھی ہرٹ کرنا نہیں چاہوں گا۔ البتہ تم آزاد ہو'' اپنی پینٹ کی جیبوں میں دونوں ہاتھ ڈال کر تلخی سے سب باور کرواتا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا جبکہ وہ اب بھی حیران و ششدر بیٹھی ہوئی تھی۔

ملال کے لمحے اس قدر کثافت لیے ہوئے تھے کہ اگلے تین چار دن گزرنے کے باوجود بھی وہ خود کو سنبھال نہیں پائی تھی۔ حزن و ملال کی گہری لپٹ میں اٹا دل کسی بھی طور پر اب سنبھلنے کو نہیں تھا۔ پہلے یہ بات دُکھ دیتی تھی کہ وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے کسی اور کو چاہتا ہے مگر اب جب سے حقیقت کھلی تھی وہ اپنی ذات کا اعتماد بھی کھو بیٹھی تھی۔ دُکھ جب کسک بن جائے تو دیمک کی طرح دل کو چاٹنے لگتا ہے اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا اپنی خودساختہ غلط فہمیوں پر ملال و شرمندگی کی کہر اس قدر دبیز تھی کہ سکندر کا

سامنا کرنے کی بھی اس کے اندر ہمت نہ تھی وہ اسے کیا سمجھ رہا تھا ایک جذبات واحساسات کی ماری ہوئی لڑکی جسے لفظوں کے اظہار کی ضرورت تھی۔ یہ گھاؤ اس قدر گہرا تھا کہ وہ اندر سے ٹوٹتی چلی جا رہی تھی۔ محبت کرنا اس قدر مشکل امر نہیں مگر اس کی شدتوں آزمائشوں کو برداشت کرنا یقیناً بہت حوصلے کا کام ہے ماہم میں نہیں تھا نتیجتاً تین دنوں کی ٹینشن اور اندرونی توڑ پھوڑ نے اسے بیمار کر ڈالا تھا۔

تین دن وہ سست سی ہو کر رہ گئی تھی۔ کل سے بخار تھا۔ صبح سحر کے وقت امی ابو جویریہ نے اسے روزہ رکھنے سے منع کیا تھا۔ مگر وہ نہیں مانی تھی۔ عصر کے قریب جب وہ نماز ادا کرنے بستر سے اُٹھی تو سر چکرا رہا تھا۔ ٹانگوں میں گویا جان ختم ہو گئی تھی بعض اوقات اندر کی گھٹن باہر نکل کر انسان کو یونہی شکست سے دوچار کر دیتی ہے جیسے تیسے نماز ادا کر کے اپنا بخار سے پھنکتا درد سے چور ہوتا وجود لیے بستر پر لیٹی تو نسرین آنٹی جویریہ کے ہمراہ اندر داخل ہوئیں۔

''ارے...... کیا ہوا میرے چاند کو......'' جویریہ نے ہی انہیں فون کر کے اس کی علالت کی اطلاع دی تھی۔ جواباً وہ یہاں دکھائی دے رہی تھیں انہوں نے براہِ راست پوچھا تھا۔ اس قدر والہانہ محبت کے مظاہرے پر ماہم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ انہوں نے پیشانی پر پیار کیا تو وہ کٹ سی گئی۔

''کتنی بُری ہوں میں، سب خلوص کو دکھاوا گردانتی۔ غلط معنوں میں دیکھتی رہی۔ آنٹی کی محبت ومروت کو احسان وبھیک سمجھتی رہی۔'' اس کا دل بھی رو رہا تھا۔ اُٹھ کر بیٹھنا چاہا تو آنٹی نے روک دیا۔

''لیٹی رہو...... دیکھو کتنی سی شکل نکل آئی ہے میری بیٹی کی...... ارے کسی کو فکر ہی نہیں......'' امی کو اندر آتے دیکھ کر انہوں نے دُہائی دی تو وہ مسکرا دی۔

''نہیں آنٹی! میں نے سحری کے وقت میڈیسن لی تھی۔ ظاہر ہے بخار اثر تو دکھائے گا اپنا۔''

''جانتی ہوں کیسی دوائی لی ہوگی تم نے...... اور زہرہ تم نے بھی خیال نہیں رکھا میری بیٹی کا۔'' وہ اب امی سے اُلجھ رہی تھیں، امی اور جویریہ ہنس دی تھیں امی اس کو لاپرواہیاں گنوانے لگی تھیں وہ سر منہ لپیٹے ہنستی رہی۔

''یہ سکندر رہے کہاں؟ میں کب سے آئی بیٹھی ہوں نظر نہیں آیا۔'' ایک گھنٹے بعد انہیں خیال آیا تو پوچھا۔ جبکہ امی کچن میں چلی گئی تھیں۔

''پتا نہیں...... صبح آفس کے لیے نکلے تھے ابھی تک گھر نہیں لوٹے۔'' جویریہ نے بتایا تھا وہ تو خاموش تھی۔

''اچھا...... مگر اس کی آفس ٹائمنگ چار بجے تک ہے ناں...... پھر اتنی دیر کیوں؟''

''پتا نہیں...... آج کل تو وہ گھر پر صرف سونے اور روزہ افطار کرنے آتے ہیں ورنہ فرصت ہی نہیں ہوتی اگر کبھی گھر میں آ بھی جائیں تو اپنے کمرے میں بند رہتے ہیں۔ سکندر بھائی اب بہت بور کرنے لگے ہیں۔ ذرا بھی خیال نہیں کرتے۔'' جویریہ جو کہ اس کی بیماری اور دوسرا سکندر کے گھر کی جانب سے لاتعلقی پر سخت نالاں تھی کہے بغیر نہ رہ سکی۔ آنٹی بھی حیران ہوئیں مگر پھر کچھ سوچ کر چپ ہو گئیں۔ افطاری کے قریب وہ گھر آیا تو سامنے ہی لاؤنج میں امی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

''آپ...... السلام علیکم......'' وہ فوراً مؤدب سلام بجا لایا تھا۔

''وعلیکم السلام...... خیر سے یہ تمہارے گھر آنے کا وقت ہے......'' انہوں نے فوراً ٹوکا تو وہ سر کھجاتا شرمندہ سا ہو گیا۔
''وہ بس...... آفس کے کام میں دیر ہو جاتی ہے۔'' اس وقت یہی بہانہ سوجھا تھا امی نے اسے خاموش نظروں سے دیکھا۔
مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد وہ فوراً گھر لوٹا تھا وجہ امی کی آمد تھی وہ انہیں کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ ابھی کھانا کھا کر فارغ ہوا تھا کہ امی اس کے کمرے میں ہی اس کے ساتھ چلی آئیں۔
''جانتے ہیں کہ میں آج کیوں آئی ہوں۔''
انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا وہ خاموش رہا۔
''ماہم کی طبیعت خراب تھی ایک تو وجہ یہ تھی مگر اصل مقصد یہی ہے کہ تم نے رُخصتی کی ڈیٹ فکس کرنے سے کیوں انکار کیا ہے۔ یہ شادی بچوں کا کھیل تو نہیں جو تم یوں مذاق میں ٹال رہے ہو آرام سے بتاؤ انکار کی اصل وجہ کیا ہے؟''
''میں نے انکار نہیں کیا...... بلکہ ماہم ایسا نہیں چاہتی۔'' سکندر نے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔ امی کو حیرت ہوئی۔
''ماہم...... مگر کیوں؟''
''امی وہ انتہائی احمق لڑکی ہے سمجھتی ہے کہ میں نے آنٹی اور خالو کی محبت میں ان کی پرورش کا بدلہ چکانے کے احسان کے لیے اسے اپنایا ہے اور یہ کہ میں سنیہا میں انوالو ہوں۔'' اس نے صاف بات کی تھی۔
''ہیں...... یہ ماہم سمجھتی ہے۔'' وہ بے یقین تھیں۔ ''یہ بھلا کیا بات ہوئی؟ میں ماہم کو اتنا کم عقل تو نہیں سمجھتی تھی۔'' انہیں یہ بات کسی بھی طور پر ہضم نہیں ہو رہی تھی۔
''آپ کو کیا پتہ وہ اس سے زیادہ کم عقل ہے۔ بلکہ وہ تو سرے سے اس رشتے سے راضی ہی نہیں۔'' امی حیرانی سے دیکھے گئیں۔
''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ اُلجھ رہی تھیں۔
''یہ تو آپ اسی سے پوچھیں۔'' سکندر کا لہجہ تلخ سا تھا ماما نے اسے گھورا۔
''یہ تو میں اس سے پوچھ ہی لوں گی۔ پہلے یہ تو بتاؤ تم نے اسے کچھ کہا تو نہیں۔''
''میں نے...... کیوں؟ میں بھلا اسے کیوں کچھ کہوں گا۔'' سکندر نے روکھے پن سے کہا۔
''تو پھر وہ بیمار کیوں ہو گئی ہے کل سے بخار میں پھنک رہی ہے ابھی بھی اس قدر بخار ہے۔''
''اب آپ مجھ پر شک کر رہی ہیں...... بھلا اس کی بیماری سے میرا کیا تعلق؟ وہ بیمار تھی یہ تو اسے بھی دکھائی دے رہا تھا مگر اس قدر حالت خراب ہو گی اندازہ نہ تھا کچھ تشویش تو بہرحال اسے بھی ہوئی تھی مگر نظر انداز کر گیا۔
''تعلق ہے یا نہیں...... مگر خیال رکھو وہ بیوی ہے تمہاری، خیال تو رکھنا چاہیے تھا تمہیں...... جویریہ سے شکایتیں سنی ہیں میں نے تمہاری...... گھر سے کتنی کتنی دیر باہر رہتے ہو۔'' انہوں نے آخر میں خفگی سے کہا تو وہ دیکھ کر رہ گیا۔
''دیکھو سکندر! افتخار بھائی کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ وہ تمہیں بیٹوں کی طرح چاہتے ہیں زہرہ اور افتخار ہر وقت مسکراتے رہتے ہیں مگر بیٹے کی کمی ان کو اندر ہی اندر خوفزدہ ضرور رکھتی ہے۔ اسی لیے میں نے تمہیں ان کے ہاں رہنے دیا تھا۔ سنیہا سے تم بے شک

شادی کرتے مجھے قطعی دُکھ نہ ہوتا مگر میں نہیں چاہتی تھی کہ زہرہ وغیرہ کے دل میں کوئی بات آئے۔ وہ صرف تمہیں اپنا بیٹا کہتے ہی نہیں اصل میں سمجھتے بھی ہیں، اسی لیے میں نے تمہارے اور ماہم کے نکاح کا فیصلہ کیا تھا مجھے علم ہے اندر ہی اندر وہ ہر وقت خوفزدہ ضرور رہتے تھے کہ کہیں تم اپنی پسند کی شادی کرلو اور انہیں بھول جاؤ۔ وہ تم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اس لیے یہ سب کیا تھا۔''

''میں سب سمجھتا ہوں امی! میں تو کبھی سنیہا کو اس نظر سے دیکھتا بھی نہیں وہ تو اس کے فادر نے پرپوزل دیا تھا میں نے آپ سے بات کی جہاں تک ماہم کی بات ہے تو اس کی سوچ سے مجھے واقعی بہت دُکھ ہوا ہے۔''

''اچھا...... چلو اُٹھو...... ماہم کو میں دیکھ لوں گی۔ اس کی ساری غلط فہمیاں رفع کردوں گی تم اس وقت اسے لے کر ڈاکٹر کے پاس جاؤ بہت بخار ہے اسے۔'' امی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ویسے سکندر...... مجھے بہت افسوس ہوا یہ جان کر تم گھر میں لاتعلق رہنے لگے ہو۔ بہت دُکھ کی بات ہے ماہم کوئی غیر تو نہیں تمہاری اپنی بیوی ہے تمہیں خود احساس ہونا چاہیے تھا۔ بجائے میرے کہنے کے......'' آخر میں انہوں نے اسے شرمندہ کر دیا تھا۔ تین چار دن سے اس نے سرد مہری کی جو چادر اوڑھ رکھی تھی اب امی کے یوں احساس دلانے پر چھٹکنے لگی تھی۔

''امی! آپ پلیز ماہم سے کچھ نہیں کہیں گی۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ میں خود نمٹ لوں گا۔ آپ اسے کچھ نہیں بتائیں گی۔ ابھی بہت سے حساب ہیں جو مجھے بے باق کرنے ہیں۔'' آخری جملہ اس نے ذرا آہستہ کہا تھا امی نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''کیا کرو گے تم؟''

''پتہ نہیں...... مگر امی اس کی سوچ سے مجھے بہت تکلیف پہنچی ہے کم از کم اتنی تکلیف کا احساس اسے بھی ہونا چاہیے نا۔'' عجیب منطق تھی سکندر کی وہ مسکرادیں۔

''اچھا دیکھوں گی کیا کرنا ہے مجھے...... تم گاڑی نکالو۔ میں ماہم کو لے کر آتی ہوں۔'' اسے کہہ کر وہ چلی گئی تھیں۔ وہ بھی چابی اُٹھائے باہر نکل آیا۔

وہ گاڑی میں بیٹھی تو امی نے دروازہ بند کر دیا

''دھیان سے چیک اپ کروا کر لانا۔'' خاص تاکید کے ہمراہ دونوں کو رُخصت کیا تھا۔

سارا راستہ دونوں کی خاموشی رہی تھی۔ ڈاکٹر سجاد کے کلینک وہ اکثر پہلے بھی آتی رہتی تھی چیک اپ کروا کے میڈیسن لے کر وہ دوبارہ گاڑی میں آبیٹھے۔ میڈیسن والا شاپر ڈلیش بورڈ پر رکھ کر سکندر نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ بائیں ہاتھ سے گاڑی ڈرائیو کرتے بائیں ہاتھ سے اس نے کیسٹ لگایا تھا۔ گاڑی میں مدھر سروں سے گلوکار کی آواز گونجنے لگی تھی۔

کہو اک دن کہ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے سب کچھ تمہارا ہے

کہو اک دن کہ......

ماہم نے ایک دم پہلو بدلا تھا۔ کن اکھیوں سے اسے دیکھا جو سامنے دھیان رکھے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

ستارا سی جنہیں کہتے ہو وہ آنکھیں تمہاری ہیں

جنہیں تم شاخ سی کہتی ہو وہ باہنیں تمہاری ہیں
جنہیں تم پھول سی کہتے ہو وہ باتیں تمہاری ہیں
کہو ایک دن کہ جو کچھ بھی......

ماہم نے پھر اسے دیکھا وہ متوجہ کب تھا اسٹیئرنگ پر دھرے اس کے مضبوط ہاتھوں کی اُنگلیاں اسٹیئرنگ ویل پر بج رہی تھیں۔

کہو اک دن کہ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے سب کچھ تمہارا ہے
اگر سب کچھ یہ میرا ہے تو سب کچھ بخش دو اک دن
وجود اپنا مجھے دے دو محبت دو اک دن
میرے ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھے روح کھینچ لو اک دن

ماہم نے ایک دم ہاتھ بڑھا کر ٹیپ ریکارڈ بند کر دیا تھا۔ سکندر نے چہرے کا رُخ موڑا۔ بہت برہمی سے اسے دیکھا۔

''میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' اس کی نظروں میں ایسی ہی تپش تھی وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

سکندر نے ایک نظر ڈالنے کے بعد پھر چہرے کا رُخ موڑ لیا تو وہ اندر ہی اندر کٹنے لگی۔ اس کی خفگی اس کے لیے سوہانِ روح تھی۔ آنکھوں میں بے اختیار نمی اُتر آئی۔

''س...... س...... سکندر!'' بہت ہمت کر کے وہ اسے مخاطب کر پائی تھی۔ اس نے اسے ایک پل کو دیکھا تھا۔ ''ایم سوری......'' بھرائی ہوئی آواز میں وہ صرف یہی کہہ سکی۔

''فار واٹ......'' سکندر کا لہجہ سپاٹ سا تھا ماہم کا دل سکڑ سا گیا۔

''اپنے رویوں پر...... میں بہت شرمندہ ہوں۔''

''جسٹ اے منٹ ماہم......'' اس سے پہلے وہ کچھ کہتی سکندر نے اسے روک دیا تھا۔

''تم کیوں شرمندہ ہو...... اچھی بات نہیں اس طرح مجھے تمہارے خیالات سے آگاہی ہو گئی ہے۔''

''بھئی میں نے جان لیا ہے کہ تم مجھ سے کس قسم کی توقعات وابستہ کیے ہوئے ہو۔ ہاں رُخصتی کی بات میں نے امی کو منع کر دیا ہے بے فکر رہو۔ احسان و مروت کی آڑ میں تمہیں کوئی بھی میرے پلّے نہیں باندھے گا۔''

الفاظ تھے کہ تیر جو سیدھے دل میں پیوست ہوتے گئے تھے۔ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے شاید وہ اس سے بہت زیادہ ناراض ہو چکا تھا۔ دل کٹ کر رہ گیا۔ سکندر کے چپ ہونے پر گاڑی میں اس کے رونے کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ گاڑی سگنل پر رُکی تو ایک دس بارہ سال کا بچہ ہاتھوں میں پھولوں کی ٹوکری لیے ان کے گاڑی کے شیشے پر جھکا۔

''صاحب...... تازہ پھول لے و...... نئے تازہ ہیں۔'' پھولوں کی ٹوکری آگے کیے کہہ رہا تھا ماہم نے ہاتھ کی پشت سے اپنا چہرہ صاف کیا۔ نظر لڑکے کی طرف ڈالی جو ٹوکری سے موتیے کے پھول نکال نکال کر دکھا رہا تھا۔

''بھئی میں کیا کروں گا ان پھولوں کا......'' سکندر نے اُکتاتے ہوئے کہا ماہم کے دل کو کچھ ہوا۔ پھول وہ بھی موتیے کے

اس کی کمزوری تھے مگر وہ ایک نظر پھولوں کو اور ایک نظر سکندر کو دیکھ کر رہ گئی جس کے چہرے پر بیزاری کی تحریر واضح پڑھی جا سکتی تھی۔

''صاحب بیگم صاحبہ کے لیے لے لو۔ یہ گجرے ہیں تازہ ہیں بیگم صاحبہ کے ہاتھوں میں بہت زیادہ سجیں گے۔'' وہ لڑکا سکندر کو آمادہ کر رہا تھا ماہم ایک دم نظریں پھیر گئی۔

''کیوں بھئی زبردستی ہے کیا؟ تمہارے یہ گجرے یہ پھول بک نہیں رہے کیا؟'' سکندر نے مذاقاً پوچھا تھا۔

''نہیں صاحب جی! یہ بات تھوڑی ہے۔ بک جاتے ہیں مگر تھوڑی دیر لگتی ہے۔ یہ تو اپنی روزی ہے مگر جس دن جلدی بک جائیں میں جلد گھر چلا جاتا ہوں اور جس دن نہ بکیں دیر ہو جاتی ہے۔ اماں راہ تکتی رہتی ہے۔ صاحب جی یہ تھوڑے سے رہ گئے ہیں...... لے لو......'' وہ بڑے انداز میں اسے قائل کر رہا تھا۔ سکندر مسکرا دیا ایک نظر اس کی ٹوکری پر ڈالی جہاں واقعی ہی تھوڑے پھول اور گجرے تھے۔

''لاؤ بھئی دے دو...... یہ سارے ہی دے دو...... بھئی تمہاری تو روزی کا سوال ہے اور ہمارا کیا ہے آ کر کسی کا دل خوش ہو جائے۔'' لڑکے کی بات پر ہنستے اس نے والٹ نکالا تھا۔

''کتنے پیسے ہوئے؟'' سکندر نے شاپر تھام کر ڈیش بورڈ پر رکھا تھا۔

''صاحب جی پچاس روپے۔'' سکندر نے سر ہلا کر سو کا نوٹ نکال کر اسے تھمایا تھا اسی دوران سگنل بھی کھل گیا تھا۔ پیچھے سے گاڑیوں کے ہارن بھی گونجنے لگے تھے سکندر نے فوراً اسٹیئرنگ سنبھالا۔

''صاحب جی باقی پیسے......'' وہ لڑکا کہہ رہا تھا سکندر نے جلدی سے گاڑی آگے بڑھا لی تھی۔ پیچھے کھڑا لڑکا آوازیں دے رہا تھا۔ مگر سکندر نے جیسے سنی ہی نہیں تھی ماہم خاموشی سے چپ چاپ ساری کارروائی دیکھتی رہی تھی۔ گاڑی گھر کے پورچ میں رُکی تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ سب ڈرائنگ روم میں تھے وہ سیدھی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ بستر پر بیٹھی تو لگا بہت دور کا سفر طے کر کے آئی ہو۔ سکندر کی ہم سفری میں گزرے پل اس پر اسی قدر بھاری ہوتے تھے۔ وہ بیڈ کی پشت پر کمر ٹکائے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی جب اسے اپنے ارد گرد بہت مانوس سی خوشبو محسوس ہوئی تھی۔ ماہم نے تڑپ کر آنکھیں وا کی تھیں۔ سامنے ہی وہ اپنا بھرپور سراپا لیے بڑے انہماک سے تک رہا تھا اس کے دیکھ لینے پر بھی نظروں کا ارتکاز نہیں ٹوٹا تھا۔ وہ فوراً سیدھی ہو گئی تھی۔ تبھی وہ دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتا بستر پر اس کے قریب ہی آ بیٹھا تھا وہ مزید اپنے آپ میں سمٹ سی گئی تھی۔ تھوڑی دیر قبل کس قدر روکھا پھیکا سا دل شکن انداز تھا۔ اس کی نظریں خود بخود جھک گئی تھیں۔ اس مانوس سی خوشبو نے اس کے وجود کو اپنے حصار میں لینا شروع کر دیا تھا۔

''تم اپنی میڈیسن گاڑی میں ہی چھوڑ آئی تھیں۔'' سنجیدہ لہجے میں کہہ رہا تھا ماہم کی نظر اس کے ہاتھوں پر گئی جہاں میڈیسن کے شاپر کے علاوہ کچھ اور بھی تھا۔ میڈیسن والا شاپر ٹیبل پر رکھ کر وہ پھولوں والا شاپر کھولنے لگا۔

''تمہیں میرا ان کو پہننا ناگوار گزرے اور شاید اچھا بھی لگے مگر میں ان پھولوں کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ وہ پھولوں والا بیچارہ یہ تمہارے لیے ہی دے رہا تھا اب بیچارے کو کیا علم کہ بیگم صاحبہ ابھی آدھی بیگم ہیں۔'' طنز تھا یا مذاق وہ قطعی سمجھنے سے قاصر

تھی۔نرمی سے ماہم کا ہاتھ تھامتے گجرا پہناتے اس نے اس کی آنکھوں میں بھی جھانکا تھا۔
وہ نظر پھیر گئی تھی۔ چہرے پر سوائے سپاٹ سے تاثرات کے کچھ بھی نہ تھا۔کوئی لطیف سی شرارت کوئی گدگدی کرنے والی مسکراہٹ پورے بدن میں ہلچل مچا دینے والی آنکھوں کی چمک، ہر جذبہ جیسے جامد سا تھا۔گہری گہری چادر میں لپٹا ہوا۔ایک ایک کر کے دونوں ہاتھوں میں اس نے گجرے پہنا دیئے تھے۔وہ اس قدر شاک اور ملال کی کیفیت میں غرق تھی کہ مزاحمت تک نہ کر سکی تھی۔
باقی پھولوں کے ہار اس کی جھولی میں ڈال کر اس کے ہاتھوں کو بغور دیکھتے سکندر نے پھولوں کی مہک اس کے ہاتھوں کے چہرے کے قریب لے کر سونگھی تھی۔
''دراصل تم سے میرا نکاح زبردستی نہیں ہوا تھا مگر اب لگتا ہے تمہارے لیے زبردستی ہی سہی دل میں جگہ بنانی ہوگی ورنہ......''
بات تھی زہر میں بجھا ہوا نشتر ماہم نے نمی بھری آنکھوں سے اسے دیکھا وہ کھل کر مسکرایا تھا۔
''مجبوری ہے بھئی......زبردستی کے رشتوں میں صرف سمجھوتہ ہوتا ہے۔اتنی تو عقل ہوگی نہ تم میں......'' وہ آج شاید اس کی جان لینے کے درپے تھا۔ماہم کی جان سخت عذاب میں مبتلا ہو چکی تھی مگر کوئی راہ فرار نہ تھی۔
''کہتے ہیں پھول جذبات کے اظہار کا سب سے خوبصورت ذریعہ ہوتے ہیں مگر افسوس......'' اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ دل آویزی سے مسکرایا تھا پھر وہ اسے سخت ہراساں کر گیا تھا۔

''سنیہا کی شادی ہو رہی ہے عید کے تیسرے دن یہ اس کا انویٹیشن کارڈ ہے۔مسٹر اینڈ مسز سکندر کے نام......'' آج وہ اسے دھچکے پر دھچکا لگا رہا تھا وہ جو ابھی سنبھل بھی نہ پائی تھی اس نئے انکشاف پر حیران ہوئی۔بے یقین نظروں سے اسے دیکھا سکندر نے اپنے ہاتھ میں پکڑا انویٹیشن کارڈ اس کی طرف بڑھایا تھا جسے اس نے لرزتے ہاتھوں سے تھاما تھا۔
''تمہارے لیے شاید خوشی کا پیغام ہو مگر مجھے بہت دُکھ ہوا ہے کہ کم از کم میں تمہارے خدشات کو سچ نہیں کر پایا۔سنیہا اپنے کزن ارقم میں انٹرسٹنگ تھی جب اس کے والد نے سنیہا کا پرپوزل پیش کیا تھا تو وہ قطعی لاعلم تھی اور شاید میں لاعلمی میں ہی اسے غلط ہرٹ کر دیتا اگر وہ مجھے اپنی کمٹمنٹ کا کہہ کر ایکسکیوز نہ کر لیتی اس کے بعد میرا تمہارے ساتھ نکاح طے پایا گیا۔مجھے کوئی فرق نہیں پڑا تھا بس اتنا اعتراض تھا کہ مرینہ کی شادی کے بعد یہ تقریب ہو جائے مگر امی نہیں مانی تھیں اور میرا خیال ہے یہی انکار تم تک پہنچا تھا، جسے تم نے اپنی نظر اور سوچ کے مطابق دیکھا۔چلو اب تو تمہارے خدشوں کی نفی ہو چکی ہے نا......تو تیار رہنا تمہیں میرے ساتھ سنیہا کی شادی میں ضرور چلنا چاہیے۔ہو سکتا ہے وہاں تمہاری سوچوں کو منفی رُخ ڈالنے کے لیے کوئی اور گرہ ہاتھ لگ جائے۔'' وہ طنز پر طنز کرتا اسے زمین میں گاڑھ دینے کو تھا، ماہم اتنی ہمت نہیں رکھتی تھی کہ سر اُٹھا کر اسے دیکھ لے۔
''اور ہاں میں نے امی کو رُخصتی کی ڈیٹ فکس کرنے سے منع کر دیا ہے۔مگر پھر بھی فیصلہ تم پر ہے۔یہ شادی بیاہ دنوں کا کھیل نہیں پوری زندگی کا سوال ہے۔ایک جذباتی لمحے میں بہہ کر پوری زندگی کا فیصلہ نہیں کیا جاتا۔اچھی طرح سوچ لینا۔پھر کوئی فیصلہ کرنا۔تب تک میں امی کو کنوینس کر لوں گا۔

وہ اُٹھ کر اس کے کمرے سے نکل گیا تھا۔ پتہ نہیں وہ حقیقت پسند تھا یا اذیت پسند بہر حال اس کے لفظوں سے وہ اندر تک ادھڑتی چلی گئی تھی۔ بے پناہ تکلیف کا احساس ہو رہا ہے۔ کسی پل چین نہ تھا۔ وہ تو چلا گیا تھا اسے اس طرح ساکت وصامت چھوڑ کر مگر وہ اپنے جسم سے اپنی روح نکلتے ضرور محسوس کر رہی تھی بے یقینی سے کبھی ہاتھوں میں سجے گجروں کو دیکھتی اور کبھی اس انویٹیشن کارڈ کو، جس نے اس کے آخری خدشے تک کو ختم کر ڈالا تھا کہ شاید سنیہا اس میں انٹرسٹنگ ہو۔

''میں واقعی بہت احمق ہوں۔'' سسکتے ہوئے اپنے گھٹنوں پر سر ٹکا کر ماہم بُری طرح سے رو دی تھی۔

❖ ❀ ❖

رمضان کے باقی دن کیسے گزرے تھے یہ صرف وہی جانتی تھی۔ سکندر سے اب کسی بھی اچھائی کی اسے اُمید نہ تھی ایک دفعہ پھر اسے اذیت کے بھنور میں دھکیل کر خود لاتعلق بن بیٹھا تھا۔ یوں جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہیں۔ اسے جاننا تک نہ ہو کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ نسرین خالہ نے رمضان کے شروع میں ہی اسے پیسے دیئے تھے کہ وہ اپنی پسند کی عیدی خرید لے جویریہ کے ساتھ جا کر وہ جو بھی پسند تھا لے آئی تھی۔

آج انتیسواں روزہ تھا کثرت رائے یہی تھی کہ عید کل ہوگی۔ دو دن سے نسرین آنٹی کے ہاں گیا ہوا تھا۔ وہ ہر سال عید ادھر ہی کرتا تھا اس دفعہ بھی وہ چلا گیا تھا۔ اس کے جانے سے گھر بہت سونا سونا لگنے لگا تھا۔ سارا دن بے پناہ مصروفیت میں گزرا تھا۔ وہ امی اور جویریہ تینوں بُری طرح مصروف رہی تھیں۔ عصر کے قریب جا کر وہ لوگ فارغ ہوئیں تو جویریہ امی کے ساتھ کچن میں افطاری کا اہتمام کرنے گھس گئی جبکہ وہ کل پہننے والے کپڑے لے کر استری اسٹینڈ پر آ کھڑی ہوئی۔ سب کے کپڑے پریس کر کے ساری مطلوبہ چیزیں جمع کر کے سب کے کمروں میں پہنچانے کے بعد وہ سکندر کے کمرے میں آ گئی دو دن سے وہ یہاں پر نہیں تھا اس دوران وہ اس کے کمرے کو نئے سرے سے ترتیب دینے سیٹنگ چینج کرنے سجانے سنوارنے میں لگی ہوئی تھی۔ اُمید تو نہیں تھی کہ وہ عید یہاں آ کر کرے گا مگر پھر بھی اپنے دل کو تسلی دینے کو اس کے کپڑے پریس کر کے تمام چیزیں ڈھونڈ کر رکھیں۔ ایک بھرپور نظر اس کے بیڈروم پر ڈال کر باہر نکل آئی۔

افطاری کے بعد نماز ادا کرتے ہی وہ اور جویریہ چھت پر چلی آئیں۔ بہت تلاش بسیار کے باوجود چاند صاحب کا چہرہ نظر نہیں آیا تھا۔ دونوں نیچے آ کر ٹیلی ویژن لگا کر بیٹھ چکی تھیں۔

نو بجے ہی وہ نماز تراویح ادا کر کے بستر میں جا گھسی تھی۔ سارے دن کی تھکاوٹ تھی جس نے اسے نڈھال کیا ہوا تھا۔

''تم اتنی جلدی سونے لگی ہو۔ ابھی تو چاند صاحب کا بھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ ہلال کمیٹی تو ابھی تک دوربین لگائے خلاؤں میں گھورتے چاند میاں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہوئی ہے۔ جیسے وہ بیچارہ ان کا قرضہ لے کر بھاگا ہوا ہے۔'' جویریہ نے اس کے کمرے میں جھانکا تو وہ اس کی لن ترانیوں پر ہنس دی اُٹھنے کی بجائے مزید کمبل میں منہ چھپا گئی۔ وہ گہری نیند میں تھی جب کسی نے اسے بُری طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا کچھ بھی نہ سمجھ پائی جب سمجھ آئی تو جویریہ کے ساتھ میرینہ کو دیکھ کر چونکی۔

''ماہم! جلدی چلو اُٹھو پلیز...... دیکھو چاند نکل آیا ہے۔''

''ہیں......'' ماہم مکمل طور پر حواسوں میں لوٹی تھی۔ ''کیا...... واقعی......''

"جی جناب! صبح عید ہے..... فٹافٹ باہر آجاؤ۔" وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ بھی حیرت وخوشی کے جذبات لیے سرہانے پر پڑا دوپٹہ کھینچ کر مرینہ کے ساتھ باہر نکل آئی۔

لاؤنج میں سبحان، شاہد کے ساتھ سکندر بھی تھا اسے دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکن سن ہوئی تھی۔

"چاندرات مبارک ہو ماہم بھابی۔" سبحان اور شاہد اس کے قریب آ گئے تھے۔ وہ انہیں گھور کر امی ابو کی طرف جھک گئی۔ انہوں نے پیشانی پر بوسہ دیتے دُعا دی تھی۔

"خوش رہو..... اللہ ہمارے بچوں کو ایسی ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔"

"یہ چاند صاحب اچانک کہاں سے آ ٹپکے۔ نو بجے تک تو کوئی آثار نہیں تھے۔" وہ مرینہ اور جویریہ کے پاس جا بیٹھی۔ جویریہ ہنس دی۔

"بھابی صاحبہ کون سے چاند کا پوچھی ہیں۔" مرینہ کا انداز شرارتی تھا وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ ہونقوں کی طرح اسے دیکھا تو سب ہنس دیئے۔

"پوچھنے کی کیا بات ہے بھلا..... بھلا چاند کتنے ہوتے ہیں۔ کوئی دس بارہ تھوڑی ہیں۔" اپنی خفت مٹانے کو کہا۔

"میرے حساب سے تو دو چاند ہوتے ہیں ایک زمینی اور آسمانی....." سبحان دور کی کوڑی لایا تھا وہ حیران ہوئی۔

"ذرا تم اپنے اس زمینی اور آسمانی چاند کی وضاحت بھی کر دو۔" جویریہ نے جل کر کہا تھا سب کے قہقہے بے اختیار تھے۔

"آسمانی چاند تو "مون" ہوتا ہی ہے مگر زمینی چاند "صرف ہمارے سکندر بھیا" ہی ہیں۔ کیوں ماہم بھابی۔" مرینہ نے سرگوشی کے سے انداز میں اس کے کان کے قریب کہا تو وہ پزل سی ہوگئی۔ "آپ کی عید تو اسی چاند کو دیکھ کر ہو جاتی ہوگی۔ ہیں ناں۔" وہ اسے مزید کنفیوژ کر رہی تھی۔

"مرینہ..... بکومت....." تادیبی نظروں سے گھورا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

سکندر، امی ابو کے ساتھ محوِ گفتگو تھا اس نے وال کلاک دیکھا رات کے گیارہ کا ٹائم تھا۔ میں خود مایوس ہو کر سونے والی تھی جب یہ لوگ آ گئے تھے۔ یہ خوشخبری لے کر کل عید ہوگی۔ ٹی وی لگایا تو ادھر بھی یہی خوشخبری تھی۔ ضویریہ کی بات پر وہ مسکرا دی۔

"ہم شاپنگ کے لیے نکلے تھے سوچا آپ کو بھی ساتھ لے لیں۔ آپ دونوں تیار ہو جائیں۔" مرینہ نے اپنی آمد کا مقصد بتایا تو اس نے امی کی طرف دیکھا۔

"ہاں چلی جاؤ تم دونوں..... کوئی چیز لینی ہو تو لے لینا....." امی نے کہا تھا۔ وہ چپ ہوگئی۔ یہ آج کوئی نئی بات تو نہ تھی ہر عید پر ہی ہوتا تھا۔ سکندر اپنے بہن بھائیوں کو لے کر ادھر آ جاتا تھا پھر یہاں سے سب مل کر جاتے تھے۔ نیا تو کچھ بھی نہ تھا۔ سب کچھ وہی تھا مگر سکندر کا رویہ اور ماہم کا اپنا آپ وہ نہیں رہا تھا۔

"تم لوگ گاڑی میں بیٹھو میں آتا ہوں۔" ان سب کو تیار دیکھ کر سکندر حکم دیتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

وہ واپس لوٹا تو سب گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ وہ مرینہ اور جویریہ پچھلی سیٹ پر تھیں جبکہ سبحان، شاہد اور سکندر اگلی سیٹ پر تھے۔

بازار میں اچھا خاصا رش تھا۔ خوش باش چہرے، ہنستے مسکراتے لوگ بے فکر قہقہے سے بھرپور ہنسی ماہم کے اندر اک خلا سا بھرتی جا رہی تھی۔ ادھر سے اُدھر گھومتے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ جویریہ اور میرینہ نے مہندی لگوائی تھی اسے بھی کہتی رہیں مگر وہ نہیں مانی تھی وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر سبحان اور شاہد کو لے کر پارلر چلی گئی تھیں۔ وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی صرف باہر کی گہما گہمی کو دیکھ رہی تھی۔ سکندر ایک نظر اس کو دیکھ کر پارلر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ دو تین منٹ بعد واپس لوٹا تو گاڑی میں آ بیٹھا۔

''تم آگے آ جاؤ......'' اگنیشن میں چابی گھماتے اس نے کہا تو وہ اپنے ہی خیالوں سے چونکی۔

''نہیں...... میں ٹھیک ہوں ادھر ہی۔'' سکندر کے اس طرح ری ایکٹ کرنے پر وہ ایک دفعہ پھر زود رنج ہونے لگی تھی۔

''میں تمہارا شوہر نہیں ہوں...... آرام سے آگے آؤ۔'' سکندر نے ایک دم کچھ غصے سے کہا تو وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ اگلی سیٹ پر آ کر بیٹھتے ہوئے اس کے اندر کی تلملاہٹ عروج پر تھی۔ اپنا سارا غصہ دروازے پر نکالا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے مجھ سے بات کرنے کی۔ اتنے دن ہو گئے ہیں طنز پر طنز کیے جاتے ہیں۔ حد ہوتی ہے برداشت کی بھی۔'' وہ کہے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''ٹھیک ہے میں مانتی ہوں میرا قصور ہے معافی بھی تو مانگ رہی ہوں۔ اپنی غلطی، اپنی سوچوں پر شرمندہ بھی تو ہوں مگر......'' وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تھی۔ سکندر نے سکون سے گاڑی سٹارٹ کر دی تھی۔ تھوڑی دیر تک گاڑی میں اس کی سسکیاں گونجتی رہیں پھر خاموشی چھا گئی۔

''جذباتی لوگوں کا المیہ پتا ہے کیا ہے ماہم! وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔'' تھوڑی دیر بعد اس نے بھی لب کشائی کی تھی۔

''اور جو عقل سے کام لیتے ہیں وہ صرف اوروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔'' وہ محفوظ ہو رہا تھا۔ ماہم نے اسے گھورا۔ وہ مسکرا دیا۔

''اچھا یہ بتاؤ کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟'' اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''میں نے کیا فیصلہ کرنا ہے۔ فیصلہ تو آپ نے کرنا ہے، ساری عمر میری کم عقلی کو کوسنے اور طنز پر طنز کرنے کا......''

''اچھا......'' سکندر ایک دفعہ پھر ہنس دیا تھا ماہم کو اس کی ہنسی انتہائی زہر لگی۔

''بھئی میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ بلکہ امی کو بھی آگاہ کر دیا ہے۔'' بالکل سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ ماہم کو تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔ سکندر نے ایک طرف گاڑی روکی تھی۔

''کیا فیصلہ؟''

''عید کے پورے ایک ماہ بعد تمہاری رُخصتی کا اور یہی تمہاری کم عقلی کی سزا ہے۔'' وہ مزے سے بتا رہا تھا اور ماہم منہ کھولے دیکھ رہی تھی۔

''آپ......'' اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔

''میں اتنا بھی ظالم نہیں ہوں۔ جانتا ہوں تم مجھ سے کس قدر محبت کرتی ہو۔ مگر ماہم ہر جذبے میں میانہ روی ہی اچھی لگتی ہے۔ چاہے وہ محبت ہو یا نفرت ہو۔ یہ شدتیں بعض اوقات ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہو جاتی ہیں۔ میرے لیے تم بہت اہم

ہو...... بہت خاص...... میری ہستی کا مان اور میرا فخر ہو مگر مجھے تمہاری شدتوں سے خوف آتا ہے۔ اسی لیے مجھے تمہارے ساتھ یہ سارا رویہ اپنانا پڑا، تا کہ تم نارمل انسانوں کی طرح محبت کے جذبے کو محسوس کرو۔''

ماہم کے چہرے پر تیرتے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے صاف کرتے وہ بہت محبت و جذبات سے کہہ رہا تھا۔

''ایم سوری...... رئیلی سوری...... میں نے آپ کو ہرٹ کیا۔'' اس کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہ اور شدت سے رو پڑی تھی۔

''آپ کے خلوص...... محبت کو غلط نظروں سے دیکھا۔''

''اچھا...... چپ کرو اب......'' کندھے سے تھام کر اسے سیدھا کیا۔ ماہم دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگی۔

''دنیا میں شاید کوئی کم عقل مند خاتون ہو گی جو آنسوؤں کی سوغات لیے اپنے شوہر کو چاند رات وش کرتی ہو گی۔'' موسم بدلا تھا آنسو اندر کی ساری کثافت بہا کر لے گئے تھے تو سکندر کی بات اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔

''چاند رات یونہی تو وش نہیں کی جاتی۔ پیسے لگتے ہیں۔ آپ نے تو ایک ڈھیلا بھی کبھی مجھ پر خرچ نہیں کیا۔'' اندر کی کثافتوں کے دھلنے کے بعد نظر آنے والے چہرے اور لہجے کس قدر معطر تھے سکندر نے ایک بھرپور نظر ڈالی تھی۔

''ارے یہ تم زیادتی کر رہی ہو۔ ابھی چند دنوں پہلے ہی تو میں نے تمہاری خاطر پورے سو روپے خرچ کیے تھے پھول اور گجرے لے کر دیئے تھے اور تو اور تمہاری میڈیسن بھی میرے پلے سے گئی تھیں۔'' سکندر کا انداز دہائی دینے والا تھا۔

''جھوٹ مت بولیے۔ وہ پھول اور گجرے میرے لیے کب خریدے تھے وہ تو بیچارہ لڑکا پیچھے پڑ گیا تھا اور زبردستی آپ کو خریدنے پڑے تھے۔''

''اچھا......'' سکندر سر کھجانے لگا تھا پھر اس کی طرف دیکھ کر کھل کر مسکرا دیا۔ ''آج جو کہو گی لے کر دوں گا...... ٹھیک ہے...... مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میرے پاس سب کچھ ہے۔ بس آپ کے دل میں تھوڑی سی جگہ چاہیے۔'' اتنی دیر سے دل میں جو بات کھٹک رہی تھی وہ آخر کار ہونٹوں پر آ ہی گئی تھی۔

''صد افسوس...... دل کا پلاٹ پہلے ہی کسی کے قبضہ میں جا چکا ہے۔'' اس کی خواہش پر وہ کہہ رہا تھا ماہم کے ہونٹوں پر رقصاں مسکراہٹ ایک دم بے رنگ سی ہو گئی تھی۔

''کیا...... کون ہے وہ؟'' آنکھوں میں پھر نمی اُترنے لگی تھی۔

''ہے ایک پاگل...... کم عقل سی لڑکی......'' آنکھ دبا کر مسکرا کر کہتے ہوئے ماہم کا دل خوش کن انداز میں دھڑکا گیا تھا۔

''محترمہ کو ہماری زوجہ محترمہ ہونے کا خصوصی اعزاز حاصل ہے۔'' ماہم کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ وہ صرف اسے چاہتا ہے۔ اس کے دل پر صرف اس کی حکمرانی ہے یہ خیال ہی کتنا فرحت بخش تھا۔

''اچھا چلو تمہارے لیے عید کا گفٹ ہے وہ قبول کرو۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ وہاں پارلر میں وہ لوگ مجھے کوس رہے ہوں گے۔ میں آدھے گھنٹے کا کہہ کر تمہیں لایا تھا۔'' سکندر نے عجلت میں ڈیش بورڈ پر پڑا گفٹ پیک اُٹھا کر اسے تھمایا تو وہ دیکھنے لگی۔

''اسے کھولو......'' وہ منتظر تھا۔

اس نے جیسے ہی گفٹ کھولا اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔

''یہ تو وہی لاکٹ سیٹ ہے۔جو سنیہا نے خریدا تھا۔''

''ہوں...... تمہیں عید کا تحفہ دینا تھا کچھ سمجھ نہ آیا کہ کس طرح تمہیں ساتھ لے کر جاؤں اسی لیے اس دن جویریہ کے ساتھ مل کر مجھے تمہیں تھوڑا سا اُلو بنانا پڑا تھا۔کیوں کیسا لگا یہ گفٹ......'' وہ مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ ماہم کو گزشتہ تمام واقعات یاد آنے لگے۔ ایک خفگی بھری نظر اس پر ڈالی۔

''تو یہ سب کچھ آپ جان بوجھ کر کرتے رہے۔صرف اور صرف مجھے تکلیف دینے کو جویریہ وغیرہ بھی آپ کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔''

''نہیں...... جویریہ میرے ساتھ ملی ہوئی نہیں تھی صرف میں نے اسے استعمال کیا تھا اور جہاں تک تمہیں تکلیف دینے کی بات ہے تو یہ سراسر الزام تھا۔'' وہ سنجیدہ اب بھی نہیں تھا۔ ماہم نے خفگی سے دیکھنا چاہا تھا مگر سکندر کی آنکھوں کے تیور کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔اس نے جلدی سے بوکھلا کر چہرے کا رُخ بدلا۔

''چلیں بھی......وہ لوگ انتظار کر رہے ہوں گے۔'' اسے گاڑی سٹارٹ کرنے کا کہہ کر وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔سکندر نے بھی مسکرا کر گاڑی سٹارٹ کر دی تھی۔ ماہم نے سکون سے ڈبے سے گفٹ نکال کر اپنے گلے میں پہن لیے تھے۔زندگی ایک دم کتنی خوبصورت ہو گئی تھی۔

یہ چاند رات اپنے ساتھ کتنی انمول خوشیاں لے کر آئی تھی۔

''شکریہ اللہ میاں......''

''شکریہ چاند رات......''

وہ اندر ہی اندر تشکر بجا لائی تھی۔

❖ ❁ ❖

اگلے صفحے پر ملاحظہ کیجیے

یہ دل یہ پاگل دل میرا کیوں بجھ گیا آوارگی

اس دشت میں ایک شہر تھا وہ کیا ہوا آوارگی......!

وہ گھاس پر ٹہلتے ٹہلتے ایک دم چونک گئی۔ یہ آواز اسے گیٹ کے پاس بنے سلطان بابا کے چھوٹے سے کوارٹر میں سے آ رہی تھی۔ سلطان بابا ریڈیو کے بڑے شوقین تھے ان کے ریڈیو پر ہر وقت کوئی نہ کوئی اسٹیشن چل رہا ہوتا تھا۔ یہ آواز بھی شاید اسی سلسلے کی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتی، سلطان بابا کے کوارٹر کے قریب چلی آئی۔ سلطان بابا کی پشت اس کی طرف تھی، ریڈیو کان سے لگائے بڑے وہ مسرور انداز میں سر دھن رہے تھے۔

حمدہ لب بھینچے واپس پلٹی تو اماں زلیخا تیزی سے اندرونی سیڑھیاں اُترتے اسی طرف آتی دکھائی دیں۔

''تسی حمدہ پتر اتھے او...... میں تہانوں اندر ہر پاسے دیکھ آئی۔'' (حمدہ پتر تم ادھر ہو میں آپ کو ہر جگہ دکھ آئی ہوں)

''خیریت اماں......'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''آہو جی......تساں نوں وڈی بی بی یاد کرنی ہی۔'' (آپ کو بڑی بی بی بلا رہی ہیں) حمدہ نے گہرا سانس لیا۔

''آپ چلیں میں آتی ہوں۔'' زلیخا اماں کو روانہ کر کے وہ خود بھی اندر کی طرف چلی آئی۔

بی بی جن کو سب وڈی بی بی کہتے ہیں اپنے مخصوص تخت پر بیٹھی ہوئی تھیں ان کے پاس نسرین بھی تھی، وہ شاید اسے کوئی ہدایت دے رہی تھیں۔ اسے قریب آتے دیکھ کر مسکرائیں۔

''آؤ پتر حمدہ! میں کتنی بار زلیخا کو کہہ چکی تھی کہ تمہیں بلا لائے۔ کل سے آئی ہو، بس اِدھر اُدھر گم صم پھر رہی ہو۔ ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو۔'' نسرین کو جانے کا اشارہ کرتے انہوں نے اپنے قریب ہی تخت پر جگہ بنائی تو حمدہ خاموشی سے ٹک گئی۔

''یہ کچھ پردے ہیں عمر کے کمرے کے اتنے عرصے بعد وہ آ رہا ہے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کون سے رنگ والے پردے اس کے کمرے کے لیے رکھوں۔ تم بتاؤ کون سا رنگ ٹھیک رہے گا؟'' بی بی کے چہرے پر برسوں بعد اپنے بیٹے سے ملنے کا جوش نظر آ رہا تھا، حمدہ نے اس کے سامنے رکھے پردوں کے ڈھیر کو دیکھا اور پھر بلیو اینڈ وائٹ کمبینیشن والے پردوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''یہ ٹھیک رہیں گے۔ ویسے یہ کام تو آپ کو ان کی پسند کے مطابق ہی کروانا چاہیے تھا۔ میں نے اپنی پسند بتا دی اب پتا نہیں ان کی پسند کیا ہے؟''

''تمہاری پسند کوئی عام پسند نہیں ہوتی۔ ویسے مجھے بھی عمر کے کمرے کے لیے یہی پردے پسند آئے تھے مگر پھر سوچا تم سے پوچھ لوں، تم پڑھی لکھی ہو، آج کل کے فیشن کا تمہیں زیادہ پتا ہے۔'' حمدہ ان کی بات پر دھیرے سے ہنس دی۔

''ماریہ باجی سے بات ہوئی کب تک واپسی ہوگی؟''

''ہاں ماریہ نے فون کیا تھا کہہ رہی تھی کہ موسم کی وجہ سے جہاز لیٹ ہوگیا ہے۔'' حمدہ نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

''اب یہ نسرین پتا نہیں کہاں رہ گئی ہے۔ میں نے کل سے کہہ رکھا تھا نسرین سے کہ عمر کے آنے سے پہلے اس کے کمرے کے پردے بدل دے مگر اب تک نہیں بدلے۔''

''لائیں میں کر دیتی ہوں۔ نسرین کچن میں لگی ہوگی۔'' وہ کل سے اُدھر تھی اب بی بی کو یوں پریشان دیکھ کر فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔

''نہ پتر نہ...... تُو کل سے ادھر ہے کچھ نہ کچھ کر ہی رہی ہے۔ نسرین فارغ ہو کر بدل دے گی۔'' بی بی نے فوراً انکار کیا۔

''کوئی بات نہیں۔'' اس نے دھیمی مسکراہٹ سے کہتے ہوئے پردے اُٹھا لیے۔

اس چھوٹی حویلی میں آج ہر طرف چہل پہل تھی اور کیوں نہ ہوتی سالوں بعد عمر پاکستان آ رہا تھا اور چند گھنٹے گزرنے کے بعد اس نے حویلی میں ہونا تھا۔ وہ پردے لیے عمر کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ ایک ماہ پہلے بی بی نے نئے سرے سے اس کمرے کا پینٹ کروا کر سارا فرنیچر نیا بنوا کر اس کمرے کو سجا دیا تھا۔ بس پردے تبدیل کرنے کی ضرورت تھی۔ حمدہ کو کچھ وقت لگا پردے بدلنے میں، اس کے بعد عصر کا وقت تھا، اس نے بی بی کے کمرے میں آ کر نماز پڑھی دُعا مانگ کر اُٹھی تو بی بی کمرے میں آتی دکھائی دیں۔

''اب تو جہاز آ چکا ہوگا نا؟'' بی بی کی بیتابی قابل دید تھی۔ حمدہ مسکرا دی۔

''جی...... اُمید تو ہے۔''

''یہ ماریہ نے فون بھی نہیں کیا۔ میں نے کہا تھا کہ جیسے ہی جہاز آئے فون کر دے۔ میں نے شکرانے کے نفل پڑھنے ہیں۔ عصر کی نماز کے بعد تو نفل نہیں پڑھے جا سکتے ناں۔'' حمدہ کیا کہہ سکتی تھی خاموش ہی رہی۔

''تم ماریہ کو فون کرو، پتا کرو جہاز آ گیا ہے یا نہیں۔'' بی بی نے کہا تو اس نے سر ہلا کر ان کے سرہانے رکھا کارڈلیس اُٹھا لیا۔ نمبر ملا کر اس نے دوسری طرف رابطہ کیا۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔'' دوسری طرف ماریہ باجی ہی تھیں۔

''میں حمدہ بول رہی ہوں۔ بی بی پوچھ رہی ہیں کہ جہاز لینڈ کر چکا ہے۔''

''ہاں...... ابھی ابھی لینڈ کیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ ابھی ہم باہر ہی ہیں۔ ایئرپورٹ سے کلیئرنگ کرواتے کرواتے بھی خاصا وقت لگ جائے گا۔ ماں جی کو کہنا پریشان نہ ہوں، ہم رات تک پہنچ جائیں گے۔''

''جی کہتی ہوں...... اللہ حافظ۔'' کال بند کر کے اس نے بی بی کو دیکھا وہ اس کی طرف متوجہ تھیں۔

''جہاز آ گیا ہے، ماریہ باجی کہہ رہی تھیں کہ ایئرپورٹ سے فارغ ہوتے ہوتے بھی دو گھنٹے لگ ہی جائیں گے۔''

''یا میرے مالک تیرا شکر......'' بی بی نے فوراً شکر بجا لایا۔

''میں وضو کر کے نماز پڑھ لوں، تم کچن میں نسرین کو دیکھنا کہاں تک کام ہوا ہے، گھر میں داخل ہوتے ہی سبھی نے کھانا مانگنا

ہے۔'' حمدہ سر ہلا کر کچن کی طرف چلی آئی تھی۔ نسرین کے ساتھ ہاتھ بٹاتی وہ سوچتی رہی کہ ہوسکتا ہے کل تک اماں واپس آ جائیں...... کل ممانی کے بھائی کے انتقال کی خبر پہنچی تھی، خاصا دور دراز علاقہ تھا، اماں کل شام کو ہی چلی گئی تھیں۔ آج انہوں نے فون کر کے حمدہ کو اطلاع دے دی تھی کہ وہ آج نہیں آپائیں گی تو آج رات بھی ادھر چھوٹی حویلی میں رہ کر کل پھر وہ صبح سویرے نکلنے کی کوشش کریں گی۔

شام تک وہ نسرین کے ساتھ ہی کچن میں مصروف رہی پھر اذان ہوئی تو وہ نماز پڑھنے بی بی کے کمرے میں چلی آئی۔ بی بی اور اس نے اکٹھے ہی مغرب کی نماز پڑھی تھی۔

''ماریہ کا نمبر تو ملاؤ ذرا...... پتا تو کرو اب یہ لوگ کہاں تک پہنچے ہیں۔'' بی بی کا دھیان بس ایک ہی طرف تھا، حمدہ مسکرا دی۔ تاہم سر ہلا کر جائے نماز لپیٹ کر ایک طرف رکھتے اس نے سرہانے پر رکھا کارڈلیس پھر تھام لیا۔ بظاہر دُعا مانگتے بی بی کا سارا دھیان اسی طرف تھا۔

''السلام علیکم!'' نمبر ملا کر رابطہ ہونے پر اس نے کہا۔

''وعلیکم السلام! عمر اور ہم واپسی کے لیے نکل چکے ہیں۔ بس ایک دو گھنٹے میں گاؤں پہنچ جائیں گے۔'' دوسری طرف ماریہ باجی نے ہنستے ہوئے کہا تبھی اس کے ہاتھ سے کسی نے جیسے موبائل چھین لیا تھا۔

''اماں جی بس ایک دو گھنٹے کی دوری پر ہوں آپ سے...... مجھے پتا ہے آپ کس قدر بیتابی سے میرا انتظار کر رہی ہیں، کچھ یہی حال میرا بھی ہے۔ برسوں بعد آپ سے ملنا ہے، جی چاہ رہا ہے کہ اُڑ کر پہنچ جاؤں آپ تک۔'' دوسری طرف مسکراتی زندگی سے بھرپور اجنبی مردانہ آواز حمدہ کو اپنے کانوں میں گونجتی محسوس ہوئی تو اس نے ایک دم گھبرا کر ایک لفظ بھی کہے بغیر کال بند کر دی تھی۔

''کیا ہوا...... کیا کہہ رہی تھی ماریہ؟'' بی بی کا دھیان مکمل طور پر اسی طرف تھا۔

''کچھ نہیں...... وہ لوگ نکل چکے ہیں، ایک گھنٹے میں گاؤں میں ہوں گے۔'' اس نے کارڈلیس واپس سرہانے رکھتے سنجیدگی سے کہا۔

''اللہ ساتھ خیریت کے میرے بچے کو اپنے گھر لائے۔ برسوں ہم نے یہ دوری سہی ہے۔'' بی بی آبدیدہ ہوئیں تو حمدہ چپ چاپ دیکھے گئی۔

بی بی کا حوصلہ قابل دید تھا۔ انہوں نے برسوں اپنے بیٹے کی یاد میں روتے وقت گزارا تھا آج وہ سرخرو تھیں۔ جن لوگوں کے ڈر سے انہوں نے اپنے جگر گوشے کو خود سے دور کیا آج وہ لوگ خود ہی ان سے شرمسار تھے اور ان کو برسوں بعد آج اپنے بیٹے سے ملنے کا موقع رہا تھا۔

حمدہ خاموشی سے ان سب کی خیریت سے واپسی کی دُعا مانگتی بی بی کے کمرے سے نکل گئی تھی۔

❖❁❖

ان لوگوں کو ''چھوٹی حویلی'' پہنچتے پہنچتے رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ حمدہ بی بی کے کمرے میں ان کے بستر پر لیٹی ہوئی تھی

جب گاڑیوں کے اندر داخل ہونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں تو وہ ایک دم اُٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ بی بی کا کمرہ اس لوکیشن میں تھا کہ اس کھڑکی سے باہر گیٹ تک کے تمام مناظر واضح دکھائی دیتے تھے۔ گاڑیوں سے بڑی حویلی کے تمام افراد کے علاوہ ماریہ باجی، ذوالفقار بھائی ان کے دونوں بچے اور کچھ اضافی مہمانوں کو اُترتے حمدہ نے دیکھا اور پھر ماریہ باجی والی گاڑی میں سے ہی عمر نکلا تھا۔ حمدہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

جب وہ یہاں سے گیا تھا تو صرف سولہ سترہ سال کا نوعمر لڑکا تھا، بہت پُرانی بات تھی اور آج وہ ایک بھرپور قد کاٹھ والا مکمل طاقتور نوجوان تھا، وہ اپنی عمر اور جسامت سے ستائیس اٹھائیس سال کا لڑکا لگ رہا تھا۔ برآمدے کی سیڑھیوں پر بی بی ملازموں کے ہمراہ کھڑی تھیں۔ عمر نے گاڑی سے نکلتے ہی ایک دم بھاگ کر ماں جی کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

''میرا بیٹا! میرا عمر......'' ماں جی نے والہانہ انداز میں عمر کو خود سے لپٹا لیا تھا۔

وہ بار بار بڑی شدت، بیقراری اور والہانہ پن سے اس کی پیشانی چوم رہی تھیں۔

''ماں صدقے...... ماں قربان...... جب گیا تھا چھوٹا سا تھا، آج اتنا بڑا ہو گیا ہے۔'' وہ ساتھ ساتھ رو رہی تھیں، اماں زلیخا اور نسرین آنکھوں میں آنسو لیے عمر پر پھول برسا رہی تھیں۔ کھڑکی کے اس طرف کھڑی حمدہ کی بھی آنکھوں میں نمی سمٹ آئی تو وہ وہاں سے ہٹ کر واپس بستر پر آ بیٹھی۔ مگر کل سے کچھ پریشان اور بے چین تھی تو آج بہت چاہنے کے باوجود اس حویلی کا حصہ نہیں بن پا رہی تھی اور بی بی کا یہ بیٹا کتنا بدل گیا تھا، رات کے وقت ٹیوب لائٹ کی روشنی میں وہ جو بھی دیکھ پائی تھی وہ یہی تھا کہ عمر ہاشم ایک مضبوط قد کاٹھ والا ایک توانا مرد تھا، مضبوط سینہ کشادہ پیشانی، چوڑے کسرتی کندھے، یقیناً غیر ملک میں رہ کر اس کی صحت پر خاصا اچھا اثر پڑا تھا۔ خیر جب وہ یہاں سے گیا تھا۔ عمر تب بھی خاصا توانا وجود کا مالک تھا۔ سوچتے سوچتے کچھ دیر گزری تو اماں زلیخا اندر داخل ہوئیں۔

''پتر تسی ادھر بیٹھے رو...... ادھر کھانے والی میز تے وڈی بی بی تسی نوں بلا رے نیں......'' حمدہ نے سر اُٹھا کر زلیخا اماں کو دیکھا، بی بی اُسے بلا رہی تھیں یقیناً کھانے کی ٹیبل پر چھوٹی حویلی کے علاوہ بڑی حویلی کے افراد بھی براجمان ہوں گے۔ وہ شش و پنج میں پڑ گئی کہ کیا کرے وہ جائے کہ نہ جائے۔ بی بی نے اس کے معاملے میں کبھی حیثیت مرتبے کا خیال نہیں رکھا تھا مگر بڑی حویلی کے فرد اس لحاظ کو ضرور ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ خصوصاً چھوٹی چوہدرانیاں۔

''میں فیر جا کے آکھاں کہ تسی آ رہے ہونا؟'' اسے یوں اُلجھتا دیکھ کر اماں زلیخا نے پوچھا۔ انہیں شاید کچن میں اور بھی کام تھے، حمدہ ایک گہرا سانس لیتے بستر سے اُتر آئی۔

''چلیں۔''

اس نے کل شام گھر سے نکلتے وقت یہ لباس پہنا تھا ہلکا ٹی پنک رنگ تھا، پچھلے سال باجی نگہت نے اسے یہ سوٹ بھجوایا تھا، جدید فیشن کے مطابق سلا ہوا تھا شاید، انہوں نے کسی اچھی دکان سے خریدا تھا۔ ایک دو بار ہی حمدہ نے پہنا تھا اور جب اماں نے اسے بتایا کہ وہ اسے یہاں چھوڑ کر جائیں گی تو پہلے تو وہ مانی ہی نہ تھی کہ ادھر ''چھوٹی حویلی'' میں مہمانوں کی موجودگی اور عمر کی آمد سے وہ بے خبر نہ تھی مگر اماں اسے اکیلے گھر میں تنہا بھی نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ مجبوراً اسے یہ سوٹ پہننا پڑا تھا کہ وہ بی بی کے رشتہ

داروں کے سامنے کسی بھی قسم کی سبکی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ براؤن بڑی سی شال اپنے گرد لپیٹے اپنی چپل اڑس کر وہ زلیخا اماں کے ہمراہ ہی کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ آج رات کے کھانے کا انتظام دعوت خانے میں کیا گیا تھا، ایک بڑی سی میز اوراس کے گرد کرسیوں پر بیٹھے لاتعداد لوگ، حمدہ دروازے پر ہی رُک گئی تھی۔ بی بی کی نظر اس کی طرف اُٹھی تو اسے دروازے پر ہی رُکتے دیکھ کر مسکرائیں۔

''آؤ حمدہ! اِدھر آجاؤ میرے پاس، میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔'' بی بی کے کہنے پر وہ ان کے پاس چلی آئی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے سب پر ایک اجتماعی نگاہ ڈالتے اجتماعی سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔''

ماریہ باجی اور کئی لوگوں کی نظریں اس کی طرف اُٹھی تھیں۔ خصوصاً بی بی کے دائیں طرف بیٹھے عمر نے بھی اسے دیکھا۔ ایک بڑی سی براؤن چادر میں خود کو چھپائے وہ بی بی کے بائیں طرف آ بیٹھی تھی۔

''کہاں تھیں تم نظر ہی نہیں آئی۔'' ماریہ باجی نے پوچھا تو وہ صرف ہلا کر رہ گئی۔

''نسرین کرسی ادھر ہی لادو...... حمدہ میرے پاس ہی بیٹھ جائے گی۔''

بی بی نے اپنی کرسی عمر کی طرف کھسکا کر اس کے لیے ٹیبل کے گرد جگہ بنائی تھی۔

''آئی نہیں ابھی تک تمہاری ماں؟'' یہ بڑی چوہدرانی کی آواز تھی۔ ہمیشہ کی طرح طنز۔

''ہوازشی؟'' عمر اس نئے وجود سے یکسر انجان تھا، اس نے ماریہ کی طرف دیکھا۔ دھیمی آواز میں ہی پوچھا۔

''چاچی مختار کی بیٹی ہے۔'' ماریہ نے دھیمے سے کہا جبکہ بی بی ڈشیں اُٹھا اُٹھا کر حمدہ کے آگے رکھ رہی تھیں۔ جنہیں اس نے شکریہ کے ساتھ تھام لیا تھا، یقیناً وہ رکھ رکھاؤ والی لڑکی تھی۔

''چاچی مختار؟'' عمر سوچنے لگا۔

''نانا جان کے چچازاد بھائی قفیل چاچا کی بیوی کا نام مختار ہے۔ یہ انہی کی بیٹی ہے۔''

''اوہ...... آئی سی......'' عمر کو ایک دم یاد آیا تو اس بار اس نے قدرے غور سے ماں جی کے بائیں طرف بیٹھے وجود کو دیکھا۔

''ہاں نگہت میری ہم عمر ہے، ساجدہ تمہاری اور یہ تیسرے نمبر والی حمدہ ہے۔''

''ان کا ایک بیٹا بھی تھا قمر؟''

''ہاں وہ آج کل ملک سے باہر ہوتا ہے۔ بیوی بچوں والا ہے۔ دوبئ میں رہتا ہے۔'' دونوں بہن بھائی یہ ساری گفتگو بڑے دھیمے سروں میں کر رہے تھے جبکہ باقی لوگ کھانا کھا رہے تھے۔

''جب میں گیا تھا تو یہ بچی سی تھی اب تو کافی بڑی ہوگئی ہے اور خاصی خوبصورت بھی ہے۔'' بڑی سی براؤن چادر میں لشکارے مارتا اس کا دودھیا حُسن ایک نگاہ میں ہی جانچ چکا تھا۔ ماریہ نے ایک نگاہ اُٹھا کر اپنے خوبرو بھائی کو دیکھا وہ بظاہر کھانا کھا رہا تھا مگر نگاہیں حمدہ کے چہرے پر ہی تھیں۔ وہ ایک کھلے ماحول میں رہ کر آیا تھا اور یہ بیبا کی شادی اسی ماحول کا نتیجہ تھی جو دل کی بات فوراً لبوں پر لے آیا تھا۔

''چاچی مختار خود بھی تو ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہیں۔ ان کے چاروں بچے ان پر ہی گئے ہیں۔'' ماریہ باجی نے اس کی نگاہوں کے تاثر کو عام لہجے میں سمو کر زائل کرنے کی کوشش کی۔

''یہ دونوں بہن بھائیوں میں کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں!'' چھوٹی ممانی دونوں کو یوں دھیمے لب و لہجے میں باہم گفتگو کرتے دیکھ کر پوچھنے لگیں تو ماریہ فوراً مسکرا کر سیدھی ہوئی۔

''کچھ خاص نہیں بس اردگرد کی باتیں کر رہے تھے۔'' حمدہ نے کھانا کھاتے سر اُٹھا کر دیکھا عمر ابھی بھی گاہے بگاہے اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں ایسا تاثر ضرور تھا کہ حمدہ سٹپٹا سی گئی۔ براہِ راست کسی نے بھی دونوں کا تعارف نہیں کروایا تھا اگر کچھ پل قبل اس نے عمر کی آمد پر خوش آمدیدی کارروائی اپنی آنکھوں سے ملاحظہ نہ کی ہوتی تو شاید وہ اسے پہچان بھی نہ پاتی۔

حمدہ نے سوچا شاید یہ شخص بھی اس کے تعارف سے بے خبر ہے شاید اسی لیے بار بار اسے دیکھ رہا ہے۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ مسلسل اس شخص کی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کرتی رہی اور اندر ہی اندر گھبراتی رہی جبکہ باقی سبھی خوشگوار موڈ میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اس نے بہت جلد ہی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور پھر باقی لوگوں کے اُٹھنے کا انتظار کیے بغیر اس نے ٹیبل چھوڑ دی تھی۔ کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے کسی کی نگاہوں کی تپش اپنی پشت پر مسلسل محسوس کی تھی، مگر وہ بغیر گھبرائے اپنے مخصوص رکھ رکھاؤ اور پُروقار انداز سمیت کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

❖❁❖

اس کا خیال تھا کہ اماں اگلی صبح سویرے نکلیں گی تو گاؤں نو بجے تک پہنچ ہی جائیں گی مگر اماں کا فون آیا کہ ان کا وہاں شہر سے کچھ خریدنے کا پروگرام بن گیا ہے تو شام تک آئیں گی۔ حمدہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ کل اتوار تھا آج ہفتہ کی چھٹی اسے کرنا پڑ گئی تھی۔ وہ گاؤں سے باہر ایک مقامی کالج میں پڑھا رہی تھی۔ اسے ابھی تین چار ماہ ہی ہوئے تھے یہ جاب شروع کیے۔ وہ ایم اے انگلش تھی یہ کالج مقامی سطح پر ساتھ والے گاؤں کے مالکوں نے اردگرد کے دیہات کی لڑکیوں کی سہولت کے لیے پرائیویٹ لیول پر بنوایا تھا۔ ابھی ایک آدھ سال ہی ہوا تھا کہ اس کالج میں فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر کی کلاسز شروع کی تھیں۔ یہاں جاب بھی ''بی بی'' نے ساتھ والے گاؤں کے ملکوں سے کہہ کر دلوائی تھی۔

اماں گھر نہیں تھیں وہاں تالا لگا ہوا تھا اور اماں نے اسے بار بار گھر کے چکر لگانے سے بھی منع کر دیا تھا۔ وہ پرسوں شام کو حویلی میں آئی تھی عجلت میں وہ صرف ایک دو چیزیں ہی لے کر آئی تھی۔ اس وقت کے دس بج رہے تھے ناشتے کے بعد چھوٹی حویلی کے سبھی افراد بی بی سمیت بڑی حویلی جا رہے تھے۔

ماریہ باجی نے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا مگر وہ آصفہ (بڑی چوہدرانی) بیگم اور تیسری چوہدرانی جمیلہ کی وجہ سے انکار کر گئی۔ وہ پرسوں سے ایک ہی لباس پہنے ہوئے تھی۔ وہ لوگ نکلنے لگے تو اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ بھی اپنے گھر سے ہو آئے۔ چابیاں اس کے پاس ہی تھیں وہ تھوڑی دیر گھر کا بھی چکر لگا لے گی اور لباس بھی بدل آئے گی۔

''میں گھر چلی جاؤں بی بی؟'' اس نے بی بی سے اجازت لے لینا مناسب سمجھا۔

''اس وقت؟'' بی بی نے اس کا چہرہ دیکھا، ان کے چہرے پر تفکر کے سائے لہرائے۔

''مجھے کچھ کتابیں لینی ہیں۔ میں نے سوچا کہ فارغ رہنے سے کوئی کتاب ہی پڑھ لوں۔'' سر جھکائے اس نے کہا تو بی بی نے ایک دو پل اسے دیکھا۔

''چلی جاؤ مگر اکیلے نہیں جانا۔ نسرین تو گھر چلی گئی ہے زلیخا اندر ہی ہے اس کو ساتھ لے کر چلی جاؤ۔ زیادہ دیر نہیں رُکنا۔ کتابیں اور کپڑے لے کر فوراً آ جانا۔'' انہوں نے اجازت دی تو حمدہ گہرا سانس لے کر مسکرا دی۔

''جی......'' وہ لوگ بڑی حویلی کے لیے نکلے تو وہ بھی زلیخا اماں کو لے کر اپنے گھر آ گئی۔ وہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی ابھی تالا کھول رہی تھی کہ سفید گاڑی اس کے پاس آ کر رُکی۔ گاڑی کے اندر موجود شخص جان بوجھ کر متوجہ کرنے کو زور سے ہارن دینے لگا تھا۔ حمدہ نے لب بھینچ کر براؤن چادر کے اندر فوراً منہ چھپا لیا تھا۔

''حمدہ بی بی! تساں چھیتی بواء کھولو......اے نحوست مارا ایتھے جم ای گیا اے۔'' باقر علی کو دیکھ کر اماں زلیخا کے بھی تیور بدلے تھے۔

''کیوں دور دور رہندے او حضور میرے کولوں
سانوں دسدیو ہویا کی قصور میرے کولوں''

وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر کافی بلند آواز میں گنگنانے لگا تو حمدہ بغیر توجہ دیئے تالا کھول کر دروازہ دھکیلتے فوراً اپنے گھر میں داخل ہو گئی تھی۔ اماں زلیخا اس کے پیچھے بیرونی دروازہ بند کر کے اسی کمرے میں چلی آئی تھیں۔ وہ دیوار گیر ایک الماری کا پٹ کھول کر اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔

''یہ باقر علی دی جان دا......ترا......دو بچیاں دا پیو بن گیا اے پر حرکتاں نئیں گئیاں...... جنانی اودی چھڈ کے ٹر گئی اے پر انہوں عقل نہیں آئی۔'' اماں زلیخا نے کافی غصے سے کہا۔

حمدہ خاموش رہی۔ جب سے اس نے کالج جانا شروع کیا تھا اماں نے اس کے لیے کئی سوٹ سلوائے تھے۔ مگر ماریہ باجی اور بڑی حویلی کی عورتوں کے کپڑوں کے سامنے یہ چند جوڑے کچھ بھی نہ تھے۔ چند منٹ اِدھر اُدھر ہاتھ مارتے اس نے قدرے ایک معقول لباس نکال ہی لیا کہ جسے پہن کر وہ باجی ماریہ کے مقابل کم مائیگی کے احساس کا شکار نہ ہو پاتی۔

''پتر جلدی لے لو......جو بھی لینا اے، اللہ بیڑا غرق کرے...... لے کے تساں دی زندگی اجیرن کر رکھی اے۔''

اماں زلیخا کی بات پر بھی وہ خاموش رہی۔ کپڑے نکال کر وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ یہ درمیانے سائز کے تین کمروں والا گھر تھا۔ جس کی دیواریں اور چھت پلستر تھیں۔ البتہ بیرونی دروازے سے آگے کچھ حصہ کچی مٹی کا تھا۔ ایک درمیانے سائز کی چھوٹی سی میز تھی جس پر کپڑا ڈال کر استری رکھی ہوئی تھی وہ کپڑے استری کرنے لگی تو اماں زلیخا بھی اسی کمرے میں آ گئیں۔ حمدہ نے جب تک کپڑے استری کیے اماں زلیخا کا موضوع گفتگو باقر علی کی ہی ذات رہی اور حمدہ اس سارے ذکر کے دوران بالکل خاموش رہی۔ جیسے اس نے اس معاملے میں کبھی نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہو؟

''میں نہا لوں، بس تھوڑی دیر لگے گی۔'' اپنے گھر میں آ کر وہ پہلی بار کچھ بولی تھی، اماں زلیخا گہری سانس لے کر رہ گئیں۔ نہانے کے بعد اس نے اپنے لمبے گھنے بالوں کو تولیے میں لپیٹا ہوا تھا، گیلے بدن کی وجہ سے لباس بھی گیلا ہو گیا تھا۔ بالوں

کو آگے کر کے اس نے تولیے کے ساتھ ایک دو جھٹکے دیئے پھر وہی گیلا تولیہ کمر کے گرد لپیٹ کر بالوں کو پیچھے ڈال کر برش کرنے لگی تھی۔ سردیوں کی دھوپ جسم کو عجیب سکون دے رہی تھی۔ بالوں میں برش کرتے یونہی وہ پلٹی تو دھک سے رہ گئی نگاہ سیدھی سامنے عمارت کی طرف اُٹھی تھی۔

باقر علی حسب معمول اپنی چھت پر کھڑا اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ حمدہ کو لگا اس کے وجود کو انگاروں نے چھو لیا ہو۔ عجیب وحشیانہ غلیظ نگاہیں تھیں، نجانے وہ کیسے چوک گئی تھی جو ارد گرد کا جائزہ نہ لے سکی تھی۔ ان کے گھر کی دیوار سات آٹھ فٹ لمبی تھی مگر سامنے والی عمارت کی بلندی کے سامنے اس دیوار کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ یہ شخص دن بدن اس کی زندگی کا ناسور بنتا جا رہا تھا اور اس شخص کی بہنوں کا غرور کم نہیں ہوتا تھا۔ وہ ایک پل بھی ضائع کیے بغیر بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں روپوش ہو گئی تھی۔ کمرے میں آ کر اپنی وہی براؤن چادر لے کر چاروں طرف یوں پھیلا لی کہ جیسے وہ ان غلیظ نگاہوں کی غلاظت سے بچنا چاہ رہی ہو۔

''کیا ہوا پتر...... خیر ہے نا؟'' اماں زلیخا اسے یوں بھاگ کر کمرے میں گم ہوتے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ حمدہ کا جی چاہا کہ خوب روئے اتنا کہ روتے روتے اس کی سانس رُک جائے اور وہ اس شخص کی پہنچ سے کوسوں دور چلی جائے وہ ساری دنیا کے لیے ایک تماشہ بن چکی تھی۔ اس گاؤں کا چھوٹا بڑا ہر کوئی اس کی ''داستان'' کو مزے لے لے کر سناتا تھا، ایسے میں اس کا جی چاہتا تھا کہ کہیں بھاگ جائے، کسی ایسی جگہ جہاں اس شخص کی غلیظ نظریں نہ ہوں۔ لوگوں کی چٹ پٹی باتیں نہ ہوں۔ طعنے اور طنز نہ ہو، مگر وہ مجبور تھی اس دُنیا میں جینے پر مجبور تھی۔ اماں زلیخا کے استفسار پر محض سر ہلا کر وہ خاموشی سے چند کتابیں لے کر باہر نکل آئی تھی۔

''چلیں......'' اس نے کہا تو اماں زلیخا نے سر ہلا دیا۔ کمروں میں تالے لگا کر باہر نکلی تو نظر غیر ارادی طور پر سامنے عمارت کی طرف اُٹھ گئی اب وہ شخص وہاں نہیں تھا۔

حمدہ کو لگا وہ جیسے ایک دم جی اُٹھی ہے۔ اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''تساں نوں میں حویلی دے گیٹ کول چھڈ کے اپنے کار داوی اک چکر لا لیواں گی۔'' رستے میں اماں زلیخاں نے کہا تو اس نے محض سر ہلا دیا۔

''اماں آپ اپنے گھر ہو آؤ۔ میں اب چلی جاؤں گی۔'' جونہی حویلی کا گیٹ دکھائی دیا اس نے کہا۔

''چل پتر، دھیان نال چلی جا۔'' اس کے اور حویلی کے گیٹ کے درمیان کوئی تیس چالیس قدموں کا فاصلہ تھا۔ وہ سر جھکائے اپنی براؤن چادر چاروں طرف پھیلائے تیزی سے قدم اُٹھاتے آگے بڑھی تھی۔ ابھی وہ پانچ دس قدموں کے فاصلے پر تھی جب وہی منحوس شخص ایک پگڈنڈی سے بھاگتا ہوا ایک دم اس کے سامنے آ گیا۔ حمدہ نے گھبرا کر ارد گرد دیکھا مگر چاروں طرف کوئی نہیں تھا۔

''رستہ چھوڑو۔'' ایک دم غصے اور اذیت سے حمدہ کا بُرا حال تھا۔

''اوئے ہوئے ہمیں تڑیاں......'' وہ ہنسا مگر حمدہ خاموش رہی۔

''چھوٹی حویلی والے تم پر کچھ زیادہ ہی مہربان نہیں ہو رہے۔ آخر چکر کیا ہے؟'' اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس

نے گلے میں پڑی ہوئی گرم چادر کے دونوں پلو تھام لیے تھے۔حمدہ اس شخص سے ہم کلام ہونا تو ایک طرف اس کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے کترا کر سائیڈ سے نکلنا چاہا مگر اس شخص نے اگلے ہی پل اس کا بازو اپنی آہنی گرفت میں جکڑ کر ایک دم جھٹکے سے اپنے سامنے کیا تھا۔حمدہ اس آہنی گرفت سے لرز کر رہ گئی تھی۔

''چھوڑو میرا بازو......'' وہ چیخی تھی مگر اس شخص پر مطلق اثر نہیں ہوا تھا۔

''اکڑ نہیں گئی تمہاری......اور وہ بڑھیا ہے کس خوش فہمی میں؟ میرے سامنے زبان چلائی تو مٹی میں رول دوں گا تمہیں......تم میری منگ ہو تو رعایت برت رہا ہوں جس دن میری برداشت ختم ہوگئی تم میرے گھر، میرے کمرے میں پائی جاؤ گی۔'' حمدہ کے آنسو ایک دم بہہ نکلے۔ایک ہاتھ میں اس نے کتابیں تھام رکھی تھیں، دوسرا بازو اس شخص کی وحشی گرفت میں تھا۔

''میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟ کیوں نہیں میری جان چھوڑ دیتے۔'' وہ سسک اُٹھی تھی مگر اس شخص کو رحم نہیں آیا تھا۔

''اگر جان ہی چھوڑنا ہوتی تو اتنے سالوں سے اس معاملے کو لٹکا کے نہ رکھتا۔'' جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑتے اس نے خاصے غصے سے کہا۔

''اگر تم اس بھول میں ہو کہ میرے ہوئے کوئی مائی کا لعل تمہیں بیاہ کر لے جائے گا تو میری جان اس غلط فہمی سے نکل آؤ۔ میں بندہ مارنا بھی جانتا ہوں اور مرجانا بھی۔کاشف مراد والا قصہ بھولی تو نہیں۔وہ بڑھیا تیسرا دن ہے گاؤں سے غائب ہے کہیں کوئی چال تو نہیں چل رہی۔مگر کان کھول کر سن لو وہ جتنی بھی چالیں چل لے مگر میرے آگے اس کی ہر چال دم توڑ دے گی۔''

وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر حمدہ اب ایک لمحہ بھی رُکے بغیر تیزی سے بھاگی تھی، گیٹ بند تھا، مگر کنڈا نہیں لگا تھا اس کے دھکیلنے سے کھلتا چلا گیا تھا اور حمدہ بغیر پلٹ کر دیکھے اندرونی حصے کی طرف بڑھتی چلی گئی تھی۔

❖ ✿ ❖

وہ بڑی حویلی آیا تھا بی بی، ماریہ اور باقی سب لوگ بھی ادھر ہی تھے۔یہاں آکر اسے یاد آیا کہ وہ اپنا موبائل تو اپنے کمرے میں بھول آیا ہے۔وہ تقریباً وہاں آدھا گھنٹہ بیٹھنے کے بعد واپس اپنی حویلی آیا تھا۔سلطان بابا نے گیٹ کھولا، انہیں ابھی گیٹ بند نہ کرنے کا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔اس کا یہ کمرہ بی بی نے نیا سجایا تھا، بچپن میں اس کا کمرہ نیچے ہوتا تھا، اب اس کا کمرہ زینہ طے کرتے ہی راہداری میں پہلے نمبر پر تھا۔موبائل لے کر وہ پلٹا تو نگاہ یونہی شیشے کے پار والے منظر پر پڑی تھی۔اس سے پہلے کہ وہ سامنے نظر آتے وجود کو دیکھ کو نظر انداز کر دیتا اگلے منظر نے اسے رُکنے پر مجبور کر دیا تھا۔وہ ایک دم کھڑکی کا شیشہ کھول کر باہر جھانکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ بلاشبہ حمدہ تھی۔رات ڈائننگ ٹیبل پر دکھائی دیئے جانے والی چاچی مختار کی بیٹی۔وہ اپنے دھیان میں چلی آرہی تھی جب باقر علی نے ایک دم حویلی کے گیٹ سے چند قدموں کے فاصلے پر اس کا راستہ روک لیا تھا۔دونوں میں ایک دو بات ہوئی تھی۔ شاید پھر حمدہ نے سائیڈ سے گزر کر جانا چاہا تھا مگر باقر علی نے ایک دم اس کا بازو تھام کر اس کو پھر اپنے سامنے کر لیا تھا۔اس کے بعد وہ کافی تلخی اور غصے سے اسے کچھ کہہ رہا تھا جس کے سبب حمدہ رونے لگی تھی۔عمر کے لیے یہ سب حیرت انگیز اور دلچسپ تھا۔رات اس لڑکی کا غیر معمولی حُسن دیکھ کر وہ ٹھٹکا تھا اور اپنی طبیعت اور فطرت کے برعکس اسے گاہے بگاہے دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔جبکہ

اب معاملہ اسے کچھ اور ہی نوعیت کا لگ رہا تھا۔ پھر باقر علی نے اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔ حمدہ اب بھی آنسو بہا رہی تھی اور پھر وہ ایک دم بھاگتے ہوئے حویلی کے اندر داخل ہو گئی تھی۔

''یہ سب کیا معاملہ ہے؟'' کیوں نہ حمدہ سے ہی پوچھا جائے۔ حمدہ کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ، جیسے نگاہوں کے سامنے جم گیا تھا۔ یہ خیال آتے ہی وہ تیزی سے اپنے کمرے سے نکلا تھا۔

اس کا ارادہ تیزی سے نیچے جانے کا تھا، وہ اپنے دھیان میں راہداری کا موڑ مڑتے ہی تیز رفتاری سے زینہ طے کرتے وجود کو نہیں دیکھ پایا تھا، نتیجتاً تصادم شدید تھا۔ اپنے دھیان میں تیز رفتاری سے اندر آنے والا وجود اس کے سخت وجود سے ٹکرا کر پیچھے کو گرا تھا، اس سے پہلے کہ عمر کچھ سمجھتا، معاملے کی نوعیت کا اندازہ لگاتا گرنے والا وجود سیڑھیوں سے تیزی گر کر قلابازیاں لگاتا نیچے فرش پر جا گرا تھا۔

نسوانی چیخ شدید تھی، عمر ششدر رہ گیا تھا، یہ کوئی اور نہیں چند پل قبل گیٹ پر نظر آتی حمیدہ ہی تھی جو اب اس تصادم کے نتیجے میں لڑکھڑا گئی تھی۔ وہ فوراً تین تین چار چار زینے پھلانگتا اس تک پہنچا تھا۔ گرتے ہی وہ حواس کھو چکی تھی۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا، اس کی براؤن چادر زینے کی ریلنگ میں اُلجھ کر نہ صرف ایک کونے سے پھٹ چکی تھی بلکہ وہیں سیڑھیوں پر گر گئی تھی۔ وہ نہا کر آئی تھی، گیلے بال خون کی نمی سے مزید نم ہو چکے تھے۔ وہ منہ کے بل فرش پر گری تھی، عمر نے فوراً اس کو کندھوں سے تھام کر سیدھا کیا۔

''کوئی ہے...... اماں زلیخا......'' حمدہ کے گالوں کو تھپک کر اس نے اسے حواس میں لانے کی کوشش کی مگر پھر ناکام ہو کر اس نے آوازیں دیں مگر حویلی میں کوئی ہوتا تو نظر آتا۔ اس کی دائیں کلائی میں پڑی چوڑیاں ٹوٹ چکی تھیں اور کلائی کہنی تک خون آلود ہو چکی تھی۔ سر پر شاید شدید چوٹ لگی تھی، ایک دم فرش پر خون کی دھار بن گئی تھی۔

''سلطان بابا...... سلطان بابا......'' اتنی دور تک اس کی آواز بھلا کہاں سنائی دیتی۔ وہ جب تک کسی کے آنے کا انتظار کرتا، اس لڑکی کا اچھا خاصا خون بہہ جانا تھا۔ اس نے بس ایک پل کو سوچا اور پھر فوراً حمدہ کو بازوؤں میں اُٹھا کر اماں کی کے کمرے میں لے آیا تھا۔

''ماریہ باجی آپ بھائی جان کو لے کر فوراً حویلی آئیں۔ پلیز جلدی میں ماں جی کے کمرے میں ہوں۔'' حمدہ کو ماں جی کے بستر پر لٹا کر اس نے پہلا کام یہی کیا تھا کہ ماریہ باجی کو کال کی تھی۔ موبائل بند کر کے اس نے دیکھا اس کی سفید شرٹ خون سے رنگین ہو چکی تھی۔ وہ عرصے بعد اس حویلی میں آیا تھا، اسے نہیں پتا تھا کہ کون سی چیز کہاں ہے، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ خون کو کیسے روکے، اس نے کمرے میں نگاہ دوڑائی ایک طرف اسٹینڈ پر ٹاول پڑا ہوا تھا، اس کا ایک حصہ پھاڑ کر حمدہ کے سر کے متاثرہ حصے پر باندھا، باقی ٹاول سے اس کے بازو کو صاف کیا، اس کے علاوہ اس لڑکی کے بائیں پاؤں پر بھی خاصی چوٹ آئی تھی۔ لگتا تھا کہ کسی سیڑھی کا کنارہ بُری طرح پاؤں کو زخمی کر گیا تھا۔ اچھی خاصی اسکن اُتر چکی تھی۔ اس کے پاؤں کو تھام کر زخم کا جائزہ لیتے ہوئے گاہے بگاہے حمدہ کے چہرے کو بھی دیکھ رہا تھا۔ کل اس کا خوبصورت اور دلکش وجود بے حد نمایاں تھا، اس کے کالے سیاہ گھنے بال بستر پر بکھرے ہوئے تھے۔

اس کے وجود سے نظریں ہٹا کر وہ باہر نکل آیا تھا۔ اس کی چادر سیڑھیوں پر ہی پڑی ہوئی تھی، وہ چادر اُٹھا کر واپس کمرے میں چلا آیا تھا۔ اس کے دلکش سراپا پر اس کی چادر کو ڈال دیا تھا۔ اس کا حُسن کچھ حد تک چادر کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔ عمر نے اس کی نبض دیکھی، پریشانی والی بات تو نہیں تھی، مگر جس رفتار سے اس لڑکی کا خون بہہ رہا تھا اور ابھی تک بیہوش تھی اس سے عمر کو تشویش لاحق ہو رہی تھی۔ اس نے ایک دفعہ پھر ماریہ باجی کو کال کر کے ایمرجنسی کا کہہ کر فوراً بی جان کے کمرے میں پہنچنے کی تاکید کی تھی۔

ابھی وہ کل آیا تھا، بے شک وہ اسی علاقے کا تھا مگر گزرے سالوں میں ہونے والی تبدیلیاں تھیں کہ وہ خود کو اس ماحول کے لیے اجنبی محسوس کر رہا تھا۔ اگر وہ خود سے اسے فوراً کہیں لے بھی جائے تو کہاں؟ اسے نہ یہاں کسی ڈاکٹر کا علم تھا اور نہ ہی کسی ہسپتال کا۔ اس نے پانی کا گلاس لے کر اس کے منہ پر چھینٹے مارے مگر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

''کہاں رہ گئے ہیں یہ ذوالفقار بھائی اور ماریہ باجی؟'' یہ حادثہ اس سے ٹکراؤ کی وجہ سے ہوا تھا، وہ شعوری طور پر قصوروار نہ تھا مگر اب لگ رہا تھا کہ اس لڑکی کا یوں اتنا خون بہہ جانا اس سب کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

''کیا ہوا خیریت؟'' وہ مسلسل اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا جب عقب سے ماریہ کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر ایک دم گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر سیدھا ہوا۔

''ہائے اسے کیا ہوا؟'' جونہی نظر حمدہ پر پڑی وہ ایک دم پریشان ہو کر حمدہ کی طرف بڑھی تھی۔

''کیا ہوا ہے انہیں؟'' ذوالفقار بھائی بھی اندر آ گئے تھے، ان کے لیے بھی صورتحال حیران کن تھی۔

''سیڑھیوں سے گر گئی ہیں۔''

''اوہ......مگر کیسے؟''

''آپ بھائی جان پلیز اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کریں۔ لگتا ہے سر پر کافی گہری چوٹ لگی ہے۔ منہ کے بل پختہ فرش پر گری ہے، اس سے پہلے سیڑھیوں سے سر ٹکرایا ہے۔'' ذوالفقار بھائی خود بھی ڈاکٹر تھے۔ وہ فوراً اس کے پاس بیٹھ گئے تھے، عمر پریشانی سے قریب کھڑا تھا۔

''فرسٹ ایڈ باکس ہے حویلی میں؟'' بھائی جان نے ماریہ باجی سے کہا۔

''ہاں میں لاتی ہوں۔'' وہ فوراً باہر نکل گئیں۔

''کافی خون بہہ گیا ہے۔ میں کوشش کر چکا ہوں مگر ہوش نہیں آ رہا اسے؟'' عمر کے بتانے پر ذوالفقار بھائی اس کی نبض تھام کر دوسرے ہاتھ سے حمدہ کے سر کا زخم دیکھنے لگ گئے تھے۔ ماریہ باجی فوراً باکس لے آئی تھیں۔ سر کا زخم گہرا تھا۔ اسٹیچنگ کی ضرورت تھی، ذوالفقار بھائی خاموشی سے اپنے کام میں جت گئے۔

''آہ......'' کوئی دس پندرہ منٹ بعد وہ ہلکا سا کراہی۔

تب ہی عمر کی جان میں جان آئی۔ درحقیقت وہ حمدہ کی طویل بیہوشی سے خاصا اپ سیٹ ہو چکا تھا۔

''حمدہ......'' ماریہ باجی اس کا ہاتھ تھامے بڑی محبت سے پکار رہی تھیں۔

''باجی......'' آنکھیں کھول کر ماریہ کو خود پر جھکے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں تکلیف سے ایک دم آنسو آ گئے تھے۔
''رونا نہیں...... کچھ نہیں ہوا؟ بس معمولی سی چوٹ ہے۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔'' باجی نے فوراً اس کے آنسوؤں کو صاف کیا، اس کی بیہوشی کے دوران وہ تولیے سے اس کے منہ، ہاتھوں اور بازوؤں سے خون صاف کر چکی تھی۔ حمدہ کو لگا اس کا سارا جسم پھوڑے کی مانند دُکھ رہا ہے۔ اس نے سوچنے کی کوشش کی کہ اسے کیا ہوا تھا مگر کمزوری نقاہت کی وجہ سے ذہن ایک دم تاریک ہونا شروع ہوا تو اسے لگا کہ وہ ایک بار پھر حواس کھو رہی ہے۔
''حمدہ؟'' ماریہ باجی کی پکار پر اُس نے آنکھیں کھولنا چاہیں، مگر پلکیں وا نہیں ہوئی تھیں۔
''کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے؟'' کوئی بہت تشویش سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے بعد اُس کا ذہن مکمل تاریکی میں ڈوب چکا تھا۔
''انہیں ہوش آ چکا ہے، جو ایک دو انجکشن لگائے ہیں، لگتا ہے اُن کا اثر ہے۔ سر کی چوٹ گہری ہے، پاؤں کا زخم نارمل ہے۔ بازو پر بھی آئی تھنک چوڑیوں کی وجہ سے زخم آئے ہیں۔ باقی اندرونی زخم یہ ہوش میں آئیں گی تو پتہ چلے گا۔'' عمر خاموشی سے ذوالفقار بھائی کی بات سنتے حمدہ کو دیکھے گیا۔
نجانے کیا کشش تھی اس وجود میں کہ وہ کئی پل تک اس کے چہرے سے نگاہ نہ ہٹا پایا تھا۔ یوں جیسے کسی اَن دیکھی طاقت نے اس کی نگاہوں کا حصار اس کے گرد باندھ دیا تھا۔ حمدہ کے چہرے پر کنپٹی سے نیچے رُخسار کی ہڈی پر کافی گہرا نیل پڑا ہوا تھا۔ شاید سیڑھی کا کنارہ لگا تھا عمر کا دل ملال سے بھرنے لگا۔ وہ حمدہ کے پاؤں کی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ نجانے ایک دم کیا ہوا، دل میں ایسی کون سی لہر اُٹھی تھی کہ اس کے ہاتھ غیر محسوس انداز میں اس کے پاؤں کو تھام چکے تھے۔
نرم و نازک گلابی پاؤں کا گداز اس کی مردانہ ہتھیلیوں پر ایک دم اُترا تو وہ دم سادھے چت لیٹے بے خبر وجود کو دیکھے گیا۔ وہ خود بھی حیران تھا کہ یہ اسے کیا ہو رہا ہے؟ کوئی عجیب سا احساس تھا جو حمدہ کے چہرے سے اس کے دل میں اُتر رہا تھا۔
''تمہارے کپڑے بھی خاصے خون آلود ہو چکے ہیں تم چینج کر لو۔'' ماریہ کی نگاہ اس پر پڑی تو ساری شرٹ خون میں رنگین دیکھ کر کہنے لگی۔ عمر نے آہستگی سے ہاتھ حمدہ کے پاؤں سے ہٹا کر اپنی گود میں رکھ لیے۔ تاہم نگاہیں اسی ملیح چہرے کے گرد رقصاں تھیں۔ کچھ دیر پہلے یہ لڑکی باقر علی کے ساتھ حویلی سے چند قدم فاصلے پر کھڑی رو رہی تھی، اس نے اپنی آنکھوں سے اسے حویلی میں داخل ہوتے دیکھا تھا اور اب یہ بیہوش اور زخمی حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ عمر کے اندر ملال کے بادل گہرے ہوتے چلے گئے۔
''ہوں......'' وہ بستر سے اُٹھ گیا تھا۔ طبی امداد مکمل ہو چکی تھی، ذوالفقار بھائی بھی پیچھے ہٹ گئے تھے۔
''جب ان کو دوبارہ ہوش آئے تو مجھ سے پوچھ کر کچھ گولیاں کھلا دیں۔'' ذوالفقار علی، ماریہ باجی کو ہدایت دے کر باہر نکل گئے تھے۔
ماریہ باجی نے بستر پر پڑا کمبل حمدہ کے وجود پر ڈالا تو عمر بھی ایک گہری سانس لیتا اپنے حلیے پر نگاہ ڈالتا کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

آج جو کچھ بھی ہوا تھا، اس کے بعد اس کے دل کی جو کیفیت تھی وہ سب عجیب تر تھی۔ عجیب سے احساس میں گھرتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف چل دیا تھا۔ سیڑھیوں پر ٹوٹی چوڑیوں کے کئی ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے، ان سیاہ ٹکڑوں کو دیکھتے ہوئے عمر کے اندر کی کیفیت میں مزید شدت در آئی تو اس نے لب بھینچ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنا چاہی تھی۔

❖ ✿ ❖

وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا، اس کے دل کی کیفیت ابھی تک برقرار تھی، وہ اچھا خاصا اپ سیٹ ہو چکا تھا۔ کپڑے بدلنے کے بعد وہ دوبارہ حمدہ کو دیکھنے نہیں گیا تھا، اسے لگ رہا تھا اس کی نگاہ دوبارہ اس وجود کی طرف اُٹھے گی تو وہ اپنا آپ بھول جائے گا۔ یہ جو تھوڑے بہت حواس قائم ہیں یہ بھی نہ رہیں گے۔ اب اسے کمرے میں بند ہوئے بھی تین گھنٹے ہو رہے تھے۔ وہ اسی طرح کھڑکی کے شیشے کے پار دیکھ رہا تھا، جب دستک دے کر ماریہ باجی اندر داخل ہوئیں۔

''کیا بات ہے تم کمرے سے باہر نہیں نکلے...... لنچ بھی نہیں کیا؟'' ماریہ باجی کے سوال پر وہ کھڑکی سے ہٹ کر صوفے پر آ بیٹھا۔

''بس یونہی موڈ نہیں ہو رہا تھا۔'' ماریہ نے کافی غور سے اپنے اس نخریلے سے بھائی کو دیکھا۔

''حمدہ کیسی ہے...... ہوش آیا اسے؟''

''ہاں ہوش آیا تھا...... لگتا ہے بیچاری کو اندرونی چوٹیں کافی آئی ہیں مسلسل رو رہی تھی۔ ابھی ماں جی نے اسے کھانا کھلا کر دوا دے کر سلایا ہے۔''

''میں یہ سوچ سوچ کر حیران ہو رہی ہوں کہ وہ اوپر لینے کیا آئی تھی؟ جب ہم بڑی حویلی کے لیے نکلے تھے تب وہ اپنے گھر گئی تھی، اماں زلیخاں کے ساتھ...... اسے کپڑے بدلنے تھے۔'' عمر ماریہ کی بات کے جواب میں بھلا کیا کہتا؟ وہ تو خود بے خبر تھا۔

''جس طرح تم اس کے گرنے کا ذکر کر رہے ہو۔ میں اُلجھ گئی ہوں، ایک بات پوچھوں عمر! سچ سچ بتانا؟'' عمر نے سوالیہ نظروں سے اپنے سے چند سال بڑی بہن کو دیکھا۔

''تمہارے اور حمدہ کے درمیان کوئی بات ہے...... میرا طلب ہے کہ......؟'' وہ جھجکتے ہوئے اپنے جملے کی وضاحت نہ کر پائی تھیں، عمر نے خاصا چونک کر بہن کو دیکھا۔

''کیا مطلب...... میری تو اس سے براہِ راست ابھی تک بات چیت ہی نہیں ہوئی۔ رات کھانے کی ٹیبل پر اسے دیکھا تھا اور پھر جب وہ گری تھی تب دیکھا تھا۔''

''میرا مطلب ہے کہ جس طرح وہ سیڑھیوں سے گری ہے...... حویلی میں کوئی بھی نہیں تھا...... وہ اوپر کیا لینے گئی تھی...... اور پھر ایک دم کیسے گر گئی؟'' جھجکتے ہوئے ماریہ نے اپنے دل کی بات کہہ دی تھی۔ عمر کو ایک دو پل لگے تھے ماریہ کی بات کی گہرائی میں جانے میں اور جب بات اس کی سمجھ میں آئی تو غصے سے ایک دم صوفے سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپا آپ نے ایسی گھٹیا بات میرے متعلق سوچی بھی کیسے؟'' وہ غصے سے ایک دم بولا تھا۔

ماریہ بھی ایک دم کھڑی ہو گئی، عمر کے تیوروں سے وہ ایک دم خائف ہوئی تھی۔

''نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ تم نے رات جب اسے دیکھا تھا، تو کہہ رہے تھے کہ یہ بہت خوبصورت ہے تو میرے ذہن میں یہ آیا کہ شاید کوئی ایسی بات ہوئی ہو؟''

''وہ خوبصورت ہے تو میں نے جو احساسات تھے فوراً کہہ ڈالے۔ میں بھلے ایک آزاد روشن خیال ملک میں رہ کر آیا ہوں مگر اپنی قدروں اور اپنی ماں جی کی تربیت کو کبھی ایک لمحہ بھی فراموش نہیں کیا۔ میرے کردار میں نہ پہلے کبھی جھول آیا تھا اور نہ ہی آج آیا ہے۔ مجھے حیرت ہی نہیں دُکھ بھی ہو رہا ہے کہ آپ نے میرے بارے میں ایسی بات کیسے سوچ لی؟ بھلے حادثے کے وقت حویلی میں کوئی موجود نہ تھا اور میرا اس وقت یہاں موجود ہونا بھی محض اتفاق ہی تھا، مجھے نہیں علم کہ وہ اوپر کیوں آئی تھی مگر آپ کو اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ میرا اس سارے معاملے میں کوئی عمل دخل نہیں میں اپنے دل میں اس کے لیے ویسی ہی عزت محسوس کر رہا ہوں جیسی کہ آپ اور ماں جی کی محسوس کرتا ہوں۔'' وہ دُکھ، کرب، اذیت سے کہہ رہا تھا۔ ماریہ نے گہرا سانس لیتے اس کا بازو تھام لیا۔

''ایم سوری...... یہ محض خیال تھا جو مجھے تنگ کر رہا تھا۔ سوچا تم سے کلیئر کر لوں۔ پلیز بُرا نہ ماننا۔'' عمر لب بھینچتے سنجیدہ تاثرات لیے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

''دراصل چاچی مختار کا گھرانہ پہلے ہی کافی کرائسس سے گزر چکا ہے۔ چاچا طفیل تمہیں یاد ہو شاید جب تم حویلی میں رہتے تھے تو ان کے بارے میں نجانے کیسی کیسی باتیں مشہور تھیں۔ وہ شرابی اور جواری ہی نہیں بلکہ طوائفوں کے چکر میں بھی رہتے تھے۔'' ماریہ باجی نے بتانا شروع کیا تو عمر نے چہرہ موڑ کر بڑی بہن کو دیکھا۔ اسے یہ سب بہت اچھی طرح یاد تھا۔

''اسی چکر بازی میں آہستہ آہستہ انہوں نے نہ صرف ہمارے دونوں ماموؤں کے ہاتھوں اپنی زمینیں بیچیں پھر جو تھوڑی بہت دولت تھی، وہ بھی طوائفوں کے چکر میں اُڑا دی۔ چاچی مختار بڑی باہمت خاتون ہیں، ایسے حالات میں انہوں نے بڑی استقامت اور ہمت سے سب برداشت کیا۔'' عمر ماریہ کی بات بغور سنتے کچھ اُلجھ گیا۔ حمدہ کے گرنے سے پہلے اس نے کچھ اور دیکھا تھا، باقر علی نے جس طرح اس کی کلائی تھامی اور حمدہ کا رونا۔

''چاچی مختار نے نگہت کی شادی اپنے بھتیجے کے ساتھ کم عمری میں ہی کر دی اور پھر ساجدہ کو بھی اپنی کسی خالہ زاد بہن کے بیٹے سے بیاہ دیا۔ رہ گیا قمر وہ لڑکا تھا، دن بدن خراب ہوتے حالات کے باوجود مختار چاچی نے اسے شہر ہوسٹل میں پڑھنے کے لیے بھیجا تھا۔ اب ان کی تمام امیدوں کا مرکز قمر ہی تھا۔ چاچا طفیل اپنی غلط صحبت کی وجہ سے گاؤں آتے تھے چاچی کے لیے وجہ پریشانی بن جاتے تھے۔ زمینیں بچیں پھر جمع شدہ رقم ختم ہوئی تو نوبت چاچی کے زیورات تک پہنچ گئی۔ چاچی حالات کو دیکھ رہی تھیں، انہوں نے نگہت اور ساجدہ کی شادی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی مگر ابھی ان کے دو بچے بیاہنے والے رہتے تھے۔ قمر اور حمدہ بھی ابھی زیرِ تعلیم تھے۔ انہوں نے وہ سارا زیور ''ماں جی'' کے پاس امانتاً رکھوا دیا۔'' ماریہ باجی چند پل کو خاموش ہوئیں عمر کی دلچسپی ایک دم اس معاملے میں خاصی بڑھ گئی۔

''پھر کیا ہوا؟''

''تم نے چاچی مختار کی سفید حویلی دیکھی ہے نہ بچپن میں؟'' عمر نے ماریہ کے پوچھنے پر سر ہلا دیا۔

''جب چاچا طفیل چاچی مختار کو ہر طرح سے بے بس کر چکے تو چاچی، حمدہ کو لے کر اپنے میکے چلی گئیں پیچھے چاچا نے باقر علی

کے ہاتھ وہ حویلی بیچ دی۔''

''کیا واقعی؟''

''ہوں اب وہ حویلی باقر علی کے قبضے میں ہے۔ چاچی چند سال اپنے میکے میں رہیں پیچھے چاچا طفیل کے وہی مشغلے رہے۔ ایک دفعہ باقر علی کا کسی کام سے چاچی کے میکے جانا ہوا، وہاں اس نے حمدہ کو دیکھا، حمدہ کی خوبصورتی نے اسے اتنا متاثر کیا کہ اس نے چاچا طفیل کو اپنی انگلیوں پر نچانا شروع کر دیا۔ چاچا طفیل باقر علی کے کہنے بار بار چاچی کے میکے گیا ان کو لینے اور پھر مجبوراً چاچی کو آنا پڑا۔ اس دوران قمر کا شہر میں تعلیم کے دوران کسی امیر ماں باپ کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ افیئر چلا اور اس نے چپ چاپ شادی کر لی۔ چاچی کو پتا چلا تو وہ بہت بیمار ہو گئیں۔ قمر ان کی تمام اُمیدوں کا مرکز تھا۔ چاچا کو پتا تھا کہ بیمار چاچی ان کی راہ میں اتنی مزاحمت نہیں کر پائیں گی انہوں نے حمدہ کا رشتہ باقر علی کے ساتھ طے کر دیا۔''

''کیا؟'' عمر تو حقیقتاً چونکا تھا۔

''پہلے باقر علی نے دھوکے سے اونے پونے داموں چاچا طفیل سے حویلی خریدی پھر حمدہ کا رشتہ مانگ لیا۔ باقر علی ہماری ممانیوں کا بھائی ہے، بالکل فراڈ، لوفر اور بدمعاش فطرت کا حامل۔ کئی جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ تعلقات ہیں۔'' ماریہ باجی بڑے دُکھ سے یہ سب بتا رہی تھیں۔

''اور چاچا طفیل اپنی غلط صحبت کی وجہ سے پہلے ہی آدھے ہو چکے تھے، زمین اپنے ہاتھوں سے گنوا دی تھی، دولت رہی نہ تھی، باقر علی کے ہاتھوں وہ بلیک میل ہو رہے تھے، ان حالات میں چاچی مختار نے ایک دفعہ پھر حوصلہ کیا۔ بڑی مشکلوں سے حمدہ کو پڑھایا، خود اس کے ساتھ کالج جاتی تھیں، ہر جگہ اس کا سایہ بنی رہیں۔ انہوں نے صاف اور واضح الفاظ میں حمدہ اور باقر علی کے رشتے سے انکار کر دیا تھا، وہ کون سا غیر شادی شدہ تھا، ایک بیوی تھی دو بچے تھے، مگر حمدہ کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ تمہیں پتا ہے سفید حویلی کے سامنے کچھ زمین بھی چاچا طفیل کے نام تھی۔''

''ہاں ......'' عمر کو اچانک یاد آیا کہ حویلی کے سامنے ایک ڈیرہ تھا جہاں کبھی کبھار چاچا طفیل کے مہمان آ کر رہا کرتے تھے۔

''جب چاچا طفیل نے حویلی باقر علی کے ہاتھ بیچی تو یہ لوگ اس ڈیرے پر آ گئے ایک دم حویلی سے ڈیرے تک کا سفر چاچی نے بڑی ہمت اور حوصلے سے طے کیا اور جب باقر علی سے حمدہ کے رشتے سے چاچی نے انکار کر دیا تو چاچا طفیل ان کے ہم خیال ہو گئے، تب ماں جی، حمدہ اور چاچی کو حویلی لے آئیں۔ قمر کبھی کبھار چکر لگاتا تھا مگر اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر تھا اور پھر وہ اپنی بیوی کے ساتھ دبئی شفٹ ہو گیا تو چاچی کے لیے ہر آس ختم ہو گئی۔ ادھر باقر علی کا حمدہ سے شادی کا تقاضا بڑھنے لگا، مگر چاچی ڈٹی رہیں، ایک دن چاچا طفیل کا کسی جواری کے ساتھ نشے کی حالت میں جھگڑا ہوا تو گولی لگ گئی چند دن وہ ہسپتال میں رہے اور پھر چاچا فوت ہو گئے۔ باقر علی اب بھی حمدہ کو اپنی منگیتر سمجھتا ہے، اس کے بعد چاچی نے اپنے میکے میں ہی حمدہ کا رشتہ دیکھا، وہ لوگ حالات سے باخبر تھے، چاچی نے خاموشی سے نکاح کر دینا چاہا، جس دن وہ لوگ گاؤں بارات لے کر آئے باقر علی کو علم ہو گیا، اس نے دُلہا کو یرغمال بنا لیا۔ بہت گولیاں چلائیں مرنے مارنے پر تل گیا۔ پھر گاؤں کے بڑوں کے درمیان میں آنے سے اس نے اس لڑکے کو چھوڑ دیا مگر اب حمدہ کی ذات ایک سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے، چاچی نے بڑے دونوں لڑکیاں کم عمری میں ہی بیاہ دی

تھیں، اس ایک دفعہ کے بعد کہیں بھی حمدہ کے رشتے کی بات نہیں چل پائی، یہ کچھ عرصہ حویلی میں رہی تھیں مگر پھر ہماری بڑی اور چھوٹی ممانیوں کی طنزیہ باتوں کو دیکھتے چاچی واپس اسی ڈیرے میں چلی گئی ہیں۔ یہ دونوں ادھر ہی رہتی ہیں۔ باقر علی مستقل سفید حویلی میں تو نہیں ہوتا مگر اکثر وہ ادھر آتا رہتا ہے اور جب بھی آتا ہے حمدہ کے لیے زندگی مشکل بنا دیتا ہے۔ اسے دھمکاتا رہتا ہے، اس کی بیوی اس کی انہی حرکتوں کی وجہ سے اسے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔''

عمر کے ذہن میں ایک دم سارا معاملہ کلیئر ہوا، یقیناً اس نے چند گھنٹے پہلے جو بھی دیکھا تھا وہ بھی شاید اسی سلسلے کی کوئی کڑی تھی۔

''میں تمہیں یہ ساری باتیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ رات جس طرح تم حمدہ کو دیکھ کر برملا اس کی خوبصورتی کا اظہار کر رہے تھے اس سے مجھے خدشہ ہوا کہ تم اسے کہیں کوئی عام لڑکی نہ سمجھ بیٹھو۔ وہ کافی کم گو سنجیدہ مزاج اور بہت زیادہ سلجھی ہوئی لڑکی ہے، جس طرح اس کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی اور پھر اب باقر علی کا کردار یہ سب حوالے اسے بہت تکلیف دیتے ہیں۔ چاچی مختار کو ہم پر بہت اعتماد ہے، وہ جب بھی کہیں جاتی ہیں حمدہ کو حویلی میں چھوڑ جاتی ہیں۔ آج کل بھی وہ اپنی بھاوج کے بھائی کی وفات کی وجہ سے میکے گئی ہوئی ہیں۔ اسی لیے آج کل حمدہ حویلی میں نظر آ رہی ہے۔ شام کو چاچی نے آ جانا ہے تو حمدہ چلی جائے گی۔'' عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔

''وہ یقیناً ایک اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ اس پر پہلی نگاہ ڈالنے سے ہی اس کے کردار کی حقیقت اور سچائی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ میں نے رات کو محض اپنے محسوسات کا اظہار کیا تھا، مگر یہ حادثہ جب ہوا تو وہ اوپر ہی آ رہی تھی وہ کیوں آ رہی تھی یہ مجھے نہیں علم۔'' عمر نے بات پوری کی تو ماریہ مسکرا دی۔

''مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہوگا۔''

''میں بھلے مغربی معاشرے میں ایک لمبا عرصہ گزار کر آیا ہوں، مگر یہ بھی سچ ہے کہ ماموں اور ان کی فیملی کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے نہیں لگا کہ میں نے اتنا لمبا عرصہ اپنے گاؤں یا یا حویلی سے دور گزارا ہے۔ آپ ماموں اشفاق کی سخت گیر طبیعت سے اچھی طرح واقف ہی ہیں، ان کی یہ سخت گیری ہی تھی کہ آج میں اس ماڈرن معاشرے کی تمام تر بُرائیوں سے دور بالکل صاف ستھری شخصیت کا حامل بن پایا ہوں۔ آپ کے ذہن میں شاید یہ تھا کہ جس طرح میں نے حمدہ کی خوبصورتی کی برملا تعریف کی ہے کہیں میں ماڈرن اور بے باک معاشرے کی سی شخصیت کا مالک تو نہیں بن گیا مگر ایسی بات نہیں، میرے نزدیک میری قدریں اور ماں جی کی تربیت کا اولین تاثر بہت اہم تھا اور میں نے زندگی کے ہر معاملے میں ہر قدم پر اپنی قدروں کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ خصوصاً ماں جی کی تربیت کو۔'' ماریہ مسکرا دی۔ وہ ایسا ہی بھائی چاہتی تھی ہر خامی ہر بُرائی سے پاک عورت کی دل سے عزت کرنے والا۔

''تم نے لنچ بھی نہیں کیا۔ آؤ نیچے چلتے ہیں، ماں جی تمہارے لنچ نہ کرنے پر پریشان ہو رہی ہیں۔ اسی لیے میں اوپر آئی تھی۔''

ذہن میں موجود خدشات ختم ہو گئے تھے تو عمر کا ہاتھ تھام کر ماریہ باجی نے قدم باہر کی طرف بڑھا دیئے۔

❖❀❖

اماں شام کے قریب آ گئی تھیں، کچھ دیر بعد حمدہ کے پاس آئیں تو اس کی شدید چوٹوں کو دیکھ کر خاصی پریشان ہو گئی تھیں۔ چوٹوں کے علاوہ بخار نے بھی آ لیا تھا۔ اماں، حمدہ کی حالت دیکھ کر متوحش ہو چکی تھیں مگر ماں جی، ماریہ وغیرہ کے بار بار دلاسہ دینے پر وہ آج رات حمدہ کی وجہ سے ادھر ہی رُکنے پر آمادہ ہو گئی تھیں دوسرا گاؤں میں داخل ہوتے ہی انہوں نے باقر علی کو دیکھ لیا تھا۔ اب حمدہ کی اس خراب حالت کی وجہ سے وہ دو کمروں والے ڈیرہ نما گھر میں جانے کا رسک نہیں لے سکتی تھیں۔

کھانے کی میز پر انہوں نے عمر کو دیکھا، اس سے پہلے عمر کہیں باہر نکلا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی۔ انہیں سلجھا ہوا عمر خاصا پسند آیا تھا۔ آج کھانے کی میز پر ماریہ اس کا شوہر بچے، بی بی کے علاوہ مختار چاچی اور عمر بھی تھے، جبکہ حمدہ بخار کی وجہ سے ''بی بی'' کے کمرے میں ہی تھی، کچھ دیر پہلے مختار چاچی نے خود کھانا کھلا کر دوا کھلائی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد سبھی ہال کمرے میں چلے آئے تھے۔ عمر کچھ دیر ان سب کے پاس بیٹھا پھر ایکسکیوز کرتا وہاں سے اُٹھ کر اوپر اپنے کمرے میں جانے کے بجائے بی بی کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا جہاں حمدہ رُکی ہوئی تھی۔ حمدہ کی بینڈ یج ہونے کے بعد وہ دوبارہ اس کمرے میں نہیں آیا تھا۔ کچھ وہ مسلسل غنودگی میں رہی تھی، اب یقیناً وہ جاگ رہی ہو گی۔ عمر نے اندر داخل ہونے سے پہلے دروازے پر دستک دی تھی۔

''آ جائیں۔'' حمدہ جاگ رہی تھی۔

عمر نے کمرے میں قدم رکھا تو وہ بی بی کے بستر پر دراز دروازے کی ہی طرف دیکھ رہی تھی، اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی، عمر کو دیکھ کر وہ چونکی تھی۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام......آپ......'' عمر سے ابھی تک براہِ راست کوئی تعارف نہیں ہوا تھا۔ کل رات کھانے کی میز پر جس طرح دونوں بہن بھائی سرگوشیوں میں گفتگو کر رہے تھے اس سے وہ یہی سمجھی تھی کہ وہ دونوں اسی کے لیے متعلق باتیں کر رہے ہیں اور پھر جس طرح عمر اُسے گاہے بگاہے دیکھتا رہا تھا اس سے بھی وہ خاصی اُلجھ چکی تھی۔ حادثے کے وقت وہ اسی عمر سے ٹکراؤ کے سبب گری تھی، اس کا سر سیڑھی کے کنارے سے لگنے سے پھٹا تھا۔ اس کے بعد جب وہ گری تھی تو فوراً حواس کھو بیٹھی تھی۔ عمر کو کمرے میں دیکھ کر اس نے اُٹھنے کی کوشش کی تھی۔

''آپ لیٹی رہیں میں بس آپ کی طبیعت دریافت کرنے آیا تھا۔'' عمر کے کہنے پر وہ اسی طرح لیٹی رہی۔

''کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟ ماریہ باجی بتا رہی تھیں کہ اب بخار بھی ہو گیا ہے آپ کو۔'' وہ ایک طرف رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا تھا۔

''جی ٹھیک ہوں۔'' بظاہر دھیمے لہجے میں اس نے کہا تھا مگر اس سے بھی اس کے اندر کی نقاہت کا بخوبی ادراک کیا جا سکتا تھا۔ بخار کی حدت کی وجہ سے چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔

ایک بار پھر اس کو اپنا دل ایک مقناطیسیت کی کشش کی وجہ سے حمدہ کی طرف کھنچتا محسوس ہوا۔ وہ خوبصورتی تھی۔ مگر اس کی

خوبصورت میں مقناطیسیت جیسی کشش تھی، جو مقابل کو پورے زور سے اپنی طرف کھینچ سکتی تھی۔ مگر اس خوبصورتی کے باوجود اس وجود میں ایک اور بات بھی تھی جو اس وجود پر کل رات پہلی نگاہ ڈالنے کے فوراً بعد ہی وہ محسوس کر گیا تھا۔

یہ خاص بات اس لڑکی کا ڈھکا چھپا انداز اور سراپا تھا۔ اس کے کردار کی حیا تھی۔ اس کی تربیت جس ماحول میں ہوئی تھی وہاں عورت بڑی ارزاں چیز تھی مگر یہاں آنے کے بعد بی بی، ماریہ، ممانیوں اور ان کے بچوں کے علاوہ جو تیسرا وجود اس نے دیکھا تھا وہ یہی ذات تھی اور جس طرح اس کی ذات میں وقار اور رکھ رکھاؤ جھلکتا تھا، شاید ایسی خاص کیفیت اور بات اس نے کسی اور عورت میں محسوس نہ کی تھی۔

''سر کا زخم کیسا ہے؟'' دونوں کے درمیان بے معنی سی خاموشی در آئی تو عمر نے خود ہی گھبرا کر پوچھ لیا۔

''درد ہو رہا ہے۔'' درد کی اذیت اس کے چہرے سے بھی چھلک رہی تھی۔

''ذوالفقار بھائی کو کہتا ہوں وہ کوئی پین کلر دے دیں۔ آپ کا بازو اور دایاں پاؤں بھی زخمی تھا نا۔''

''جی......مگر سر میں زیادہ درد ہو رہا ہے۔'' اپنی بینڈیج ہوئی کلائی اس نے اُٹھا کر اپنے سر کی پٹی کو چھوا۔

''اس کے علاوہ کہیں اور چوٹ تو نہیں لگی؟'' عمر پھر رہا تھا، حمدہ بس نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔ جبکہ کمر پر قلابازی کھا کر گرنے سے جو چوٹیں لگی تھیں وہ ہر کروٹ پر تکلیف دے رہی تھیں۔ شاید اس لیے بخار نے بھی آ لیا تھا، یوں لگ رہا تھا کہ جیسے جسم پھوڑے کی مانند دُکھ رہا ہے۔ عمر کے سوال پر بس ایک لحظہ کو اس کی نگاہوں میں دیکھ کر سر جھکا لیا تھا۔

''میں ذوالفقار بھائی اور ماریہ باجی کو بھیجتا ہوں، اگر کہیں اور بھی تکلیف محسوس کر رہی ہوں تو باجی ماریہ کو بتانے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ بھائی جان سے کہہ کر بہتر ٹریٹمنٹ کروا سکتی ہیں۔'' اس کے چہرے سے عمر نے فوراً اندازہ لگا لیا تھا کہ اسے کہیں اور بھی تکلیف ہو رہی ہے مگر کہہ نہیں پا رہی۔

حمدہ نے خاموشی سے نگاہیں پھیر لیں نجانے کیوں جب بھی اس نے اس شخص کی طرف نگاہ ڈالی تھی اسے بڑی توجہ سے اپنی طرف دیکھتا ہی پایا تھا۔

''جی بہتر۔'' نجانے ان کی آنکھوں میں کیسا تاثر تھا کہ وہ سر اُٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کر پائی تھی۔

''اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ شب بخیر اینڈ اللہ حافظ۔'' ایک بھرپور نظر اس کے وجود پر ڈال کر وہ باہر گیا تھا اور حمدہ اس شخص کی آنکھوں کے تاثر کو ہی لے کر خاصی اُلجھ چکی تھی اوپر سے اس کے یہ الفاظ۔

''اپنا بہت خیال رکھیے گا۔'' ان الفاظ نے اسے مزید ہراساں کر ڈالا تھا۔

''تو کیا باقر علی کے بعد اس جیسی ایک اور آزمائش میری منتظر ہے۔'' اس سوچ نے اس کی رنگت ہلدی کی مانند زرد کر ڈالی تھی۔

حمدہ نے بہت بے دم ہو کر اپنا سر تکیے پر گرا لیا تھا۔

❖❁❖

ایک دو دن میں حمدہ کا بخار اُترا تو مزید دو دن اس کو اماں نے زبردستی کالج سے چھٹیاں کروا کر آرام کروایا تھا۔ اس کے بعد

وہ اب کالج جا رہی تھی، حویلی سے وہ اپنے گھر اگلے دن ہی آ گئی تھیں۔ اس دن کے بعد وہ ابھی تک دوبارہ حویلی نہیں گئی تھی۔ اس گاؤں کی چند لڑکیاں بھی اسی کالج میں داخل تھیں تو وہ صبح سویرے ان کے ساتھ ہی کالج کے لیے نکل جاتی تھی، یہ مقامی سطح پر اپنی مدد آپ کے تحت چلایا جانے والا کالج تھا۔ دو بجے وہاں سے واپسی ہوتی تھی تو اس کے بعد وہ گھر آ کر گھر کے کاموں میں لگ جاتی تھی۔ شروع کے دن ایک دو دن ماریہ باجی مسلسل بی بی کے ساتھ آ کر اس کی عیادت کر جاتی تھیں پھر جب اس نے کالج جانا شروع کیا تو ماریہ باجی نے بھی آنا چھوڑ دیا۔ اماں خود وہاں دن میں چکر لگاتی رہتی تھیں۔ انہی سے حمدہ کو پتا چلا کہ ماریہ باجی چند دن بھائی کی آمد کی وجہ سے جو میکے آئی تھیں اب واپس چلی گئی ہیں اور ماریہ باجی کی غیر موجودگی میں بی بی اکیلی ہوتی تھیں یا آج کل ان کا بیٹا عمر تھا۔

کالج سے واپسی پر اپنے ساتھ روزانہ آنے والی دونوں لڑکیوں کے ہمراہ قدم اُٹھاتے وہ جیسے ہی شہر کی حدود سے نکل کر کچے راستے پر ہوتی تھی تو عمر ہاشم کو اس جگہ پر آنکھیں جمائے دیکھتی تھی اور جیسے ہی وہ اسے دیکھ لیتا تھا دوبارہ اپنے مزارعوں کے ساتھ مصروف گفتگو ہو جاتا تھا مگر حمدہ کئی قدم تک اس شخص کی پہلی نگاہ کی حدت دور تک محسوس کرتی رہتی تھی اور پھر گھر جا کر وہ اُلجھتی رہتی۔

''ہوسکتا ہے مجھے ہی وہم ہوتا ہو؟ اس شخص کی نگاہ میں وہ تاثر ہی نہ ہو جو مجھے محسوس ہو رہا ہے۔'' اس نے اپنے آپ کو بہلایا مگر کوئی احساس تھا جو اس کے اندر گھر جانے تک کروٹیں لیتا رہا تھا۔

گھر آ کر کپڑے بدل کر کھانا کھا کر ظہر کی نماز پڑھ کر وہ لیٹی تو اماں اس کے پاس آ بیٹھیں۔

''سونے لگی ہو؟''

''جی...... خیریت کوئی بات ہے؟'' اماں اسے کچھ متفکر اور پریشان دکھائی دیں تو وہ دوبارہ اُٹھ بیٹھی۔

''ہاں...... وہ آج باقر علی آیا تھا'' اماں نے کہا تو حمدہ سانس روکے اماں کو دیکھنے لگی۔ یہ شخص اس کی زندگی کا ایک رِستا ہوا ناسور تھا۔ کبھی کبھار تو حمدہ کا جی چاہتا تھا کہ وہ کسی ایسی جگہ چلی جائے جہاں اس شخص کا جان لیوا تصور تک نہ ہو۔

''پھر؟''

''اچھی خاصی دھمکیاں دے کر گیا ہے۔ سچ مانو تو عثمان والے واقعے کے بعد میں خود بھی ڈر گئی ہوں ایک تنہا عورت کب تک ایسے درندوں کا مقابلہ کرے؟ وہ زور آور ہے، میں گئی تھی آج بڑی حویلی بی بی کو لے کر باقر علی کی دونوں بہنوں سے بات کرنے تو انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ اس سلسلے میں وہ کوئی مدد نہیں کر سکتیں، ان کا بھائی ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ چھوٹی تو مشورہ تک دینے لگ گئی کہ کہیں نہ کہیں تو تمہارا رشتہ کرنا ہی ہے تو پھر باقر علی سے ہی کر دوں۔ میرے دل پر جیسے ہاتھ پڑا تھا، میں بھی اچھی خاصی سنا کر آئی ہوں۔ پر باقر علی جاتے ہوئے دھمکی دے کر گیا تھا کہ اب انتظار نہیں کرے گا ایک دو دن میں پھر چکر لگائے گا۔''

حمدہ نے خاموشی سے ماں کو دیکھا، کئی سالوں سے اس کی ماں تن تنہا اس جیسے جنگلی درندے کے سامنے دیوار بنی کھڑی تھیں اس کے لیے، مسلسل لڑ رہی تھیں آخر کب تک؟ آج اس کی ماں پریشان تھی یقیناً وہ اچھا خاصا دھمکا کر گیا ہوگا۔ حمدہ کو لگتا تھا کہ ہر

گزرتا دن باقر علی اس کے گرد شکنجہ کستا چلا جارہا ہے۔ عثمان والے واقعے کے بعد اماں کو اُمید تھی کہ وہ اپنے میکے میں ہی اسے کہیں نہ کہیں کھپالیں گی مگر اب سبھی کو اپنے عزیز تھے۔ حمدہ کی خاطر وہ بھلا کیونکر باقر علی سے دشمنی مول لے لیتے۔ بھائی اس کا خود ڈر کر لندن جا بیٹھا تھا۔ بہنوں کی اپنی زندگی تھی، باپ کا کیا وہ بھگت رہی تھی۔

''تو پھر اب کیا سوچا آپ نے؟'' بڑی اذیت سے اماں کے چہرے کو دیکھا۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ تم کو سرگودھا اپنی خالہ کے گھر بھیج دوں۔ میں پچھلے دنوں فوتگی پر جب گئی تھی تو میری سرگودھا والی خالہ بھی ادھر آئی ہوئی تھیں۔ شادی کے بعد چند دن ایک بار ہی سرگودھا آنا جانا ہوا ہے۔ خالہ کو ساری بات بتائی تو کہنے لگیں کہ تمہیں ان کے پاس بھیج دوں اور کسی سے ذکر بھی نہ کروں۔ گاؤں والے یہی کہتے رہیں گے کہ ہم دونوں کہیں چلی گئی ہیں، بھلے کہتے رہیں اب ایک باقر علی کی وجہ سے تمہاری زندگی برباد کرنے سے تو رہی؟ بی بی سے میں نے ذکر کیا ہے۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ اچھا فیصلہ ہے۔ جس طرح باقر علی آج کل کچھ بھی کر دینے پر تلا ہوا ہے، مجھے تو خود ڈر لگنے لگ گیا ہے۔ آج صاف کہہ گیا ہے کہ اگر میں ایک دو دن میں نکاح کا بندوبست نہیں کر سکی تو وہ خود تمہیں اُٹھوا لے گا۔ گاؤں والوں نے خاصا بیچ بچاؤ کروایا ہے۔ اب تو برادری والے بھی کہنے لگ گئے ہیں کہ کہیں نہ کہیں تو تمہارا بیاہ کرنا ہی ہے نا تو باقر علی سے ہی کر دوں۔'' حمدہ نے لب بھینچ کر سر جھکا لیا۔

''میں خالہ کا نمبر لے آئی تھی آج بی بی کے ہاں ان سے مشورے کے بعد خالہ کو کال کی تھی، وہ کہہ رہی تھیں کہ ایک دو دن میں تمہیں لے کر سرگودھا آ جاؤں اور کسی سے بھی ذکر نہ کروں، اس کے بعد کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر تمہاری شادی کر دیں گے۔''

''اور شادی کر دینا جیسے بڑا آسان کام ہے نا؟'' حمدہ کا جی چاہا کہ کہہ دے مگر متفکر اور پریشان ماں کو وہ اپنے لفظوں سے مزید چھلنی نہیں کر سکتی تھی۔

''اور اگر باقر علی کو پتہ چل گیا تو؟''

''نہیں چلے گا...... بی بی کے علاوہ کسی اور کو پتا ہی نہیں ہوگا کہ ہم کہاں ہیں۔'' اماں خاصی پُرجوش تھیں لگتا تھا کہ وہ سارے حالات کا اچھی طرح تجزیہ کر کے اس سے بات کر رہی تھیں۔

''اماں آپ قمر بھائی سے بات کریں۔ ہوسکتا ہے وہ ہمیں اپنے پاس بلوا لیں۔'' حمدہ نے ایک اُمید بھری نگاہ سے اماں کو دیکھا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

''قمر سے اگر اُمید ہوتی تو یہ حالات یہاں تک پہنچتے ہی کیوں؟ باقر علی جتنا بھی بدبخت سہی مگر ایک دفعہ قمر اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا تو ساری برادری نے ہمارا ساتھ دینا تھا۔ میں نے کئی بار اس سے فون کر کے بات کی ہے پر ہر بار ٹال جاتا ہے۔'' حمدہ نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

''میں چھوٹی حویلی جا رہی ہوں۔ آج باقر علی کو میں نے سامنے والی حویلی میں دیکھا تھا۔ تنہا گھر میں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں، اُٹھو میرے ساتھ ہی چلو۔'' باقر علی کے ذکر پر وہ فوراً بستر سے اُتر گئی تھی۔ اماں ایک منٹ کے لیے اسے گھر میں تنہا نہیں چھوڑتی تھیں۔ خصوصاً ان دنوں تو ہرگز نہیں جب وہ گاؤں یا سامنے والی حویلی میں دکھائی دے جاتا تھا۔

''کتاب وغیرہ لینی ہے تو لے لو...... میرا شام تک ادھر ہی رُکنے کا ارادہ ہے۔ ہوسکتا ہے تب تک یہ منحوس باقر علی بھی یہاں سے دفعان ہو چکا ہو۔'' اماں اسے ہدایت دے کر کمرے سے نکل گئیں تو وہ سر ہلاتی اپنی کتابوں والی الماری کی طرف بڑھی۔ اپنی براؤن چادر لے کر وہ جانے کے لیے بالکل تیار تھی۔

❖ ✿ ❖

حمدہ کو چھوٹی حویلی میں آنا ہمیشہ سے ہی اچھا لگتا تھا، یہاں آنے کی بڑی وجہ یہاں کی خاموشی ہوتی تھی، بی بی اور ماریہ تنہا ہوتی تھیں۔ ماریہ کی شادی ہوگئی اور وقت نے کروٹ بدلی تو حمدہ لوگوں کی اپنی سفید حویلی بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئی اور پھر کچھ عرصہ اماں کے ہمراہ اسے اس حویلی میں مستقل رہنا بھی پڑا تھا اماں کے میکے کی نسبت یہاں رہنے کو وہ ترجیح دیتی تھی، کہ یہ حویلی اسے ہمیشہ سے پسند تھی۔ اس حویلی میں اس کی دلچسپی کی سب سے بڑی وجہ اوپر والے پورشن پر بنی لائبریری تھی۔ اس دن بھی باقر علی سے سامنے کے بعد وہ آنسو بہاتی حویلی میں آئی تھی تو اس کا ارادہ اوپر والے حصے میں بنی اس لائبریری میں جانے کا تھا کہ عمر سے ٹکرا گئی۔ اس دن کے بعد وہ دوبارہ حویلی نہیں آئی تھی، مگر جس طرح عمر کو کالج سے واپسی پر راستے میں چند دنوں سے دیکھ رہی تھی وہ سب اسے اُلجھا رہا تھا۔

اماں اسے حویلی چھوڑ کر خود زلیخا اماں کو لے کر نزدیکی بازار چلی گئی تھیں، وہ کچھ دیر بی بی کے پاس بیٹھی تھی عمر گھر پر نہیں تھا، حمدہ اس کی غیر موجودگی کا سن کر پُرسکون ہوگئی تھی۔ عصر کی نماز بی بی اور اس نے اکٹھے ہی پڑھی تھی نماز کے بعد بی بی نے کوئی وظیفہ شروع کر دیا تو حمدہ زینہ طے کرتے اوپر لائبریری میں چلی آئی تھی۔

ماریہ کے پاس کتابوں کا اچھا کلیکشن تھا، وہ مختار مسعود کی آواز دوست نکال کر آرام دہ صوفے پر آ بیٹھی تھی۔ کالج سے آنے کے بعد وہ سوئی نہیں تھی اب کتاب پڑھتے خود بخود نیند آنے لگی تو وہ اسی ٹو سیٹر صوفے پر نیم دراز ہوگئی تھی۔

❖ ✿ ❖

عمر جب حویلی لوٹا تو ماں جی کو مختار چاچی اور زلیخاں اماں کے ہمراہ بیٹھے پایا ارد گرد خریداری کا سامان تھا۔

''السلام علیکم......''

''وعلیکم السلام۔'' تینوں نے اکٹھے جواب دیا تھا۔ اماں زلیخا اور مختار چاچی ابھی گاؤں لوٹی تھیں اور اس وقت بیٹھی خریدا ہوا سامان دیکھ رہی تھیں۔

''کہاں رہے آج سارا دن؟'' ماں جی نے عمر سے پوچھا، وہ آج سارا دن حویلی سے غائب رہا تھا۔

''بس کہاں رہنا تھا، ماموؤں کی طرف چلا گیا تھا بڑی حویلی۔ ساری دوپہر وہاں گزار کر وہاں سے واپسی پر باغات کی طرف چلا آیا تھا پھر کچھ جاننے والے مل گئے تو سارا وقت ادھر ہی گزر گیا۔'' عمر ماں جی کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گیا تھا۔

''آگے کا کیا سوچا ہے بیٹا؟'' چاچی مختار نے پوچھا تو عمر ہنس دیا۔

''ارادہ تو میرا اپنا بزنس کرنے کا ہے مگر ماں جی چاہتی ہیں کہ میں شہر جا کر علیحدہ سے کچھ کرنے کی بجائے ماموؤں کے ساتھ مل کر کام کروں یا پھر زمین وغیرہ کے معاملات دیکھوں۔''

''سوچ تو بی بی کی بھی ٹھیک ہے۔ تجربہ چاہیے ہوتا ہے۔ عرصے بعد لوٹے ہو کچھ وقت لگتا ہے ہر کام سمجھنے میں۔'' مختار چاچی نے اپنی رائے دی۔

''چلیں دیکھتے ہیں کہ کیا کرتا ہوں، آپ سنائیں طبیعت ٹھیک ٹھاک ہے؟ گھر میں سب خیریت ہے نا؟''

''اللہ کا شکر ہے۔'' مختار چاچی نے جواب دیا تو عمر اُٹھ کھڑا ہوں۔

''میں چینج کرلوں۔''

''حمدہ کہاں ہے نظر نہیں آرہی؟'' عمر آگے بڑھا تو مختار چاچی نے بی بی سے پوچھا۔ عمر فوراً ٹھٹکا۔

''تو کیا حمدہ بھی آئی ہوئی تھی؟'' عمر کو اپنی دھڑکنوں میں ایک عجیب سا ارتعاش پیدا ہوتا محسوس ہوا۔

''وہ اوپر کتابوں والے کمرے میں ہے۔ مغرب کی نماز بھی شاید اندر ہی پڑھ لی ہوگی نیچے تو نہیں اُترا ابھی تک۔'' بی بی نے جواب دیا۔

عمر فوراً پلٹا اور اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے لائبریری کی طرف چلا آیا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ پردے برابر تھے وہ پردہ ہٹا کر اندر بڑھا تو ٹھٹک گیا۔ وہ سامنے ہی صوفے پر نیم دراز محوخواب دکھائی دی۔ براؤن چادر اس کے وجود پر مخصوص انداز میں لپٹی ہوئی تھی کتاب سینے پر دھری تھی ایک ہاتھ کتاب پر اور دوسرا پہلو میں تھا۔ وہ محوخواب عجیب سا ماورائی کردار لگی تھی یا پھر خوبصورت مصور کا تراشیدہ پوز۔ عمر کو لگا اس کے دل و دماغ میں ایک کوندا سا لپک گیا ہے۔ وہ مجسمہ حُسن تھی، نازک پیکر بے خبری کے عالم میں بھی کسی کے وجود میں ہزار قیامتیں برپا کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

عمر کا جی چاہا کہ آگے بڑھے اور بے خبری کی نیند میں محو اس نازک سے پیکر کو چھو کر دیکھے مگر عقل احساسات پر غالب آگئی تو اس نے وہیں دہلیز پر کھڑے کھڑے ہی دروازے کو ناک کیا تھا۔ ایک بار...... دو بار...... عمر نے تیسری بار ناک کیا تو حمدہ نے پلکیں وا کردیں۔

''حمدہ......؟'' کسی نے پکارا تھا۔ نیند کی حالت میں اس نے صرف گردن گھما کر دیکھا مگر دروازے پر موجود شخص کر دیکھ کر ہڑبڑا کر اُٹھی تھی۔

''آپ؟'' وہ اس جگہ عمر ہاشم کی موجودگی کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ ایک دم کھڑی ہوگئی تھی۔ اس کے سینے پر رکھی کتاب نیچے قالین پر جا گری تھی۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟'' وہی مخصوص انداز تھا دیکھنے کا، حمدہ کنفیوز سی ہوگئی تھی۔

''وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں۔'' کتاب اُٹھا کر وہ عمر کی طرف سے رُخ موڑ کر ریک کی طرف بڑھ گئی تھی۔ کتاب واپس اس کی جگہ پر رکھ کر پلٹی تو عمر کو اسی طرح کھڑے پایا۔

عمر کے دیکھنے کا انداز برقرار تھا۔ حمدہ کی پیشانی کی سلوٹیں واضح ہوگئیں۔ یہ شخص ایسے کیوں دیکھتا ہے؟ وہ اُلجھ گئی تھی۔

''کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟'' عمر کا اس سے بات کرنے کا موڈ تھا، حمدہ نے محض سر ہلا دیا۔

''سر کا زخم کیسا ہے اب؟''

''جی بہتر ہے۔''

''آپ کو میں نے شاید ڈسٹرب کر دیا ہے۔ آپ کی نیند خراب کر دی؟'' حمدہ نے سر اُٹھا کر سنجیدگی سے عمر ہاشم کو دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں وہی مخصوص تاثر تھا وہ اُلجھ گئی۔

حمدہ کا جی چاہا کہ وہ اس کو اس طرح دیکھنے سے ٹوک دے جھڑک دے، مگر پھر سر جھکا لیا کہ وہ یہ سب نہیں کر سکتی تھی۔

''نہیں...... میں تو بس کتاب پڑھنے بیٹھی تھی نجانے کیسے نیند آ گئی؟ چلتی ہوں۔'' وہ مزید ایک منٹ بھی وہاں رُکے بغیر عمر کے قریب سے گزرتے تیزی سے نکل گئی تھی۔

❖❁❖

وہ اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں وہی کتاب تھی جو دو دن قبل اسٹڈی میں حمدہ کے پاس تھی۔ حمدہ کے جانے کے بعد وہ یہ کتاب لے کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا اور جب بھی فارغ ہوتا تھا یہ کتاب لے کر لیٹ جاتا تھا، اس کتاب میں سے اسے حمدہ کے وجود کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔

عمر اپنے اس پاگل پن پر خود حیرت زدہ تھا مگر وہ اس مسرور کن کیفیت سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کیفیت میں ایک حیات بخش سرور تھا۔ اس نے ایک بڑی پریکٹیل لائف گزاری تھی، وہ عشق و محبت کو قطعی اہمیت دینے والا انسان نہ تھا اور پاکستان آتے ہی جس وجود سے سامنا ہوا تھا وہ حمدہ کا ہی تھا اور جس طرح حمدہ کے وجود کا احساس اس کے دل کے نہاں خانوں میں پیدا ہوا تھا وہ خود بھی اپنی اس کیفیت پر حیران تھا۔ حمدہ اپنے گھر جا چکی تھی اس کے گھر جا کر اس کو دیکھنے کی کوشش ناکام ٹھہری تھی اس کے اگلے روز ہی وہ ان کے ہاں گیا تھا مگر وہ میڈیسن لے کر سوئی ہوئی تھی چاچی مختار سے مل کر وہ آ گیا تھا اور پھر بار بار جانے کی بھی کوئی خاص وجہ نہ تھی بس چار دن اسی کشمکش میں گزرے تھے اور اس سے اگلے دن آموں کے باغات کی طرف جاتے ہوئے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ جس چہرے کو دیکھنے کے لیے اس قدر بے قرار ہے وہ سردیوں کی اس دوپہر میں ایک دم اچانک یوں سرِ راہ نظر آ جائے گا۔

حمدہ پر پہلی نگاہ ڈالنے کے بعد اس نے نگاہ جھکا لی تھی وہ تنہا نہ تھی مگر اس کے بعد جو سکون جو قرار دل کو ملا تھا اپنی اس کیفیت پر عمر خود بھی پریشان تھا اور اگلے دن کل والے مخصوص وقت پر عمر ہاشم کے قدم خود بخود اسی راستے پر ہو لیے تھے اور حمدہ پر نگاہ پڑتے ہی اسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ اس وجود سے انجانے میں پہلی نگاہ والی محبت کر بیٹھا ہے۔

"Lofe in first sight" کیا ہوتا ہے تب اس نے جانا تھا اور پھر اگلا پورا ہفتہ اسی مخصوص روٹین میں گزرا تھا۔ اب دل ایک نگاہ دیکھ لینے کے بعد مزید مراحل طے کرنے کی سوچ رہا تھا۔ دیکھنے کی لذت سے آشنا ہونے کے بعد وہ اب بات کرنے، روبرو ملنے کے تقاضے کرنے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ خاصا پریشان کن مرحلہ ہے، مگر وہ اپنے آپ کو بڑی مشکل سے سنبھال رہا تھا کہ وہ اسے اچانک اسٹڈی میں نظر آ گئی تھی۔ وہ اب دو دن سے کالج نہیں جا رہی تھی تو عمر کو لگ رہا تھا کہ اگلے چند گھنٹوں میں وہ اسے نظر نہ آئی تو وہ تمام تر احتیاط بالائے طاق رکھتے ان کے گھر پہنچ جائے گا۔ وہ بہانے بہانے سے نسرین اور اماں زلیخا سے اس کی طبیعت بھی دریافت کر چکا تھا، چند بار چاچی مختار بھی حویلی میں نظر آئی تھیں، بڑے رازدارانہ انداز میں ماں جی سے گفتگو

کرتی دکھائی دی تھیں، ان سے بھی براہِ راست اس نے حمدہ کی طبیعت کا پوچھ لیا تھا مگر کوئی تسلی بخش جواب نہ مل سکا تھا کہ وہ اچانک گھر میں کیوں قید ہوگئی ہے۔ کالج کیوں نہیں جارہی۔ قوی امکان یہ بھی تھا کہ کہیں وہ پکی سڑک کی طرف سے تو نہیں جانے لگ گئی مگر صبح وہ فجر کے بعد سے اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر پکی سڑک کی طرف جانے والے راستے پر نگاہیں جمائے رکھتا تھا اور پھر نو دس بجے نا اُمید ہو کر وہاں سے ہٹ جاتا تھا۔

''کہاں گم ہوگئی ہو اچھی لڑکی! نظر کیوں نہیں آرہیں؟'' اس وقت اپنے بستر پر لیٹا سینے پر کتاب رکھے وہ تصور ہی تصور میں حمدہ سے مخاطب تھا، جب اس کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''آجاؤ۔'' عمر کو پتہ تھا کہ رات کے وقت اماں زلیخا اسے دودھ دینے آئی ہوں گی مگر ماں جی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ فوراً اُٹھ بیٹھا تھا، کتاب سینے سے ہٹا کر سائیڈ پر رکھی تھی۔

''ماں جی آپ؟'' فوراً بستر سے اُتر کر آگے بڑھ کر ماں جی کا ہاتھ تھام کر بستر پر لا بٹھایا تھا۔

''خیریت ......کوئی کام تھا تو مجھے بلوالیا ہوتا۔ آپ نے اوپر آنے کی زحمت کی۔'' خود بھی ماں جی کے ساتھ ہی بیٹھ کر پوچھا۔ ماں جی کو گھٹنوں کا درد رہتا تھا وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر نہیں آتی تھیں۔ عمر کی بات پر مسکرادیں۔

''ہاں...... بڑا ضروری کام تھا، سوچا خود ہی تمہارے پاس جاؤں۔'' عمر ہمہ تن گوش ہوگیا۔

''آپ حکم کریں ماں جی۔''

''جب سے آئے ہو بڑے خاموش رہتے ہو۔ کوئی بات ہے؟ کوئی پریشان ہے کیا؟'' وہ ماں تھیں اس کے اندر کے حال سے بھلے بے خبر تھیں مگر اس کی ظاہری بیقراری تو دیکھ سکتی تھیں نا۔ عمران کی اس درجہ فکرمندی پر مسکرادیا۔

''بھلا آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کیا پریشانی ہوگی ماں جی! ایسی کوئی بات نہیں۔''

''تم اتنا عرصہ گاؤں، حویلی اور رشتوں سے دور رہے ہو، اب عرصے بعد لوٹے ہو یہاں گاؤں میں بہت کچھ بدلا ہے۔ میں نے ساری زندگی تمہاری اور ماریہ کی خاطر تنہا گزار دی، تمہارے باپ اور ددھیال والوں نے جو بھی کیا میں وہ نہیں دہراؤں گی، تمہاری آس میں، میں نے یہ زندگی کاٹ دی ہے بیٹا۔'' ماں جی کہہ رہی تھیں، عمر اُلجھ گیا، یقیناً ماں جی بہت ہی خاص بات کہنا چاہتی تھیں۔ یہ سب تمہید تھی شاید۔

''ماں جی آپ جو بھی کہنے آئی ہیں بلا توقف کہہ دیں۔'' عمر نے ان کے دونوں ضعیف ہاتھ تھام لیے تو وہ مسکرادیں۔

''تمہارے بڑے ماموں نے اپنی بیٹی کا رشتہ ڈالا ہے۔''

''اوہ......'' عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ ماموں کی بیٹی زویا پڑھی لکھی بظاہر اچھی لڑکی تھی۔ اگر اماں چند دن پہلے جب وہ باہر تھا اس سے کہتی تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوتا۔

''پھر آپ نے کیا کہا؟''

''تمہاری مرضی کے بغیر میں بھلا کیسے ہاں کہہ سکتی تھی۔''

''آپ کی اپنی مرضی کیا ہے؟'' عمر نے سنجیدگی سے ماں جی سے دریافت کیا۔

''سچ پوچھو تو دونوں ماموؤں کے ہاں رشتہ داری کرنے کا میرا دل ہی نہیں مانتا۔ زویا اچھی بچی ہے، مگر سالوں سے ہاسٹل میں رہ رہی ہے اس کے بارے میں کئی طرح کی باتیں مشہور ہیں، آزاد خیال ہے، گاؤں کے ماحول میں نہیں رہ سکتی۔ پھر بھی تم ہر روز ماموں کے گھر جاتے ہو، ہوسکتا ہے تمہیں اچھی لگی ہو۔ مگر میں راضی نہیں ہوں اور سب سے بڑی بات باقر علی کی بھانجی ہے اپنے اس ماموں سے اس کی بہت بنتی ہے، اکثر باقر علی کے ساتھ اس کے گاؤں گئی ہوتی ہے۔''

''اوہ...... تو جب آپ کو پسند نہیں تو آپ انکار کر دیں۔ میں عرصے بعد لوٹا ہوں ماموں روز بلوا لیتے ہیں تو مروتاً مجھے جانا پڑتا ہے، ان کے ہاں چکر لگانے سے مراد یہ نہیں کہ میں زویا کو پسند کرنے لگ گیا ہوں یا میرا انٹرسٹ اس کی طرف ہے۔ نیور......'' عمر نے واضح الفاظ میں انکار کر دیا تو ماں نے گہرا سانس فضا میں چھوڑا۔

''اس لیے میں نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ تم سے بھی پوچھ لوں۔''

''آپ صاف انکار کر دیں۔''

''ہاں میں بھی سوچ رہی تھی۔ اس بات کے علاوہ بھی مجھے تم سے ایک بہت ضروری کام تھا۔'' ماں جی اب اصل بات کی طرف آئی تھیں۔

''کیسا کام؟''

''تمہیں آج رات تین بجے کے قریب ڈرائیور کے ہمراہ کسی کو لے کر سرگودھا جانا ہے۔'' ماں جی کا انداز سرگوشیانہ ہو گیا تھا۔ عمر نے اُلجھ کر انہیں دیکھا۔

''خیریت...... کس کو لے کر جانا ہے؟''

''تم مختار اور اس کی بیٹی کے حالات سے متعلق اتنے دنوں میں تھوڑا بہت باخبر ہو ہی گئے ہو گے؟'' ماں جی نے پوچھا تو حمدہ کے ذکر پر وہ ایک دم فوراً کانشس ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

''جی...... ماریہ باجی نے ہی ان لوگوں کے حالات سے متعلق بتایا تھا۔

''باقر علی کا تقاضا دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اب ہر دوسرے روز وہ مختار کے گھر پہنچا ہوتا ہے۔ حالات نے مختار کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ وہ اور اس کی بیٹی دنیا کی نظروں میں تماشہ بن گئی ہیں، کوئی بھی ان کی مدد کرنے کا خطرہ مول نہیں لیتا۔ باقر علی کے پاس پیسہ ہے، اچھے بُرے ہر طرح کے لوگوں سے تعلقات ہیں۔ غنڈہ گردی میں ماہر ہے۔ نہ اُسے اپنی عمر کا خیال ہے اور نہ ہی کسی کی عزت بے عزتی کا۔'' اماں کے لہجے میں دُکھ اور تاسف تھا، عمر کو لگا اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔

''کیا ہوا ہے چاچی مختار کی بیٹی ٹھیک تو ہے نا؟'' اپنے آپ کو نارمل رکھنے کے باوجود وہ پوچھے بغیر نہ رہ پایا تھا، اس کے لہجے میں بے حد تشویش تھی۔

''ابھی تک وہ بیچاری عزت سے ہی ہے، مگر باقر علی مختار کو کل کہہ گیا تھا کہ اگلے مہینے کی بیس تاریخ کو شادی کی تیاری رکھے۔ بیچاری بڑی پریشان ہے، پیسہ سارا شوہر اپنی زندگی میں ہی بُرے کاموں میں اُجاڑ گیا، ایک حویلی تھی وہ بھی اب باقر علی کے پاس ہے۔ لے دے کے یہ گھر جس میں رہ رہے ہیں اور نہر کے پاس والی زمین رہ گئی ہے، وہ بھی یوں کہ یہ مختار کے نام تھی۔ جب تم

آئے تھے، مختار ایک فوتگی میں گئی تھی، مختار کی ایک خالہ ہے اس نے اپنی مرضی سے ایک خاصے جاگیردار بندے سے شادی کی تھی، اس فوتگی میں اس کی مختار سے بھی ملاقات ہوئی تھی، اپنی اس خالہ سے یہ لوگ کم ہی ملتے جلتے ہیں، مختار کے سارے حالات جان کر اس نے مختار کو کہا تھا کہ وہ بیٹی کو لے کر سرگودھا آجائے، اس کے بیٹے اعلیٰ اور اونچے عہدوں پر ہیں وہ سب سنبھال لیں گے۔ بس یہاں کسی کو پتہ نہ چلے۔'' عمر یہ سب سن کر ششدر رہ گیا تھا، اس کے دل و دماغ میں اس ساری گفتگو سننے کے بعد یہی خیال آیا تھا کہ وہ اب حمدہ کو نہیں دیکھ پائے گا اسی تصور نے اسے اچھا خاصا پریشان کر دیا تھا۔

''پر اس کا کیا حل ہوگا؟''

''مختار نے اپنی خالہ اور اس کے بیٹوں سے اچھی طرح صلاح مشورہ کر کے ہی فیصلہ کیا ہے کہ آج رات حمدہ کو یہاں سے نکال دیا جائے باقر علی گاؤں میں ہی ہے اس لیے آدھی رات کا انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔ ہمارا ڈرائیور قابل بھروسہ ہے میں سمجھا دوں گی وہ کسی کے سامنے پھر زبان نہیں کھولے گا، تم کو ساتھ بھیج رہی ہوں کہ لڑکی ذات ہے، اتنا لمبا سفر ہے پھر اچھی خاصی خوبصورت اور جوان ہے، خدا جانے راستے میں کیا حالات ہوں، تم ساتھ ہو گے تو ہمیں تسلی رہے گی تم حمدہ کو وہاں سرگودھا میں چھوڑ کر دو تین دن میں واپس آجانا، یہاں میں سب کو بتا دوں گی کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ مری سیر کے لیے نکلے ہوئے ہو۔ مختار نے دو دن سے حمدہ کو گھر سے نہیں نکلنے دیا۔ چند دن اسی طرح گزر جائیں گے۔ اگر کسی کو شک بھی ہوا تو مختار کہہ دے گی کہ حمدہ اپنی بہن نگہت کے پاس ہے۔ جانا تو مختار کو بھی ساتھ تھا مگر مختار اپنے خالہ زاد بھائیوں کے سمجھانے پر اب رُک گئی ہے کہ اس طرح دونوں کے غائب ہونے پر کسی کو شک نہ ہو جائے۔ مختار ادھر ہی رہے گی تا کہ باقر علی اطمینان سے رہے، اگر اس کو ذرا سا بھی شک ہو گیا تو وہ تو مرنے مارنے پر تل جائے گا۔ حمدہ والے قصے کو اس نے زندگی موت کا معاملہ بنا رکھا ہے۔''

''پھر اس کے بعد کیا ہوگا اور جب اگلے ماہ تک حمدہ واپس گاؤں نہ پہنچی اور باقر علی شادی کے لیے آپہنچا تو پھر؟''

''مختار کے خالہ زاد بھائیوں نے اسے تسلی دی ہے کہ اس دوران وہ کہیں اچھی جگہ رشتہ دیکھ کر حمدہ کی شادی کروا دینے کی کوشش کریں گے اور باقر علی نے پتا چلنے پر شور کیا تو وہ اس کا بھی بندوبست کر لیں گے۔ بس ایک بار حمدہ کی شادی ہو جائے۔'' عمر کو لگا کہ اس کے اعصاب پر گویا بم پھٹا ہے۔

ماں جی کی ساری گفتگو سننے کے بعد اس کے دل کی بیقراری کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

''اور مختار چاچی کی خالہ کی فیملی کیسی ہے؟ آئی مین کریکٹر وائز کیسے لوگ ہیں؟''

''مختار تو ان کی بڑی تعریفیں کرتی ہیں۔ پہلے ہمارا ارادہ یہی تھا کہ تم لوگ حمدہ کو چھوڑ کر واپس آجاؤ گے مگر پھر میں نے ہی مختار کو مشورہ دیا تھا کہ اکیلی جوان لڑکی کو اجنبی لوگوں میں چھوڑ کر آجانے کی کوئی تک نہیں بنتی۔ عمر تم چند دن وہاں رُکنا، وہاں کے اندرونی حالات اور گھر والوں کے طور طریقوں کو اچھی طرح دیکھنا اگر تمہیں لگے کہ حمدہ کے وہاں رہنے میں خطرے والی کوئی بات نہیں تو ٹھیک ورنہ پھر جس طرح تم لے کر جاؤ گے واپس لے آنا۔'' عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ یعنی اس کو حمدہ کے قریب رہنے کی کچھ مہلت مل رہی تھی۔

''کب نکلنا ہے؟''

''رات تین بجے..... حمدہ کو مختار حویلی میں چھوڑ گئی ہے۔''

''حمدہ اس وقت حویلی میں ہے۔''عمر کے لیے یہ بات بڑی خوشگوار تھی۔

''تم سو جاؤ اب..... میں نے زلیخا اور نسرین دونوں کو چھٹی دے دی ہے سلطان کو پتہ نہیں چلے گا میں تم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی حمدہ کو گاڑی میں سوار کروا دوں گی۔ سلطان کو یہی پتا ہوگا کہ تم اور ڈرائیور مری کی سیر کے لیے نکلے ہو۔ ہاں اپنی تیاری کر لینا، وہاں تمہیں چند دن رُکنا ہوگا۔''بی بی جان اسے ہدایات دیتے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''آئیں میں آپ کو نیچے کمرے تک چھوڑ آؤں۔''یقیناً حمدہ نیچے ماں جی کے کمرے میں ہی ہوگی۔ اس کو دیکھنے، صرف ایک نگاہ دیکھ لینے کی خواہش اس قدر شدید تھی کہ ماں جی کے ساتھ فوراً وہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''تم سو جاؤ۔''ماں جی نے روکنا چاہا۔

''نہیں..... کچھ نہیں ہوتا۔''وہ ماں جی کو بازوؤں کے حصار میں لیے کمرے سے نکل آیا تھا۔ ماں جی اس محبت پر مسکرا دی تھیں۔

زینہ طے کر کے وہ ماں جی کے کمرے کے سامنے آ رُکا تھا۔

دروازے کے دوسری طرف وہ تھی مگر ماں جی نے دروازے کے باہر سے ہی اسے جانے کو کہہ دیا تھا، عمر کو لگا کہ وہ کنویں کے پاس پہنچ کر پیاسا لوٹایا جا رہا ہے۔ اس کے دل کی حالت عجیب سی ہوگئی۔

وہ ساری رات نہیں سو پایا تھا۔ وہ وقت سے بہت پہلے ہی اُٹھ کر تیار ہو چکا تھا۔ تین بجے کے قریب وہ نیچے آیا تو اماں باہر سے آتی دکھائی دیں۔

''بشیر (ڈرائیور) آ چکا ہے۔ اس کو ہی پتہ ہے کہ تمہارے ساتھ چند دنوں کے لیے مری جا رہا ہے، اس کو راستے میں ہی سمجھا لینا۔ حمدہ کو میں گاڑی میں بٹھا آتی ہوں، یہ کچھ رقم ہے رکھ لو، کام آئے گی۔''ماں جی اسے جلدی جلدی ہدایات دے رہی تھیں۔

''اس کارڈ پر سرگودھا جہاں پہنچنا ہے، اس جگہ کا سارا پتہ درج ہے، یہ فون نمبرز بھی ہیں۔ یہ مختار کی خالہ کا نمبر ہے وہ اچھی طرح سمجھا دیں گی۔''عمر نے اپنا سفری بیگ تھام رکھا تھا، اماں سے مل کر ان کو اچھی طرح تسلی دے کر وہ گاڑی کی طرف چلا آیا تھا، بشیر اصل صورتحال سے بے خبر تھا۔ اس نے فرنٹ ڈور کھولا تو وہ ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

سلطان بابا نے گیٹ کھول دیا تھا، بشیر نے گاڑی نکالی تو عمر نے اس دوران بھاری جیپ کے پردے برابر کر دیئے تھے۔ گاڑی کی لائٹ آف ہی تھی عمر نے موبائل کی روشنی میں دیکھا۔ حمدہ اس کے دائیں طرف اپنی مخصوص چادر اپنے گرد لپیٹے بیٹھی ہوئی تھی۔ بس اس دفعہ فرق یہ تھا کہ اس بار چادر نے اس کے وجود کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کو بھی ڈھانپ رکھا تھا۔ عمر دل کی ہزار خواہشوں کے باوجود اس کا چہرہ نہ دیکھ پایا تھا۔

''السلام علیکم!''عمر نے آہستگی سے اسے پکارا تو وہ محض سر ہلا گئی۔

''کافی لمبا سفر ہے آپ آرام وسکون سے سو جائیں۔ آپ کو باحفاظت آپ کی منزل تک پہنچانا اب ہمارے ذمہ ہے۔''عمر

نے اسی دھیمے انداز میں کہا تو حمدہ نے دوبارہ سر ہلا کر سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکا لیا۔ گاڑی گاؤں کی حدود سے نکلی تو عمر نے گہرا سانس لیا۔

''بشیر گاڑی کی لائٹس آن کر لو۔'' حفظ ماتقدم کے طور پر انہوں نے لائٹس روشن نہیں کی تھیں۔ بشیر نے عمر کے حکم پر بیرونی لائٹس کے ساتھ ساتھ اندرونی لائٹس بھی روشن کر دی تھیں۔ عمر نے دیکھا لائٹ روشن ہونے پر حمدہ نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا، وہ یقیناً خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔

''آپ رو رہی ہیں؟'' عمر کو اس کے رونے سے خاصی تکلیف ہوئی تھی۔ حمدہ نے چونک کر اسے دیکھا وہ متوجہ تھا۔ وہی نگاہ کا مخصوص تاثر...... حمدہ کا دل لرز کر رہ گیا۔ وہ لب بھینچ کر سر جھکا گئی تھی۔

بشیر بھی لائٹ آن ہونے کی وجہ سے اندرونی منظر دیکھ کر چونک گیا تھا۔ براؤن چادر میں لپٹا وجود اسے حیرت زدہ کرنے کو کافی تھا، مگر وہ اُلجھ گیا تھا بیک ویو مرر سے اس نے عمر کی طرف دیکھا مگر وہ جرأت کے باوجود پوچھنے کی ہمت نہ کر پایا۔ عمر نے اس کی توجہ محسوس کر لی تھی اور مسکرا دیا۔

''بشیر ہم مری نہیں بلکہ سرگودھا جا رہے ہیں۔ گاڑی سرگودھا روڈ کی طرف موڑ لو اور ہاں پریشان مت ہوں میں تمہیں راستے میں سمجھا دوں گا، اور گاڑی کی اندرونی لائٹ آف کر دو۔'' اس کے بعد سفر خاموشی سے کٹنے لگا تھا۔ تین گھنٹوں کے سفر کے بعد وہ گجرات دریائے چناب کا پل کراس کر رہے تھے تو وہاں ہوٹل کا انتظام دیکھ کر عمر نے گاڑی روکنے کو کہا تھا۔

''یہاں کیوں روکی ہے؟'' حمدہ نے چونک کر عمر کو دیکھا۔

''کچھ دیر یہاں ٹھہر کر فریش ہو لیں۔ سردی کی وجہ سے چائے یا کافی کی ضرورت ہوگی تو وہ پی لیتے ہیں۔'' حمدہ خاموش ہو گئی تھی اور عمر کے کہنے پر گاڑی سے نکل آئی تھی۔

عمر اسے لیے اندرونی حصے کی طرف آ گیا تھا ریسپشن پر رُک کر اس نے ایک کمرے کی چابی لی تھی۔

''آئیں میں آپ کو کمرے تک چھوڑ آتا ہوں، کچھ دیر رُک کر فریش ہو لیں۔ میں ادھر باہر ہی رہوں گا۔ اگر کچھ کھانے پینے کی ضرورت ہو تو فون کر کے روم میں منگوا لیجیے گا۔'' حمدہ، عمر کے سلجھے ہوئے انداز پر شرمندہ ہو گئی تھی۔ عمر اسے روم تک چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔ حمدہ نے فریش ہو کر منہ ہاتھ دھویا تھا، باہر ابھی کافی اندھیرا برقرار تھا۔ وضو کر کے اس نے بستر کی چادر بچھا کر پہلے نماز پڑھی تھی، ابھی وہ دُعا مانگ رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی اس نے چونک کر دروازے کو دیکھا اور پھر اُٹھ کر قریب چلی آئی۔

''جی......کون؟''

''عمر......'' حمدہ نے دروازہ کھول دیا تو عمر کے ہمراہ ویٹر بھی تھا جس کے ساتھ چائے اور کھانے کے لوازمات والی ٹرالی بھی تھی۔

عمر کے اشارہ کرنے پر ویٹر ٹرالی اندر لے آیا تھا اور پھر خاموشی سے واپس چلا گیا تھا۔ حمدہ جو چادر کا پلو ہاتھ میں پکڑے چہرے پر رکھے کھڑی تھی ویٹر کے نکلنے پر اس نے پلو گرا دیا تھا۔

''آپ نے خوامخواہ زحمت کی۔ میں کسی بھی چیز کی ضرورت محسوس نہیں کر رہی۔'' اس کے انداز میں کچھ تلخی در آئی۔
''مجھے اندازہ تھا اس لیے خود ہی منگوا لیا۔ آئیں کچھ لے لیں پلیز۔'' عمر کا انداز شائستہ تھا وہ چپ ہوگئی۔ جائے نماز والی چادر اُٹھا کر واپس بستر پر بچھا کر خود بھی بستر کے کنارے ٹک گئی تو عمر نزدیکی صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔
''ہم یہاں کب تک رُکیں گے؟''
''آپ یہ لے لیں پھر نکلتے ہیں۔'' عمر کے اشارہ کرنے پر اس نے ٹرالی اپنی طرف کھسکا لی تھی۔
چائے کے ساتھ دیگر لوازمات بھی تھے، چائے بنا کر چینی ملاتے ہوئے وہ رُکی نظر اُٹھا کر عمر کو دیکھا وہ اسی کی طرف متوجہ تھا، مسکرا دیا۔ وہی نگاہ کا دل موہ لینے والا مخصوص تاثر تھا۔
''ہاف ٹی اسپون......'' حمدہ کے اندر جھنجلاہٹ بڑی شدید تھی۔ مگر اپنے چہرے کو بمشکل نارمل کرتے چینی ملا کر کپ بغیر عمر کی طرف دیکھے اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔
''شکریہ......'' عمر نے کپ تھام لیا تھا۔ دونوں نے خاموشی سے چائے پی تھی حمدہ عمر کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی مگر گاہے بگاہے اپنے چہرے پر عمر کی پُر تپش نظروں کی حدت شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ ایسے میں اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔
''آپ کے پاس موبائل ہوگا؟'' چائے پی کر عمر نے پوچھا تو حمدہ نے چونک کر اسے دیکھا وہ سنجیدہ تھا۔
''جی ہے تو......؟'' حمدہ سوال کے پس منظر سے بے خبر تھی۔ موبائل اس کے شولڈر بیگ میں تھا اور بیگ اس نے کمرے میں آ کر بستر پر رکھ دیا تھا۔
''ذرا دیں گی۔'' حمدہ نے سر ہلا کر بیگ سے ایک معمولی سا سیٹ نکال کر عمر کی طرف بڑھا دیا۔
عمر نے موبائل لے کر پہلے تو چند منٹ اس کے تمام سسٹم کا جائزہ لیا اور پھر سم نکال کر موبائل واپس حمدہ کی طرف بڑھا دیا تھا۔ حمدہ نے تھام تو لیا تھا مگر عمر کی اس حرکت سے اُلجھ گئی تھی۔ ساتھ ہی عمر نے اپنی پاکٹ سے ایک اور موبائل سیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔
''آپ کی احتیاط کے پیشِ نظر میں نے یہ سم نکالی ہے۔ ہوسکتا ہے گاؤں سے ماں جی یا چاچی مختار آپ کے نمبر پر کال کریں تو نمبر ٹریس کروانا آسان ہو جائے گا۔ اسی لیے یہ سیٹ رکھ لیں اس میں نئی سم ہے یہ نمبر ماریہ باجی اور ماں جی کے علاوہ صرف میرے علم میں ہے اگر آپ یہ نمبر یوز کریں گی تو آپ کو پریشانی نہیں ہوگی۔'' حمدہ نے ایک گہری سانس لیا۔ اگر بات نمبر کی تھی تو وہ اپنے موبائل میں بھی استعمال کر سکتی تھی مگر ایک نیا خاصا مہنگا اور قیمتی سیٹ دینا وہ سمجھ نہ سکی تھی۔
''یہ نیو اسٹائل کا ایک کمپیوٹرائزڈ موبائل ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہے کہ آپ کو لوکیشن ظاہر کیے بغیر تمام کالز کا ریکارڈ یہ اپنے اندر محفوظ رکھتا ہے اگر گاؤں سے اس سیٹ پر کال کی جائے گی تو بھی ٹریس نہیں کی جا سکے گی۔'' عمر کی مزید وضاحت نے اسے قدرے پُرسکون کیا تھا۔
''ویسے بھی میرا یہ نمبر عام نمبر نہیں ہے۔ کوئی ٹریس کرنے کی کوشش بھی کرے تو پتا نہیں چل پائے گا۔''
''مگر آپ کیا کریں گے؟'' وہ سمجھی تھی کہ عمر نے اپنا موبائل اسے دے دیا ہے وہ مسکرایا۔

''ڈونٹ وری میرے پاس اس جیسا ایک اور سیٹ بھی ہے۔'' وہ قدرے ریلیکس ہوگئی تھی۔
حمدہ نے خاموشی سے موبائل اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا حمدہ کے اس عمل سے عمر کے اندر ایک عجیب سرخوشی سی پیدا ہوئی تھی، عمر کو ایک دم یوں لگا کہ اس نے گویا موبائل نہیں بلکہ اس کے وجود کو قبول کر لیا ہے۔
''کافی دیر ہوگئی ہے۔اب چلیں۔'' وہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

❖ ❁ ❖

اماں نے حمدہ کو اپنی خالہ اور ان کے سسرال کے متعلق اچھا خاصا بتا دیا تھا۔ وہ ان لوگوں سے مل کر نارمل ہی رہی تھی جبکہ عمر خالہ بی کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ خالہ جن کا اصل نام رخشندہ تھا وہ مختار چاچی سے سات آٹھ سال بڑی ہوں گی۔ ان کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں اور سبھی بچے شادی شدہ تھے۔ سب سے بڑے افتخار صاحب تھے جو کہ اپنے علاقے کے ایم این اے تھے۔ یہ لوگ جدی پشتی جاگیردار تھے، ان کے والد وفات پا چکے تھے اور باپ کی وفات کے بعد اب افتخار صاحب اپنی علاقائی سیٹ پر تھے۔ ان کے بعد دو بہنیں تھیں جو شادی شدہ اور گھر بار والی تھیں۔ اس کے بعد شہباز صاحب تھے۔ فیڈرل گورنمنٹ میں خاصے اونچے عہدے پر تھے اور بیوی بچوں کے ہمراہ اسلام آباد میں مقیم تھے۔ سب سے چھوٹے انس تھے جن کی حال ہی میں شادی ہوئی تھی اور فی الحال کوئی بچہ نہ تھا، یہ بھی صوبائی گورنمنٹ میں تھے۔ خود لاہور ہوتے تھے، جبکہ بیوی آبائی حویلی میں ہوتی تھیں۔ افتخار صاحب کے بھی تین بچے تھے اور سکول ایج میں تھے، دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ ان لوگوں نے حمدہ اور عمر کو ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ خاصا پروٹوکول دیا گیا تھا۔ عمر کی افتخار انکل سے اس سارے مسئلے پر ایک لمبی بات چیت ہوئی تھی جس سے عمر نے اندازہ لگایا کہ افتخار انکل کا اپنے علاقے میں اچھا خاصا ہولڈ ہے۔ ان کے اندر جاگیرداروں والا مخصوص رُعب و دبدبہ پایا جاتا تھا، انہوں نے حمدہ والے معاملے میں عمر کو بالکل بے فکر ہو جانے کو کہا تھا بلکہ وہ باقر علی کے خلاف قانونی طور پر کوئی نہ کوئی کارروائی کرنے پر بھی بضد تھے عمر نے ان کو فی الحال کوئی بھی قدم اُٹھانے سے منع کیا تھا کہ باقر علی سے اگر گفت وشنید سے معاملہ حل ہو سکتا ہے تو وہ نہیں چاہتا تھا کہ بات زیادہ بگڑے۔
اسے یہاں آئے تیسرا دن تھا حمدہ اندرونی حصے میں رہ رہی تھی جبکہ اس کا اور بشیر کی رہائش کا انتظام مردان خانے میں تھا۔ تاہم دن میں ایک بار وہ ملازمہ کو پیغام بھیج کر حمدہ کو بلوا کر ضرور مل لیتا تھا۔ یہاں آ کر حمدہ سے متعلق اس کے جذبات میں مزید شدت آئی تھی۔
اماں اور مختار چاچی سے وہ روزانہ بات کر رہا تھا۔ فی الحال وہاں کی صورتحال نارمل ہی تھی۔ باقر علی روزانہ مختار چاچی کے ہاں چکر لگا رہا تھا۔ شادی کے سلسلے میں ہر روز آ کر کوئی نہ کوئی شوشا چھوڑ رہا تھا۔ تاہم وہ ابھی تک حمدہ کی غیر موجودگی سے بے خبر ہی تھا۔ ماں جی یہاں کے حالات اچھے جان کر مطمئن ہوگئی تھیں۔ ان کا مشورہ دیا تھا کہ عمر آج کل میں اب واپس آ جائے۔ وہ مردان خانے کے کمرے میں لیٹا نجانے کیا کچھ سوچ رہا تھا جب دستک ہوئی تھی اور اس کی اجازت سے حویلی کا ایک ملازم اندر آ گیا تھا۔
''افتخار صاحب نے یاد کیا ہے آپ کو؟'' ملازم نے اطلاع دی تو اس نے آنے کا کہہ کر اسے چلتا کیا۔ افتخار صاحب باہر

گاڑیوں کے پاس کھڑے تھے، شاید کہیں جانے کا ارادہ تھا۔

''آؤ یار تمہیں کہیں گھما پھرا لائیں۔ تیسرا دن ہے تمہیں یاں آئے ابھی تک اپنا علاقہ ہی نہیں دکھایا۔'' عمر سے افتخار صاحب خاصا گھل مل گئے تھے۔ اس کے کندھے پر بازو رکھ کر بے تکلفی سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''کیوں نہیں۔'' وہ ان کے ساتھ ہی ان کی جیپ میں آ بیٹھا تھا۔ ان لوگوں کا علاقہ خاصا خوبصورت تھا، جا بجا مالٹوں کے باغات تھے، اس علاقے کی خوبصورتی شاید یہ باغات ہی تھے۔ افتخار صاحب کی اپنی زمینیں تھیں۔

''اس طرف نہر (ایک چھوٹا نالہ) کی طرف سے باغات دیکھنے والے ہیں۔ تم گھومو پھرو...... مجھے ڈیرے پر کچھ کام ہے۔ ادھر چلتا ہوں، واپسی پر ملتے ہیں۔'' افتخار صاحب کو ایک فون آ گیا تو وہ عمر کہ کہہ کر خود چلے گئے تھے۔ باغ کے ملازم اپنے کام میں مصروف تھے ایک ملازم اس کے ساتھ تھا یہ حویلی کا کوئی ملازم تھا۔

''میں دیکھ لوں گا ڈونٹ وری یار......'' ملازم ساٹھ ستر سال کی عمر کا ضعیف انسان تھا۔ کب سے ساتھ تھا۔ اب وہ تھکن محسوس کر رہا تھا۔ عمر کو اس کی تھکن کا احساس ہوا تو اسے منع کرتے خود ہی آگے بڑھ آیا۔ اس طرف چھوٹی سی نہر تھی (حرف عام میں ایسی نہروں کو نالے بھی کہا جاتا ہے) وہاں نہر کے پل کے پاس دو تین خواتین دکھائی دیں تو عمر چونکا۔ ان خواتین میں ایک حمدہ بھی تھی، ایک لڑکی ملازمہ تھی اور ایک شاید حویلی کی خواتین میں سے کوئی تھیں۔ (کیونکہ حویلی کی خواتین کو اس نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا) یہ لوگ شاید سیر کو نکلی تھیں عمر وہیں کچھ فاصلے پر رُک گیا تھا۔

''حمدہ یار! اس طرف کا پانی بہت ٹھنڈا ہے، آؤ تم بھی پاؤں لٹکا کر بیٹھو بڑا مزہ آئے گا۔'' کھنکتی آواز پر حمدہ نے مسکرا کر کانوں کو ہاتھ لگایا تھا۔

''نہیں بابا مجھے معاف کریں۔ اتنی سردی ہے آپ کے علاقے میں...... میرا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' اس نے فوراً انکار کر دیا تھا بلکہ کچھ فاصلے پر ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''اچھا...... ابھی تم نے سردی دیکھی کہاں ہے؟ کیوں زینبے حمدہ کو سردی کا نظارہ نہ کروا دیں۔'' اس خاتون کی عمر کی طرف پشت تھی، عمر خاموشی سے تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں لڑکیوں نے ایک دوسرے کو نجانے کیا اشارے کیے تھے کہ انہوں نے فوراً دونوں ہاتھوں میں پانی بھر بھر کر حمدہ کی طرف اُچھالنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس افتاد پر ایک دم گھبرائی تھی۔ پانی کے چھینٹوں سے بچنے کے لیے وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر کئی قدم پیچھے ہٹی تھی۔ عمر دیکھ رہا تھا جس طرح وہ پیچھے ہٹ رہی تھی بالکل نہر کے کنارے پر پہنچ گئی تھی۔

''حمدہ......'' عمر نے فوراً ڈر کر خاصا فاصلہ ہونے کے باوجود اسے آواز دی تھی مگر تب تک دیر ہو چکی تھی۔ حمدہ بے توازن سی ہو کر پیچھے کو گری تھی اور اگلے ہی پل وہ اس چھوٹی سی نہر کے پانی میں تھی۔

''حمدہ......'' عمر فوراً نہر کی طرف بھاگا تھا، بغیر کچھ سوچے سمجھے اس نے نہر میں چھلانگ لگا دی تھی۔ دونوں لڑکیاں چیخ چیخ کر کسی کو مدد کے لیے پکار رہی تھیں۔ عمر اچھا تیراک تھا اس نے لمحوں میں حمدہ کو جا لیا تھا۔ حمدہ پیچھے کی طرف گرتے ہوئے کسی سخت چیز سے ٹکرائی تھی، شاید کنارے پر لگے کسی پتھر سے اس نے ایک دو پل اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی تھی مگر سب بے سود تھا

بس اسے ایک دم ایسا لگا جیسے کسی نے اسے دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا ہے اس کے بعد اس کا ذہن بالکل تاریک ہو چکا تھا، عمر ایک اچھا تیراک ضرور تھا مگر حمدہ کے بے حواس وجود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ نہر اس جگہ سے خاصی دور تھی جہاں باغ میں ملازم کام کر رہے تھے ورنہ دونوں لڑکیوں کی چیخ و پکار سن کر کوئی نہ کوئی پہنچ ہی جاتا۔

عمر، حمدہ کو ایک بازو کے حصار میں لیے دوسرے بازو اور پاؤں کے ساتھ ہاتھ پاؤں مارتے قدرے کم گہرے حصے کی طرف آ گیا تھا۔ دونوں لڑکیاں بھی بھاگ کر اسی طرف آ گئی تھیں۔

''ہائے اللہ...... چھوٹی بی بی، ان کے سر سے تو خون بھی بہہ رہا ہے۔'' زینب خاصی خوفزدہ ہو گئی تھی۔ عمر دونوں لڑکیوں کا خوف دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتیں۔

''اس نے خود ہی حمدہ کی نبض دیکھی، خاصی سلو چل رہی تھی۔ اس کے سر سے بالکل اسی جگہ سے خون بہہ رہا تھا جہاں چند دن پہلے چوٹ لگی تھی، زخم تازہ تھا اس کے ٹانکے پھر کھل گئے تھے۔

''اسے کچھ ہوا تو نہیں؟'' ازکئی مسلسل رو رہی تھی۔

''فی الحال تو کچھ نہیں کہہ سکتے؟'' مگر تشویش تو بہر حال ہے۔ آپ لوگ اگر رونے دھونے کے بجائے میری مدد کریں، حمدہ کا پیٹ دبا کر پانی نکالیں تو شاید ہوش آ سکتا ہے۔'' عمر نے جھنجلا کر کہا تو ازکئی نے فوراً آنسو صاف کرتے اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ زینب اس کے پاؤں ملنے لگ گئی تھی۔ عمر اس کے چہرے کو دیکھتے مسلسل اس کی نبض تھامے بیٹھا تھا۔

''حمدہ......'' وہ ساتھ ساتھ اس کو آوازیں دے رہا تھا۔ اس کا چہرہ تھپتھپا رہا تھا۔

''آپ وہی ہیں نا جو حمدہ کے ساتھ آئے تھے؟'' ازکئی اپنے حواس پر کچھ حد تک قابو پا چکی تھی۔ اس کے سوال پر عمر نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ موسم خاصا سرد تھا۔ حمدہ اور عمر دونوں بھیگے ہوئے تھے۔ حمدہ کے ہونٹ گہرے نیلے ہو چکے تھے۔ اس کا سارا جسم سرد پانی کی وجہ سے برف ہو رہا تھا۔ ان تینوں کی کوششوں سے کچھ منٹ بعد حمدہ نے کراہ کر آنکھ کھول لی تھی۔

''آپ ٹھیک ہیں نا...... کیسا فیل کر رہی ہیں آپ؟'' عمر پوچھ رہا تھا وہ چند پل تو اسے دیکھے گئی اور پھر جب اسے صورتحال کا احساس ہوا تو کچھ پل قبل پیش آنے والا حادثہ پوری جزئیات کے ساتھ ذہن کی اسکرین میں تازہ ہوا تو خوفزدہ ہو کر عمر کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور پھر بُری طرح رو دی۔

''ٹیک اٹ ایزی...... خطرے کی کوئی بات نہیں۔'' عمر نے اسے دلاسہ دینا چاہا وہ مکمل طور پر کانپ رہی تھی۔ حمدہ نے اُٹھ کر بیٹھنا چاہا تو ازکئی اور عمر نے فوراً دائیں بائیں سے سہارا دے کر بٹھایا۔ بلکہ عمر نے اس کی کمر کے گرد بازو پھیلا کر بیٹھنے کو ٹیک فراہم کی تھی۔

''میں ڈرائیور کو فون کرتی ہوں وہ زمینوں کی طرف ہے۔ ہم اسی کے ساتھ آئی تھیں اور پھر پیدل یہاں سے آئی تھیں۔'' ازکئی نے ڈرائیور کو کال کی تھی اور اسے فوراً نہر کے پاس پہنچنے کو کہا تھا۔

حمدہ اس قدر خوفزدہ تھی کہ مسلسل عمر کا ہاتھ تھامے اس کے سہارے بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیور فوراً پہنچا تھا۔ ازکئی اور عمر کے سہارے سردی سے کانپتی بدحواسی کی کیفیت میں وہ گاڑی میں سوار ہوئی تو گاڑی حویلی کی طرف تیزی سے روانہ ہوئی تھی۔

حمدہ نے اس حادثے کا اچھا خاصا اثر لیا تھا۔ وہ مسلسل بیہوش تھی۔ حویلی پہنچنے تک وہ پتا نہیں کیسے حواس میں رہی تھی، رخشندہ خالہ تو اس کی کنڈیشن دیکھ کر اور حادثے کی خبر پا کر اپنی بہو اور ملازمہ پر جو برہم ہوئیں وہ ایک طرف فوراً افتخار صاحب کو فون کیا تھا اور ساتھ ہی ڈاکٹر کو بھی کال کی تھی۔ ڈاکٹر نے آ کر چیک کرنے کے بعد دوائی لکھ دی تھی۔ حمدہ حادثے کے زیر اثر خوف کا شکار تھی۔ ڈاکٹر نے اس کی اسٹیچنگ کر کے سر کی مرہم پٹی کر دی تھی۔

عمر مسلسل اس کے کمرے میں تھا۔ کئی بار افتخار صاحب نے اُسے دلاسہ دیا تھا اور جا کر آرام کرنے کو کہا تھا کہ بہرحال اس قدر شدید سردی میں وہ بھی گیلا ہوا تھا مگر عمر لباس بدل کر واپس حمدہ والے کمرے میں آ گیا تھا اور جب تک اسے مکمل طور پر ہوش نہیں آ جاتا وہ اب اس کے پاس سے ہلنے والا نہ تھا۔

افتخار صاحب ان کی بیگم اور بچے تک حمدہ کی وجہ سے پریشان تھے۔ ازکیٰ اور زینب اپنی جگہ شرمندہ تھیں۔ ان لوگوں نے لوگوں کو یہ قطعی نہیں بتایا تھا کہ ان کی شرارت کی وجہ سے حمدہ نہر میں گری تھی۔ عمر نے بھی اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی تھی بس یہی کہا تھا کہ وہ پاؤں پھسلنے سے نہر میں گر گئی تھی اور ان کے شور پر عمر نے فوراً موقع پر پہنچ کر اسے نکالنے کی کوشش کی تھی۔

ڈاکٹر کی کوششوں سے اس کی حالت قدرے بہتر ہوئی تو سبھی نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ عمر ابھی تک گم صم تھا۔ ڈاکٹر کے انجکشنز کی وجہ سے وہ سو گئی تھی تو سبھی اس کے پاس سے ہٹ گئے تھے تاہم ازکیٰ اور رخشندہ خالہ وہیں تھیں۔

''بیٹا جاؤ تم بھی کھانا کھا لو اور آرام کر لو۔ یہ اب بہتر ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔'' رخشندہ خالہ عمر کی فکرمندی پر خاصی متاثر ہوئی تھیں۔ انہوں نے محبت سے کہا تو ناچار عمر کو اُٹھنا پڑا۔

کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے ایک بار پلٹ کر حمدہ کے چہرے کو ضرور دیکھا تھا۔ اس کے سر پر بندھی پٹی نے اسے لب بھینچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے واپس اپنے رہائشی کمرے میں آ گیا تھا۔

''اسے رہ رہ کر حادثے کی تمام جزئیات یاد آ رہی تھیں۔ اگر وہ وہاں نہ ہوتا اور خدانخواستہ حمدہ کو کچھ ہو جاتا تو......'' اس تصور سے ہی عمر کو اپنے دل کی دھڑکن بند ہوتی محسوس ہوتی تھی۔

وہ اس قدر شدید محبت کرنے لگ گیا تھا کہ اب لگتا تھا کہ اگر کسی دن اس کا چہرہ دیکھنے کو نہ ملا تو وہ سانس بھی نہ لے پائے گا۔ عمر اپنے جذبات و احساسات پر خود بھی حیران و ششدر تھا۔ اس نے تمام تر زندگی اس قدر محتاط انداز میں گزاری تھی کہ زندگی میں ''محبت'' جیسی حماقت کا تصور بھی کہیں نہ تھا۔

اس کی ماں جی اپنے چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں۔ ماں باپ نے بے انتہا ناز و نعم میں پالا تھا۔ اس کے نانا ایک درمیانے درجے کے کاشت کار تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے سے کئی گنا امیر دولت مند دوست کے بیٹے سے بڑی دھوم دھام سے کی تھی۔ مگر بیٹی کی قسمت کہ شوہر عیاش نکلا تھا۔ وہ کسی ایک عورت تک صبر کر کے بیٹھے رہنے والا انسان نہ تھا۔ کچھ عرصے بعد ہی ماریہ پیدا ہوئی تو بھی شوہر کی فطرت نہ بدلی اور پھر ایک دن حد ہو گئی ان کے شوہر ایک اور بیوی بیاہ لائے، نجانے وہ عورت کون تھی، کہاں کی تھی، ماں جی کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔ شوہر کی عیاش فطرت اب تک میکے والوں سے چھپا رکھی تھی مگر

اب بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوٹا تھا۔ ان کے بھائی اور باپ کے لیے بیٹی کی سوتن برداشت کرنا ناممکن تھا اور نتیجتاً چند سال بعد ہی میکے آ گئی تھیں۔ عمر کی ولادت میکے میں ہی ہوئی تھی اور پھر ایک دن شوہر نے طلاق بھجوا دی تو ماں جی کی گویا دنیا ہی اُجڑ گئی تھی۔ ایسے عالم میں بابا جان نے ان کا بہت ساتھ دیا تھا۔ ماں جی کے حق مہر میں ہی ان کے نام اچھی خاصی زمین لکھوائی گئی تھی اور طلاق کی صورت میں ان کی ملکیت میں آ گئی تھی۔ بڑے دونوں بھائیوں نے عدالت میں دعویٰ کر کے اس زمین پر قبضہ لے لیا تو دونوں خاندانوں میں ایک دشمنی سی چل نکلی۔ عمر کے والد ہاشم صاحب کے لیے زمین پر قبضہ لے لینا ایک چیلنج تھا انہوں نے بھی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ ان کے بچے ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔ تاہم عدالت کی طرف سے اتنے چھوٹے بچوں کو باپ کے حوالے نہ کرنے کا جب فیصلہ ہوا تو بڑے سرفراز ماموں نے ایک اور فیصلہ بھی کیا، انہوں نے اپنے سب سے بڑے بیٹے ذوالفقار بھائی کا نکاح ماریہ باجی سے کر دیا اور عمر کو عدالت کی طرف سے ملنے والی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی لے کر وہ پوری فیملی سمیت امریکہ میں سیٹل ہو گئے۔ ماں جی نے اپنی ساری زندگی بڑی اذیت اور مشقت میں گزاری تھی۔ بڑے سرفراز بھائی کے علاوہ باقی تینوں بھائیوں کی طرف سے ان کی ذات کو کبھی کوئی سکھ حاصل نہ ہوا تھا۔ جب تک نانا جان زندہ رہے ماں جی اور وہ چھوٹی حویلی میں مقیم رہے جبکہ باقی تینوں بھائی اپنی بیویوں کے ساتھ بڑی حویلی میں شفٹ ہو گئے جو گاؤں سے قدرے ہٹ کر تھی۔ دوسرے نمبر والی ممانی اور سب سے چھوٹی ممانی دونوں بہنیں تھیں اور یہ دونوں بہنیں باقر علی کی بہنیں تھیں۔ باقر علی اکلوتا بھائی تھا۔ شروع سے ہی روپے پیسے کی ریل پیل نے اچھا خاصا بگاڑ ڈالا تھا۔ جس کی انتہائی حد اب حمدہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی صورت تھی۔

ذوالفقار بھائی نے جیسے ہی ایم بی بی ایس مکمل کیا تھا ان کی ماریہ باجی کے ساتھ فوراً شادی کر دی گئی تھی۔ ماریہ باجی آج کل لاہور میں مقیم تھیں کہ وہاں ذوالفقار بھائی کا ذاتی کلینک تھا۔ امریکہ میں عمر نے سرفراز ماموں کے زیر سایہ تربیت پائی تھی۔ سرفراز ماموں ایک بہت اصول پرست خاندانی وقار کو اہمیت دینے والے مذہبی انسان تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد کے ساتھ ساتھ عمر کی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی تھی۔ امریکہ جیسے آزاد معاشرے میں زندگی کے مدارج طے کرتے ہوئے کئی مواقع ملے بھٹکنے کے لیے مگر ماموں کی تربیت اتنی مضبوط تھی کہ قدم کبھی لڑکھڑائے ہی نہ تھے۔ اس نے عورت کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ امریکہ میں عورت کو جس طرح استعمال کیا جاتا تھا اس کے باوجود اس نے ہمیشہ عورت ذات کو عزت دی تھی اس کے نزدیک عورت ایک بہت سنبھال سنبھال کر رکھنے والی شے ہے۔ بہت قابل عزت اور قابل احترام ہستی۔

عمر کے نزدیک اپنی ماں ایک ماڈل ہستی تھیں اور ماریہ باجی اس کے لیے بہت خاص ہستی تھیں، ان دونوں کے علاوہ اس نے جس عورت کی سب سے زیادہ عزت کی تھی وہ اس کی ممانی تھیں، جنہوں نے اس کو اپنے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ پھر ان کی بیٹیاں تھیں، جنہیں اس نے ہمیشہ ماریہ باجی جیسا مقام دیا تھا، مگر پاکستان آتے ہی جس طرح حمدہ نے پہلی نگاہ میں اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اس کے دل میں جو مقام حاصل کر لیا تھا وہ آج تک کوئی اور عورت حاصل نہ کر پائی تھی۔ وہ صرف اس کے لیے بیقرار بے چین ہی نہ تھا بلکہ وہ اس کے تمام مسائل کو بھی حل کرنا چاہتا تھا اور اس طرح حل کرنا چاہتا تھا کہ عمر کی محبت کی وجہ سے اس شفاف بے داغ وجود پر کوئی الزام نہ آئے اس کی شخصیت اسی طرح روشن رہے۔ کہنے کو وہ ماں جی کے سامنے اپنے دل کی خواہش

بیان کرسکتا تھا مگر خاموش تھا تو صرف اس لیے کہ وہ حمدہ کی طرف سے اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ اگر وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھائے تو وہ رد تو نہیں کرے گی۔ اگر وہ مان گئی تو اس کے لیے باقر علی سے لڑنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔

صرف حمدہ کے وجود کی کشش نے ہی اسے اسیر نہیں کیا تھا بلکہ اس کے کردار با وقار انداز اور رکھ رکھاؤ نے بھی اسے متاثر کیا تھا۔ وہ پہلی نگاہ کی محبت کا شکار ہوا تھا۔ آج حمدہ کو اس حالت میں دیکھ کر اس کا دل بے انتہا بیقرار تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ حمدہ کے وجود کی ساری تکلیف اپنے جسم پر لے لے۔ اس کے سارے مسائل بانٹ لے۔ مگر وہ بے بس تھا۔ نجانے وہ کیا سوچتی ہوگی؟ اس کے متعلق اس کی کیا رائے ہوگی؟ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ باقر علی کی حرکتوں کی وجہ سے وہ شادی جیسے بندھن سے ہی خوفزدہ ہو چکی ہے۔ جس طرح ماریہ باجی کے بتانے پر کہ اس کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی ایسے عالم میں ایسی لڑکی پر کیا بیتی ہو گی جس کے نکاح سے کچھ پل پہلے اس کے ہونے والے شوہر کو اغوا کر لیا جائے اور پھر قید میں ڈال کر دھمکیاں دی جائیں۔ اس کی نہ صرف شادی رکوادی جائے بلکہ آئندہ کے لیے اس کی ازدواجی زندگی کے تمام خوشگوار خواب بھی نوچ دیئے جائیں۔

وہ سمجھ سکتا تھا کہ حمدہ کی خاموشی کے پیچھے کیا اسباب کارفرما ہیں؟ وہ اتنی سنجیدہ اور ریزرو کیوں رہتی ہے؟ وہ کون سے عوامل ہیں، جنہوں نے اسے چپ سادھنے پر مجبور کر دیا ہے؟ وہ اتنی خاموش کیوں رہتی ہے؟ ورنہ اس نے کئی بار اپنی نگاہ کے تاثر پر اسے چونکتے اور اُلجھتے دیکھا تھا۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی جارہی تھی۔ مگر عمر ہاشم کے اندر سوچوں کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے تھے۔

❖ ❁ ❖

وہ صبح سویرے مہمان خانے سے نکل کر اندرونی حصے کی طرف چلا آیا تھا، صبح صبح کا وقت تھا، حمدہ کی فکر میں وہ ساری رات نہیں سو پایا تھا۔ اب بھی اندر اطلاع بھجوائے بغیر اس طرف چلا آیا تھا۔ لان میں اسے ازکئی مل گئی تھیں اسے دیکھ کر مسکرادیں۔

''السلام علیکم!'' عمر نے پہل کی۔

''وعلیکم السلام۔''

''حمدہ کیسی ہے؟'' عمر نے فوراً اصل بات پوچھی۔

''کل سے خاصی بہتر ہے۔'' ازکئی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں؟'' وہ جس طرح کل سارا وقت پریشان رہا تھا ازکئی تب ہی اُلجھ گئی تھی مگر اب صبح سویرے اسے دوبارہ دیکھ کر اور اب اس کی پریشانی ملاحظہ کر کے ضرور چونکی تھی۔

''وائے ناٹ......شیور......آئیں......'' اپنی چادر سنبھالتی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ اسے لے کر حمدہ والے کمرے میں آ گئی تھی۔

حمدہ اکیلی تھی۔ بستر پر کندھوں تک لحاف ڈالے سو رہی تھی۔

''آپ پلیز بیٹھیں۔'' عمر نے بستر کے نزدیک رکھی کرسی سنبھال لی تھی۔

''یہ اب بہتر ہے۔ سرد پانی اور پھر گرنے کے خوف کی وجہ سے نیم غنودگی میں رہی تھی۔ اب تو خاصی بہتر حالت میں ہے۔

اگر آپ بات کرنا چاہیں تو میں جگا دیتی ہوں۔'' ازکئی نے بستر کے کنارے بیٹھتے ہوئے کہا تو عمر نے منع کر دیا۔
''نہیں رہنے دیں میں بس دیکھنے آیا تھا۔''
''آپ ریلیٹوز ہیں آپس میں؟'' ازکئی نے پوچھا۔
''جی...... ماں جی کے کزن کی بیٹی ہیں یہ...... حمدہ کی والدہ بھی ماں جی کے ننھیالی رشتہ داروں میں سے ہیں۔''
''اوہ......'' ازکئی نے ہونٹ سکیڑے جبکہ عمر ازکئی کی موجودگی کی وجہ سے محتاط تھا، اس نے حمدہ کی طرف دیکھنے سے خصوصی طور پر احتراز برتا کہ کہیں ازکئی اس کی نگاہ کا تاثر نہ پڑھ لیں۔
اس دوران حمدہ نے کروٹ بدلی اور پھر آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ شاید دونوں کی آوازوں سے ڈسٹرب ہوگئی تھی۔ اس نے پہلے ازکئی اور پھر عمر کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گزرے کئی پل ایک رنگین فلم کی طرح گزرنے لگے۔
وہ گری تھی، گہرے یخ پانی میں، اس کے سر پر چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے حواس بے قابو ہوگئے تھے، لمحوں میں اس کے ہاتھ پاؤں بے جان ہونے لگے تھے، وہ تیرنا نہیں جانتی تھی مگر اس کے باوجود وہ ڈوبنے سے خود کو بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی اور پھر اس نے کسی کو پانی میں چھلانگ لگاتے دیکھا تھا، وہ پانی کے بہاؤ میں ڈوب رہی تھی۔ جب عمر ہاشم نے اس کے قریب آ کر اسے ڈوبنے سے بچانے کے لیے اس کو تھاما تھا۔ عمر ہاشم کے حصار میں آتے ہی اسے لگا تھا کہ وہ اب ڈوبے گی نہیں مگر سرد پانی اور سر کی چوٹ نے اس کے حواس چھین لیے تھے۔
اس کے بعد اسے جب ہوش آیا تھا عمر اور ازکئی نے اسے سہارا دیا ہوا تھا۔ وہ لوگ اسے لے کر گاڑی میں سوار ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ ساری رات نیم غنودگی اور کچھ نیند کی کیفیت میں بس ہر بار گرنے اور اس کے بعد کے واقعات کو ہی خواب و خیال میں دیکھتی رہی تھی اور ہر بار جو احساس اسے شدت سے اپنے حصار میں لے لیتا تھا وہ یہی تھا کہ عمر کے حصار میں آ کر وہ بالکل پُرسکون ہو جاتی تھی وہ اب ڈوبے گی نہیں۔ یہ شخص اسے ڈوبنے نہیں دے گا۔ یہ ایسا تو قوی احساس تھا کہ ہر بار وہ صرف اسی چہرے کو اپنے اطراف میں دیکھتی رہی تھی مختلف روپ میں، مختلف انداز میں، غنودگی اور نیم غنودگی دونوں حالتوں میں بس اسے صرف یہی چہرہ نظر آ رہا تھا اور اب آنکھ کھلتے ہی اسے یہی چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اسے لگا وہ جیسے خواب دیکھ رہی ہے۔
''عمر......'' اس کے لب ہلے اور اس نے لاشعوری طور پر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جیسے وہ اس کے موجود ہونے کا یقین چاہتی ہو۔
ازکئی کی موجودگی میں عمر ہاشم، حمدہ کی اس حرکت پر خجل سا ہو گیا تھا تاہم ازکئی سے نظر چراتے اس نے حمدہ کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام ضرور لیا تھا۔
''میں جب بھی ڈوبنے لگوں گی آپ مجھے ہر بار بچا لیں گے نا؟'' عمر کو لگا وہ ابھی تک نیم غنودگی کی کیفیت میں ہے۔ اوپر سے اس کے الفاظ...... عمر کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کرتے وہ حواس میں قطعی نہیں لگ رہی تھی۔
خدانخواستہ...... یہ حادثہ تھا، اور ایسے ناخوشگوار حادثے بار بار ہونا کوئی پسند نہیں کرتا۔ آپ بتائیں ٹھیک ہیں۔ اب طبیعت کیسی ہے؟ کیا فیل کر رہی ہیں؟'' عمر نے بھی ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے حقیقت کا احساس دلاتے کہا تو وہ چونکی۔

یوں لگا وہ ایک دم خواب سے بیدار ہوئی ہے۔ عمر کے ہاتھ کے لمس نے گویا اس کے وجود میں ہی نہ صرف برقی رو دوڑا دی تھی بلکہ اس کے سوئے حواسوں کو بھی جگا دیا تھا اس نے دم اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔
از کئی اس سارے وقت محض خاموش تماشائی تھی مگر ایک پل میں بہت کچھ محسوس کر گئی تھی۔ خصوصاً عمر ہاشم کی آنکھوں کا تاثر۔
''عمر صاحب تشریف رکھیے۔ میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔'' وہ اب مزید رُکے بغیر تیزی سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ حمدہ کا خفت و شرمندگی سے بُرا حال تھا۔
''آپ نے بتایا نہیں کیسا فیل کر رہی ہیں آپ؟'' عمر بڑے ریلیکس موڈ میں کرسی کی پشت سے کمر ٹکائے پوچھ رہا تھا۔
''جی بہتر ہوں۔''
''ہوسکتا ہے میں آج گاؤں چلا جاؤں۔ صبح صبح ماریہ باجی کی کال آگئی تھی دو دن پہلے ماں جی کی طبیعت خراب ہے، انہیں سخت بخار ہے۔ ماریہ باجی رات سے گاؤں آئی ہوئی ہیں۔ ماں جی کی طرف سے مجھے خاصی تشویش ہو رہی ہے۔ اگر آپ چاچی کے نام کوئی پیغام دینا چاہیں تو؟'' حمدہ نے عمر کو دیکھا وہ متوجہ تھا وہ نگاہیں جھکا گئی۔
''میں آپ کے ساتھ واپس جانا چاہتی ہوں۔ کل والے واقعے کے بعد مجھے اماں بہت یاد آ رہی ہیں۔ میں اب مزید یہاں نہیں رُک سکتی۔ یہ اجنبی لوگ، آپ بھی چلے گئے تو میں کیسے رہوں گی اندھر......'' وہ اس کے چلے جانے کا سن کر ایک دم خوفزدہ ہو گئی تھی۔
''میرا جانا تو مجبوری ہے۔'' عمر نے ہلکا سا مسکرا کر کہا۔
''یہ لوگ اچھے اور ملنسار ہیں۔ میں ان کو اچھی طرح پرکھ چکا ہوں۔ یہاں چند دن رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ میں واپس جا کر چاچی کو یہاں کے حالات کا تفصیل سے بتاؤں گا تو وہ مطمئن ہو کر خود بھی آ جائیں گی۔'' عمر کے تسلی دینے پر وہ خاموش ہو گئی تھی یوں جیسے وہ عمر سے بحث کرنے سے احتراز برت رہی ہو۔
''حمدہ! ایک سوال کا جواب دیں گی؟ دونوں کے درمیان چند پل بالکل خاموشی رہی تھی۔ عمر کے الفاظ پر اس نے چونک کر عمر کو دیکھا۔
''جی......؟''
''باقر علی کے علاوہ کسی اور کا نام آپ کے سامنے رکھا جائے تو کیا قبول کر لیں گی؟'' بہت نپے تلے اور سنجیدہ الفاظ میں پوچھ رہا تھا۔ حمدہ نے اُلجھ کر اسے دیکھا پھر جب سمجھی تو لہجے میں تلخی اُتر آئی۔
''جس لڑکی کی بارات آ کر بغیر شادی کے واپس لوٹ جائے اس لڑکی کی پھر اپنی کوئی مرضی نہیں رہتی۔ میں یہاں کیوں ہوں، آپ بے خبر تو نہیں؟'' وہ بولی تو لہجہ خاصا تلخ تھا۔
''ہر بار تو ایسا نہیں ہوتا بلکہ......'' عمر نے مزید کچھ کہنا چاہا تو حمدہ نے تیزی سے بات کاٹ دی۔
''جب تک باقر علی زندہ ہے تب تک تو ایسا ہی ہوا ہے اور ہوتا رہے گا، عثمان جیسا شخص تو صرف مجھ سے شادی کرنے کے

جرم میں یرغمال بنایا گیا تھا مگر ایسے بہت سے لوگ خاندان میں اور باہر کے لوگ ہیں جنہیں ہمارے گھر پہنچنے سے پہلے ہی ہراساں کر دیا جاتا رہا ہے آپ باقر علی کو نہیں جانتے، وہ کس قماش کا شخص ہے، آپ نہیں جانتے اور مجھ جیسی لڑکی سے شادی شاید کوئی پاگل شخص ہی کرنے کی ہامی بھرے تو بھرے......" وہ تلخی سے کہتی اپنا ہی مذاق اُڑا رہی تھی۔ اس کی آواز میں خود اذیتی اور نمی کا احساس بس گیا تو عمر کو دُکھ ہوا۔

"اگر وہ پاگل شخص عمر ہاشم ہو تو؟" بہت سنجیدگی سے کہتے عمر نے حمدہ کا چہرہ بھی دیکھا، پہلے تو وہ بات سمجھی ہی نہیں اور پھر جب بات سمجھی تو ایک دم بستر پر اُٹھ بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا تھا۔

"جی......ای؟" وہ عمر کی نگاہوں کے تاثر سے ضرور اُلجھی تھی مگر عمر اس حد تک سنجیدہ ہو سکتا ہے اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔

اس کے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ عمر ہاشم اسے پروپوز کرے گا۔

"یہ کیسا مذاق ہے؟" وہ خاصی ناگواری سے بولی تھی۔

"یہ مذاق نہیں میری زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے۔ پتا نہیں آپ اس بات پر یقین کریں گی یا نہیں مگر یہ سچ ہے آپ سے میں Love in first sight والے معاملے کا شکار ہوں۔ میں نے ایک خاصی پریکٹیکل زندگی گزاری ہے مگر آپ کے معاملات میں اپنے جذبات کو میں نے اپنے اختیارات سے باہر محسوس کیا ہے۔ میں محض لفاظی نہیں کر رہا، حمدہ رئیلی میں آپ کو اپنانا چاہتا ہوں۔ آئی وانٹ ٹو میری یو......" وہ سنجیدہ تھا۔

حمدہ بے یقین نگاہوں سے عمر ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو کل والی حالت میں دیکھ کر میں نے رات ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ مجھے آج واپس جانا ہے۔ میں چاچی، ماں جی اور ماریہ باجی وغیرہ کو لے آکر آؤں گا۔ مجھے آپ سے شادی کرنی ہے۔" اب کے بڑا اٹل اور فیصلہ کن انداز تھا۔

حمدہ حیرت سے منہ کھولے عمر ہاشم کے اٹل فیصلہ کن انداز کو دیکھ رہی تھی۔

"میں محض لفاظی نہیں کر رہا، یہ وعدہ سمجھ لیں یا کچھ بھی...... باقر علی جیسے لوگوں سے نبٹنا میرے لیے قطعی مشکل نہیں...... میں محض اس لیے خاموش ہوں کہ میں نہیں چاہتا کہ آپ کے کردار پر کوئی اُنگلی اُٹھائے۔ میں آپ کو مکمل تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کروں گا۔" حمدہ نے لب بھینچ لیے۔

"یہ ناممکن ہے۔ میرے اور آپ کے درمیان؟" اس نے کچھ اور بھی کہنا چاہا تھا کہ عمر نے ہاتھ اُٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

"فیصلہ کرنے کی قطعی جلدی مت کریں۔ جب تک چاچی نہیں آجاتیں اس بارے میں سوچنے میں کوئی حرج نہیں اور ایک بات طے ہے اگر چاچی مختار نے ہاں کہہ دی تو آپ کے انکار کو میں نہیں مانوں گا۔ آپ یہاں اسی لیے بھیجی گئی ہیں کہ یہ لوگ کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر بات طے کر دیں اور چاچی آکر اس کو اوکے کر کے شادی کر دیں گی اور آپ کو کیا فرق پڑتا ہے وہ کوئی بھی شخص ہو۔"

"آپ میں اور کسی بھی ایکس وائے زیڈ میں بہت فرق ہے۔" حمدہ نے خاصا غصے سے کہا تو عمر مسکرا دیا۔ اسے حمدہ کے اس

طرح کے ری ایکشن کی توقع تھی۔

''مثلاً......''

''آپ اور میرے درمیان......'' ابھی اس نے کہنا شروع کیا تھا کہ ازکئی دروازے پر دستک دیتی اندر چلی آئی تھی۔

''اُمید ہے میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا۔'' وہ پوچھ رہی تھی حمدہ بس لب بھینچ کر بیٹھی رہی۔

''میں چلتا ہوں حمدہ! میں ناشتہ کرتے ہی گاؤں کے لیے روانہ ہو رہا ہوں۔ اپنا موبائل آن رکھیے گا، رابطہ کرتا رہوں گا۔'' ازکئی کے آنے کی وجہ سے جو بات ادھوری رہ گئی تھی اس کو اسی طرح چھوڑ کے وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپ اپنے گاؤں واپس جا رہے ہیں؟'' ازکئی نے فوراً اندازہ لگایا تو عمر نے سر ہلا دیا۔

''جی......''

''چند دن اور رُکتے۔'' اس نے مہمان نوازی نبھائی۔

''نہیں......ادھر حویلی میں ماں جی بیمار ہیں۔ ماریہ باجی کی کالز آ رہی ہیں۔ میرا وہاں پہنچنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی ایک بہت ضروری کام ہے۔'' جواب دیتے اس نے حمدہ کو بھی دیکھا وہ سر جھکا گئی۔

''او کے جی...... چلتا ہوں اب......حمدہ! اب اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ میں جلد ہی آنے کی کوشش کروں گا۔ او کے اللہ حافظ۔''

وہ خصوصاً حمدہ سے کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا اور حمدہ ایک دم بڑے نڈھال سے انداز میں دوبارہ بستر پر گر گئی تھی۔

❖ ❁ ❖

عمر کو رستے میں ہی ماریہ باجی نے کال کر کے اطلاع کر دی تھی کہ ماں جی کی طبیعت خراب ہونے پر وہ اور ذوالفقار بھائی ان کو شہر کلینک میں لے آئے تھے۔ ماں جی ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں اکثر ان کا بلڈ پریشر شوٹ کر جاتا تھا، عموماً اکثر ایسا پریشانی کی حالت میں ہوتا تھا، عمر سیدھا کلینک ہی پہنچا تھا۔ شام تک اماں کی طبیعت سنبھلی تو ماریہ باجی ان کو اپنی طرف لے آئی تھیں۔ رات انہوں نے ادھر ہی گزاری تھی۔ صبح ناشتے کی میز پر ماریہ باجی ذوالفقار اور عمر تینوں ہی تھے۔ ماں جی اپنے کمرے میں تھیں۔

''ماں جی کا بی پی اچانک کیسے شوٹ کر گیا۔ خیریت تھی نا؟'' ناشتہ کرتے ماریہ باجی کو دیکھا۔

''بس گاؤں میں دونوں ماموؤں نے حویلی آ کر بہت باتیں کی تھیں۔ وہی زویا والے رشتے کا مسئلہ؟ ماں جی نے مجھے زیادہ تو کچھ نہیں بتایا پرسوں صبح مختار چاچی نے کال کی اور ذکر کیا پھر شام تک ماں جی کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی، میں ذوالفقار کو لے کر فوراً پہنچی، اگلی صبح تمہیں فون کرنے کے بعد ان کو لے کر شہر آ گئی تھی۔ کل سارا دن وہ کلینک میں ذوالفقار کی نگہداشت میں رہی ہیں تو کچھ طبیعت سنبھلی ہے۔'' عمر کے لیے اپنے ماموؤں کے رویے خاصے تکلیف دہ تھے۔ بہت تعجب سے وہ ماریہ باجی کی باتیں سن رہا تھا۔

''مگر کیوں......رشتہ کرنا یا نہ کرنا ہماری اپنی صوابدید پر ہے۔ رشتے سے انکار بڑے ماموں کی بیٹی کے لیے ہوا ہے، باقی دونوں کو کیا ہوا ہے؟''

''یہی تو مسئلے ہیں کہ منجھلے ماموں نہ تین میں نہ تیرہ میں، بس خاموش ہیں چونکہ بڑے ماموں کی بیٹی ہے اور چھوٹے ماموں کی بیگم کی بھانجی اور ہماری دونوں ممانیوں میں بڑا ایکا ہے اور ان کے زعم کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ یہ لوگ باقر علی کی غنڈہ گردیوں کو بہادری اور مردانگی کے زمرے میں شمار کرتی ہیں اور ہمارے ماموں صاحبان بیویوں کی عقل سے فیصلے کرنے والے انسان ہیں انہیں یہ تھا کہ تم باہر سے پڑھ کر آئے ہو، نانا مرحوم اور پھر اپنے ہمارے والد کی طرف سے جو تھوڑی بہت زمین ہمیں ملی ہوئی ہے اس کو بنیاد کر تمہیں وہ بہلا پھسلا کر کاروبار کرنے کی آفر کریں گے اور جب زمین داری کا معاملہ ختم ہو جائے گا تو بیٹی کا رشتہ دے کر تمہیں اپنے ماتحت کرنے کی کوشش کریں گے۔ جبکہ ایسا نہیں ہو رہا تو انہوں نے ماں جی کو بہت کچھ سنایا ہے۔'' ماریہ باجی تو بھری بیٹھی تھیں۔ عمر منظر سے غائب رہنے کی وجہ سے یہاں کے حالات سے یکسر بے خبر رہا تھا اس کے لیے اپنے ماموؤں کی یہ اندرونی چپقلش خاصی حیران کن تھی۔

ماں جی نے اسی بات کی سخت ٹینشن لی ہے کہ انہوں نے ساری عمر اپنے بھائیوں کے آسرے پر گاؤں میں زندگی گزار دی۔ تمہاری جدائی میں ورنہ جس طرح شروع سے ہی ماموں سرفراز ماں جی کو اپنے ساتھ امریکہ لے جانے کی کوششوں میں سرگرداں رہے تھے اب ہم وہاں ہوتے تو اچھے خاصے سیٹل ہو چکے ہوتے۔ تم ماموں کے ساتھ مل کر اپنا کاروبار کر رہے ہوتے۔ مگر ماں جی کو یہ تھا کہ یہ اپنا وطن ہے، باپ دادا کی جگہ ہے، مرحوم نانا کو ماں جی تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ نانا جی نے اپنی زندگی میں ہی اپنی بیٹی اور چاروں بیٹوں کو حصے دے کر فارغ کر دیا تھا۔ ماموں سرفراز باہر چلے گئے باقی تینوں نے مل کر کاروبار شروع کر لیا۔ بڑے ماموں کچھ زیادہ لمبے ہاتھ مارنے کے چکر میں رہے ہیں ہمیشہ سے، انہوں نے حمدہ کے والد چاچا طفیل کو یوں ہاتھوں میں لیا کہ ان سے نہر کے اس طرف اور پولٹری فارم والی ساری زمین اونے پونے داموں میں خرید لی۔ آج وہاں ان کا فش فارم اور پولٹری فارم کروڑوں کا بزنس کر رہا ہے اور جو اصل حقدار ہیں وہ رُل رہے ہیں ان پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔'' عمر اس سلسلے میں خاموش رہا، ذوالفقار بھائی بھی خاموش تھے۔

''اب کیا ہوگا، ماں جی گاؤں جائیں گی یا پھر ادھر ہی رہنا ہے؟'' عمر نے پوچھا۔

''نہیں گاؤں ہی جائیں گی۔ ہم نے جائز الفاظ میں رشتہ لینے سے انکار کیا ہے۔ کسی کے گھر میں ڈاکہ نہیں ڈالا کہ چھپ کر بیٹھیں۔ ماں جی کی طبیعت سنبھل گئی ہے۔ جیسا تم مناسب سمجھو کر لو، وہ تو وہاں تنہا تھیں تو مختار چاچی نے فون کر کے مجھے بلوا لیا۔ دو تین دن سے تم سے بات ہو رہی تھی تم نے بھی ذکر نہیں کیا کہ تم مری گئے ہوئے ہو۔ وہ تو گاؤں پہنچ کر علم ہوا کہ تم تین چار دن سے مری گئے ہوئے ہو۔'' عمر نے چونک کر ماریہ باجی اور ذوالفقار بھائی کو دیکھا، وہ اس کی غیر موجودگی کی وجہ سے بے خبر تھے اس کا مطلب تھا کہ ماں جی اور چاچی نے ماریہ باجی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ مری نہیں سرگودھا میں تھا۔

''مختار چاچی کیسی ہیں؟''

''بظاہر تو ٹھیک ہیں۔ مجھے ماں جی کی پریشانی لگی رہی مگر وہاں کے حالات کچھ ٹھیک نہیں لگے۔ اماں زلیخا نے ہی ذکر کیا تھا کہ حمدہ کہیں غائب ہے۔ چاچی مختار کہتی ہیں کہ وہ نگہت کے پاس گئی ہوئی ہے دو تین دن سے مگر باقر علی نے سارے گاؤں میں کچھ اور ہی مشورہ کروا دیا ہے۔ پھر ماں جی کی طبیعت پریشانی لگ گئی تو مجھے خود سے چاچی یا پھر ماں جی سے خصوصی طور پر پوچھنے کا

وقت ہی نہیں ملا۔''

''اوہ......'' عمر کے لیے یہ نئی صورتحال تھی، ماں جی نے فون پر ان حالات کا ذکر نہیں کیا تھا۔

''اور چاچی مختار اس وقت کہاں ہیں؟''

''ہماری حویلی ہی میں ہیں۔ اماں زلیخا نے ہی ذکر کیا تھا کہ دو دن پہلے رات اندھیرے باقر علی چند مردوں اور ایک دو عورتوں کو لے کر چاچی مختار کے گھر میں زبردستی گھس گیا تھا، نجانے اسے کیسے شک ہو گیا تھا کہ حمدہ گاؤں میں نہیں ہے اور پھر اس نے سارے گھر کی تلاشی لی، تلاشی سے پہلے چاچی باقر علی کے سامنے ہی کہتی رہیں کہ حمدہ گھر پر ہی ہے، مگر بعد میں کہنے لگیں وہ نگہت کے ہاں چلی گئی ہے۔ باقر علی کو شک ہو گیا ہے کہ اس بار چاچی نے حمدہ کو کہیں روپوش کر دیا ہے تاکہ اگلے ماہ شادی نہ ہو سکے۔ اس نے گھر کا سامان توڑ ڈالا، اچھا خاصا شور شرابہ کیا گاؤں کے لوگ اُٹھ کر فوراً موقع پر پہنچے تو سب کے سامنے اس نے واضح الفاظ میں چاچی کو دھمکی دی کہ اگر چند دن میں حمدہ گھر نہ پہنچی تو وہ نگہت کے سسرال میں دھاوا بول دے گا۔ ماں جی چاچی کو حویلی میں لے آئی ہیں۔ اماں زلیخا تو یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ ہماری دونوں ممانیاں اپنے تئیں چند رشتہ دار عورتوں کے ذریعے پتہ کروا چکی ہیں کہ وہ نگہت کے پاس نہیں ہے۔ اب وہ کہاں ہے؟ یہ تو چاچی مختار بتا سکتی ہیں۔'' عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ ذوالفقار بھائی ناشتہ ختم کر کے چلے گئے تھے۔

''حمدہ، نگہت کے پاس واقعی نہیں وہ سرگودھا میں ہے۔'' عمر نے بڑے پُرسکون انداز میں بتایا تو ماریہ کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

''کیا کہہ رہے ہو۔ واقعی......مگر تمہیں کس نے بتایا ہے؟''

''میں مری نہیں سرگودھا گیا ہوا تھا۔ میں ہی ماں جی اور چاچی مختار کے کہنے پر حمدہ کو وہاں چھوڑ کر آیا ہوں۔'' عمر نے مزید انکشاف کیا۔

''یہ کیا قصہ ہے۔ سرگودھا میں چاچی مختار کا کون ہے کس کے پاس حمدہ کو چھوڑ کر آئے ہو؟'' ماریہ باجی کا تشویش سے بُرا حال ہوا۔

عمر نے تمام صورتحال سے آگاہ کر کے تمام تفصیلات بتا ڈالیں۔

''تمہیں یقین ہے کہ چاچی کے اتنے عرصے بعد ملنے والی اس خالہ کی فیملی بھروسے لائق ہے۔ اسے وہاں کوئی نقصان تو نہیں ہوگا نا۔'' تمام صورتحال جاننے کے بعد اک نئی فکر لاحق ہوئی۔

''مجھے انسانوں کی بے شک بہت پہچان نہیں مگر جتنی بھی زندگی گزاری ہے اس کی روشنی میں میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ حمدہ کے معاملے میں قابل بھروسہ ہیں۔''

''دیکھو ماں جی نے بھی مجھے کچھ نہ بتایا میں اب تک یہی سمجھتی رہی ہوں کہ تم مری سیر کے لیے گئے ہوئے ہو۔'' عمر آہستگی سے مسکرا دیا۔

''مجھے حمدہ والے سلسلے میں ہی آپ سے ایک اور بہت ہی اہم بات کرنی ہے۔ ماں جی سے تفصیلاً ذکر کرنے سے پہلے آپ

سے ذکر کرلوں تو بہتر ہے۔''
''کوئی خاص بات ہے؟'' وہ فوراً متفکر ہوئیں۔
''جی......''
''حمدہ کو وہاں کس لیے بھیجا گیا ہے آپ کو تفصیل بتا تو دی ہے میں نے۔'' ماریہ نے سر ہلا دیا۔
''وہ لوگ میری توقع کے برعکس کافی اچھے رہے ہیں۔ اسی لیے میں مطمئن ہو کر واپس آیا ہوں۔ ہوسکتا ہے ادھر کے بگڑے حالات کو دیکھتے چاچی مختار حمدہ کی شادی کرنے کا ارادہ کرلیں، ویسے بھی انکل افتخار نے مجھے یقین دلایا تھا کہ حمدہ اب ان کی ذمہ داری ہے، ہم لوگ بے فکر رہیں، وہ چند ایک جاننے والوں سے رشتے کا ذکر کرتے ہیں شاید کہیں اچھی جگہ بات بن جائے۔''
''ارے یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔'' ماریہ باجی خوش ہوئیں تو عمر نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔
''میں اسی سلسلے میں آیا ہوں۔ میں حمدہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''
''عمر......'' عمر کے انکشاف پر ماریہ باجی کافی حد تک مہر بہ لب رہی تھیں۔
''کیا میں نے بہت ناجائز بات کہہ دی ہے۔'' ماریہ کی خاموشی پر عمر نے کریدا۔
''نہیں...... مجھے یقین نہیں آرہا۔ تم نے ہمیشہ سے ایک مختلف زندگی گزاری ہے، میں سوچ رہی ہوں کہ تم نے یہ فیصلہ کیونکر کیا؟ میں مانتی ہوں حمدہ بہت زیادہ خوبصورت ہے مگر شادی کرنے کے لیے خوبصورتی مین وجہ تو نہیں بن سکتی۔ پھر جس طرح حمدہ کے حالات رہے ہیں اور باقر علی والی صورتحال ہی دیکھ لو، ایسے میں تمہارا یہ فیصلہ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کس طرح کاری ایکٹ کروں۔ کیا تم واقعی سیریس ہو یا محض مذاق کررہے ہو یا حمدہ کے ساتھ وقتی ہمدردی کے جذبات رکھتے ہوئے اتنا بڑا فیصلہ کیا ہے؟'' عمر نے ایک گہری سانس لیا۔
''میں نے بیشک ہمیشہ سے ایک بہت مختلف زندگی گزاری ہے مگر اپنا اصل کبھی نہیں بھولا۔ ماموں کے زیر سایہ پرورش پاتے ہوئے بھی میں نے نہ یہاں کے حالات کبھی فراموش کیے اور نہ ہی یہاں کے طور طریقے۔ حمدہ بیشک بہت خوبصورت ہے اور اس کے حالات کو دیکھتے ہوئے میں اس کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں کررہا، میں واقعی سیریس ہوں یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ میں مذاق کروں۔ آئی تھنک آئی فال ان لو ود ہر۔''
''کیا؟'' ماریہ باجی حیرت سے اپنے خوبرو بھائی کو دیکھ رہی تھیں۔
''ماریہ باجی کیا اپ لو ان فرسٹ سائٹ (پہلی نگاہ کی محبت) پر یقین کرتی ہیں؟'' ماریہ خاموش رہی تو عمر نے مسکرا کر ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔
''آپ کو شاید یاد ہو میں نے حمدہ کو دیکھتے ہی کہا تھا کہ یہ خاصی خوبصورت لڑکی ہے وہ میری پہلی نگاہ تھی اس نگاہ میں، میں نے محض حمدہ کی خوبصورتی نہیں دیکھی تھی اس کے کردار کا وہ پہلو دیکھا تھا جو اس کی ذات کے رکھ رکھاؤ اور وقار پر مشتمل تھا، براؤن چادر اپنے اطراف میں لپیٹے وہ سب میں ایک دم نمایاں اور باوقار تھی۔ اس کی خوبصورتی، اس کے اطوار اس کا ماں جی کے پاس دھیمے اور سلجھے ہوئے انداز میں بیٹھ جانا، ماریہ باجی یہی وہ پہلی نگاہ تھی جس نے مجھے چونکا دیا تھا اور اس کے بعد جب بھی حمدہ کا چہرہ

نگاہوں کے سامنے آیا یوں لگا کوئی اَن دیکھی کشش مجھے اس کی طرف کھینچ رہی ہے۔'' ماریہ حیران وششدر اپنے بھائی کا دیوانہ پن دیکھ رہی تھی۔

''باجی! وہ ایک اشارہ کرے تو میں اس کے لیے آگ میں کودنے کو تیار ہوں ہے تو یہ غیر عقلمندی والی بات مگر باقر علی سے دشمنی مول لینا ایسا ہی ہے اور میں حمدہ کی خاطر سب جھیلنے کو تیار ہوں۔ میں حمدہ کو مکمل عزت مان اور محبت بھری رفاقت دینا چاہتا ہوں، بولیں باجی! کیا میں غلط ہوں؟'' ماریہ نے ایک گہرا طویل سانس لیا۔

''حمدہ ایک بہت اچھی سلجھی ہوئی ایجوکیٹڈ لڑکی ہے۔ چاچی نے اس کی تربیت بڑے ناز و نعم میں کی ہے مگر حالات وواقعات نے بیچاری کو ٹھوکروں پر رکھ لیا ہے۔ مجھے حمدہ اور چاچی سے دلی لگاؤ ہے میری دلی خواہش تھی کہ حمدہ کی جہاں بھی شادی ہو وہاں وہ پوری عزت اور مان کے ساتھ سر اُٹھا کر جیے۔ اسے زندگی کی تمام خوشیاں ملیں، ہمارے ماموؤں اوران کے سالے صاحب کی طرف سے جو بھی زیادتیاں ہوئی ہیں ان کا ازالہ ہو جائے، مجھے خوشی ہو رہی ہے مگر اچھی طرح لوچ لو کہ کہیں تمہیں بعد میں اس فیصلے پر پچھتانا نہ پڑ جائے۔ کیونکہ حمدہ سے شادی کی صورت میں سب سے پہلے ہمارے ماموں ہی تمہارے خلاف کھڑے ہوں گے۔''

''میں ہینڈل کرلوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔ بس آپ اتنی فیور کر دیں کہ ماں جی اور چاچی سے ساری بات کرلیں۔ حمدہ وہاں تنہا ہے میں چاہتا ہوں کہ جتنی جلدی ممکن ہو، یہ معاملہ نبٹ جائے، ایک دفعہ حمدہ کے ساتھ میرا نام جڑ گیا تو پھر بعد میں باقر علی جیسے لوگوں سے نبٹنا میرے لیے قطعی مشکل نہیں۔'' عمر کا لہجہ ہمیشہ سے زیادہ مضبوط اوراٹل تھا ماریہ باجی نے مسکرا کر سر ہلایا۔

❖ ❁ ❖

ماریہ باجی نے ماں جی اور چاچی سے بات کی تھی، چاچی مختار کی شادی پر مرگ والی کیفیت تھی۔ اگلے تین چار دن میں اس معاملے کو کیسے نبٹایا جائے بس اسی سلسلے میں گفت وشنید ہوتی رہی تھی۔ ماں جی نے امریکہ ماموں سرفراز سے بات کر کے باقاعدہ صلاح مشورے کے بعد ہی یہ طے کیا کہ یہاں سے یہ سب لوگ بالکل خاموشی سے سرگودھا جائیں گے اور وہاں سے نکاح کے بعد واپس آجائیں گے بعد میں باقر علی کو علم ہو بھی گیا تو معاملے کو حل کرنے کی کوشش کی جائے گی اگر صلح صفائی سے باقر علی مان گیا تو ٹھیک ورنہ پھر افتخار صاحب خود ہی کوئی لائحہ عمل ترتیب دے لیں گے۔ اس ساری منصوبہ بندی کے دوران سبھی نے رازداری کا مکمل طور پر خیال رکھا، ماں جی شہر میں ہی تھیں۔ مختار چاچی کو بھی شہر بلوا لیا گیا تھا۔ ماں جی کو حویلی سے کچھ ضروری اشیاء درکار تھیں جو کہ انہوں نے عمر کی دلہن کے لیے زیورات اور لباس وغیرہ کی صورت تیار کروا رکھی تھیں وہ بھی ماریہ باجی ذوالفقار بھائی کے ساتھ جا کر ساتھ میں چاچی مختار کو بھی لے آئی تھیں۔ مختار چاچی نے اپنی دونوں بیٹیوں اور دامادوں سے اس رشتے کے متعلق ذکر کیا تھا اور پھر سارا لائحہ عمل طے کرنے کے بعد ان لوگوں نے سرگودھا اطلاع کر دی تھی۔

حمدہ کے لیے ابھی تک عمر کی پسندیدگی والا انکشاف ہی خاصا حیران کن تھا اوپر سے ایک دم یہ نئی صورتحال عمر نے جانے کے بعد اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا حتیٰ کہ ایک کال تک بھی نہیں کی تھی۔ گاؤں میں ہونے والی تمام صورتحال اسے پتا چل گئی تھیں مگر بعد میں ہونے والی منصوبہ بندی سے وہ بے خبر ہی تھی کہ رات کو ازکیٰ نے آ کر اسے یہ اطلاع دی تھی کہ گاؤں سے یہ سب لوگ آج

یہاں سرگودھا پہنچنے والے ہیں عمر کے لیے اس کا پروپوزل اماں نے قبول کرلیا ہے اور اسی سلسلے میں آج نکاح کی رسم ادا کی جائے گی۔ وہ ساری رات پریشان رہی تھی۔

وہ بار بار اماں سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ادھر سے کوئی بات ہی نہیں کرتا تھا۔ بس اماں نے ایک بار ہی کال کر کے کہہ دیا کہ وہ وہاں آ کر اسے ساری صورتحال سمجھا دیں گی۔ یہ لوگ دوپہر کو یہاں پہنچے تھے۔ ان لوگوں کے ہمراہ حمدہ کی دونوں بہنیں اور ان کے شوہر بھی تھے، اماں، ماریہ باجی ان کے شوہر بی بی کے علاوہ چند اور جاننے والے بھی تھے جن میں ایک دو گاؤں کے معتبر بزرگ تھے۔ یہ سب بی بی کے حامی تھے۔ یقیناً عمر لوگوں کے ساتھ ہی آئے تھے۔ ماں جی خاصی پُرسکون تھیں جبکہ ماریہ اور حمدہ کی دونوں بہنیں خاصی خوش لگ رہی تھیں۔ نکاح کی تقریب شام کے وقت تھی اور اس وقت وہ اماں کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھی اس ساری صورتحال پر اُلجھ رہی تھی۔

''اماں بھلا یہ کہاں ممکن ہے؟ ہمارا اور ان کا کوئی جوڑ نہیں..... کہاں وہ لوگ اور کہاں ہم؟ اماں یہ سب طے کرنے سے پہلے مجھے کچھ تو بتایا ہوتا؟''

''ٹھیک کہا تم نے..... مگر میں ماں ہوں تمہارے لیے مجھے کسی ایسے ہی خاندان کی تلاش تھی، بی بی سے میری آج کی رشتہ داری نہیں کہ میں انکار کر دیتی۔ وہ لوگ بہت محبت اور خوشی سے یہ سب کر رہے ہیں۔ ہم تم اور وہ ایک ہی خاندان کا حصہ ہیں۔ رشتہ داری ہے ہماری آپس میں، اگر تمہارے باپ کی یہ حرکتیں نہ ہوتیں تو اللہ نے بہت کچھ دے رکھا تھا، زمین، جائیداد، حویلی، دولت، کوئی کمی نہ تھی اور عمر لاکھوں میں بہتر ہے تم اپنے دل سے یہ خیال نکال دو یہ لوگ بہت محبت اور خوشی سے تمہیں اپنا رہے ہیں۔'' اماں نے اس کو سمجھانا چاہا۔

''وہ سب ٹھیک ہے مگر جب ہمارے پاس سب کچھ تھا تب ہماری حیثیت بھی اور تھی، اماں یہ باقر علی کے نام کی شہرت مجھے جیتے جی مار ڈالنے کو کافی ہے۔ باقر علی کا حوالہ سن کر لوگ میرا نام لیتے اور یہ لوگ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، جب گاؤں میں پتہ چلے گا تو بہت ہنگامہ ہوگا'' وہ انتہائی پریشان تھی۔

''تم دل سے سب واہموں کو نکال کر پُرسکون ہو جاؤ۔ جب تک تمہاری ماں زندہ ہے وہ کسی کو بھی تمہاری طرف میلی نگاہ سے بھی نہیں دیکھنے دے گی۔ وہ سب کچھ تمہاری بہتری اور بھلائی کے لیے ہی کر رہی ہوں۔ پھر افتخار نے بھی تسلی دی ہے کہ اگر ایک دفعہ نکاح ہو گیا تو ہماری قانونی حیثیت مستحکم ہو جائے گی تب باقر علی نے اگر کوئی اوچھی حرکت کی بھی تو ہم اس قابل ہو سکیں گے کہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکیں۔'' اماں بہت پُرامید تھیں وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر ماریہ باجی اور نگہت وغیرہ کے آ جانے سے بات ٹل گئی تھی۔

''ہم تمہارے لیے شہر سے آتے ہوئے یہ سب لے کر آئے ہیں۔'' نگہت باجی نے ایک خاصا بھاری خوبصورت کام والا جوڑا اس کے سامنے پھیلا دیا تھا۔ سوٹ کافی پیارا تھا حمدہ کی نگاہیں ایک پل کو سوٹ پر جم سی گئی تھیں۔

''میں نے اور نگہت نے آتے ہوئے عمر کو ساتھ لے کر یہ سوٹ خریدا تھا پیارا ہے نا؟'' ماریہ اس کی توجہ محسوس کر کے ایک دم خوش ہو کر پوچھ رہی تھی۔ حمدہ محض سر ہلا گئی۔

یہ سب کچھ اس قدر عجلت اور افراتفری میں ہو رہا تھا کہ حمدہ کو اپنے احساسات کی خود بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی، خصوصاً عمر ہاشم جیسے اعلیٰ اور مکمل شخصیت رکھنے والے انسان کا تصور ہی مقابل کو شکست تسلیم کر دینے پر مائل کر سکتا تھا۔

شام تک ماریہ باجی نگہت اور ازکیٰ نے مل کر اسے مکمل طور پر دلہن کے روپ میں سجا دیا تھا۔ ایجاب و قبول کے مراحل طے کرتے وقت وہ شدت سے روئی تو سبھی کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

حمدہ نکاح کے کچھ دیر بعد ہی اندر کمرے میں آ گئی تھی۔ ماریہ نے روایتی نندوں کی طرح حمدہ سے چھیڑ چھاڑ تو نہیں کی تھی تاہم وہ آتے جاتے جن نظروں سے دیکھ رہی تھیں حمدہ مسلسل پزل ہو رہی تھی۔

''تم بیٹھو تمہارے لیے کھانے پینے کو کچھ لاتی ہوں۔'' اسے بٹھا کر ازکیٰ باہر نکل گئی تو وہ گم صم سی بیٹھی اس ساری صورتحال پر مسلسل غور کرنے لگی۔ تبھی اس کے سرہانے پڑا موبائل بجنے لگا۔ حمدہ نے چونک کر موبائل کو دیکھا یہ عمر ہاشم کا دیا ہوا موبائل تھا۔ موبائل کی اسکرین پر جگمگانے والا نمبر دیکھ کر وہ چونکی تھی۔

''عمر کالنگ......'' کے حروف واضح تھے۔ اس دن صبح عمر کے واپسی جانے کے بعد وہ لاشعوری طور پر اس کی کال کی منتظر رہی تھی مگر کوئی کال نہ آئی تھی مگر اب عمر کا نام دیکھ کر وہ اُلجھ گئی۔ کچھ دیر قبل نکاح کی رسم ہوئی تھی اور اب یہ کال آ گئی تھی اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کرے؟ حمدہ نے خاموشی سے موبائل تھام کر کان سے لگا لیا۔

''السلام علیکم......'' عمر کہہ رہا تھا، حمدہ کو اپنی ہتھیلیاں بھیگتی محسوس ہوئیں۔

نکاح کے بعد اس شخص سے بات کرنا...... حمدہ کے اندر ایک دم ڈھیروں شرم نے ڈیرہ جمایا۔

''حمدہ؟'' وہ پکار رہا تھا، وہ تب بھی خاموش رہی۔ لب شرم و حیا سے ساکت رہ گئے۔

''مجھے پتا ہے آپ سن رہی ہیں......کیسی ہیں آپ؟ طبیعت ٹھیک ہے؟'' عمر کی وہی مخصوص بھاری سحر طرز آواز کانوں میں گونجی تو اس نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا، وہاں سے ماریہ باجی ازکیٰ کے ہمراہ اندر آ رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے کال کاٹ کر موبائل گود میں رکھ لیا۔

''کیا ہوا......کس کی کال تھی؟'' ماریہ باجی نے اس کا شرم سے سرخ چہرہ دیکھا۔ تبھی موبائل پھر بجنے لگا تھا۔ ماریہ کی طرف سے نظریں چراتے اس نے پھر کال کاٹ دی۔

''کہیں عمر تو کال نہیں کر رہا؟'' اس کے سرخ رُخسار دیکھتے ماریہ نے تکا مارا تو وہ مزید سرخ پڑ گئی۔ ماریہ باجی کھل کر ہنس دیں۔

''ابھی عمر نے مجھے بھی کال کی تھی۔ باہر کھانا کھایا جا رہا ہے وہ تمہیں دیکھنا چاہتا ہے۔ کیا خیال ہے بلا لوں؟''

''ماریہ باجی پلیز......'' انہوں نے محبت سے اسے اپنے بازو کے حصار میں لے لیا

''وہ بہت بے چین ہو رہا ہے۔ صرف ایک جھلک دیکھنا چاہتا ہے۔ میں نے کہہ دیا اپنی بیگم سے پوچھ لو اگر وہ ملنے پر آمادہ ہو جائیں تو میں ملاقات کا انتظام کر دیتی ہوں۔''

''مجھے نہیں ملنا......'' ماریہ نے ازکیٰ کو دیکھا وہ معنی خیز انداز میں ہنس دیں۔

''مگر ہم تو ملاقات کروانے کا وعدہ کر بیٹھے ہیں۔'' حمدہ کو اپنے ہاتھ پاؤں یخ ہوتے محسوس ہوئے۔

''یار میرا بھائی اتنا ڈراؤنا نہیں کہ تم یوں خوفزدہ ہو جاؤ۔'' ماریہ نے اسے چھیڑا۔

''میرے لیے یہ سب قبول کرنا بہت مشکل ہے۔ابھی میں کسی کا بھی سامنا نہیں کر سکتی۔'' حمدہ کی آنکھوں سے دھیرے سے آنسو بہہ نکلے۔ماریہ نے آہستگی سے گلے لگا کر دلاسہ دیا۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی تو ازکئی نے اُٹھ کر دیکھا عمر ہاشم کو دیکھ وہ مسکرا دی۔

حمدہ بھی اسے دیکھ کر متوحش ہو گئی۔ازکئی کے راستہ دینے پر وہ اندر آ گیا تھا۔حمدہ نے فوراً دوپٹے کے زرتار پلو میں اپنا منہ چھپا لیا۔ماریہ کی ہنسی نکل گئی۔وہ اسے خود سے جدا کرتے کھڑی ہو گئیں۔حمدہ خاصی پریشان ہو گئی تھی۔

''ہم باہر ہی ہیں۔عمر زیادہ پریشان نہیں کرنا۔'' حمدہ اور عمر کو ایک ساتھ کہہ کر وہ ازکئی کو لیے باہر نکل گئی تھیں۔

عمر نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا تو حمدہ کو اپنا دل بھی بند ہوتا محسوس ہوا۔دوپٹے کا کنارہ مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑ کر چہرے کے گرد کر لیا۔کامداری سرخ دوپٹے کی اوٹ میں وہ سر جھکائے عمر ہاشم کو مسکرانے پر مجبور کر گئی تھی۔

کئی دن ہو گئے تھے اس نے اسے نہیں دیکھا تھا اس کی آواز نہیں سنی تھی وہ پچھلے دنوں اتنا بزی رہا تھا کہ کال کرنے کا وقت بھی نہیں ملا تھا۔وہ جاتے ہوئے اسے کہہ کر بھی گیا تھا کہ وہ موبائل آن رکھے وہ کال کرے گا مگر پھر نہ کر پایا اور اب جب سے وہ ادھر تھا نجانے کیسے خود کو روک رکھا تھا، ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کو دیکھنے پہنچ جائے اور اب جبکہ اس کے جملہ حقوق عمر ہاشم کے نام محفوظ ہو چکے تھے وہ اس کے وجود پر مکمل ملکیت کا حق رکھتا تھا تو بھی اس سے ملنے سے پہلے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔

''السلام علیکم......'' وہ اس کے سامنے آ رُکا تو حمدہ ساکت سی سر جھکائے اسی طرح سرخ دوپٹے کی اوٹ میں بیٹھی رہی۔عمر اس کے سامنے بستر پر ٹکا تو اس نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

''کیسی ہیں آپ؟'' عمر پوچھ رہا تھا حمدہ پر گھبراہٹ طاری ہو چکی تھی۔اس نے غیر محسوس انداز میں پیچھے سرکنا چاہا تو عمر نے ایک دم اس کا ہاتھ تھام کر اس کی کوشش ناکام بنا دی تھی۔حمدہ نے تڑپ کر دیکھا مگر دوپٹے کی اوٹ سے وہ مقابل کے تیور نہ جانچ پائی۔

''میں زیادہ دیر نہیں رُکوں گا بس تھوڑی دیر کے لیے صرف آپ کو دیکھنے آیا ہوں۔'' اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے عمر نے مسکرا کر کہتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے مضبوطی سے دوپٹے کے کنارے کو تھامے ہاتھ کو پکڑ کر اس کا چہرہ اپنے سامنے کیا تھا حمدہ عمر کی اس جسارت پر بس لحظہ بھر کو دیکھ پائی تھی۔وہ آنکھوں میں جذبوں کا ایک جہاں آباد کیے نہایت وارفتہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔حمدہ کا دل بڑے زور سے دھڑکنے لگا۔

حمدہ نے پلکوں کی جھالر گرا لی تو عمر کے ہاتھوں میں جکڑے اپنے دونوں ہاتھ بھی کھینچ لیے۔عمر جو اس قدر شدت سے اسے دیکھ رہا تھا اس کے ہاتھ کھینچنے پر چونک گیا۔حمدہ حسین تھی مگر اس وقت دلہناپے کی تمام تر سج دھج لیے وہ اس کی ساری سدھ بدھ کھوئے دے رہی تھی۔

''حمدہ! آپ بہت پیاری لگ رہیں۔'' حمدہ جو اس کی نظروں سے پہلے ہی خائف ہو رہی تھی اب ایک دم ٹپٹا گئی۔ اس قدر والہانہ پن اس قدر بے ساختگی؟

''آپ خوش ہیں نا؟'' وہ پوچھ رہا تھا، وہ بس سر جھکائے بیٹھی رہی۔

وہ ایک دفعہ پہلے بھی دلہن بنی تھی مگر تب نکاح سے پہلے ہی اس کی سج دھج اُجاڑ دی گئی تھی اور آج اس کی زندگی میں یہ دن دوسری بار آیا تھا۔ دوسری بار کسی مرد کے نام پر وہ پور پور سجائی گئی تھی مگر اس وقت وہ اپنی حالت پر خود ہی گھبرا رہی تھی۔ اس کے دل کے اندر خوشی کے بجائے خوف، ڈر اور گھبراہٹ کا عنصر غالب تھا۔ ماضی میں اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہو چکا تھا ان لمحوں میں وہ چاہ کر بھی ماضی کو فراموش نہیں کر پا رہی تھی۔

''میں آپ کی فیلنگ سمجھ سکتا ہوں۔ مجھے اندازہ ہے کہ آپ کے لیے یہ سب فوراً قبول کرنا مشکل ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلدی اس رشتے پر دل سے خوشی محسوس کریں گی۔ میں نے آپ کو پہلی نگاہ میں دیکھنے کے بعد آپ سے محبت کا رشتہ باندھا تھا، آج آپ میری زندگی کا حصہ ہیں۔ یقین کریں میں بہت خوش ہوں۔'' وہ کہہ رہا تھا، حمدہ خاموش رہی۔

''آپ کچھ نہیں کہیں گی؟'' اس کے ہاتھ کو محبت سے تھام کر وہ کہہ رہا تھا۔

''کیا کہوں؟'' حمدہ نے سر اُٹھا کر عمر کو دیکھا اور ہنس دیا۔

''جو بھی آپ کے دل میں ہے۔ اس وقت جو بھی محسوس کر رہی ہیں۔'' محبت سے ہاتھ دبا کر اس کو بولنے پر اُکسایا۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے اگر باقر علی کو پتہ لگ گیا تو؟'' عمر ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

''تو اچھی بات ہے نا میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ بہت جلد یہ معاملہ سلجھ جائے۔ باقر علی نے جو بھی اسٹیپ لینا ہے جلد از جلد لے۔ آپ اب میری بیوی ہیں اگر وہ کسی زعم میں آ کر کچھ غلط کرے گا تو اس کا خمیازہ بھی بھگتے گا۔ آپ کی جان کا تحفظ اب میری ذمہ داری ہے اگر مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں تو بس یہی کہوں گا کہ بے فکر ہو کر آنے والی نئی زندگی کے متعلق خوشگوار انداز میں سوچیں۔ ان شاء اللہ میں آپ کو زندگی کے کسی بھی قدم پر تنہا نہیں چھوڑوں گا۔'' عمر کے الفاظ حمدہ کے اندر ایک یقین بن کر اُترے تھے۔ ایک دھیمی سی مسکان اس کے لبوں پر آٹھہری جسے عمر ہاشم نے بھی فوراً محسوس کر لیا اس کی حوصلہ افزائی ہوئی تھی گویا۔

''آپ کے لیے یہ چھوٹا سا تحفہ لایا تھا۔ اگر قبول کر لیں تو گی تو عنایت ہو گی۔'' عمر ہاشم نے پینٹ کی جیب سے ایک خوبصورت بریسلیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا، حمدہ نے ٹپٹا کر عمر اور پھر تحفے کو دیکھا۔

''اس کی کیا ضرورت تھی؟'' وہ لینے میں تامل برت رہی تھی۔ عمر نے مسکرا کر خود ہی حمدہ کا ہاتھ تھام کر نہایت آہستگی سے بریسلیٹ پہنا دیا۔

عمر کے ہاتھ میں اس کا نرم و نازک ہاتھ لرز رہا تھا۔ بریسلیٹ پہنا کر عمر نے ایک دو پل حمدہ کی لرزتی پلکوں کو دیکھا اور پھر جھک کر بہت نرمی سے اس کے ہاتھ کو پر حدت ہونٹوں سے چھوتے ہوئے اس کے وجود کو بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔ حمدہ اس سب کے لیے قطعی تیار نہ تھی اچھی خاصی حواس باختہ ہو گئی تھی۔

''آپ میری زندگی کا سب سے بڑا سچ ہیں حمدہ! آپ کی محبت میری رگوں میں خون کی مانند سرائیت کر رہی ہے۔ حالات

کچھ بھی ہوں میں کبھی بھی کسی بھی موڑ پر آپ کو تنہا نہیں ہونے دوں گا۔ میری محبت میرے خلوص پر اعتبار کیجیے گا۔'' بہت محبت و اپنائیت سے کہتے نہایت استحقاق بھرے انداز میں اس کے چہرے پر اپنا پُر حدت لمس چھوڑ کر سب کہہ کر عمر ہاشم چلا گیا تو بھی حمدہ اپنی جگہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔

اگلے دن صبح صبح یہ لوگ رُخصت ہو رہے تھے، پروگرام کے مطابق یہ طے پایا تھا کہ جب تک معاملہ حل نہیں ہوگا حمدہ اور چاچی مختار ادھر ہی رُکیں گی باقی لوگ رُخصت ہو رہے تھے۔ صبح سے عمر کی کئی کالز آ رہی تھیں مگر کل نکاح کے بعد عمر سے ہونے والی ملاقات کے بعد حمدہ اس کی کوئی کال ریسیو نہیں کر رہی تھی جیسے ہی ماریہ باجی اور بی بی حمدہ کی بہنیں سب اس سے مل کر اس کے کمرے سے نکلیں عمر کے میسجز آنے شروع ہو گئے تھے۔

''میں آپ کو ایک بار جانے سے پہلے دیکھنا چاہتا ہوں حمدہ پلیز باہر لان میں آئیں یا پھر میری کال پک کریں۔'' حمدہ میسج پڑھ کر مسکرا دی۔

حمدہ کو لگا گویا ایک دم زندگی میں سارے غموں کی تلافی ہو گئی ہے۔ سارے زخموں پر مرہم رکھ دیا گیا ہے۔

''میں نہیں آ سکتی۔'' اس نے میسج کر دیا۔

''تو پھر ٹھیک ہے میں خود اندر آ جاتا ہوں۔'' فوراً جواب ملا تھا۔ وہ ہنس دی۔

ایک دو پل سوچنے کے بعد وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔ اماں اور حویلی والے سب کو رُخصت کرنے باہر صحن میں آئے ہوئے تھے۔ بی بی خالہ بی سے مل رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے اماں کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ ماریہ باجی اسے دیکھ کر مسکرا دیں اور محبت سے اس کا بازو تھام لیا۔

''اپنا خیال رکھنا اور پریشان نہیں ہونا۔ ہم کوشش کریں گے کہ اب جلد از جلد یہ معاملہ ہینڈل ہو جائے پھر تمہیں بڑی دھوم دھام سے رُخصت کروا کر اپنی حویلی لے کر جائیں گے۔'' وہ اسے چھیڑ رہی تھیں وہ جھینپ گئی۔

بی بی نے بھی اسے دوبارہ گلے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا تو اس کے اندر کا اعتماد کئی گنا بڑھا۔ ان لوگوں کے ساتھ ہی چلتے وہ سیڑھیوں تک چلی آئی تھی آگے لان تھا، جہاں گیٹ کے قریب عمر اور ذوالفقار بھائی اپنی اپنی گاڑیوں کے پاس کھڑے تھے۔ حمدہ نے چہرہ پھیر لیا تھا۔ عمر کی نگاہوں کا وہی مخصوص تاثر اس وقت اُلجھانے کے بجائے بڑے خوبصورت انداز میں دل دھڑکانے کا سبب بن گیا تھا

"تبھی موبائل میں میسج ٹون بج اُٹھی اس نے ہاتھ میں پکڑا موبائل دیکھا، عمر کا میسج تھا۔

''تھینکس ......'' وہ سر جھکائے مسکرا دی۔ گاڑیاں گیٹ سے نکلیں تو وہ حویلی والوں کے ہمراہ اندر چلی آئی۔ بظاہر اسے افسردہ ہونا چاہیے تھا مگر وہ مطمئن تھی اسے یقین تھا کہ جس طرح قسمت نے ایک دم پلٹا کھایا ہے اب وہ دن دور نہیں ہوگا۔ جب وہ باقر علی کے عفریت سے نجات پا لے گی اور ایک پُرسکون زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے گی۔ اسے اب شدت سے ان لوگوں کے لوٹنے کا انتظار تھا۔

❖ ✿ ❖

حمدہ اور عمر ہاشم کے نکاح میں شامل گواہان میں سے دو گواہ بی بی کے ساتھ ہی گاؤں سے گئے تھے۔ یہ دونوں اشخاص علاقے کے سرکردہ شخصیت کے حامل تھے۔ چاچا رحمت اور ان کے بھائی اشفاق صاحب کو بی بی نے بطور خاص اسی لیے بلوایا تھا کہ نکاح کے دوران ان لوگوں کی شرکت سے معاملہ ان لوگوں کے حق میں رہے گا۔ کیونکہ جب سے باقر علی اور حمدہ والا معاشقہ شروع ہوا تھا یہ لوگ ہی ابھی تک معاملے کو سنبھالے ہوئے تھے ورنہ جس طرح باقر علی کی حرکات تھیں کچھ بعید نہ تھا کہ وہ کب کا زورو زبردستی سے حمدہ سے شادی رچا چکا ہوتا۔ حمدہ کی وہ شادی جو ہوتے ہوتے رہ گئی تھی اس شادی کا دُلہا جسے اغوا کر کے باقر علی نے کئی دن اپنی تحویل میں رکھا تھا ان لوگوں کی کوششوں سے ہی دوبارہ وہ باقر علی کی قید سے نکل پایا تھا اور باقر علی ابھی تک محض ڈرا دھمکا کر حمدہ اور اس کی ماں کو ہراساں ہی کرتا رہا تھا یہ سب ان لوگوں کی وجہ سے ہی تھا ورنہ حمدہ کا حصول مشکل نہ تھا۔ اب جس طرح نکاح کی تقریب ہوئی تھی بی بی نے ان لوگوں کو ہی ثالث بنا کر گاؤں کے تمام بڑے بڑے زمینداروں کو اس معاملے کو حل کرنے کی دعوت دی تھی۔ چند دن تو خوب معاملہ اُچھالا گیا تھا، باقر علی اپنے گاؤں سے اس گاؤں میں روزانہ چکر لگا رہا تھا، اس کی حیثیت ایک زخم کھائے شیر کی سی تھی، وہ روز دھمکیاں بھجوا رہا تھا مگر مقابل بھی عمر ہاشم جیسے لوگ تھے وہاں بی بی کے دونوں بھائی زویا والے رشتے سے انکار پر سخت ناراض تھے مگر چونکہ بی بی ان کی ہمشیرہ تھیں تو وہ باقر علی کے بجائے ان کا ساتھ دینے پر مجبور تھے ورنہ یہ طے تھا کہ اگر وہ باقر علی کی حمایت کریں گے تو ساری برادری ان لوگوں کا بائیکاٹ کر دے گی، بی بی جن کا اصل نام بلقیس بیگم تھا، بچپن سے ہی چھوٹے بڑے سبھی نے ان کو بی بی کہنا شروع کر دیا تو وقت کے ساتھ ساتھ یہ نام ان کی پہچان بن گیا تھا۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد بی بی نے بھائیوں پر انحصار کرنے کے بجائے اپنی زمینوں کے معاملات خود سنبھالے تھے۔ وہ براہِ راست نگرانی نہ کرتی تھیں۔ ان کی پورے گاؤں میں ایک مخصوص حیثیت تھی تمام چھوٹے بڑے زمینداران کے فیصلے کو اہمیت دیتے تھے، ایسے میں باقر علی اگر براہِ راست حمدہ والے معاملے پر ان سے اُلجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا سراسر نقصان اس کی اپنی ذات کو ہونا تھا، بہرحال علاقے کے تمام سرکردہ افراد ان کے ہمراہ تھے۔ عمر ہاشم چونکہ عرصہ بعد اپنے علاقے میں آیا تھا تو اس کے لیے یہاں کے بہت سے حالات و واقعات نامانوس تھے چونکہ جوان خون تھا جوشیلا تھا، قوت بازو پر انحصار کرتا تھا۔ وہ باقر علی کی حمدہ کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی بالادستی کو قبول کرنے پر تیار نہ تھا جبکہ بی بی کی رائے تھی کہ یہ سارا معاملہ گاؤں میں ہی حل ہو جائے تو بہتر ہے کل کلاں کو اگر کوئی اونچ نیچ ہوگئی یا باقر علی نے کوئی کارروائی کی تو سارے گاؤں والے ان کا ساتھ دینے کو تیار ہوں گے۔ اس مؤقف پر عمر نے بی بی کی بات مان لی تھی مگر اندرونی طور پر وہ باقر علی سے خاصا خار کھائے ہوئے تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ باقر علی اس کے سامنے آجائے تو وہ اس سے بھڑ بیٹھے۔ مگر بی بی کی وجہ سے خاموش تھا۔

کچھ دیر پہلے وہ گاؤں کی بیٹھک میں سب کے درمیان تھا۔ باقر علی بھی آیا ہوا تھا اس کے اپنے تینوں ماموں بھی تھے۔ منجھلے ماموں کے علاوہ بڑے اور چھوٹے دونوں ماموؤں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ عمر کو ماموؤں کے اس طرزِ عمل سے بڑی تکلیف ہوئی تھی۔ بی بی نے اپنی ساری زندگی ان بھائیوں کے ساتھ گزاری تھی اور یہ بھائی اب اس موقع پر اپنے مفادات کی وجہ سے پہلو تہی کر رہے تھے۔ باقر علی کا طرزِ عمل خاصا شدت انگیز تھا، وہ بار بار حمدہ کا نام لے کر چاچی مختار پر دھوکہ دہی اور دغابازی کے الزام عائد کر رہا تھا، عمر کا جی چاہ رہا تھا کہ ایک دم اس کا گریبان پکڑ کر اس کی ساری اکڑ نکال کر رکھ دے۔ وہ بلیک بیلٹ رہا تھا

امریکہ میں رہتے ہوئے دو ہی تو شوق تھے ایک تعلیم پر توجہ دینا اور دوسرا بلیک بیلٹ بننا...... باقر علی جیسے لوگ اس کے ایک ہاتھ کی مار تھے۔ بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتا وہ پنچایت کا فیصلہ سن کر چلا آیا تھا۔

چونکہ چاچی مختار اور حمدہ منظر سے غائب تھیں حتمی فیصلہ یہی طے پایا تھا کہ یہ دونوں واپس گاؤں آئیں بلکہ نکاح میں موجود تمام گواہان بھی پنچایت میں حاضر ہوں تبھی کوئی حتمی فیصلہ ہوگا۔ جبکہ باقر علی معاملے کو غلط رنگ دینے کی کوشش میں تھا، اس کی کوشش تھی کہ حمدہ کے کردار کو بنیاد بنا کر عمر ہاشم کے ساتھ نکاح کی رسم کو کوئی اور ہی رنگ دے ڈالے۔ عمر پنچایت سے سخت کبیدہ خاطر ہو کر نکلا تھا۔ حویلی آیا بھی تو خاصا غصے میں تھا۔

''ماں جی! صرف آپ کی وجہ سے میں اس معاملے کو اتنا برداشت کر رہا ہوں ورنہ باقر علی جس طرح حمدہ اور میرے نکاح کو غلط رنگ دینے کی کوشش کر رہا ہے میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ آپ سب لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حمدہ بیچاری تو سرے سے بے خبر تھی اس سے شادی کی خواہش صرف اور صرف میری تھی۔ ہم نے صاف اور واضح انداز اپنایا ہے، ڈائریکٹ نکاح کیا تھا۔ چاچی مختار حمدہ کی وارث ہیں ان کی ایماء پر یہ نکاح ہوا تھا، اب باقر علی کون ہوتا ہے اس معاملے کو اُچھالنے والا۔ آپ نے بھی گاؤں والوں کو شامل کر کے معاملے کو مزید اُلجھا دیا ہے۔ اب ہر کوئی نجانے کس کس رنگ میں اس نکاح کی کارروائی کو لے رہا ہے اوپر سے گاؤں والوں نے چاچی مختار اور حمدہ کی موجودگی کو لازمی قرار دے دیا ہے۔'' بی بی نے جیسے ہی پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا ہے؟ وہ پھٹ پڑا تھا۔

''تم اتنا عرصہ گاؤں سے دور رہے ہو۔ تمہارے لیے یہ سب کچھ نیا اور عجیب ہے، یہاں گاؤں میں ایسے متنازعہ فیصلے اسی طرح ہوتے ہیں۔ گاؤں والوں کو اس لیے شامل کیا تھا کہ کل کو باقر علی کچھ غلط کرے تو ہمارے پاس گاؤں کے لوگوں کی حمایت ہو۔'' بی بی نے رسان سے سمجھانا چاہا تو اس نے ناراضی سے انہیں دیکھا۔

''اور وہ باقر علی جان بوجھ کر حمدہ کی غیر موجودگی کو غلط رنگ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ سب کیا ہے؟ گاؤں والوں نے اس شخص کو خوامخواہ سر پر چڑھا لیا ہے، ورنہ ایک ہاتھ کی مار ہیں ایسے لوگ؟'' بی بی نے بغور عمر ہاشم کا غصہ دیکھا اور پھر اس کا بازو پکڑ کر پاس بٹھا کر محبت سے اس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیریں۔

''اب کیا طے ہوا ہے؟'' بی بی کے انداز پر عمر نے اپنا غصہ کنٹرول کیا۔

''گاؤں والوں نے نکاح کے تمام گواہان کو پرسوں پنچایت میں حاضر ہونے کو کہا ہے۔ خصوصاً چاچی مختار کی موجودگی ضرور قرار دی گئی ہے اور ان کے ساتھ ساتھ افتخار صاحب کی موجودگی بھی۔ باقر علی کو شک ہے کہ حمدہ اور چاچی یہیں گاؤں میں ہی ہیں وہ افتخار صاحب کے پاس نہیں بلکہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور یہ نکاح والا سارا معاملہ محض ڈرامہ ہے۔ بلکہ وہ حمدہ کے کردار کے حوالے سے بھی مجھے بنیاد بنا کر اور بھی بکواس کر رہا تھا۔''

''بکواس کرتا ہے تو کرنے دو۔ باقر علی خود کس کردار اور قماش کا شخص ہے یہ بھی سارا گاؤں جانتا ہے۔'' بی بی نے اپنے بیٹے کے بگڑے تیوروں کو بغور دیکھا۔

''حمدہ کا کردار اخلاق سب سامنے کی باتیں ہیں۔ گاؤں والے اندھے نہیں جو معاملے کو پرکھ نہ سکیں۔ میں نے تو صرف اس

لیے گاؤں کے سربراہوں کو اس معاملے میں شامل کیا تھا کہ باقر علی جیسے لوگوں کو سنبھالنا آسان رہے، جس طرح ایک عرصے سے باقر علی نے حمدہ کا پیچھا لیا ہوا ہے وہ محض تمہارے اور حمدہ کے نکاح کا سن کر خاموش بیٹھنے والا نہیں تھا اس لیے بھی مجھے گاؤں والوں کی مدد چاہیے تھی۔''

''بہرحال جو بھی وجہ تھی مگر باقر علی نے بیچ پنچایت کے اب اگر اگلی بار حمدہ کے سلسلے میں کوئی فضول بات کی تو میں اسے معاف نہیں کروں گا۔حمدہ اب میری بیوی ہے۔''عمر ہاشم خاصا تپا ہوا تھا۔

''اچھا جو بھی ہے اب معاملہ گاؤں کی پنچایت میں میں نے خود پہنچایا ہے، تو تم بھی آرام وسکون سے اب معاملے کو سلجھنے دو، جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ پرسوں افتخار، مختار اور حمدہ کے ہمراہ آتو رہا ہے پھر دیکھتے ہیں پنچایت کیا فیصلہ کرتی ہے مجھے یقین ہے یہ فیصلہ ہمارے حق میں ہی ہوگا۔ بعد میں جو ہوگا دیکھیں گے۔''بی بی نے اب بھی پُرسکون انداز میں سمجھانے کی کوشش کی تو عمر محض خاموش ہوگیا۔

بی بی اُٹھ کر نماز پڑھنے چلی گئیں تو عمر کا دھیان حمدہ کی طرف چلا گیا۔ نکاح کے بعد سے اب کتنے دن ہو رہے تھے حمدہ کو دیکھے ہوئے۔عمر کا شدت سے جی چاہا کہ وہ کہیں سے سامنے آجائے تو وہ اسے جی بھر کر دیکھ لے۔

وہ جب سے لوٹا تھا اس نے کئی بار حمدہ کے نمبر پر کال کی تھی مگر وہ کال ہی پک نہیں کرتی تھی، جبکہ افتخار صاحب اور مختار چاچی سے کئی بار بات ہو چکی تھی، نہ وہ کسی میسج کا جواب دیتی تھی اور نہ ہی کال ریسیو کرتی تھی۔ اس وقت دل ودماغ میں جو کیفیت چل رہی تھی ایسے میں جی چاہ رہا تھا کہ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر حمدہ کے پاس چلا جائے یا اسے اپنے سامنے لے آئے۔موبائل کے بجائے اس نے حویلی والے نمبر سے اس کے نمبر پر کال کی تو چار پانچ بیلز کے بعد کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''السلام علیکم!''کئی دن بعد حمدہ کی آواز سننے کو مل رہی تھی یوں لگا جیسے اندر سینے میں کہیں اُٹھنے والی طغیانی کا وجود ایک دم سرد پڑ گیا تھا۔

''وعلیکم السلام......کیسی ہیں؟''عمر کی آواز پہچان کر دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔

''حمدہ پلیز بات کریں۔کال بند نہیں کریں۔ میں نے آپ کو کال کی ہے کوئی نازیبا حرکت نہیں کی۔''وہ پہلے ہی باقر علی کی حرکتوں سے وجہ پریشان تھا۔ایسے میں حمدہ کا رویہ اس کا ٹمپر لوز ہوا تھا۔

''میں اماں کو بلوا دیتی ہوں، کوئی خاص بات ہے تو ان سے کر لیں۔''عمر کی دھمکی پر دوسری طرف سے پُرسکون انداز میں جواب ملا تھا۔

''میں نے اگر چاچی سے بات کرنی ہوگی تو ان سے ڈائریکٹ بات کروں گا۔آپ بتائیں آپ کیوں میری کالز پک نہیں کر رہیں؟ آپ کو اندازہ نہیں آپ کے اس رویے کی وجہ سے میں کس قدر پریشان اور ہرٹ ہو رہا ہوں۔''شروع میں تلخی سے مگر آخر میں دھیمے لہجے میں کہا۔

''مجھے یوں بات کرنا اچھا نہیں لگا اسی لیے میں کال ریسیو نہیں کرتی تھی۔ ہمارا صرف نکاح ہوا ہے رُخصتی تو نہیں نا......''حمدہ کا وہی سنجیدہ انداز تھا۔

حمدہ کے الفاظ نے عمر پر بڑے عجیب انداز میں اثر کیا۔

''آپ میری بیوی ہیں رُخصتی تو محض ایک فارمیلٹی ہے۔ نکاح سے بڑھ کر بھی شادی کی کوئی رسم ہوتی ہے تو وہ بتادیں میں وہ بھی کروالیتا ہوں۔'' حمدہ کے الفاظ پر عمر نے کچھ غصے سے کہا تو دوسری طرف خاموشی چھا گئی اور پھر کچھ توقف کے بعد وہ کہنے لگی۔

''مگر جس ماحول سے میں تعلق رکھتی ہوں وہاں ان باتوں کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں آپ سے بات کروں اور کسی کو کچھ کہنے کا موقع ملے۔ بھلے ہمارے درمیان بہت جائز رشتہ ہے مگر جب تک باقر علی والا معاملہ حل نہیں ہو جاتا میں سکون سے آپ سے بات نہیں کرسکتی۔'' عمر نے لب بھینچ لیے۔ وہ تو سمجھا تھا کہ نکاح ہو چکا ہے اب سب کچھ کلیئر ہو چکا ہے مگر لگ رہا تھا کہ اصل پریشانی تو اب آئی ہے۔ حمدہ کا گریز اسے طیش دلا گیا تھا۔

''اوکے...... اب آپ سے تبھی بات ہوگی جب آپ رُخصت ہو کر میرے روبرو میرے بیڈروم میں ہوں گی۔ اللہ حافظ......'' عمر نے بہت سنجیدگی سے کہتے کال بند کردی تھی، جبکہ دوسری طرف حمدہ کے رویے اور الفاظ پر ایک دم پریشان ہو کر اپنی جگہ جامد سی کھڑی رہ گئی تھی۔

❖ ❁ ❖

حمدہ، چاچی مختار اور افتخار صاحب کے ساتھ وہ لوگ دوپہر کو ہی گاؤں پہنچ گئے تھے۔ افتخار صاحب ایک بااثر شخصیت تھے اپنی ذاتی لینڈ کروزر اور محافظوں کے درمیان جب گاؤں میں داخل ہوئے تھے علاقے میں فوراً ان کی آمد کی خبر پھیل گئی تھی۔ ان لوگوں کو پروگرام کے تحت چھوٹی حویلی میں ہی ٹھہرنا تھا۔ گاڑی سیدھی حویلی ہی آئی تھی۔ عمر ذوالفقار بھائی کے ہمراہ پہلے سے ہی موجود تھا۔ حمدہ چاچی مختار کے ہمراہ جیسے ہی گاڑی سے نکلی نگاہ سیدھی عمر کی طرف اُٹھی اور وہ افتخار صاحب سے گلے مل رہا تھا۔ حمدہ کو دیکھ کر عمر کی نگاہوں میں ہمیشہ اُبھرنے والا مخصوص تاثر اس وقت غائب تھا۔ حمدہ کو دیکھ کر بھی وہ شخص سنجیدہ رہا تھا۔ اس کے دل میں رہ رہ کر عجیب سا ملال اُتر رہا تھا۔ پرسوں رات عمر نے کال کی تھی اس سے بات کرنے کے بعد کل سارا دن کوئی کال نہیں آئی تھی، یہاں کے حالات سے متعلق مسلسل معلومات مل رہی تھیں آج وہ لوگ صبح سویرے نکل آئے تھے مگر اب عمر کا بے تاثر انداز دیکھ کر حمدہ کا دل ملال سے بھرتا جا رہا تھا۔

وہ لڑکی ذات تھی اس نے ایک کانٹوں سے بھری زندگی گزاری تھی، قدم قدم پر پتھروں سے سامنا ہوا تھا وہ بڑی مشکل سے اپنے وجود اور کردار کو سنبھال کر یہاں تک پہنچی تھی ایسے میں وہ عمر ہاشم کے نام کی بدنامی کیسے سہہ لیتی کہ یہاں سے بی بی کے ذریعے ملنے والی خبروں میں یہ بھی ذکر تھا کہ باقر علی عمر ہاشم اور اس کے تعلق کو غلط انداز میں اُچھالنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ گاؤں والوں کو نکاح والے معاملے سے متعلق بھڑکا سکے۔ ایسے میں اگر وہ عمر سے بات کرنے سے بچ رہی تھی سنجیدگی اختیار کر رہی تھی تو کون سا غلط کر رہی تھی، پرسوں رات سنائی دیئے جانے والے عمر ہاشم کے الفاظ اسے ہرگز نہیں بھول رہے تھے۔

''اوکے...... اب آپ سے تبھی بات ہوگی جب آپ رُخصت ہو کر میرے روبرو، میرے بیڈروم میں ہوں گی۔'' بظاہر یہ الفاظ بے ضرر اور سادہ سے تھے مگر ان الفاظ کو ادا کرتے وقت عمر ہاشم کا جو لہجہ تھا وہ حمدہ کے دل کو ہولائے دے رہا تھا۔

اوپر سے عمر کو دیکھنے کا وہ مخصوص انداز بھی مفقود تھا۔ اب سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے؟ کیسے اس شخص کو سمجھائے؟ اس

نے خاموشی سے وضو سے کر کے نماز ادا کی۔ سفر کی تھکان تھی، نسرین کھانے کا پیغام لے کر آئی تو وہ منع کرتے بستر پر دراز ہو گئی۔ وہ کچھ دیر سو کر اپنے ذہن کو پُر سکون کرنا چاہتی تھی۔

کچھ دیر سو کر وہ باہر آئی تو گاؤں کی کئی خواتین اماں اور بی بی کے پاس آئی بیٹھی تھیں۔ موضوع بحث آج رات ہونے والی پنچایت ہی تھا۔ باقر علی، عمر اور حمدہ کا ذکر خصوصی تھا وہ کچھ دیر ان کے پاس ٹھہری اور پھر وہاں سے اُٹھ کر واپس بی بی کے کمرے میں چلی آئی۔ کھڑکی کے پاس کھڑی وہ باہر لان کی طرف دیکھ رہی تھی کہ اچانک گیٹ کی طرف سے ایک دم شور اُٹھ کھڑا ہوا۔ حمدہ نے دیکھا گیٹ پر عمر تیزی سے باہر جانے کی کوشش کر رہا تھا، پیچھے سے ذوالفقار بھائی نے بھاگ کر اس کا بازو تھام لیا تھا، اس لیے عمر نے سختی سے کچھ کہا تھا فاصلہ ہونے کی وجہ سے حمدہ سمجھ نہ سکی تھی۔ بس دونوں کے تیز تیز اونچا اونچا بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں، شاید عمر کے ہاتھ میں کوئی چیز بھی تھی، جسے ذوالفقار بھائی چھیننے کی کوشش کر رہے تھے شور کی آواز سن کر اندر سے خواتین کے علاوہ سلطان بابا، بشیر اور ایک دو ملازم اور اکٹھے ہو گئے تھے اور وہ سب مل کر عمر کو پکڑ چکے تھے۔ حمدہ نے دیکھا ذوالفقار بھائی نے عمر کے ہاتھ سے زبردستی پسٹل چھین کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔ اب وہ زبردستی عمر کو بازو کے حصار میں لیے مردانے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

یہ کیا ماجرہ تھا حمدہ سمجھ نہ سکی تھی وہ کھڑکی سے ہٹ کر فوراً باہر نکل آئی تھی۔ ماریہ باجی نڈھال سی بی بی جان کو بازو کے حصار میں لیے اندر آ رہی تھیں۔ ساتھ میں اماں اور دیگر خواتین بھی تھیں یہ سب شور سن کر ہی باہر گئی تھیں۔

''کیا ہوا ہے؟'' حمدہ نے آگے بڑھ کر بی بی کا دوسرا بازو تھام لیا تھا۔

''ہونا کیا ہے وہی مردود باقر علی کا قصہ۔'' اماں نفرت سے بولیں، حمدہ کا دل بیٹھنے لگا عمر سخت غصے میں تھا یقیناً کوئی بات ہو چکی ہوتی۔

''آج صبح ہماری آمد سے پہلے عمر کسی کام سے باہر اڈے کی طرف نکلا تھا راستے میں باقر علی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ بشیر، عمر کے ساتھ تھا، باقر علی نے عمر کو ایسی باتیں کیں جس سے وہ طیش کا شکار ہو کر کچھ سخت کہے، ان کی نیت لڑائی کرنے کی تھی تا کہ رات ہونے والی پنچایت سے پہلے ہی معاملہ خراب ہو جائے۔ عمر کو اس کی باتوں پر آ غصہ آ گیا تو اس نے اس کی پٹائی کر ڈالی وہ تو شکر ہے کہ بشیر ساتھ تھا جو شور مچانے پر ارد گرد کے لوگ اکٹھے ہو گئے اور باقر علی کو چھڑوا کر لے گئے۔ بشیر بتا رہا تھا کہ اس وقت باقر علی کے ساتھ دو آدمی تھے ان کے پاس ہتھیار وغیرہ نہیں تھے سو بچت ہو گئی۔ جاتے جاتے وہ عمر کو وڈے ڈیرے کی طرف شام سے پہلے پہنچنے کا طعنہ دے کر گیا تھا کہ اگر وہ مرد کی اولاد ہے تو شام سے پہلے وڈے ڈیرے پر آ جائے وہاں وہ اچھی طرح نپٹے گا اور تب سے ہم لوگ عمر کو حویلی سے باہر نکلنے نہیں دے رہے تھے، اب نجانے کیسے نظر بچا کر وہ نکلنے لگا تھا کہ بشیر اور ذوالفقار نے دیکھ لیا اور فوراً روک لیا۔'' بی بی کی طبیعت خراب تھی ان کو کمرے میں لا کر لٹانے کے بعد ماریہ باجی اس کے بار بار استفسار کرنے پر ایک طرف لے جا کر بتا رہی تھیں۔

''باقر علی نے عمر کو کہا کیا تھا کہ وہ اس قدر طیش میں آ گئے کہ اس کی پٹائی کر ڈالی؟'' حمدہ حیرت وخوف سے ششدر تھی کچھ توقف کے بعد سنبھل کر پوچھا۔

''بشیر ہی بتا رہا تھا کہ عمر کو دیکھ کر پہلے تو اس نے عمر کا راستہ روکا پھر اس نے تمہارے حوالے سے چند باتیں کیں اور جب اس نے عمر سے یہ کہا کہ اگر تم مرد کی اولاد ہوتے تو سب کے سامنے اسی گاؤں میں رہ کر حمدہ سے نکاح کر کے دکھاتے یوں ہیجڑوں کی طرح چھپ چھپا کر منہ کالا نہ کرتے تو اس کے الفاظ ایسے گھٹیا تھے کہ عمر خود پر کنٹرول نہ رکھ سکا اور تمہیں شاید پتا نہ ہو عمر بلیک بیلٹ ہولڈر ہے، اس نے اچھا خاصا پیٹ ڈالا تھا۔ تب سے عمر کا غصے سے بُرا حال ہے اب بھی وہیں جانے کا ارادہ تھا۔ اگر باقر علی نے عمر کو ڈیرے پر بلایا تھا تو یقیناً ارادے بھی نیک نہیں ہوں گے مگر عمر طیش اور غصے سے یہ نہیں سوچ رہا۔'' ماریہ خاصی افسردہ تھی۔ حمدہ کے لیے یہ سب واقعات سخت تکلیف دہ تھے۔

''اب عمر کہاں ہیں؟''

''ذوالفقار مہمان خانے کی طرف لے گئے ہیں۔ بی بی کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ عمر، باقر علی کی باتوں کی وجہ سے سخت جذباتی ہو رہا ہے اور ماں جی اس کی وجہ سے پریشان ہو رہی ہیں۔'' وہ گم صم سی ماریہ باجی کا چہرہ دیکھ رہی تھی، ماریہ باجی بی بی کی طرف لوٹیں تو وہ بھی ادھر ہی آ گئی۔

بی بی نے اسے دیکھ کر اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔ حمدہ خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گئی۔

''عمر کہاں ہے؟'' بی بی نے ماریہ سے پوچھا۔

''ذوالفقار علی کے ساتھ مہمان خانے کی طرف ہی ہے۔'' بی بی نے سر ہلا دیا اور پھر حمدہ کا ہاتھ تھام کر اُٹھ بیٹھیں۔

''عمر بہت جذباتی ہو رہا ہے باقر علی نے نجانے اس سے ایسی کیا باتیں کہہ دی ہیں کہ جب بھی دونوں کا سامنا ہوتا ہے مرنے مارنے کی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ آج جو بھی ہوا ہے پتا تو لگ گیا ہوگا تمہیں؟'' حمدہ نے محض سر ہلا دیا۔

''میری تو کوئی بات اس پر اثر نہیں کر رہی اتنا سمجھا چکی ہوں، اب رات کو پنچایت ہے مگر وہ کچھ سن ہی نہیں رہا۔'' بی بی خاصی پریشان تھیں۔ حمدہ خاموش رہی وہ بھلا کیا کر سکتی تھی؟

''تم عمر سے بات کرو اسے سمجھاؤ کہ یوں جذباتی نہیں ہوتے۔ گاؤں والے ہمارے ساتھ ہیں۔ وہ ہمارے حق میں فیصلہ کریں گے۔ ٹھیک ہے مرد ہے اور مرد ہی جذباتی ہوتے ہیں مگر وقت اور موقعے کی نزاکت بھی تو دیکھے۔'' بی بی کی بات پر اس نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔

''میں بھلا کیسے بات کر سکتی ہوں؟''

''تم بیوی ہو اس کی...... تمہاری بات اس پر اور انداز میں اثر کرے گی۔ وہ تمہیں اہمیت دیتا ہے تمہارے معاملے کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنا رکھا ہے، باقر علی کو کسی بھی طرح کی رعایت دینے کو تیار نہیں۔ وہ تمہیں چاہتا ہے مگر اگر تم اچھے انداز میں بات کرو گی تو تمہاری بات مان لے گا۔'' حمدہ تو سچ مچ پریشان ہوگئی تھی۔

''میں بھلا کیا کہوں گی؟'' وہ اُلجھ گئی تھی۔

''میں جانتی ہوں تم اور مزاج کی بچی ہو۔ نکاح، منگنی ہمارے ہاں محض رسمیں ہیں مگر تم اگر خود ایک بار عمر کے پاس جا کر اسے سمجھاؤ گی اچھے انداز میں بات کرو گی تو وہ سمجھ جائے گا۔'' حمدہ بس نگاہ جھکا گئی۔

''میرا ایک ہی بیٹا ہے، میں نے ساری زندگی انہی دو بچوں کے آسرے پر گزار دی ہے۔ عمر نے تمہارا نام لیا تو میں نے انا کا مسئلہ نہ بنایا کہ تم ہر لحاظ سے قبول کی جانے والی بچی ہو۔ عمر کے دل کی خوشی کو اہمیت دی کہ میرا بیٹا خوش رہے گا، تو میں بھی خود رہوں گی۔ اب یہ باقر علی سے جھگڑے والا معاملہ میری تو سمجھ و عقل زائل ہو رہی ہے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کروں، لے دے کر تمہارا خیال ہی آ رہا ہے کہ اگر تم ایک بار عمر سے بات کر لو تو وہ نارمل ہو جائے گا۔'' حمدہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''جی بی بی جی! میں کوشش کروں گی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔''

''جیتی رہو۔ سدا سہاگن رہو، خوش رہو۔'' انہوں نے ایک دم اسے ساتھ لگا کر ڈھیروں دُعائیں دے ڈالی تھیں۔

❖ ❁ ❖

مغرب کے بعد حمدہ کے دونوں بہنوئی بھی پہنچ گئے تھے کہ گواہان میں افتخار صاحب کے علاوہ یہ دونوں بھی شامل تھے۔ حمدہ بی بی سے بات کرنے کے بعد انتظار کرتی رہی کہ عمر اندر آئے تو وہ اس سے بات کرے، مغرب کے بعد عمر پنچایت میں جانے کے لیے تیار ہونے اپنے کمرے کی طرف آیا تھا۔ عمر کے آنے کی اطلاع ملی تو حمدہ، بی بی کو دلاسہ دیتے سیڑھیاں چڑھتے اوپر آ گئی تھی۔ عمر کے دروازے کے سامنے رُک کر ایک پل کو اپنا تنقیدی جائزہ لیا۔

نکاح کے جوڑوں میں سے ایک جوڑا تھا جو سادہ تھا مگر خاصا قیمتی اور بوتیک اسٹائل کا تھا۔ اس جوڑے میں اس کی شخصیت کا وقار اور رکھ رکھاؤ کچھ اور اُبھر کر سامنے آ رہا تھا۔ اس وقت ہمیشہ کی طرح چادر کے بجائے سوٹ کے ہم رنگ دوپٹے میں ملبوس تھی۔ دروازے پر دستک دیتے حمدہ کو اپنے ہاتھ میں ہلکی سی کپکپاہٹ محسوس ہوئی۔

''یس......'' عمر کی آواز پر اس نے آہستگی سے دروازہ وا کرتے اندر قدم رکھا عمر جو ابھی باتھ روم سے چینج کر کے نکلا تھا ٹاول سے چہرہ صاف کرتے ٹھٹکا۔

''آپ؟'' حمدہ کو دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں حمدہ کی موجودگی کا قطعی تصور نہیں کر سکتا تھا۔

''السلام علیکم۔'' عمر نے اگلے ہی پل حیرانگی کو پس پشت ڈالتے رُخ بدل کر لب بھینچ لیے تھے۔

عمر ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگ گیا تھا۔ حمدہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس طرح اس سے بات کا آغاز کرے۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' عمر نے حمدہ کے سوال پر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''جی فرمایئے کیسے آنے کی زحمت کی آپ نے؟'' چہرہ بلا کا سنجیدہ اور کھردرا لہجہ تھا۔

حمدہ نے لب بھینچ لیے آنکھوں میں بے بسی سے نمی سمٹ آئی۔ کتنا اجنبی لہجہ تھا، اس نے ایک شاکی نگاہ عمر پر ڈالی۔

''یہ باقر علی والا کیا معاملہ ہے؟'' اس نے خود پر کنٹرول کرتے عمر کو دیکھا۔

''بس یہی دریافت کرنے آئی ہیں؟'' حمدہ خاموش رہی۔

''آئی ایم سوری آپ سے کچھ بھی نہ کہنے کا عہد کیا تھا اور میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ نے کیونکر میرے کمرے میں آنے کی زحمت گوارا کر لی ہے جبکہ مجھ سے کوسوں میل کے فاصلے سے محض موبائل پر بات کرنے سے

آپ کے کردار پر خوف آتا ہے۔ابھی تو آپ کی باقاعدہ رُخصتی نہیں ہوئی پھر اس آمد کو کیا سمجھوں؟''

''اُف......'' حمدہ کو لگا عمر ہاشم کے اس طعنے پر اس کا سارا وجود زخمی ہو گیا ہے۔اس نے لب دانتوں تلے دبا کر بہت شکایتی نظروں سے عمر کو دیکھا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ کے پاس میرے کسی بھی سوال کا جواب نہیں۔جب میرے کسی سوال کا جواب دیں گی تو میں آپ کو آپ کے تمام سوالوں کا جواب دوں گا۔آپ نے میرے کمرے میں آنے کی زحمت کی، ذرہ نوازی ہے آپ کی کہ آپ نے مجھ جیسے حقیر کو یہ عزت افزائی بخشی۔میرے پاس وقت نہیں ہے، چلتا ہوں۔'' چند پل کھڑے ہو کر حمدہ کے جواب کا انتظار کیا اور اس کی شکایتی نظروں کو بالکل نظر انداز کیے وہ پلٹا۔ایک تو اس کا مسلسل طنزیہ انداز اوپر سے اس کے تیور حمدہ کی جان پر بن آئی۔بی بی کی کہی گئی تمام باتیں یاد آئیں تو گھبرا کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''آپ ایسے نہیں جا سکتے۔میں آپ کو ایسے نہیں جانے دوں گی۔'' بہت گھبرا کر ایک دم نہایت قریب آ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے عمر کا بایاں بازو تھام لیا۔

''آپ کو میری بات سننا ہوگی۔'' عمر نے بہت چونک کر نہایت استعجاب سے اس کی اس حرکت کو دیکھا۔وہ اب خود کو مزید پتھر نہیں بنا سکتا تھا، حمدہ کے مومی ہاتھوں کا نرم لمس اس کے وجود میں سرائیت کرتا اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ رہا تھا۔

''کیا بات ہے کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟'' کچھ تلخی اور برہمی سے کہنا چاہا مگر حمدہ کی آنکھوں میں ایک دم آنسو سمٹ آئے۔

''آپ مجھ سے خفا ہیں، آپ مجھے ڈانٹ لیں، ناراض ہو لیں۔پرسوں رات والی تمام باتوں پر بُرا بھلا کہہ لیں مگر اس وقت ایسے مت جائیں، میری بات سن کر جائیں۔'' عمر خود کو جتنا بھی پتھر بنا لیتا مگر اس پل حمدہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ فوراً موم کا پتلا بن گیا تھا۔

''حمدہ...... پلیز روئیں مت...... میں خفا نہیں ہوں، بس آپ کی باتوں نے تکلیف دی تھی۔اب اگر آپ روئیں گی تو مجھے مزید تکلیف ہوگی۔'' فوراً گھبرا کر بازو سے پکڑ کر اسے چپ کروانا چاہا تو حمدہ تو مزید سسکی تھی۔

''حمدہ پلیز......'' عمر کی جان پہ بن آئی تھی۔اسے دونوں کندھوں سے تھاما تو وہ سسک کر اس کے ساتھ آ لگی، عمر حمدہ کی اس حرکت پر ساکت رہ گیا۔

''مجھے معاف کر دیں، میں نے جان بوجھ کر آپ کی کالز کو اگنور نہیں کیا، بس خود بخود ہو گیا سب، میں نے وہ سب بکواس کی مجھے معاف کر دیں۔ماریہ باجی اور بی بی سب بہت پریشان ہیں۔میں آئندہ ایسی بات نہیں کروں گی آپ جب بھی بلائیں گے میں آپ کے پاس آ جاؤں گی بس آپ وعدہ کریں آپ باقر علی سے نہیں اُلجھیں گے۔'' عمر کو لگا وہ روح تک سیراب ہو گیا ہے۔

''میں کب اُلجھتا ہوں وہ خود میرے راستے میں آتا ہے، حمدہ! وہ آپ کے متعلق گھٹیا باتیں کرتا ہے، ایسی باتیں جو کوئی بھی غیرت مند مرد برداشت نہ کر سکے۔بی بی کی وجہ سے میں نے بہت برداشت کیا ہے مگر آج صبح جب اس نے اس قدر گھٹیا انداز میں مجھے گالی دی آپ کے حوالے سے طعنے بازی کی تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا تھا، جواباً میرا ہاتھ اُٹھ گیا تھا۔ورنہ میں نے آخری لمحے تک کوشش کی تھی کہ اس سے نہ اُلجھوں۔'' حمدہ کے آنسو اپنے ہونٹوں سے چنتے عمر نے اپنی والہانہ محبت کا احساس بخشا تو حمدہ

سٹپٹا کر خود سے ہی نظریں چرا گئی۔ عمر کی گرفت سے نکلنے کی اس نے کوشش نہ کی تھی اور نہ ہی کرنا چاہتی تھی۔
''بی بی بہت پریشان ہیں۔'' عمر نے حمدہ کو دیکھا اور مزید گرفت سخت کر کے اسے قریب کر لیا۔
''بی بی نے بھیجا ہے آپ کو؟'' براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے پوچھا۔
''مگر میں آئی تو خود ہوں نا؟'' اس نے جھوٹ نہیں بولا تھا عمر مسکرا دیا۔
''آپ وعدہ کریں آپ باقر علی سے اب نہیں اُلجھیں گے؟'' لمحے تھوڑے تھے کسی بھی لمحے نیچے سے پنچایت کی طرف جانے کے لیے عمر کو آواز دی جا سکتی تھی اور جانے سے پہلے حمدہ، بی بی کی خواہش کے مطابق اس سے وعدہ لے لینا چاہتی تھی اس نے اپنے تمام اصول توڑ کر تمام قاعدے فراموش کرتے اس کی نہ صرف دہلیز پر قدم رکھا تھا بلکہ اس کی پناہ میں اپنے وجود کی خود سپردگی فراہم کرتے ہوئے وہ صرف ایک بات سوچ رہی تھی کہ ایسا کرنے کا حکم بی بی نے دیا ہے وہ بیوی ہے اور ایک بیوی شوہر کو نرم کر سکتی ہے یہ بی بی نے کہا تھا اور بی بی نے اسے بھیجا ہی اس لیے تھا کہ وہ اس کے وجود کو چھو کر ایسا نرم ہو کہ اس کے ساتھ وعدوں کی زنجیر میں جکڑ کر تمام جذباتی پن بھول جائے۔
''آپ اس وقت جان بھی مانگیں تو حاضر کر دوں۔ باقر علی کیا چیز ہے۔'' عمر مکمل طور پر ان لمحوں کی گرفت میں تھا حمدہ نے ایک دم عمر کی بات پر اس کے ہونٹوں پر اپنا مخملی نرم ہاتھ رکھ دیا۔ عمر کے لیے حمدہ کی خود سپردگی ہی قیامت تھی اس ادا نے بالکل ہی گھائل کر دیا تھا۔ ایک دم اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر محبت و وارفتگی سے جھکا تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔
''اُف......'' عمر ایک دم ہوش میں آیا تھا اور حمدہ ایک دم اس کی گرفت سے نکلتے پیچھے ہٹی تھی۔
''یہ کون آ گیا اس وقت؟'' وہ سخت جھنجلا گیا تھا۔ حمدہ کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ دل کی دھڑکن حد سے سوال تھی۔
''کون؟'' عمر نے دروازہ کھولنے کے بجائے پوچھا۔
''میں ذوالفقار! پنچایت سے پیغام آیا ہے ہم کب سے نیچے تمہارا ویٹ کر رہے ہیں جلدی کرو۔ دیر ہو رہی ہے، وہاں سب انتظار کر رہے ہیں۔'' عمر نے حمدہ کی طرف دیکھا وہ رُخ بدلتے بستر کے کنارے پر جا بیٹھی تھی۔
''آپ چلیں میں بس ابھی آیا۔'' عمر نے جواب دیا۔
''جلدی آؤ۔'' ذوالفقار بھائی کہہ کر چلے گئے تھے۔
''میں چلتا ہوں۔ نیچے سب ویٹ کر رہے ہیں۔'' وہ حمدہ کے سامنے کھڑا ہوا تو وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
''آپ نے وعدہ کیا ہے نا کہ آپ باقر علی سے نہیں اُلجھیں گے۔'' وہ پوچھ رہی تھی وہ ہنس دیا۔
''نہیں اُلجھتا...... ہاں اگر وہ کچھ کہے گا تو میں چپ نہیں رہوں گا۔'' حمدہ نے لب بھینچ لیے تو عمر نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔
''چلیں آپ کہتی ہیں تو تب بھی خاموش رہوں گا۔ اب خوش۔'' حمدہ دھیرے سے مسکرا دی تو عمر نے گرمجوشی سے اس کے دونوں ہاتھ دبا کر ہونٹوں سے چھو لیے۔
''مجھے یقین ہے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہی ہو گا۔ آپ کا ساتھ ہو گا تو میں سب کچھ برداشت کر لوں گا، ہاں اگر آپ نے

ذرا سی بھی پہلو تہی کی تو میں اپنے وعدے پر قائم رہنے کی گارنٹی نہیں دوں گا۔'' عمر کہہ کر پلٹ گیا تھا۔

''میں اُمید رکھوں نا کہ واپسی پر آپ مجھے اسی کمرے میں منتظر ملیں گی؟'' وہ پوچھ رہا تھا اور حمدہ گم صم سی ہوگئی تھی وہ تو یہاں صرف بی بی کے کہنے پر آئی تھی۔ مزید کیا کرنا تھا وہ بے خبر تھی۔

''ہاں...... آپ جب بھی بلائیں گے میں آپ کے پاس ہوں گی۔'' ایک پل لگا تھا اسے فیصلہ کرنے میں عمر ہنس دیا۔

''آپ بی بی کو جا کر کہہ دیں آپ امتحان جیت گئی ہیں۔ واپسی پر میں آپ کو آزمائش میں نہیں ڈالوں گا۔ اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔'' مسکرا کر ہاتھ ہلا کر کہتے وہ کمرے سے نکل گیا تھا اور حمدہ حیرت سے کھڑی عمر کے الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

❖ ✿ ❖

ماریہ باجی موبائل کے ذریعے مسلسل ذوالفقار بھائی سے رابطہ رکھے ہوئے تھیں۔ پنچایت میں ہونے والی تمام کارروائی کی خبر انہیں مل رہی تھی، بی بی سارا وقت جائے نماز بچھائے دُعا مانگنے میں مصروف تھیں جبکہ اماں عمر لوگوں کے ساتھ ہی گئی ہوئی تھیں جوں جوں وقت گزر رہا تھا حمدہ کے دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی اور پھر دس بجے کے قریب ماریہ باجی کا موبائل بجا اور ذوالفقار بھائی نے انہیں خوشخبری سنائی۔

''مبارک ہو۔ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگیا ہے۔'' کال سننے کے بعد ماریہ باجی کا خوشی سے بُرا حال تھا انہوں نے حمدہ کو گلے لگایا تھا اور پھر بی بی کو خوشخبری سنانے کمرے میں گھس گئی تھی۔

باقر علی کی وجہ سے حمدہ نے ایک طویل عرصہ سخت اذیت میں گزارا تھا۔ یہ خوشخبری ایسی تھی کہ اس کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو بہہ نکلے۔ وہ کچھ سوچتے موبائل لیے باہر لان میں چلی آئی، عمر کا نمبر ملا کر کان سے لگا لیا۔

''السلام علیکم۔'' دوسری طرف عمر نے فوراً کال پک کر لی تھی۔

''وعلیکم السلام! کیسے ہیں آپ؟''

''حمدہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگیا ہے۔'' عمر نے بڑے جوش سے بتایا۔

''کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا۔ خیریت رہی نا؟'' اسے جس چیز کا خوف تھا وہی پوچھا عمر ہنس دیا۔

''آپ سے وعدہ کر کے آیا تھا پھر جھگڑا کیسے ہوتا؟ حمدہ باقر علی نے بہت بکواس کی۔ دھمکیاں دی ہیں۔ گالیاں بکتا رہا، مگر اتنے لوگ تھے جو سب ہمارے حامی تھے۔ پھر چاچی کی گواہی اور افتخار صاحب کی موجودگی کی وجہ سے معاملہ منٹوں میں حل ہوا ہے۔''

''اماں کیسی ہیں؟'' حمدہ کو فوراً اماں کا خیال آیا۔

''ہم لوگ واپسی کے لیے نکل رہے ہیں۔ گھر آ کر بات کرتے ہیں۔'' عمر کے دوسری طرف بہت شور تھا حمدہ کی بات پر اس نے کہا۔

''میں انتظار کروں گی۔'' حمدہ نے کہہ کر کال بند کر دی تو فوراً عمر کا میسج آ گیا۔

''انتظار کرنے کی یقین دہانی کا شکریہ، مگر میں اب اتنا بے حس بھی نہیں ہوں آپ میرے سامنے ہیں میرے پاس، آپ کو

میں سن سکتا ہوں، دیکھ سکتا ہوں میرے دل کی تسلی کو یہ بھی بہت ہے۔حویلی آتے ہی میں ماں جی سے بس فوراً رخصتی کی بات کروں گا کہ اب فیصلہ ہمارے حق میں ہو جانے کے بعد اس معاملے کو زیادہ لٹکانا نہیں چاہتا۔'' حمدہ نے میسج پڑھا اور پھر مسکرا دی۔ اسے اب اور شدت سے ان سب لوگوں کی واپسی کا انتظار تھا۔

❖ ❁ ❖

فیصلہ ہوتے ہی باقر علی اپنے اسلحہ بردار محافظوں کو ہمراہ لیے پنچایت سے چلا گیا تھا۔ عمر سب سے ہاتھ ملاتا مبارکباد یں وصول کرتا افتخار صاحب کے پاس چلا آیا تھا۔ واپسی کی بات ہو رہی تھی، عمر کی جیپ بشیر ڈرائیو کر رہا تھا، عمر نے اپنی گاڑی میں چاچی مختار اور ان کے دونوں دامادوں کو سوار کر کے روانہ کیا اور خود ذوالفقار کے ہمراہ افتخار صاحب کی لینڈ کروزر میں آ بیٹھا تھا۔ ان کے پیچھے ان کے محافظ تھے۔ یہ سب گاڑیاں آگے پیچھے روانہ ہوئی تھیں۔ یہ لوگ ابھی کچھ دور ہی آئے تھے جب ایک دم کھیتوں سے نکل کر دو آدمیوں نے عمر والی گاڑی پر فائرنگ کر دی تھی۔ افتخار صاحب کی لینڈ کروزر ایک دم رُکی تھی ان کے عقب میں ان کے محافظوں کی بھی۔

افتخار صاحب کے محافظوں نے بھی جوابی کارروائی کی تھی تو ان دونوں آدمیوں نے اندھا دھند افتخار صاحب کی گاڑی پر بھی گولیاں برسا دی تھیں۔ گاڑی بلٹ پروف تھی مگر شیشے ٹوٹ کر لگنے والی گولیاں ان آدمیوں کے ماہر نشانہ باز ہونے کا ثبوت تھیں۔ دونوں آدمیوں میں سے ایک آدمی زخمی ہو کر گرا تو دوسرا بھاگ نکلا تھا، مگر ان دونوں آدمیوں کا ہدف پورا ہو گیا تھا، ایک طرف عمر کے بازو پر گولی لگی تھی جبکہ افتخار صاحب اور ذوالفقار نے جھک کر خود کو گرنے سے بچایا تھا۔ اگلی عمر والی جیپ سے چیخوں اور کراہوں کی آوازیں شدید تھیں۔ عمر اپنے زخمی بازو کی پروا کیے بغیر دروازہ کھول کر اگلی گاڑی کی طرف دوڑا تھا۔

''عمر ٹھہرو......رُکو......'' ذوالفقار بھائی پکارتے رہ گئے تھے۔

اگلی گاڑی میں بشیر اسٹیئرنگ پر اوندھا گرا ہوا تھا، پچھلی نشست پر براجمان چاچی مختار کو کئی گولیاں لگی تھیں، حملہ آوروں کا ہدف ہی عمر کی گاڑی تھی انہوں نے پچھلی سیٹ پر گولیاں برسائی تھیں مگر افسوس وہاں عمر کے بجائے چاچی مختار براجمان تھیں اس وقت ان کا وجود اپنے ہی خون میں نہایا ساکت تھا۔ عمر نے فوراً چاچی کو تھاما۔ ان کی نبض پر ہاتھ رکھا۔

''ذوالفقار بھائی ان کی نبض چل رہی ہے۔ جلدی کریں ہاسپٹل لے کر چلیں۔'' نبض دیکھنے کے بعد عمر چیخا۔ جبکہ چاچی کے دونوں داماد بالکل ٹھیک تھے وہ درمیانی نشست پر تھے اور نیچے لیٹ جانے پر بچ گئے تھے۔ بشیر بھی زخمی تھا اس کے کندھے پر بھی گولی لگی تھی۔ عمر کے اپنے بازو سے شدید خون بہہ رہا تھا اس کی پکار پر افتخار صاحب اور ان کے محافظ فوراً حرکت میں آئے تھے۔

❖ ❁ ❖

چاچی مختار جانبر نہ ہو سکی تھیں۔ ہسپتال لے جاتے ہوئے راستے ہی میں دم توڑ گئی تھیں۔ حمدہ کے لیے یہ حادثہ بہت تکلیف دہ تھا وہ جو بہت خوش کن جذبات لیے ان لوگوں کی واپسی کی منتظر تھی مگر اماں کا بے جان وجود دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔ عمر کو گولی لگی تھی۔ بشیر بھی زخمی تھا وہ لوگ ہسپتال ایڈمٹ تھے۔ افتخار صاحب کا غم و غصے سے بُرا حال تھا۔ حملہ آوروں کا ایک ساتھی زخمی ہو گیا تھا جسے افتخار صاحب کے محافظوں نے فوراً پکڑ لیا تھا۔ عمر لوگوں کے ساتھ وہ بھی ہسپتال میں داخل تھا

تاہم پولیس کی تحویل میں تھا۔ وہ شخص اپنے بیان میں بتا چکا تھا کہ ان لوگوں نے باقر علی کی ایماء پر گولیاں چلائی تھیں۔ وہ باقر علی کے ساتھی تھے۔ پولیس فوراً متحرک ہوگئی تھی۔ باقر علی کو گاؤں سے گرفتار کرلیا گیا تھا۔ حمدہ کا صدمے سے بُرا حال تھا، اس کی دونوں بہنیں نگہت اور ساجدہ فوراً آ گئی تھیں۔ اماں کے تمام رشتے داروں کو اطلاع مل گئی تھی، لندن قمر بھائی کو بھی ان لوگوں نے اطلاع کر دی تھی اس نے فوراً پاکستان پہنچنے کا کہا تھا، زندگی میں تو وہ ماں کے کسی کام نہ آسکا تھا مگر موت کے بعد بیوی بچوں کو لے کر آنے کا کہا تھا۔ قمر نے ایک ڈیڑھ دن میں پاکستان پہنچنا تھا اس دوران اماں کی ڈیڈ باڈی برف خانے میں رکھوا دی گئی تھی۔ حمدہ بالکل گم صم ہوگئی تھی۔ عمر ایک دن ہسپتال میں گزار کر اگلے دن ڈاکٹرز کی ہدایات کے باوجود حویلی آ گیا تھا۔ افتخار صاحب ابھی تک گاؤں میں ہی تھے۔ وہ اپنا تمام اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے باقر علی کی واپسی کی تمام راہیں بند کروا رہے تھے اماں ان کی خالہ زاد تھیں ان کی نگاہوں کے سامنے حادثہ ہوا تھا۔ عمر اور بشیر زخمی تھے۔ کیس عام لیول کا نہ تھا باقر علی کی گرفتاری پر اس کی دونوں بہنیں خوب رو دھو رہی تھیں۔ اگلے دن قمر پاکستان پہنچ گیا تو شام کے وقت اماں کی تدفین ہوگئی۔ حمدہ اس سارے عرصے میں بالکل گم صم صدمے سے نڈھال نہ کچھ کھا رہی تھی نہ پی رہی تھی۔ اماں کی میت حویلی سے ہی اُٹھی تھی۔ تمام رشتہ دار اور جاننے والے حویلی میں ہی آ رہے تھے۔ نگہت اور سارہ باجی بھی حویلی ہی میں تھیں۔ اس کے علاوہ قمر اور اس کی بیوی بچے بھی حویلی ہی آئے تھے۔

عمر کئی بار مردانے سے اندر کی طرف آیا تھا حمدہ کے متعلق اطلاع تو مل رہی تھی مگر ہر بار حمدہ کے پاس کسی نہ کسی کو موجود پا کر وہ بس ایک نگاہ ڈال کر پلٹ جاتا تھا۔ چاچی مختار کے ساتھ ہونے والے حادثے پر وہ خود بھی سخت تکلیف میں تھا۔ چند دن گزرے تو آنے والے مہمان رُخصت ہونے لگے جبکہ اب حویلی میں حمدہ لوگوں کے قریبی رشتہ دار ہی رہ گئے تھے، قمر ادھر حویلی میں ہی تھا جبکہ اس کی بیوی چند دن رہنے کے بعد اپنے میکے اپنے بچوں کے ہمراہ روانہ ہوگئی تھی۔ حمدہ اس وقت بی بی کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی اس کے پاس نگہت باجی، ساجدہ کے علاوہ قمر، بی بی اور ماریہ باجی تھے۔ موضوع بحث موجودہ حالات تھے۔

''جب تک رُخصتی نہیں ہو جاتی میں حمدہ کو اپنے ساتھ لے جاتی ہوں۔ اماں کو گزرے آٹھ دن ہو گئے ہیں۔ صدمے سے اس کا بُرا حال ہے میرے پاس جا کر شاید کچھ سنبھل جائے۔'' نگہت باجی کو حمدہ کی حالت بہت رُلا رہی تھی۔ انہوں نے بی بی کو کہا حمدہ اسی طرح گھٹنوں پر سر ٹکائے بیٹھی رہی۔

''حمدہ کو اگر میں اپنے ساتھ لے جاؤں تو؟'' یہ قمر تھا ساجدہ نے خاصی ناراضی سے اسے دیکھا۔

''اماں کی زندگی میں تو یہ خیال نہ آیا۔ جب سب سے زیادہ حمدہ اور اماں کو تمہاری ضرورت تھی تم شادی رچا کر پردیس جا بیٹھے۔ اب حمدہ کوئی لاوارث لڑکی نہیں رہی نکاح ہو چکا ہے۔ کہیں نہ بھی جگہ بنے مگر یہ حویلی تو اس کا گھر ہے نا۔'' قمر نے ساجدہ کی تلخ بات پر سر جھکا لیا۔

''میں نے بہت کوشش کی کہ میں اماں اور حمدہ کو اپنے پاس بلوا لوں مگر اماں ہی اول تو راضی نہ تھیں اپنا گاؤں چھوڑنے پر پھر میں زبردستی تو نہیں لے جا سکتا تھا نا؟ آپ بے شک حمدہ سے پوچھ لیں اس سلسلے میں حمدہ سے بھی کئی بار بات ہوئی تھی، مگر اماں اور حمدہ میرے شادی کر لینے کے بعد اس قدر بدظن تھیں کہ میرے پاس جانا تو دور کی بات تھی میں نے آج تک اماں کو جو بھی پیسہ بھجوایا

وہ سارا کا سارا جوں کا توں اکاؤنٹ میں پڑا ہوا ہے۔اماں نے کبھی نکلوایا ہی نہیں۔کئی بار میں نے خود آ کر اماں سے کہا کہ میرے ساتھ چلیں مگر وہ راضی ہی نہیں ہوئیں۔'' قمر کہہ رہا تھا حمدہ تب بھی اپنی مخصوص حالت میں بیٹھی رہی یوں جیسے اسے کسی کی بات سے کوئی غرض نہیں رہی تھی اب۔

''جو بھی ہو چکا وہ ایک طرف، مگر حمدہ کے سلسلے میں کسی کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔حمدہ ہماری بہو ہے اور یہ اب ادھر ہی رہے گی۔اور رہ گئی بات رُخصتی کی تو ایسے حالات میں جو تم لوگ مل کر فیصلہ کرو۔'' بی بی نے گم صم بیٹھی حمدہ کو ساتھ لگا کر اپنا فیصلہ سنایا تو وہ تینوں بہن بھائی خاموش ہو گئے تھے۔

❖ ✿ ❖

وقت سب سے بڑا مرہم ہے، باقر علی گرفتار ہو چکا تھا۔اس پر قتل عمد کا کیس تھا،اس کے ایماء پر حملہ کرنے والے دونوں آدمی بھی پولیس کی تحویل میں تھے۔اس پر کیس چل رہا تھا۔افتخار صاحب خود اس کیس کی پیروی کر رہے تھے۔ایک ماہ کے اندر اندر کیس نے خاصی پیش رفت کی تھی۔قوی اُمید تھی کہ باقر اور اس کے دونوں ساتھیوں کو سزائے موت تو ضرور ہو جائے گی۔

کیس کی سماعت کے دوران حمدہ کو بھی ایک دو بار عدالت جانا پڑا تھا۔وہ حویلی میں ہی ہوتی تھی۔نگہت اور ساجدہ چند دن رہنے کے بعد اپنے گھروں کو سدھاریں تھیں کہ وہ گھر بار اور بچوں والی تھیں۔یوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کب تک یہاں گاؤں میں رہ سکتی تھیں۔قمر بھی کچھ دن گاؤں رہا پھر وہ شہر اپنے سسرال روانہ ہو گیا۔ماریہ باجی بھی چند دن بعد چلی گئیں تو پیچھے حویلی میں بی بی اور عمر کے ساتھ حمدہ رہ گئی۔حمدہ نے اماں کی موت کا اچھا خاصا اثر لیا تھا وہ سارا دن قرآن پاک لیے بیٹھی رہتی یا پھر جائے نماز پر بی بی کے کمرے میں وقت گزار دیتی۔عمر نے چند ایک بار اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر پھر اس کی طرف سے خاموشی پا کر چپ ہو جاتا تھا۔عدالت میں بھی وہ عمر کے ساتھ ہی ایک دو بار گئی تھی۔

عمر حویلی آیا تو نسرین سے پتا چلا کہ ماں جی گاؤں میں کسی کے ہاں گئی ہوئی ہیں، جبکہ حمدہ بی بی کے کمرے میں ہی تھی کچھ سوچتے وہ بی بی کے کمرے میں چلا آیا۔دروازہ کھلا ہوا تھا،حمدہ آج خلافِ معمول نماز یا قرآن پاک پڑھنے کے بجائے کھڑکی میں کھڑی باہر لان میں دیکھ رہی تھی۔عمر چند پل کھڑا اسے دیکھتا رہا،حمدہ اس کی موجودگی سے بے خبر رہی تو اس نے آہستگی سے دروازے کو ناک کیا۔

حمدہ نے پلٹ کر اسے دیکھا عمر قدم بڑھاتا اس کی طرف چلا آیا۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' عمر نے مسکرا کر پوچھا تو وہ سر جھکا کر کھڑکی سے ہٹ کر بستر کے کنارے آ بیٹھی۔

''حمدہ آپ ہر وقت کمرے میں مت بند رہا کریں باہر نکلا کریں۔جانے والے چلے جاتے ہیں مگر پیچھے رہ جانے والوں کے لیے زندگی ختم نہیں ہو جاتی۔آپ کو دیکھتا ہوں تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔وقت سب سے بڑا مرہم ہے میں آپ کے دُکھ کا اندازہ تو نہیں کر سکتا مگر تسلی و دلاسہ تو دے سکتا ہوں۔یوں ہر وقت گم صم رہ کر آپ خود کو تنہا کر رہی ہیں۔بی بی بھی آپ کی وجہ سے سخت پریشان ہیں۔'' اس کے اس طرح خاموش انداز پر عمر کو خاصی تکلیف ہوئی تو اس کے پاس ہی بستر کے کنارے آ بیٹھا۔

''کچھ تو کہیں......رونے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ہمارا تعلق ایسا ہے کہ آپ اپنے دل کی ہر بات بلا خوف و خطر مجھ

سے کہہ سکتی ہیں۔'' حمدہ کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام کر عمر نے مزید کہا تو حمدہ کی آنکھوں میں ایک دم آنسو سمٹ آئے۔ عمر نے پہلے بھی کئی بار اس سلسلے میں بات کی تھی مگر تب وہ صدمے کی شدت سے عمر کی کسی بات پر کچھ نہ کہہ سکی تھی۔

''میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اماں مجھے یوں اچانک چھوڑ کر چلی جائیں گی۔'' عمر کے جواب میں ایک دم وہ سسک اُٹھی۔

''جانا تو سبھی نے ہے ہمیں بھی آپ کو بھی؟ بس ان کا اتنا ہی ساتھ تھا۔'' عمر نے دلاسہ دیا تو وہ روتی رہی۔ اماں کو یاد کر کے رونے کا تو حمدہ کو بس بہانہ چاہیے تھا۔

''قمر کا فون آیا تھا آج......'' عمر نے اسے رونے دیا اور پھر کچھ توقف کے بعد بتایا۔ اپنے آنسو چادر کے پلو سے صاف کرتے اس نے عمر کو دیکھا۔

''وہ لوگ واپس جا رہے ہیں۔ اسی ہفتے میں کسی دن کی ٹکٹ ہے۔'' عمر نے مزید بتایا۔

''قمر چاہتا ہے کہ آپ ان کے ساتھ چلیں۔'' عمر کی بات پر اس نے چونک کر عمر کو دیکھا۔ وہ سنجیدہ تھا۔

''وہ اپنے تمام رویوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اپنی بیوی اور سسرال والوں کی وجہ سے اس کی طرف سے آپ اور چاچی کو نظر انداز کیا گیا ہے مگر اب چاچی نہیں رہیں تو وہ آپ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ آپ گاؤں کے ماحول سے نکلیں گی تو آپ پر اچھا اثر پڑے گا، آپ چاچی کی وفات کے صدمے سے کچھ حد تک نکلنے کی کوشش کریں گی۔'' حمدہ کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

''تو پھر......؟''

''قمر کی بات کے جواب میں میرے پاس بھی ایک آپشن تھا مگر پھر میں نے سوچا کہ آپ کو واقعی اس صدمے سے نکلنے کے لیے کچھ عرصہ قمر کی آفر پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''

''آپ چاہتے ہیں کہ میں یہاں سے چلی جاؤں؟'' بجائے اس کے کہ وہ آپشن کے متعلق پوچھتی ایک دم خاصی تلخی سے عمر ہاشم کو دیکھا عمر ذرا سا مسکرا دیا۔

''نہیں میں نے تو قمر کی بات کہی ہے آپ سے۔''

''مجھے کہیں نہیں جانا۔ ٹھیک ہے قمر بھائی نے اماں کی زندگی میں بھی چند ایک بار بات کی تھی، مگر ان کی بیگم نے ہر بار فون کر کے مجھے اور اماں کو جو جو باتیں سنائی تھیں ایسے میں ہم ان کے پاس کیسے چلی جاتیں؟ اب اماں نہیں رہیں اور قمر بھائی چاہتے ہیں کہ میں ان کے پاس چلی جاؤں جبکہ ان کی بیگم نے چند دن یہاں گزار کر دوبارہ آنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ مجھے قمر بھائی سے کوئی شکوہ نہیں، وہ بھی اپنی جگہ مجبور ہیں، مگر میں ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔'' عمر کے جواب میں اس نے یہ سب کہا۔

''مگر اس طرح ہر وقت کمرے میں بند رہ کر بھی زندگی نہیں گزرنے والی۔ ٹھیک ہے کچھ وقت لگے گا سنبھلنے میں واپس زندگی کی طرف آنے میں۔ آپ کے لیے بہت سے لوگ پریشان ہیں۔ نگہت باجی اور ساجدہ دونوں کے دن میں کئی کئی فون آتے ہیں۔ آپ کو اندازہ نہیں وہ آپ کے متعلق کتنی فکر مند رہتی ہیں۔'' حمدہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔

''باقر علی گرفتار ہے عدالت جلد ہی فیصلہ سنا دے گی۔ ہمارا کیس بہت مضبوط ہے۔ وہ بچ نہیں سکے گا۔'' عمر نے اسے مزید بتایا۔

''قمر کی آفر ایک طرف آپ کے لیے میرے پاس بھی ایک آپشن ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر بھی غور کر لیں۔'' حمدہ نے سوالیہ نظروں سے عمر ہاشم کو دیکھا۔

''یہ میری ہی نہیں بی بی، ماریہ باجی، نگہت اور ساجدہ کے علاوہ باقی لوگوں کی بھی رائے ہے کہ سادگی کے ساتھ آپ کی رُخصتی کا عمل انجام بخیر ہو جائے۔'' بات ایسی تھی کہ حمدہ کا چہرہ عرصے بعد پہلی بار کچھ گل رنگ ہوا تھا۔ اماں کے بعد تو یوں لگتا تھا کہ جیسے زندگی ختم ہو چکی ہے بس، مگر اب عمر کی بات نے اس کے دل کو عجیب انداز میں دوبارہ سے چھوا تو اسے گزرے دنوں میں بہت سے انمٹ لمحے یاد آنے لگے۔ حمدہ کی پلکوں پر بوجھ بڑھ گیا۔

''ابھی اماں کا صدمہ جھیلے مہینے ہی گزرا ہے۔ اتنی جلدی کیسے...... اماں کے بغیر یہ سب مشکل ہے؟'' اماں کی یاد آتے ہی آنسو پھر بہہ نکلے۔ عمر نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں جکڑ لیے۔

''آپ جس طرح اس صدمے کو جان سے لگا کر سب فراموش کیے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی ہیں ایسے عالم میں مجھے یہی فیصلہ مناسب لگ رہا ہے۔ چاچی کے حوالے سے مجھے آپ کے جذبات اور احساسات کا ادراک ہے اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ یہ سب کچھ سادگی سے انجام بخیر ہو جائے تو بہتر ہے۔''

''یہ بہت مشکل ہے ابھی۔''

''ناممکن تو نہیں؟'' عمر آج اس موضوع پر تفصیلی بات کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔ وہ مکمل طور پر ہر پہلو کو سوچ کر آیا تھا حمدہ نے سر اُٹھا کر عمر کو دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اس کے حق میں مہربان اور محبت بھری نگاہ لیے منتظر تھا۔ حمدہ کی نگاہ سے وہ نجانے کیا سمجھا تھا کہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ سے حمدہ کو بازو سے تھام کر مضبوط حصار میں لے لیا تھا۔

''آپ میرے لیے بہت اہم اور بہت خاص ہیں۔ کسی کے چلے جانے سے زندگی رُک نہیں جاتی۔ آپ تو ماشاءاللہ بہت سمجھدار ہیں۔ اتنی جلدی ہمت ہار دیں گی تو پھر باقی زندگی کیسے گزاریں گی۔ آپ میری اولین خواہش ہیں آپ کو دیکھا اور دل نے آپ کو اپنا مان لیا۔ آپ سے شدت سے محبت کی ہے میں نے، آپ اگر ہزاروں سال انتظار کرنے کو کہیں گی تو میں آپ کی بات کو اہمیت دوں گا، حمدہ اس لیے کہ میں صرف آپ سے محبت نہیں کرتا بلکہ آپ کی عزت بھی کرتا ہوں، آپ کی ذات آپ کی بات میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ایسے غم اور دُکھ کے عالم میں میں بھلا آپ کو تنہا کیسے چھوڑ دوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ چاچی کی وفات سے ملنے والے اس گھاؤ پر جو مرہم میری محبت اور دلجوئی رکھ سکتی ہے وہ شاید وقت بھی نہ رکھ سکے۔'' عمر دھیمے اور سلجھے لہجے میں کہہ رہا تھا، حمدہ عمر کے سینے پر چہرہ ٹکائے شدت سے رو دی۔

ایسی محبت، ایسی توجہ کے وہ بھلا کہاں قابل تھی اور عمر نے اسے رونے دیا وہ خود چاہتا تھا کہ وہ جی بھر کر اس کی پناہوں میں رو لے تاکہ بعد میں مطلع بالکل صاف ہو۔ روز روشن کی طرح صاف شفاف۔ کچھ توقف کے بعد خوب رو دھو کر جی ہلکا ہونے پر اس نے سر اُٹھا کر عمر ہاشم کو دیکھا۔

''کیا خیال ہے پھر بی بی سے بات کروں؟'' عمر کے سوال پر وہ روتے روتے مسکرادی اور اپنی ہاں کے اظہار کے لیے بس سر اثبات میں ہلا کر دوبارہ عمر ہاشم کے مضبوط سینے پر اپنا چہرہ ٹکا دیا تھا۔

''تھینکس آلاٹ......حمدہ......تھینک یوسومچ۔'' حمدہ کی ہاں پر ایک دم پُر جوش ہوتے عمر نے اس کی صبیح پیشانی چوم لی تھی۔

حمدہ اس وارفتگی پر سٹپٹا گئی۔

''میں آپ کے اس اعتماد کو کبھی نہیں توڑوں گا۔ اس ہاں کی ہمیشہ پاسداری کروں گا۔'' نہایت والہانہ پن میں کہتے بہت شدت سے حمدہ کو اپنی مضبوط پناہوں میں سمیٹ لیا تھا۔ حمدہ نے عمر کی شدت پسندی پر مسکراتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

زندگی نے اس سے بہت کچھ چھینا تھا مگر عمر ہاشم جیسا محبت کرنے والے جیون ساتھی سے بھی تو نوازا تھا۔ اپنے فیصلے پر وہ خود ہی مطمئن تھی۔ عمر اس کے کان میں قدرے جھک کر آہستگی سے اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا، حمدہ نے اپنی تمام سوچوں کو پس پشت ڈالتے آنکھیں وا کرتے عمر کی محبت بھری سرگوشیوں کو سننے کے لیے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں ٹکا دی تھیں۔

وہ عرصے بعد ہر غم، ہر فکر سے آزاد ہو کر زندگی کی خوشیوں کو برتنے پر مطمئن و مسرور تھی۔ اسے یقین تھا کہ عمر ہاشم اسے زندگی کے کسی بھی میدان میں کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا اور یہی یقین دم بدم حمدہ کے چہرے سے غموں کے تفکرات کے بادل مٹاتا محبت کے رنگ بکھیرتا جا رہا تھا۔

❖ ❁ ❖